اعمال ۔ رومیوں

ولیم میکڈونلڈ

جلد سوم

تفسیر الکتاب

کلام الٰہی کی عام فہم اور آیت بہ آیت تشریح

جلد سوم

(اعمال ـــــ رومیوں)

ـــــ از ـــــ

ولیم میکڈونلڈ

ـــــ مترجم ـــــ

جیکب سموئیل ایم۔اے، بی۔ایڈ

ـــــ ناشرین ـــــ

مسیحی اشاعت خانہ

۳۶۔ فیروز پور روڈ، لاہور

بار ________ سوم
تعداد ________ ایک ہزار
قیمت ________ ۷۰ روپے

سنہ ۲۰۰۳ء

مینیجر مسیحی اشاعت خانہ ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور نے مکتبہ جُدید پریس، لاہور سے چھپوا کر شائع کیا۔

پیش لفظ

مسیحی عُلمائے کرام نے بائبل مُقدّس کی مُتعدد تفاسیر رقم فرمائی ہیں تاکہ بائبل کے طالب علم اور بالخصُوص ایسے طُلبا جو بائبل کی اَصل زبانوں یعنی عبرانی اور یُونانی سے ناآشنا ہیں اُسے بخوبی سمجھ سکیں ۔ زیرِنظر کتاب اُسی سِلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ لیکن جو بات اِس تفسیر کو دیگر تفاسیر سے ممتاز بناتی ہے یہ ہے کہ اِسے آسان اور سادہ اور غیرفنی زبان میں لکھا گیا ہے ۔ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مُصنّف نے مُشکل بیانات کو نظرانداز کر دیا ہے ۔ اِس کے برعکس اُس نے نہ صِرف اُن پر سیرحاصِل تبصرہ کیا ہے بلکہ دیگر عُلما کی اِختلافی تشریح کو بھی شامِل کیا ہے ۔

مُصنّف نے ہر کتاب کی تشریح سے پیشتر اُس کا پَس منظر بھی بیان کیا ہے اور پھر کُل کتاب کو موضُوعات کے لحاظ سے تقسیم کرکے سطر بہ سطر اِس کی تفسیر کی ہے جس سے ایک قاری کو متن سمجھنے میں بڑی مدد مِلتی ہے ۔

بے شک بائبل کے ہر ایک مُفسّر کا اپنا مخصُوص زاویۂ نگاہ اور اَندازِ بیان ہوتا ہے ۔ لہٰذا حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ بعض اوقات جب بائبل کا طالب علم کسی آیت کی تشریح کو اپنے زاویۂ نِگاہ سے مُختلِف پاتا ہے تو شش و پنج میں پڑ جاتا ہے ۔ ایسے موقع پر قاری کو خود فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اُس کے اپنے مخصُوص حالات میں پاک متن کا کیا مطلب ہے ۔

ہمیں یقین ہے کہ اِس تفسیر کی اِشاعت سے اُردو خواں مسیحیوں کو بڑی مدد مِلے گی اور وُہ کتابِ مُقدّس کو اَور بھی بہتر طور پر سمجھنے کے قابل بن جائیں گے ۔

— ناشِرین —

مُصنّف کا دِیباچہ

"تفسیرُ الکتاب" پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک عام مسیحی خُدا کے کلام کا سنجیدہ طالب علم بن جائے۔ لیکن کوئی تفسیر بھی بائبل مُقدّس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ تفسیر عام فہم انداز میں پاک متن کی سادہ تشریح پیش کر دے اور پھر مزید گہرے مُطالعہ کے لئے قاری کو پاک صحائف کی طرف واپس بھیج دے۔

یہ تفسیر سادہ اور غیر تکنیکی زُبان میں لکھی گئی ہے۔ یہ دعویٰ نہیں کہ یہ ایک عالمانہ کاوش ہے جس میں علمِ الٰہیات کے دقیق نکات پر بحث کی گئی ہے۔ بہت سے ایماندار پُرانے اور نئے عہدنامہ کی اَصل زبانوں سے واقفیّت نہیں رکھتے۔ لیکن اِس وجہ سے اُنہیں خُدا کے کلام کے عملی فوائد سے محرُوم رہنے کی ضرُورت نہیں۔ مُجھے یقین ہے کہ صحائف کے باقاعدہ اور ترتیب وار مُطالعہ سے ہر مسیحی ایک ایسا شخص بن سکتا ہے "جس کو شرمندہ ہونا نہ پڑے اور جو حق کے کلام کو دُرستی سے کام میں لاتا ہو" (۲۔ تیمتھیُس ۲: ۱۵)۔

تبصرہ مُختصر اور مُجمل ہے مگر ضرُوری اور اہم نکات کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ کسی بھی حِصّے کو سمجھنے کے لئے قاری کو طویل عبارتوں سے گزرنا نہیں پڑتا۔ آج کے تیز رفتار زمانے کا تقاضا ہے کہ سچّائی کو اِختصار کے ساتھ پیش کیا جائے۔ تو بھی مُشکل حِصّوں سے پہلُو تہی نہیں کی گئی۔ مُتبادل تشریحات بھی درج کی گئی ہیں اور یہ فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ کون سی تشریح سیاق و سباق کے ساتھ زیادہ مُوافقت رکھتی ہے۔

بائبل مُقدّس کا صِرف عِلم حاصل کر لینا ہی کافی نہیں۔ ضرُور ہے کہ پاک کلام کا زندگی پر عَملی اِطلاق کیا جائے۔ چنانچہ اِس تفسیر میں یہ مشورے بھی دِئے گئے ہیں کہ خُدا کے لوگوں کی زندگیوں میں پاک صحائف کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں۔

اگر اِس تفسیر کے مُطالعہ ہی کو مقصد بنا لیا گیا تو یہ کتاب مُعاون ثابت ہونے کی بجائے ایک پھندا یا جال ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اِس کتاب کے باعث پاک صحائف کے شخصی مُطالعہ کی تحریک مِل جائے اور خُداوند کے آئین و احکام کی تعمیل کے لئے آمادگی پیدا ہو جائے تو اِس کا مقصد پُورا ہو جائے گا۔

میری دُعا ہے کہ رُوحُ القُدس جِس نے بائبل مُقدس کا اِلہام عطا کیا قاری کے دِل و دِماغ کو روشن کرے، تاکہ وُہ کلامِ پاک کے وسیلے سے خُدا کا عِرفان حاصِل کرے۔ آمین۔

اعمال کی کِتاب

تعارُف

"مَوضُوع ہے مسیح، وسیلہ ہے کلیسیا اور قدرت ہے رُوح القدُس"

ڈبلیو۔ گراہم سکراگی

۱۔ عہدِ جدید کی کُتُب میں یکتا مقام

رسُولوں کے اعمال کلیسیائی تارِیخ کا واحِد حِصّہ ہے جو الہام سے قلمبند کیا گیا۔ یہ کلیسیا کی اوّلین تارِیخ ہے، اور کلیسیا کی وُہ اِبتدائی تاریخ ہے جو اِیمان کے اِبتدائی زمانے کا بیان کرتی ہے۔ باقی تارِیخی بیانات صِرف لُوقا کی تحریر سے اِستفادہ کرتے ہیں اور اِن میں کُچھ روایات (جو زیادہ تر قیاسی اور خیالی ہیں) کا اِضافہ کر لیتے ہیں اور بس! اگر یہ کتاب نہ ہوتی تو ہمیں اِبتدائی کلیسیا کی تارِیخ کا قطعاً کوئی علم نہ ہوتا اور ہمیں اناجیل میں اپنے خُداوند کے حالات سے سیدھے اور ایک دم خطُوط میں داخِل ہونا پڑتا۔ خیال کیجئے کتنا بڑا خلا رہ جاتا۔ ہم یہ جاننے سے قاصر رہتے کہ جن کلیسیاؤں سے خطاب کیا گیا ہے وُہ کون ہیں اور کیسے وُجود میں آئی تھیں۔ اعمال کی کِتاب نہ صِرف اِن سُوالات کا بلکہ دِیگر سُوالوں کا بھی جواب دیتی ہے۔ یہ کِتاب مسیح کی زِندگی اور اُس مسیحانہ زِندگی کے درمیان ایک پُل ہے جس کی تعلیم خطُوط میں دی گئی ہے۔ اِس کے عِلاوہ یہ یہُودیت سے مسیحیّت کی طرف اور شریعت سے فضل کی طرف کے عبُوری عرصے کا بیان بھی ہے۔ یہی اعمال کی کتاب کی تفسیر کرتے ہوئے ایک بڑی مُشکل کا سبب بھی ہے یعنی یروشلیم سے اُٹھنے والی ایک چھوٹی سی یہُودی تحرِیک کے اُفق بتدریج کس طرح وسیع ہوئے اور کس طرح اُس نے ایک عالمگیر اِیمان کی صُورت اختیار کر لی جس کی راہیں شاہی دارالحکُومت کے اندر تک جا پہنچیں۔

۲۔ مُصنّف

تقریباً سبھی مُفسّرین مُتفق ہیں کہ لُوقا کی اِنجیل اور رسُولوں کے اعمال ایک ہی شخص کی تصنیف ہیں۔

اِس بات کے حق میں کہ اعمال کی کتاب لُوقا کی تصنیف ہے خارجی شہادتیں بہت وسیع اور مضبُوط ہیں اور ابتدائی دَور سے موجُود چلی آرہی ہیں۔ لُوقا کا دیباچہ (۱۶۰ء — ۱۸۰ء) جو مرقیون[1]

---

[1] Marcion

کے نظریات کی تردید کرتا ہے اور مرتوروی فہرستِ مُسلّمہ[۱] (۱۷۰ء تا ۲۰۰ء) اور ابتدائی آبائے کلیسیا یعنی سکندریہ کا کلیمینس، طرطلیان اور اوریجن سب مُتفق ہیں کہ اعمال کی کتاب لُوقا نے لکھی ہے۔ اسی طرح یوسیبیُس اور جیروم جیسے مُصنّفین بھی جو اعمال کو تاریخِ کلیسیا میں شامل کرتے ہیں، اِس نکتے پر مُتفق ہیں کہ اس کا مُصنّف لُوقا ہی ہے۔

اَعمال کی کتاب کے مُصنّف کے بارے میں داخلی شہادتیں تین[۳] ہیں۔ کتاب کے شروع ہی میں مُصنّف ایک پہلے کی تصنیف کا حوالہ دیتا ہے جو تھیُفِلُس سے منسوب تھی۔ لُوقا ۱:۱-۴ سے پتہ چلتا ہے کہ اِس سے مُراد تیسری انجیل ہے۔ اَندازِ تحریر، دَردمندانہ نُقطۂ نظر، اِستدلال (مسائل، اعتراضات کے جواب/ مناظرہ) پر زور اور کئی چھوٹی چھوٹی تفاصیل وہ کڑیاں ہیں جو دونوں کو باہم مِلاتی ہیں۔ اگر لُوقا کو باقی تین[۳] اناجیل کے ساتھ رکھنے کی خواہش غالب نہ ہوتی تو، یہ انجیل اور اَعمال کی کتاب اِسی طرح ساتھ ساتھ ہوتیں جیسے پہلا اور دُوسرا کرنتھیوں۔

دوم۔ اَعمال کے مَتن سے صاف معلُوم ہوتا ہے کہ مُصنّف پَولُس رسُول کے سفروں کا ساتھی تھا۔ خاص طور پر اُن حِصّوں میں جہاں "ہم" کا لفظ اِستعمال کیا گیا ہے (۱۶:۱۰-۱۷؛ ۲۰:۵-۲۱:۱۸؛ ۲۷:۱-۲۸:۱۶) اور جہاں مُصنّف اُن واقعات میں مَوجُود ہے جو قلمبند کئے گئے ہیں شکُوک کو اُبھارنے والے لوگ اِن کو "خیالی یا داستانوی" قرار دیتے ہیں، مگر اِس بات میں کوئی وزن نہیں۔ اگر "ہم" کا اِضافہ صِرف اِس لئے کیا گیا ہے کہ تحریر زیادہ مُستند دِکھائی دے تو پھر یہ اِتنا کم کیوں ہُوا اور اِس کا اِستعمال اِتنا لطیف کیوں ہے؟ نیز "ہم" میں جو "مَیں" شامل ہے اُس کو کوئی نام کیوں نہیں دِیا گیا؟

سوم۔ جب پَولُس کے وہ ساتھی جن کا ذِکر صیغۂ غائب میں کیا گیا اور وہ بھی جن کے بارے میں علم ہے کہ وہ "ہم" والے حِصّوں میں اُس کے ساتھ نہیں تھے خارج کر دیا جاتا ہے تو صِرف لُوقا ہی باقی رہ جاتا ہے جو اِس کتاب کا مُصنّف ہو سکتا ہے۔

۴۔ تاریخِ تصنیف

نئے عہد نامہ کی بعض کتابوں کے وجُود میں آنے کی تاریخ کو جاننا اِتنا ضروری نہیں ہے لیکن اَعمال کی کتاب کا سنِ تصنیف بہت اہم ہے اِس لئے کہ یہ کلیسیا کی تاریخ ہے بلکہ اِسے کلیسیا کی تاریخ کی پہلی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔

---

[۱] Muratorian Canon

اِس کی تصنیف کے تین سن پیش کئے جاتے ہیں۔ دو تو لوقا کو مصنف مانتے ہیں جبکہ تیسرا انکار کرتا ہے۔

۱۔ اگر مان لیا جائے کہ یہ کتاب دوسری صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی تو لوقا اس کا مصنف نہیں ہو سکتا۔ وہ ۸۰ء یا زیادہ سے زیادہ ۸۵ء تک زندہ تھا۔ بعض آزاد خیال مصنفین محسوس کرتے ہیں کہ اعمال کے مصنف نے یوسیفس کی کتاب Antiquities (سنِ تصنیف تقریباً ۹۳ء) سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن تھیوداس (اعمال ۵: ۳۶) کے متعلق لوقا اور یوسیفس کے بیانات میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔

۲۔ عام مقبول نظریہ یہ ہے کہ لوقا نے رسولوں کے اعمال ۷۰ء اور ۸۰ء کے درمیان لکھی۔ اِس طرح ممکن ہے کہ اُس نے مرقس کی انجیل (سنِ تصنیف تقریباً ۶۰ء کا عشرہ) سے استفادہ کیا ہو۔

۳۔ سب سے زیادہ مضبوط دلیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن واقعات پر اس کتاب کی تاریخ ختم ہوتی ہے لوقا نے اُن کے تھوڑے ہی عرصے بعد اس کتاب کو مکمل کیا تھا یعنی پولس کی روم میں پہلی قید کے دوران۔

ممکن ہے کہ لوقا نے ایک تیسری جلد لکھنے کا منصوبہ بنایا ہو (مگر خدا کی مرضی نہ ہوئی)۔ اِس لئے اُس نے وہ تباہ کن واقعات بیان نہیں کئے جو مسیحیوں کو ۶۳ء اور ۷۳ء کے درمیانی عرصے میں پیش آئے تھے۔ لیکن چونکہ مندرجہ ذیل واقعات کا کوئی ذکر نہیں اِس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصنیف ان سے پہلے کی ہے۔ واقعات یہ ہیں ——— روم کو جلانے (۶۴ء) کے بعد مسیحیوں پر نیرو کے وحشیانہ مظالم، یہودیوں کی روم کے ساتھ جنگ (۶۶-۷۰ء)، پطرس اور پولس کی شہادت (۶۰ء کے دہے کا اخیر) اور یہودیوں اور عبرانی مسیحیوں کے لئے سب سے دل شکن واقعہ یعنی یروشلیم کی بربادی۔ چنانچہ زیادہ امکان یہ ہے کہ لوقا نے اعمال کی کتاب اُس زمانے میں لکھی جب پولس روم میں قید (۶۲ء یا ۶۳ء) تھا۔

۴۔ پس منظر اور موضوعات

رسولوں کے اعمال کی کتاب میں زندگی اور عمل و حرکت کی فراوانی نظر آتی ہے۔ روح القدس کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ کلیسیا کو قائم کر رہا ہے۔ اُسے تقویت اور توانائی عطا کر رہا

ہے۔ اُس کے تبلیغی کام کو وسیع سے وسیع تر کر رہا ہے۔ یہ ایک شاندار رُوئیداد ہے کہ قادرِ رُوح ایسے ذرائع اور وسائل کو استعمال کرتا ہے جو بالکل غیر ممکن معلوم ہوتے ہیں۔ ناقابلِ تسخیر رُکاوٹوں پر غالب آتا ہے۔ نہایت غیر روایتی طریقے استعمال کر رہا ہے اور نہایت شاندار نتائج حاصل کر رہا ہے۔

جہاں اناجیل کے بیان کا اختتام ہوتا ہے اعمال کی کتاب کے بیان وہیں سے شروع ہوتے ہیں۔ بڑی تیزی اور ڈرامائی انداز سے ابتدائی کلیسیا کے ابتدائی سالوں کے طوفانی واقعات وحالات کو ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ یہ اُس تبدیلی اور عبوری صُورتِ حال کی رُوداد ہے جس میں نئے عہدنامہ کی کلیسیا نے یہودیت کا کفن اُتار پھینکا اور ایک نئی رفاقت وشراکت کی امتیازی خصوصیات کو اُجاگر کیا جس میں یہودی اور غیر اقوام مسیح میں ایک ہو جاتے ہیں۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے کہ اعمال کی کتاب "اطفال کی دُودھ چھڑائی" کی داستان ہے۔

اِس کتاب کو پڑھتے ہوئے ایک رُوحانی فرحت ونشاط کا احساس حاصل ہوتا ہے کہ خدا سرگرم عمل ہے۔ ساتھ ہی اُس تناؤ اور کشاکش کا احساس ہوتا ہے جو شیطان اور گناہ کی مخالفت اور رُکاوٹ سے ہوتا ہے۔

پہلے بارہ ۱۲ ابواب میں مُقدس پطرس رسُول کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ وہ بڑی جُرأت اور دلیری کے ساتھ اسرائیلی قوم کے سامنے منادی کرتا ہے۔ تیرھویں باب سے مُقدس پولُس رسُول صفِ اوّل میں آجاتا ہے۔ وہ غیر قوموں کے لئے پُرجوش، انتھک اور رُوح سے معمور رسُول ہے۔

اعمال کے واقعات تقریباً تیس سال پر مُحیط ہیں۔ جے۔ بی۔ فلپس کہتا ہے کہ اِنسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اِتنے مختصر سے عرصے میں معمُولی سے اِنسان کے اِتنے چھوٹے گروہ نے دُنیا پر اِتنا اثر چھوڑا ہو کہ اُن کے دُشمن بھی غیض وغضب سے بھری آنکھوں کے ساتھ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ اُنہوں نے "جہان کو باغی کر دیا ہے" (اعمال ۱۷: ۶ — لغوی معنی "جہان کو اُلٹ دیا ہے")۔

خاکہ

۱- یروشلیم کی کلیسیا (ابواب ۱-۷)

ا- جی اُٹھے خُداوند کا رُوح القُدس کے بارے میں وعدہ (۱:۱-۵)

ب- آسمان پر جاتے ہُوئے خُداوند کا شاگردوں کو فرمان (۱:۶-۱۱)

ج- شاگرد یروشلیم میں دُعا کے ساتھ اِنتظار کرتے ہیں (۱:۱۲-۲۶)

د- پنتکُست کا دِن اور کلیسیا کا آغاز (۲:۱-۴۷)

ہ- ایک لنگڑے آدمی کی شِفا اور پطرس کا اِسرائیلی قوم پر الزام (۳:۱-۲۶)

و- کلیسیا کی ایذا رسانی اور ترقی (۴:۱-۷:۶۰)

۲- یہودیہ اور سامریہ میں کلیسیا (۸:۱-۹:۳۱)

ا- سامریہ میں فلپّس کی خدمت (۸:۱-۲۵)

ب- فلپّس اور حبشی خوجہ (۸:۲۶-۴۰)

ج- ساؤل ترسی کا مسیح پر ایمان لانا (۹:۱-۳۱)

۳- دُنیا کی انتہا تک کلیسیا (۹:۳۲-۲۸:۳۱)

ا- پطرس غیر قوموں میں انجیل کی منادی کرتا ہے (۹:۳۲-۱۱:۱۸)

ب- انطاکیہ میں کلیسیا کا قیام (۱۱:۱۹-۳۰)

ج- ہیرودیس کی طرف سے ظُلم و ستم اور اُس کی وفات (۱۲:۱-۲۳)

د- پولُس کا پہلا بشارتی دورہ — گلتیہ (۱۲:۲۴-۱۴:۲۸)

ہ- یروشلیم کی کونسل (۱۵:۱-۳۵)

و- پولُس کا دُوسرا بشارتی دورہ — ایشیائے کوچک اور یُونان (۱۵:۳۶-۱۸:۲۲)

ز- پولُس کا تیسرا بشارتی دورہ — ایشیائے کوچک اور یُونان (۱۸:۲۳-۲۱:۲۶)

ح- پولُس کی گرفتاری اور پیشیاں (۲۱:۲۷-۲۶:۳۲)

ط- پولُس کا سفرِ روم اور جہاز کی غرقابی (۲۷:۱-۲۸:۱۶)

ی- پولُس کی نظر بندی اور روم کے یہودیوں کے سامنے گواہی (۲۸:۱۷-۳۱)

۱۔ یروشلیم کی کلیسیا (ابواب ۱-۷)

۱۔ جی اُٹھے خداوند کا رُوح القدس کے بارے میں وعدہ (۱:۱-۵)

۱:۱- اعمال کی کتاب کا آغاز ایک یاد دہانی سے ہوتا ہے۔ پیارے طبیب لُوقا نے پہلے بھی "تھیفلس" کے لئے ایک رسالہ لکھا تھا (دیکھئے لُوقا ۱:۱-۴)۔ اُس تحریر کو ہم "لُوقا کی انجیل" کے نام سے جانتے ہیں۔ اُس انجیل کی آخری آیات میں لُوقا نے تھیفلس کو بتایا تھا کہ خداوند یسوع نے آسمان پر جانے سے فوراً پہلے شاگردوں سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں رُوح القدس کا بپتسمہ دیا جائے گا (لُوقا ۲۴: ۴۸-۵۳)۔

اب لُوقا بیان کو جاری رکھتا ہے۔ چنانچہ اُسی مسرت بخش وعدے کی یاد دِلاتا ہے، اور یہ ہے بھی نہایت موزُوں بات کیونکہ رُوح القدس کے اِسی وعدے میں اُن رُوحانی فتوحات اور کامیابیوں کا بیج چھپا ہُوا ہے جن کو اعمال کی کتاب بے نقاب کرتی ہے۔ لُوقا انجیل کو "پہلا رسالہ" کہتا ہے۔ اُس میں اُس نے اُن باتوں کو درج کیا تھا "جو یسوع شروع میں کرتا اور سِکھاتا رہا"۔ اعمال میں وہ اُن باتوں کا بیان کرتا ہے جو یسوع نے صعُود کے بعد رُوح القدس کے وسیلے سے کرنی اور سکھانی جاری رکھیں۔

غور کریں کہ خداوند کی خدمت دو باتوں یعنی "کرنے" اور "سِکھانے" پر مشتمل تھی۔ یہ نہیں کہ عقیدہ ہو اور فرض نہ ہو، یا اُصولِ دین ہو اور کردار نہ ہو۔ یسوع اپنی تعلیمات کا جیتا جاگتا نمونہ تھا۔ جس بات کی تعلیم دیتا تھا، اُس پر خود بھی عمل کرتا تھا۔

۱:۲- تھیفلس کو یاد ہو گا کہ لُوقا کی پہلی کتاب کا اختتام منجی کے صعُود کے بیان پر ہُوا تھا۔ یہاں اُس کو "اُوپر اُٹھایا گیا" کہا گیا ہے۔ اُس کو یہ بھی یاد ہو گا کہ خداوند نے جُدا ہونے سے پہلے "رسُولوں" کو کیا محبت بھری ہدایات دی تھیں۔

۱:۳- مسیح کے جی اُٹھنے اور صعُود فرمانے کے درمیان "چالیس دِن" کا وقفہ ہے۔ اِس عرصے کے دوران وہ شاگردوں کو دِکھائی دیتا اور "ثبوتوں" سے ظاہر کرتا رہا کہ مَیں جسمانی طور پر زندہ ہُوا ہُوں (ملاحظہ

کریں یوحنا ۲۰: ۱۹، ۲۶ اور ۲۱: ۱، ۱۴)۔

اسی دوران وہ اُن سے "خدا کی بادشاہی" کے معاملات کی باتیں بھی کرتا رہا۔ اُس کو دُنیا کی بادشاہی کی کوئی فکر نہ تھی بلکہ اُس بادشاہی یا مملکت کی فکر تھی جس میں خدا کو بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

"بادشاہی" کو کلیسیا سے خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ خداوند یسوع نے اپنے آپ کو اسرائیلی قوم کے سامنے بادشاہ کے طور پر پیش کیا۔ مگر اُسے رد کر دیا گیا (متی ۲۳: ۳۷)، اِس لئے دُنیا میں لغوی معنوں میں اُس کی سلطنت ملتوی کر دی گئی۔ اب وہ اُس وقت قائم ہوگی جب بنی اسرائیل توبہ کریں گے اور اُس کو مسیحِ موعود قبول کریں گے۔

اِس وقت بادشاہ غیر حاضر ہے۔ دُنیا میں اُس کی ایک نادیدنی بادشاہی تو یقیناً موجود ہے (کلسیوں ۱: ۱۳)۔ یہ بادشاہی اُن سارے افراد پر مشتمل ہے جو اُس کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں (متی ۲۵: ۱-۱۲)۔ ایک لحاظ سے اِس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اپنے آپ کو مسیحی کہتا ہے۔ یہ اِس کا خارجی پہلو ہے (متی ۱۳: ۱-۵۲)۔ مگر داخلی حقیقت میں صرف وہی شامل ہیں جو نئے سرے سے پیدا ہوئے ہیں (یوحنا ۳: ۳، ۵)۔ "بادشاہی" کی موجودہ حالت اور شکل و شباہت کی وضاحت متی باب ۱۳ کی تمثیل میں کی گئی ہے۔

کلیسیا ایک بالکل نئی چیز ہے۔ یہ پُرانے عہدنامہ کی پیشین گوئیوں کا موضوع نہیں تھی (افسیوں ۳: ۵)۔ یہ اُن تمام ایمان داروں سے تشکیل پاتی ہے جنہوں نے پنتکست اور خداوند کے ہوائی استقبال (۱-تھسلنیکیوں ۴: ۱۷) کے درمیانی عرصے میں اُسے قبول کیا ہوگا۔ کلیسیا مسیح کی دلہن ہے اور ہزار سالہ بادشاہی میں وہ اُس کے ساتھ بادشاہی کرے گی، اور ہمیشہ تک اُس کے جلال میں شریک رہے گی۔

خداوند مسیح ہزار سال تک یروشلیم سے حکمرانی کرے گا۔ اگرچہ اُس کا یہ دیدنی راج صرف ایک ہزار سال کے لئے ہوگا (مکاشفہ ۲۰: ۴) لیکن یہ "بادشاہی" اِس لحاظ سے ہمیشہ کی بادشاہی ہے کہ خدا کے سارے مخالفین اور دشمن بالآخر ہمیشہ کے لئے نیست ہو جائیں گے۔ اور وہ آسمان میں ہمیشہ کے لئے بادشاہی کرے گا۔ اب اُسے کسی مخالفت یا رُکاوٹ کا سامنا نہیں ہوگا (۲-پطرس ۱: ۱۱)۔

۱: ۴۔ اب لوقا یسوع اور شاگردوں کی ایک ملاقات کا ذکر کرتا ہے۔ شاگرد یروشلیم میں ایک کمرے میں جمع تھے کہ یہ ملاقات ہوئی۔ جی اُٹھے مسیح نے اُن کو حکم دیا تھا کہ "یروشلیم" میں ٹھہرے رہنا۔ شاید وہ تعجب کرتے ہوں کہ آخر یروشلیم ہی میں کیوں؟ اُن کے لئے تو یہ شہر ظلم و تشدد، ایذارسانی اور نفرت کا شہر تھا۔

ہاں، "باپ کے اُس وعدہ" کی تکمیل "یروشلیم" ہی میں ہوتی تھی۔ رُوح القدس کا نزول اُسی

شہر میں ہونا ضرور تھا جس میں مُنجّی عُودجہان کو مصلوب کیا گیا تھا۔ وہاں رُوح القدس کی موجودگی سے گواہی ہو گی کہ ابنِ خدا کو رد کیا گیا تھا۔ سچائی کا رُوح دُنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں ملزم ٹھہرائے گا۔ اور یہ بات سب سے پہلے "یروشلیم" میں ہو گی۔ اور شاگرد اُسی شہر میں رُوح القدس پائیں گے جس میں اُنہوں نے خُود خداوند کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور اپنی جانیں بچانے کو بھاگ گئے تھے۔ اُن کو اُسی جگہ طاقتور اور بے خوف بنایا جائے گا جہاں اُنہوں نے اپنی کمزوری اور بُزدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ شاگردوں نے مُنجّی کے مُنہ سے خدا "باپ کے وعدے" کا ذکر سنا تھا۔ اپنی ساری خدمت کے دوران اور بالا خانے میں گفتگو کے وقت خصُوصی طور پر وُہ اُن کو اُس مددگار کے بارے میں بتاتا رہا تھا جو آنے کو تھا (دیکھئے لُوقا ۲۴: ۴۹؛ یُوحنا ۱۴: ۱۶، ۲۶؛ ۱۵: ۲۶؛ ۱۶: ۷، ۱۳)۔

۱: ۵۔ اب شاگردوں کے ساتھ اپنی آخری مُلاقات کے دوران یسوع اِس وعدے کو دہراتا ہے۔ اگر سارے نہیں تو اُن میں سے کچھ "یُوحنا" بپتسمہ دینے والے سے "پانی کا بپتسمہ" پا چکے تھے۔ مگر یُوحنا کا بپتسمہ ظاہری اور جسمانی تھا لیکن زیادہ دِن نہیں گزریں گے کہ اُن کو "رُوح القدس سے بپتسمہ" دیا جائے گا۔ اور یہ بپتسمہ باطنی اور رُوحانی ہو گا۔ پہلے بپتسمے نے اُن کو ظاہری طور پر اسرائیلی قوم کے اُس حصّے میں شامل کر دیا تھا جس نے توبہ کی تھی۔ دُوسرا بپتسمہ اُن کو مسیح کے بدن یعنی کلیسیا میں مِلا دے گا اور اُن کو خدمت کے لئے قُوّت اور اختیار دے گا۔

یسوع نے وعدہ کیا تھا کہ تُم "تھوڑے دِنوں کے بعد رُوح القدس سے بپتسمہ پاؤ گے" مگر آگ سے بپتسمہ (متّی ۳: ۱۱، ۱۲؛ لُوقا ۳: ۱۶، ۱۷) کا ذِکر نہیں۔ آگ کا بپتسمہ عدالت (غضب) کا بپتسمہ ہے جو بے ایمانوں کے لئے ہے اور مستقبل میں ہو گا۔

ب۔ آسمان پر جاتے ہُوئے خداوند کا شاگردوں کو فرمان

(۱: ۶-۱۱)

۱: ۶۔ یہاں مرقوم واقعہ غالباً بیت عنیاہ کے بالمقابل کوہِ زیتون پر واقع ہُوا تھا۔ یہ وُہ مقام ہے جہاں سے خداوند یسوع واپس آسمان پر چلا گیا تھا (لُوقا ۲۴: ۵۰، ۵۱)۔

شاگرد رُوح القدس کے نزول کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ اُن کو یاد تھا کہ مسیحِ موعود کے جلالی دورِ حکومت کے سلسلے میں یُوایل نبی نے رُوح القدس کے نازل ہونے کا ذکر کیا تھا (یُوایل ۲: ۲۸)۔ اِس لئے وُہ نتیجہ اخذ کرتے تھے کہ خداوند بہت جلد اپنی "بادشاہی" قائم کرنے کو ہے کیونکہ اُس نے پہلے

کہا تھا کہ "تھوڑے دِنوں کے بعد..." اُن کے سُوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ ابھی تک یہی توقع کر رہے تھے کہ وُہ لفظی معنوں میں فوراً دُنیاوی "بادشاہی" قائم کرے گا۔

۱:۷۔ وُہ لغوی معنوں میں بادشاہی کی آس لگائے بیٹھے تھے، لیکن خُداوند نے اس مُعاملے میں اُن کی تصحیح نہیں کی۔ ایسی اُمید اُس وقت بھی درُست تھی اور آج بھی درُست ہے۔ اُس نے اُن کو بتا دیا تھا کہ تُم "جان" نہیں سکتے کہ میری بادشاہی کب آئے گی۔ تاریخ کا تعیّن باپ نے اپنے "اِختیارِ کُلّی" کے مُطابق کیا ہُوا ہے، لیکن اُس نے بتانا مُناسب نہیں سمجھا۔ یہ خبر صِرف باپ کو ہے۔

"وقتوں اور میعادوں" کی اِصطلاح بائبل مُقدّس میں کئی واقعات کے تعلق سے استعمال ہُوئی ہے۔ خُدا نے اِن واقعات کے بارے میں بتا رکھا ہے کہ یہ اسرائیلی قوم کے تعلق سے وقُوع پذیر ہوں گے۔ چونکہ شاگرد یہُودی پس منظر سے تعلق رکھتے تھے اِس لئے وُہ سمجھ سکتے تھے کہ یہاں اِس اصطلاح کا تعلق آخری ایام سے ہے، جب دُنیا میں مسیح کی ہزار سالہ بادشاہی قائم ہوگی۔

۱:۸۔ خُداوند نے اُن کے تجسُّس کو دبا دیا اور اُن کی توجہ فوری اہمیت کی باتوں کی طرف مبذول کرائی، مثلاً اُن کی خدمت کی نوعیت اور اُس کا حلقہ۔ نوعیت یہ ہے کہ وُہ "گواہ" ہوں گے اور حلقہ ہے "یروشلیم اور تمام یہُودیہ اور سامریہ... بلکہ زمین کی اِنتہا تک"۔

لیکن ضرُور ہے کہ پہلے وُہ قوّت — "رُوح القدس" کی "قوّت" پائیں۔ مسیحی گواہی کے لئے یہ "قوّت" لامحالہ ناگُزیر ہے۔ ہوسکتا ہے کسی اِنسان میں اعلیٰ ترین صلاحیت ہو، عُمدہ تربیّت یافتہ ہو، اور وسیع تجربہ رکھتا ہو لیکن رُوح کی "قوّت" کے بغیر بے اثر رہے گا۔ دُوسری طرف ہوسکتا ہے کوئی آدمی اَن پڑھ ہو، اس میں کوئی کشش نہ ہو، تربیّت یافتہ بھی نہ ہو، مگر اُسے "رُوح القدس" کی "قوّت" حاصل ہو تو دُنیا دیکھنے کو ٹُوٹ پڑے گی کہ وُہ خُدا کے لئے کیسا جوش وجذبہ رکھتا ہے۔ خوفزدہ شاگردوں کو گواہی دینے کے لئے اِسی "قوّت" اور انجیل کی منادی کرنے کے لئے پاکیزہ جُرأت کی ضرُورت تھی۔

اُن کی گواہی کا آغاز "یروشلیم" سے ہونا تھا۔ خُدا کے فضل سے یہ بامعنی اِنتظام کر رکھا تھا۔ جس شہر نے ہمارے خُداوند کو مصلوب کیا تھا، ضرُور تھا کہ پہلے اُسی کو توبہ کرنے اور ایمان لانے کی دعوت دی جائے۔

اِس کے بعد "یہُودیہ" کی باری تھی۔ فلسطین کے اِس جنُوبی علاقے میں یہُودیوں کی زبردست آبادی تھی اور "یروشلیم" اِس کا سب سے بڑا شہر تھا۔

اور پھر "سامریہ" کی باری تھی۔ فلسطین کے اِس وسطی حِصّے میں دوغلے نسلے یہُودی بستے تھے۔

شہر میں ہونا ضرور تھا جس میں مسیحؔ و جہان کو مصلوب کیا گیا تھا۔ وہاں رُوح القدس کی موجودگی سے گواہی ہو گی کہ ابنِ خدا کو رَدّ کیا گیا تھا۔ سچائی کا رُوح دُنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں ملزم ٹھہرائے گا۔ اور یہ بات سب سے پہلے "یروشلیم" میں ہوگی۔ اور شاگرد اُسی شہر میں رُوح القدس پائیں گے جس میں اُنہوں نے خُود خداوند کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور اپنی جانیں بچانے کو بھاگ گئے تھے۔ اُن کو اُسی جگہ طاقتور اور بے خوف بنایا جائے گا جہاں اُنہوں نے اپنی کمزوری اور بزدلی کا مُظاہرہ کیا تھا۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ شاگردوں نے مسیحؔ کے مُنہ سے خدا "باپ کے وعدے" کا ذِکر سُنا تھا۔ اپنی ساری خِدمت کے دَوران اور بالا خانے میں گفتگو کے وقت خصوصی طور پر وُہ اُن کو اُس مددگار کے بارے میں بتاتا رہا تھا جو آنے کو تھا (دیکھئے لُوقا ۲۴ : ۴۹؛ یُوحنا ۱۴ : ۱۶، ۲۶؛ ۱۵ : ۲۶؛ ۱۶ : ۷، ۱۳)۔

۱ : ۵ ۔ اب شاگردوں کے ساتھ اپنی آخری مُلاقات کے دَوران یسوعؔ اِس وعدے کو دُہراتا ہے۔ اگر سارے نہیں تو اُن میں سے کُچھ "یُوحناؔ" بپتسمہ دینے والے سے "پانی کا بپتسمہ" پا چُکے تھے۔ مگر یُوحناؔ کا بپتسمہ ظاہری اور جسمانی تھا لیکن زیادہ دِن نہیں گزریں گے کہ اُن کو "رُوح القدس سے بپتسمہ" دِیا جائے گا۔ اور یہ بپتسمہ باطنی اور رُوحانی ہوگا۔ پہلے بپتسمے نے اُن کو ظاہری طور پر اسرائیلی قوم کے اُس حِصّے میں شامل کر دیا تھا جس نے توبہ کی تھی۔ دُوسرا بپتسمہ اُن کو مسیح کے بدن یعنی کلیسیا میں مِلا دے گا اور اُن کو خِدمت کے لئے قُوّت اور اِختیار دے گا۔

یسوعؔ نے وعدہ کیا تھا کہ تُم "تھوڑے دِنوں کے بعد رُوح القدس سے بپتسمہ پاؤ گے" مگر آگ سے بپتسمہ (متی ۳ : ۱۱، ۱۲؛ لُوقا ۳ : ۱۶، ۱۷) کا ذِکر نہیں۔ آگ کا بپتسمہ عدالت (غضب) کا بپتسمہ ہے جو بے ایمانوں کے لئے ہے اور مُستقبل میں ہوگا۔

ب ۔ آسمان پر جاتے ہُوئے خُداوند کا شاگردوں کو فرمان

(۱ : ۶ – ۱۱)

۱ : ۶ ۔ یہاں مرقُوم واقعہ غالباً بیت عنیاہ کے بالمُقابل کوہِ زیتون پر واقع ہُؤا تھا۔ یہ وُہ مقام ہے جہاں سے خُداوند یسوعؔ واپس آسمان پر چلا گیا تھا (لُوقا ۲۴ : ۵۰، ۵۱)۔

شاگرد رُوح القدس کے نُزول کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ اُن کو یاد تھا کہ مسیحِ موعود کے جلالی دَورِ حکومت کے سِلسلے میں یُوایلؔ نبی نے رُوح القدس کے نازل ہونے کا ذِکر کیا تھا (یُوایل ۲ : ۲۸)۔ اِس لئے وُہ نتیجہ اخذ کرتے تھے کہ خُداوند بہت جلد اپنی "بادشاہی" قائم کرنے کو ہے کیونکہ اُس نے پہلے

کہا تھا کہ "تھوڑے دِنوں کے بعد..." اُن کے سُوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ ابھی تک یہی توقع کر رہے تھے کہ وُہ لفظی معنوں میں فوراً دُنیاوی "بادشاہی" قائم کرے گا۔

۱:۷ ۔ وُہ لغوی معنوں میں بادشاہی کی آس لگائے بیٹھے تھے، لیکن خُداوند نے اس مُعاملے میں اُن کی تصحیح نہیں کی۔ ایسی اُمید اُس وقت بھی درُست تھی اور آج بھی درُست ہے۔ اُس نے اُن کو بتا دیا تھا کہ تُم "جان" نہیں سکتے کہ میری بادشاہی کب آئے گی۔ تارِیخ کا تعیّن باپ نے اپنے "اِختیارِ" کُلّی کے مُطابق کیا ہُوا ہے، لیکن اُس نے بتانا مُناسب نہیں سمجھا۔ یہ خبر صِرف باپ کو ہے۔

"وقتوں اور میعادوں" کی اِصطلاح بائبل مُقدّس میں کئی واقعات کے تعلق سے استعمال ہُوئی ہے۔ خُدا نے اِن واقعات کے بارے میں بتا رکھا ہے کہ یہ اسرائیلی قَوم کے تعلق سے وقُوع پذیر ہوں گے۔ چونکہ شاگرد یہُودی پس منظر سے تعلق رکھتے تھے اِس لئے وُہ سمجھ سکتے تھے کہ یہاں اِس اصطلاح کا تعلق آخری ایّام سے ہے، جب دُنیا میں مسیح کی ہزار سالہ بادشاہی قائم ہو گی۔

۱:۸ ۔ خُداوند نے اُن کے تجسُّس کو دبا دیا اور اُن کی توجّہ فوری اہمیّت کی باتوں کی طرف مبذُول کرائی، مثلاً اُن کی خِدمت کی نوعیّت اور اُس کا حلقہ۔ نوعیّت یہ ہے کہ وُہ "گواہ" ہوں گے اور حلقہ ہے "یروشلیم اور تمام یہُودیہ اور سامریہ ... بلکہ زمین کی اِنتہا تک"۔

لیکن ضرُور ہے کہ پہلے وُہ قوُت — "رُوحُ القُدس" کی "قوُت" پائیں۔ مسیحی گواہی کے لئے "یہ قوُت" لامحالہ ناگزیر ہے۔ ہو سکتا ہے کسی اِنسان میں اعلیٰ ترین صلاحیّت ہو، عُمدہ تربیّت یافتہ ہو، اور وسیع تجربہ رکھتا ہو لیکن رُوح کی "قوُت" کے بغیر بے اثر رہے گا۔ دُوسری طرف ہو سکتا ہے کوئی آدمی اَن پڑھ ہو، اس میں کوئی کشش نہ ہو، تربیّت یافتہ بھی نہ ہو، مگر اُسے "رُوحُ القُدس" کی "قوُت" حاصل ہو تو دُنیا دیکھنے کو ٹُوٹ پڑے گی کہ وُہ خُدا کے لئے کیسا جوش و جذبہ رکھتا ہے۔ خوفزدہ شاگردوں کو گواہی دینے کے لئے اِسی "قوُت" اور انجیل کی منادی کرنے کے لئے پاکیزہ جُراُت کی ضرُورت تھی۔

اُن کی گواہی کا آغاز "یروشلیم" سے ہونا تھا۔ خُدا کے فضل نے یہ بامعنی اِنتظام کر رکھا تھا۔ جس شہر نے ہمارے خُداوند کو مصلوب کیا تھا، ضرُور تھا کہ پہلے اُسی کو توبہ کرنے اور ایمان لانے کی دعوت دی جائے۔

اِس کے بعد "یہُودیہ" کی باری تھی۔ فلستین کے اِس جنُوبی علاقے میں یہُودیوں کی زبردست آبادی تھی اور "یروشلیم" اِس کا سب سے بڑا شہر تھا۔

اور پھر "سامریہ" کی باری تھی۔ فِلستین کے اِس وُسطی حِصّے میں دوغلے (دو نسلے) یہُودی بستے تھے۔

خالص الاصل یہودی اِن سے نفرت کرتے اور کسی قسم کا میل جول نہیں رکھتے تھے۔

سامریہ کے بعد "زمین کی اِنتہا" ـــــ یعنی اُس وقت کی معلومہ دُنیا کی باری تھی ـــــ یعنی غیر یہودی ممالک۔ جہاں تک مذہبی مراعات کا تعلق ہے یہ قومیں اور علاقے اِس سے محروم تھے۔ گواہی کا یہ حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے اور اعمال کی کتاب میں مرقوم تاریخ میں ہمیں اِس کا خاکہ نظر آتا ہے۔

۱۔ "یروشلیم" میں گواہی (ابواب ۱-۷)

۲۔ "یہودیہ اور سامریہ" میں گواہی (ابواب ۸: ۱-۹: ۳۱)

۳۔ "زمین کی انتہا" تک گواہی (ابواب ۹: ۳۲ - ۲۸: ۳۱)

۱:۹ - جونہی مُنجّی اپنے شاگردوں کو گواہی کی خدمت پر مقرر کر چکا وہ آسمان پر "اُٹھا لیا گیا"۔ پاک کلام میں اِتنا ہی لکھا ہے کہ "وہ اُن کے دیکھتے دیکھتے اُوپر اُٹھا لیا گیا اور بدلی نے اُسے اُن کی نظروں سے چھپا لیا"۔ اِتنا بڑا اور شاندار منظر! لیکن اِس کا بیان اِتنا مختصر اور سادہ!! بائبل مُقدّس کے مُصنّفین واقعات کو قلمبند کرنے میں جس ضبط سے کام لیتے ہیں، اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ الہام سے ہُوا۔ ورنہ اِنسان ایسے واقعات کو ایسی سادگی سے بیان کرنے کا عادی نہیں۔

۱:۱۰ - لوقا پھر کسی حیرانی یا تعجب کا اِظہار کئے بغیر بیان کرتا ہے کہ "دو مرد سفید پوشاک پہنے اُن کے پاس آ کھڑے ہُوئے"۔ یہ فرشتے تھے جن کو اہلیت دی گئی تھی کہ زمین پر "اِنسانی صورت میں" ظاہر ہوں۔ شاید یہ وہی فرشتے تھے جو مسیح کے جی اُٹھنے کے بعد قبر پر ظاہر ہُوئے تھے (لوقا ۲۴: ۴)۔

۱:۱۱ - فرشتوں نے شاگردوں کو "اے گلیلی مردو" کہہ کر مخاطب کیا۔ جہاں تک ہمیں علم ہے سوائے یہوداہ اسکریوتی کے تمام شاگرد گلیل کی جھیل کے مغربی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔

اور جب وہ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے تو فرشتوں نے اُن کو گہری سوچ سے جگایا۔ تم آسمان کی طرف اِتنے "غور" سے کیوں "دیکھ رہے" ہو؟ کیا وہ غم میں ڈوبے ہُوئے تھے؟ یا پرستش کے جذبات سے مغلوب تھے؟ یا حیرانی اور تعجب سے سکتے میں آ گئے تھے؟ بلاشبہ تینوں قسم کے جذبات یکجا تھے، لیکن شاید رنج و غم غالب تھا۔ اِس لئے اُن کو تسلّی دی گئی کہ مسیح جو آسمان پر گیا ہے، دوبارہ آئے گا۔

یہاں خداوند کی آمدِ ثانی اور زمین پر بادشاہی کرنے کا وعدہ بالکل واضح ہے۔ یہاں فضائی اِستقبال کی طرف اِشارہ نہیں، بلکہ بادشاہی قائم کرنے کی بات کی گئی ہے۔

۱۔ وہ کوہِ زیتون سے آسمان پر گیا (آیت ۱۲)	۱۔ وہ کوہِ زیتون پر واپس آئے گا (زکریاہ ۱۴: ۴)۔
۲۔ اُس نے شخصی طور پر صعود فرمایا	۲۔ وہ شخصی طور پر واپس آئے گا (ملاکی ۳: ۱)

۳- وُہ دیدنی طَور پر آسمان پر گیا
۴- بادل نے اُسے چھپالیا (آیت ۹)
۵- اُس نے جلال کے ساتھ صعُود فرمایا

۳- وُہ دیدنی طور پر واپس آئے گا (متی ۲۴: ۳۰)
۴- وُہ آسمان کے بادِلوں پر آئے گا (متی ۲۴: ۳۰)
۵- وُہ بڑی قُدرت اور جلال کے ساتھ آئے گا (متی ۲۴: ۳۰)

ج- شاگرد یروشلیم میں دُعا کے ساتھ اِنتظار کرتے ہیں

(۱: ۱۲- ۲۶)

۱: ۱۲- لُوقا ۲۴: ۵۲ کے مُطابق شاگرد "بڑی خُوشی سے یروشلیم کو لوٹ گئے"۔ خُدا کی مُحبت کی روشنی نے اِن آدمیوں کے دِلوں کو روشن کر دیا۔ اور مُصیبتوں کے سمُندر میں گِھرے ہونے کے باوجُود اُن کے چہرے چمکنے لگے۔

وُہ "پہاڑ" جو "زیتُون کا کہلاتا" تھا شہر سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ ایک میل کا تین چوتھائی فاصلہ تھا۔ پہلے قِدرُون کی وادی میں اُترتے اور پھر اُوپر چڑھ کر شہر میں آجاتے تھے۔ پُرانے عہدنامہ کے زمانے میں ایک یہُودی "سبت" کے دِن زیادہ سے زیادہ اِتنا ہی سفر کر سکتا تھا۔

۱: ۱۳- شہر میں داخِل ہو کر وہ اُس "بالاخانہ" میں چلے گئے جہاں اُن کا قیام تھا۔ یہاں خُدا کا رُوح چوتھی اور آخری مرتبہ شاگردوں کے نام درج کرتا ہے (متی ۱۰: ۲- ۴؛ مرقس ۳: ۱۶- ۱۹؛ لُوقا ۶: ۱۴- ۱۶)۔ لیکن ایک نام — یہُوداہ اِسکریوتی — نمایاں طور پر فہرست سے خارِج ہے۔ وُہ دھوکے باز اپنے مناسب انجام کو پُہنچ چُکا تھا۔

۱: ۱۴- یہ شاگرد "ایک دِل" ہو کر جمع ہوتے تھے۔ یہ اِصطلاح اعمال کی کتاب میں گیارہ دفعہ اِستعمال ہُوئی ہے۔ یہ وُہ کُنجی ہے جو برکت کے بھید کو کھولتی ہے۔ جہاں بھی بھائی ایک دِل ہوتے ہیں، خُدا برکت یعنی ہمیشہ کی زِندگی کا حُکم دیتا ہے (زبُور ۱۳۳)۔

ایک اَور کُنجی کا ذِکر اِن الفاظ میں کیا گیا ہے کہ "دُعا میں مشغُول رہے"۔ اُن دِنوں کی طرح آج بھی جب لوگ دُعا مانگتے ہیں تو خُدا کام کرتا ہے۔ لیکن خُدا کا تازہ کرنے والا، طاقت اور قُوّت دینے والا رُوح صرف اُسی وقت نازِل ہوتا ہے جب ہم اِیمان اور دِل سوزی اور اِلتجاؤں کے ساتھ خُدا کے حضُور میں ٹھہرتے ہیں۔

اِس حقیقت پر جِتنا بھی زور دِیا جائے کم ہے کہ یک دِلی اور دُعا ہی پنتِکُست کی تیاری

تھی۔

شاگردوں کے "ساتھ" "چند عورتیں" بھی جمع تھیں۔ اُن کے نام نہیں دیئے گئے۔ شاید یہ وُہی عورتیں تھیں جو یسوع کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں۔ اُن کے علاوہ "یسوع کی ماں مریم اور اُس کے بھائی" بھی وُہاں موجود تھے۔ یہاں کئی دلچسپ باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ یہ آخری موقع ہے کہ نئے عہدنامہ میں مُقدسہ "مریم" کا بنام ذکر آیا ہے۔ یقیناً یہ مریم پرستی کے خلاف خاموش اِحتجاج ہے۔ شاگرد اُس سے نہیں بلکہ اُس کے "ساتھ" دُعا مانگ رہے تھے۔ وُہ بھی اُن کے ساتھ رُوح القدس کا اِنعام پانے کا اِنتظار کر رہی تھی۔

۲۔ "مریم" کو "یسوع کی ماں" کہا گیا ہے "خُدا کی ماں" نہیں کہا گیا۔ ہمارے خُداوند کا بشریت کا نام یسوع ہے۔ چونکہ بطور بشر وُہ "مریم" سے پیدا ہُوا اِس لئے مُناسب اور بجا ہے کہ اُسے "یسوع کی ماں" کہا جائے۔ مگر بائبل مُقدس میں اُسے کبھی بھی "خُدا کی ماں" نہیں کہا گیا۔ بے شک یسوع حقیقی خُدا ہے لیکن عقیدے کے لحاظ سے یہ کتنا غلط اور مضحکہ خیز بات ہے کہ خُدا اِنسانی ماں رکھتا ہے۔ بحیثیت خُدا یسوع ازل سے موجُود ہے۔

۳۔ مریم کا ذکر کرنے کے بعد "یسوع کے بھائیوں" کا ذکر کیا گیا ہے۔ وُہ اغلباً مریم کے حقیقی بیٹے اور یسوع کے سوتیلے بھائی تھے۔ زیرِ نظر آیت کے علاوہ بھی چند حوالہ جات ہیں جو اِس نظریے کی تردید کرتے ہیں کہ مریم دائمی کنواری ہے اور کہ یسوع کی پیدائش کے بعد اُس سے اَور کوئی بچہ پیدا نہیں ہُوا تھا۔ (مثلاً دیکھئے متی ۱۲: ۴۶؛ مرقس ۶: ۳؛ یُوحنا ۷: ۳، ۵؛ ۱۔کرنتھیوں ۹: ۵؛ گلتیوں ۱: ۱۹ اور زبور ۶۹: ۸)۔

۱: ۱۵۔ ایک دِن جب "تخمیناً ایک سو بیس" (۱۲۰) شاگرد جمع تھے "پطرس" کو تحریک ہُوئی کہ اُنہیں پرانے عہدنامہ کی وُہ باتیں یاد دِلائے جن کا تعلق اُس شخص سے ہے جو مسیح موعُود کو پکڑوانے والا ٹھہرا۔

۱: ۱۶-۱۷۔ آغاز ہی میں پطرس واضح کرتا ہے کہ "داؤد" نے "یہُوداہ کے حق میں" جو پیشین گوئی کی تھی اُس کا "پُورا ہونا ضرور" ہے۔ لیکن پاک کلام کا اِقتباس کرنے سے پہلے وُہ یاد دِلاتا ہے کہ اگرچہ یہُوداہ بارہ (۱۲) شاگردوں کے ساتھ شمار کیا گیا اور اُسی نے رسُولی خدمت میں سے حِصّہ پایا تو بھی وُہ خُداوند مسیح کو "پکڑنے والوں کا رہنما" بن گیا۔ غور کریں کہ اُس نامُراد کام کا بیان کرتے ہُوئے پطرس کیسے اِعتدال سے کام لیتا ہے۔ یہُوداہ دانستہ عمل سے غدّار بن گیا، اور یُوں اُس نے وُہ پیشین گوئیاں پُوری کیں جو کہتی ہیں کہ ایک شخص خُداوند کو دشمنوں کے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔

۱: ۱۸، ۱۹ - یہ دوٗ آیات پطرس کے پیغام کا حصّہ نہیں بلکہ لوقا کی طرف سے جملۂ معترضہ ہیں۔ یہ آیات یہوداہ کی موت تک کے تواریخی واقعات کے بیان کی تکمیل ہیں اور اُس کے جانشین کے تقرر کا راستہ تیار کرتی ہیں۔

متّی ۲۷: ۳-۱۰ میں بھی بتایا گیا ہے کہ یہوداہ کیسی موت مرا۔ اُس بیان اور موجودہ بیان میں کوئی تضاد نہیں۔ متّی بیان کرتا ہے کہ چاندی کے تیس سکّے بزرگوں اور سردار کاہنوں کو واپس دینے کے بعد یہوداہ چلا گیا اور اُس نے اپنے آپ کو پھانسی دی۔ سردار کاہنوں نے اُن سکّوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدی۔ یہاں اعمال میں لوقا کہتا ہے کہ یہوداہ نے اُن پیسوں سے "ایک کھیت حاصل کیا اور (وہ) سر کے بل گرا اور اُس کا پیٹ پھٹ گیا اور اُس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں۔"

دونوں بیانوں کو یکجا کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کھیت خریدنے کا سودا سردار کاہنوں نے کیا۔ اور یہوداہ نے اِس مفہوم میں "کھیت" خریدا کہ رقم اُس کی تھی اور وہ صِرف اُس کے ایجنٹ تھے۔ اُس نے قبرستان میں ایک کھیت پر اپنے آپ کو پھانسی دی۔ غالباً رسّا ٹوٹ گیا، اُس کا بدن نیچے آپڑا اور "پیٹ پھٹ گیا"۔

جب یہ واقعہ "یروشلیم" میں مشہور ہُوا تو اُس کھیت کا نام ارامی زبان میں "ہقل دما" یعنی "خون کا کھیت" پڑ گیا۔

۱: ۲۰- لوقا کے وضاحتی بیان کے بعد پطرس کا پیغام جاری رہتا ہے۔ پہلے وہ بیان کرتا ہے کہ زبور ۶۹: ۲۵ میں داؤد یسوع کو دھوکے سے پکڑوانے والے کا ذکر کرتا ہے کہ "اُس کا گھر اُجڑ جائے اور اُس میں کوئی بسنے والا نہ رہے۔"

بعد ازاں وہ اُس پیشین گوئی کا ذکر کرتا ہے جس کو اِس وقت پورا ہونا تھا کہ "اُس کا عہدہ دوسرا لے" (زبور ۱۰۹: ۸)۔ پطرس سمجھتا تھا کہ یہوداہ کی برگشتگی کے بعد اُس کے "عہدہ" کو سنبھالنے کے لئے کسی دوسرے شخص کو مقرر کرنا ضروری ہے۔ کتنی اچھی بات ہے کہ پطرس نے خدا کے کلام کی تعمیل کرنے کا سوچا۔

۱: ۲۱-۲۲- جو بھی چُنا جاتا اُس کے لئے دوٗ شرائط پر پورا اُترنا ضروری تھا۔

۱- وہ مسیح کی تین سالہ زمینی خدمت، یعنی "یوحنا" سے "بپتسمہ" لینے سے صعود تک شاگردوں کے "ساتھ" رہا ہو۔

۲- اور خداوند کے "جی اُٹھنے" کا "معتبر گواہ" ثابت ہو۔

۱: ۲۳-۲۶- دوٗ آدمیوں کے نام پیش ہُوئے جو اِن شرائط کو پورا کرتے تھے۔ "ایک یوسف ..."

جس کا لقب یُوسْتُس ہے۔ دُوسرا متیاہ"۔ لیکن کس کو چُنا جائے؟ رسُولوں نے معاملہ خُداوند کے ہاتھ میں دے دیا اور درخواست کی کہ وُہی ظاہر کرے کہ کس کو چُنا جائے۔ جب اُنہوں نے "قُرعہ ڈالا" تو ظاہر ہُوا کہ "متیاہ" یہُوداہ کا صحیح جانشین ہے۔ یہُوداہ تو "اپنی جگہ" یعنی ابدی ہلاکت کو پہنچ چُکا تھا۔

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ کیا متیاہ کا نام پیش کرنا مُناسب تھا؟ کیا شاگردوں کو انتظار نہیں کرنا چاہیئے تھا حتیٰ کہ خُدا پولُس رسُول کو برپا کرتا کہ وُہ اِس عہدے پر فائز ہوتا؟

۲۔ کیا خُدا کا ارادہ معلُوم کرنے کے لئے "قُرعہ ڈالنا" مُناسب تھا؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے، کہیں بھی درج نہیں کہ شاگردوں کا یہ فعل غلط تھا۔ اُنہوں نے کافی دیر دُعا میں گزاری۔ وُہ پاک کلام کی تعمیل کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور یہُوداہ کا جانشین منتخب کرنے پر سب متفق تھے۔ علاوہ ازیں پولُس کی خدمت اُن بارہ کی خدمت سے بالکل الگ اور فرق نوعیت کی تھی اور کہیں کوئی اشارہ تک موجُود نہیں کہ اُسے یہُوداہ کی جگہ لینے کو برپا کیا گیا تھا۔ اِن بارہ کو یسوع نے اپنی زمینی زندگی کے دَوران مُقرر کیا تھا کہ بنی اسرائیل کو خوشخبری سُنائیں جبکہ پولُس کو اُس نے اپنے جلال میں داخل ہونے کے بعد مُقرر کیا اور غیر قوموں کے پاس بھیجا تھا۔

جہاں تک "قُرعہ" ڈالنے کا تعلق ہے، الٰہی مرضی معلُوم کرنے کا یہ پُرانے عہدنامہ میں مُسلّمہ طریقہ تھا۔ "قُرعہ گود میں ڈالا جاتا ہے پر اُس کا سارا انتظام خُداوند (یہوواہ) کی طرف سے ہے"

(امثال ۱۶: ۳۳)۔

ظاہر ہوتا ہے کہ خُداوند نے منظُور کیا کہ قُرعہ کے ذریعے متیاہ کا انتخاب ہو کیونکہ اِس کے بعد شاگردوں کو "اُن بارہ" کہا گیا ہے (اعمال ۶: ۲)۔

اعمال کی کتاب میں دُعا

اعمال کی کتاب کامیاب دُعا کی تشریح ہے۔ ہم پہلے باب میں دیکھ چُکے ہیں کہ شاگردوں نے دو مُختلف موقعوں پر دُعا مانگی۔ مسیح کے صعُود کے بعد وُہ بالاخانے میں دُعا مانگتے تھے۔ اِس دُعا کا جواب پنتکُست کی صُورت میں مِلا۔ اُنہوں نے یہُوداہ کا جانشین چُننے کے لئے ہدایت اور راہنمائی کے لئے دُعا مانگی۔ اِس کا جواب متیاہ کے نام قُرعہ نکلنے کی صُورت میں مِلا۔ اِس پُوری کتاب میں یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

جو لوگ پنتکُست کے دِن ایمان لائے تھے وُہ "دُعا میں مشغول رہتے" (۲ : ۴۲)۔ اِس کے بعد کی آیات (۴۳-۴۷) اُس مثالی صُورتِ حال کا بیان کرتی ہیں جو دُعائیہ رفاقت سے حاصل ہوتی اور قائم رہتی ہے۔

پطرس اور یُوحنّا کی رہائی کے بعد ایمان دار "دلیری" (۴ : ۲۹) کے لئے دُعا مانگتے ہیں۔ اِس کے نتیجے میں وُہ مکان ہِل گیا اور وُہ رُوح القُدس سے بھر گئے اور "خُدا کا کلام دلیری سے سُناتے رہے" (۴ : ۳۱)۔

اِن بارہ نے مشورہ دِیا کہ مُعاشی اور مالی مُعاملات کی دیکھ بھال کے لئے سات اَفراد چُن لئے جائیں تاکہ وُہ خُود اپنا وقت کلام کی خِدمت اور دُعا مانگنے کے لئے وقف کر سکیں (۶ : ۳، ۴)۔ اِس کے بعد رسُولوں نے دُعا کے ساتھ اُن سات اَفراد پر ہاتھ رکھے (۶ : ۶)۔ اگلی آیات میں درج ہے کہ اِنجیل کو کیسی شاندار نئی کامیابیاں حاصل ہُوئیں (۶ : ۷-۸)۔

ستِفنُس نے شہید ہوتے ہُوئے دُعا مانگی (۷ : ۶۰) تو باب ۹ میں اِس دُعا کا جواب درج ہے کہ اُس کی شہادت کا ایک تماشائی یعنی ساؤل ترسی ایمان لایا۔

پطرس اور یُوحنّا نے ایمان لانے والے سامریوں کے لئے دُعا مانگی۔ اور نتیجے میں اُن کو رُوح القُدس حاصل ہُوا (۸ : ۱۵-۱۷)۔

اپنی تبدیلی کے بعد ساؤل ترسی نے یہُوداہ کے گھر میں دُعا مانگی۔ خُدا نے اُس کی دُعا کا جواب دیا اور حننیاہ کو اُس کے پاس بھیجا (۹ : ۱۱-۱۷)۔

یافا میں پطرس نے دُعا مانگی تو تبیتا مُردوں میں سے جی اُٹھی (۹ : ۴۰)۔ اِس کے نتیجے میں بہت سے لوگ خُداوند پر ایمان لائے (۹ : ۴۲)۔

غیر قوم صُوبہ دار کرنیلیس نے دُعا مانگی (۱۰ : ۲)۔ اُس کی دُعائیں "یادگاری" کے لئے خُدا کے حضُور پہنچیں (۱۰ : ۴)۔ ایک فرشتہ نے رویا میں اُس پر ظاہر ہو کر اُسے ہدایت کی کہ آدمی بھیج کر شمعون پطرس نام شخص کو بُلالے (۱۰ : ۵)۔ اگلے روز پطرس نے دُعا مانگی (۱۰ : ۹)۔ جواب میں اُسے آسمانی رویا مِلی جِس نے اُسے تیار کیا کہ کرنیلیس اور دُوسرے غیر قوم لوگوں پر بادشاہی کے دروازے کھول دے (۱۰ : ۱-۴۸)۔

جب پطرس کو قید خانے میں ڈال دیا گیا تو مسیحی دِل سوزی سے اُس کے لئے دُعا مانگنے لگے (۱۲ : ۵)۔ جواب میں خُدا نے پطرس کو مُعجزانہ رہائی بخشی۔ اور دُعا مانگنے والے بھی حیران رہ گئے (۱۲ : ۶-۱۷)۔

اِنطاکیہ میں نبیوں اور مُعلّموں نے روزے رکھ کر دُعائیں مانگیں (۱۳ : ۳)۔ اِس کے نتیجے میں

پولُس اور برنباس کا پہلا تبلیغی دَورہ شروع ہوُا۔ کہا جاتا ہے کہ "یہ دُعا کے ذریعے سے سب سے زبردست تبلیغی کام تھا کیونکہ خوشخبری زمین کی اِنتہا تک جا پہنچی۔ اور پولُس اور برنباس جو مشنری تھے اُن کے وسیلے سے ہم تک بھی پہنچی"۔

واپسی دَورے پر لُسترہ، اکنیم اور اِنطاکیہ میں پولُس اور برنباس نے ایمان لانے والوں کے لئے دُعا مانگی (۱۴: ۲۳)۔ اُن میں سے ایک شخص تیمتھیُس تھا۔ کیا اِنہی دُعاؤں کا نتیجہ تھا کہ دُوسرے تبلیغی دَورے کے وقت تیمتھیُس بھی پولُس اور سیلاس کے ہمراہ تھا؟

فلپّی کے قید خانے میں پولُس اور سیلاس آدھی رات کو دُعا مانگ رہے تھے۔ جواب میں زلزلہ آیا اور جیل کا داروغہ اور اُس کا خاندان خُداوند پر ایمان لایا (۱۶: ۲۵-۳۴)۔

میلیتُس میں پولُس نے اِفسُس کے بزرگوں کے ساتھ مِل کر دُعا مانگی (۲۰: ۳۶) تو اُنہوں نے بھرپور جذبات سے ساتھ پولُس کے لئے اپنی محبّت اور اُلفت کا مظاہرہ کیا۔ اور اِس بات پر رنجیدہ اور غمگین ہُوئے کہ اِس زندگی میں اُسے دوبارہ نہیں دیکھیں گے۔

صُور کے مسیحیوں نے ساحلِ سمندر پر پولُس کے ساتھ دُعا مانگی (۲۱: ۵)۔ یقیناً یہ دُعائیں روم اور جلّاد کے تختے تک اُس کے ساتھ گئیں۔

جہاز کی غرقابی سے پہلے پولُس نے سب کے سامنے علانیہ دُعا مانگی اور کھانے کے لئے خُدا کا شُکر ادا کیا۔ اِس سے نااُمّید ملاحوں اور مسافروں میں خُوشی اور حوصلے کی لہر دَوڑ گئی (۲۷: ۳۵-۳۶)۔

مِلِتے کے جزیرے پر پولُس نے وہاں کے حاکم کے باپ کے لئے دُعا مانگی تو اُسے شفا مِلی (۲۸: ۸)۔

چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا دُعا کی فضا میں سانس لیتی تھی۔ اور جب مسیحی دُعا مانگتے تھے تو خُدا عجیب وغریب کام کرتا تھا۔

د۔ پنتکُست کا دِن اور کلیسیا کا آغاز (۲: ۱-۴۷)

۲: ۱۔ "عیدِ پنتکُست" رُوحُ القُدس کے اُنڈیلے جانے کی تصویر پیش کرتی ہے۔ یہ عید پہلے پھلوں کی عید کے پچاس دِن بعد منائی جاتی تھی، اور پہلے پھلوں کی عید مسیح کے جی اُٹھنے کی یاد دلاتی ہے۔ اِس خاص عیدِ پنتکُست کے دِن شاگرد یکدِل ہو کر "ایک جگہ جمع تھے"۔ اُن کی گفتگو کا خاص اور موزوں موضُوع پرانے عہدنامہ کے وُہ حوالے ہوں گے جن میں عیدِ پنتکُست کا ذِکر آتا ہے (مثلاً احبار ۲۳: ۱۵، ۱۶)۔ مُمکن ہے وُہ زبُور ۱۳۳ گا رہے ہوں کہ "دیکھو! کیسی اچھّی اور خُوشی کی بات ہے کہ بھائی باہم مِل کر رہیں"۔

۲:۲۔ رُوحُ القدس کے نزول کے وقت کچھ سنائی دیا، کچھ دیکھا گیا اور ایک معجزے کا تجربہ ہُوا۔ "یہ آسمان سے آنے والی آواز" تھی جس کا سنّاٹا ایسا زور دار تھا کہ "سارا گھر... گونج گیا"۔ ہَوا رُوحُ القدس کی سیّال مثیلوں (تیل، آگ، پانی) میں سے ایک ہے جو اُس کے اختیارِ اعلیٰ کی تصویر پیش کرتی ہے کہ اُس کے عمل و حرکت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

۳:۲۔ قابلِ دید منظر یہ تھا کہ "آگ کے شُعلہ کی سی پھٹتی ہُوئی زبانیں تھیں جو شاگردوں میں سے ہر ایک پر آ ٹھہریں"۔ غور کریں کہ یہ نہیں کہا گیا کہ "آگ کی زبانیں" بلکہ "آگ جیسی زبانیں" تھیں۔

اِس عجیب عمل کو آگ کے بپتسمہ کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ اگرچہ رُوحُ القدس اور آگ کے بپتسمہ کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے (متّی ۳:۱۱، ۱۲؛ لوقا ۳:۱۶، ۱۷) لیکن یہ دونوں الگ الگ اور امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ رُوحُ القدس کا بپتسمہ برکت کا اور آگ کا بپتسمہ عدالت یا غضب کا بپتسمہ ہے۔ اوّل الذکر ایمان داروں کو متاثر کرتا ہے جبکہ مؤخرالذکر بے ایمانوں کو متاثر کرے گا۔ اوّل الذکر کے وسیلے سے ایمان داروں کو قوّت ملتی اور وہ اُن کے اندر سکونت کرتا ہے۔ اور اِسی کے وسیلے سے کلیسیا کی تشکیل ہُوئی۔ مؤخرالذکر کے وسیلے سے بے ایمانوں کو ہلاک کیا جائے گا۔

جب یُوحنّا بپتسمہ دینے والا ایک مِلی جُلی جماعت (تائب اور غیر تائب۔ دیکھئے متّی ۳:۶، ۷) سے مُخاطب تھا تو اُس نے کہا کہ مسیح رُوحُ القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا (متّی ۳:۱۱)۔ لیکن جب وہ حقیقی تائب لوگوں سے مُخاطب تھا تو اُس نے کہا کہ وہ تم کو رُوحُ القدس سے بپتسمہ دے گا (مرقس ۱:۸)۔

چنانچہ اعمال ۲:۳ میں "آگ کے شُعلہ کی سی پھٹتی ہُوئی زبانیں" کا کیا مطلب ہے؟ "زبانیں" تو بلاشُبہ "بولنے" کا اِشارہ ہیں اور غالباً غیر زبانوں میں بولنے کی معجزانہ نعمت کی تصویر ہیں جو اِس موقع پر شاگردوں کو حاصل ہوئی۔ اور "آگ" رُوحُ القدس کا اِشارہ ہے جو اِس نعمت کا سرچشمہ ہے اور شاید اِس حقیقت کی وضاحت کرتی ہے کہ بعد میں وہ دلیری، جوش اور آتشیں ولولہ کے ساتھ منادی کریں گے۔

جوش اور ولولہ سے بولنے کا خیال بہت موزوں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جوش اور سرگرمی رُوح سے معمور زندگی کی معمول کی حالت ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ گواہی ہوتا ہے۔

۴:۲۔ اور پنتکُست کے موقع پر معجزے کا تجربہ یہ ہے کہ وہ "رُوحُ القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں بولنے لگے"۔

اُس وقت تک خُدا کا رُوح شاگردوں کے ساتھ تھا، مگر اَب اُس نے اُن کے اندر سکونت اختیار کر لی (یُوحنّا ۱۴:۱۷)۔

پنتکُست کے دِن رُوحُ القُدس نہ صرف شاگردوں کے اندر سکونت کرنے لگا بلکہ وہ اُس سے معمُور ہو گئے۔ جس لمحہ ہم نجات پاتے ہیں اُسی لمحے سے خُدا کا رُوح ہمارے اندر سکونت کرنے لگتا ہے۔ لیکن رُوحُ القُدس کی معموری حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ ہم کلام کا مُطالعہ کریں، گیان دھیان اور دُعا میں وقت گزاریں اور خُداوند کی فرمانبرداری میں زِندگی بسر کریں۔ اگر یہ ضمانت ہوتی کہ آج رُوحُ القُدس کی معمُوری خُود بخُود حاصل ہو جائے گی تو یہ نصیحت نہ کی جاتی کہ "رُوح سے معمُور ہوتے جاؤ" (اِفسیوں ۵: ۱۸)۔

پنتکُست کے دِن رُوحُ القُدس کے نزُول سے ایمان دار ایک کلیسیا یعنی مسیح کا بدن بن گئے۔ "کیونکہ ہم سب نے، خواہ یہُودی ہوں خواہ یُونانی۔ خواہ غُلام خواہ آزاد۔ ایک ہی رُوح کے وسیلہ سے ایک بدن ہونے کے لئے بپتسمہ لیا" (۱-کرنتھیوں ۱۲: ۱۳)۔ اب سے ایمان لانے والے یہُودی اور غیر قوم سب مسیح یسُوع میں ایک نیا اِنسان اور ایک ہی بدن کے اعضا ہوں گے (اِفسیوں ۲: ۱۱-۲۲)۔

سارے شاگرد "رُوحُ القُدس سے بھر گئے اور غیر زُبانیں بولنے لگے جس طرح رُوح نے اُنہیں بولنے کی طاقت بخشی"۔ اگلی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اُن کو وہ غیر زبانیں بولنے کی مُعجزانہ طاقت بخشی گئی جو اُنہوں نے کبھی سیکھی نہیں تھیں۔ وہ کوئی غیر ٹشپر نہیں بول رہے تھے، نہ بے خُود ہو کر آوازیں نکال رہے تھے بلکہ وہ زبانیں بول رہے تھے جو اُس زمانے میں دُنیا کے مُختلف حِصّوں میں واقعی بولی جاتی تھیں۔ "غیر زبانوں" کی یہ نعمت اُن عجیب نشانوں میں سے ایک تھی جس کو خُدا گواہی کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ جب رسُول منادی کرتے تھے تو اکثر اِسی نشان کے وسیلے سے اُن کے پیغام کی سچائی کی گواہی دیتا تھا (عبرانیوں ۲: ۳، ۴)۔ اُس وقت نیا عہد نامہ ابھی تحریر نہیں ہُوا تھا۔ چونکہ خُدا کا مُکمّل کلام اب تحریری شکل میں موجُود ہے اِس لئے اِن نشانوں اور نعمتوں کی ضرورت بڑی حد تک ختم ہو گئی ہے (تاہم خُدا کا رُوح اگر چاہے تو اب بھی اِستعمال کر سکتا ہے)۔

پنتکُست کے دِن "غیر زُبانیں" بولنے کی طاقت بخشی گئی۔ لیکن اِس واقعہ کو یہ بات ثابت کرنے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے کہ رُوح کی نعمت کے ساتھ "غیر زبان" کا مِلنا لازمی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر مندرجۂ ذیل واقعات کے ساتھ غیر زُبانوں کا ذِکر کیوں نہیں؟

۱- ۳۰۰۰ افراد کا ایمان لانا (اعمال ۲: ۴۱)۔

۲- ۵۰۰۰ افراد کا ایمان لانا (اعمال ۴: ۴)۔

۳- سامریوں پر رُوحُ القُدس کا نزُول (اعمال ۸: ۱۷)۔

اعمال کی کتاب میں "غیر زُبانوں" کا مزید ذِکر صِرف ان موقعوں پر آتا ہے:

۱- کرنیلیُس کے گھر میں غیر قوم افراد کا ایمان لانا (اعمال ۱۰: ۴۶)۔

۲- اِفسُس میں یُوحنّا کے شاگردوں کا دوبارہ بپتسمہ لینا (اعمال ۱۹: ۶)۔

یہاں یہ بتا دینا مُناسب معلُوم ہوتا ہے کہ رُوحُ القُدس کے بپتسمہ کے موضُوع پر عُلما میں بہت اِختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ نہ تو وُہ اِس کی تعداد پر مُتفق ہیں نہ اِس کے نتائج یا اثرات پر۔

تعداد کے بارے میں بعض افراد کا خیال یہ ہے کہ

۱- یہ بپتسمہ صِرف ایک ہی دفعہ یعنی پنتکُست کے دِن ہُوا۔ اُس وقت مسیح کے بدن (کلیسیا) نے تشکیل پائی اور سارے ایمان دار بپتسمہ کی برکت میں شامِل ہیں۔

۲- یہ بپتسمہ تین یا چار مرحلوں میں ہُوا۔ پنتکُست پر (اعمال باب ۲)، سامریہ میں (باب ۸) کُرنیلیُس کے گھر پر (باب ۱۰) اور افسُس میں (باب ۱۹)۔

۳- جب بھی کوئی شخص نجات پاتا ہے تو اُسے رُوحُ القُدس کا بپتسمہ مِلتا ہے۔

جہاں تک افراد کی زندگیوں میں رُوحُ القُدس کی تاثیر کا تعلق ہے، بعض لوگ اِسے "فضل کا دُوسرا کام" مانتے ہیں جو عمُوماً ایمان لانے کے بعد کسی وقت وقُوع پذیر ہوتا ہے اور کم و بیش کامِل طور پر مُقدّس ٹھہرائے جانے پر اِختتام پذیر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہُوا رُوحُ القُدس کا بپتسمہ وُہ عمل ہے جس سے ایماندار

۱- کلیسیا میں شامِل ہوتے یا کلیسیا کا حِصّہ بن جاتے ہیں (۱-کرنتھیوں ۱۲: ۱۳)۔

۲- قُوّت حاصِل کرتے ہیں (اعمال ۱: ۸)۔

۲: ۵-۱۳- اُس وقت کی معلُومہ دُنیا کے تمام حِصّوں سے "خُدا ترس یہُودی یروشلیم میں" جمع تھے۔ وُہ عیدِ پنتکُست منانے کے لئے آئے تھے۔ جب اُنہوں نے سُنا کہ کیا ہُوا ہے تو وُہ اُس مکان کے گرداگرد جمع ہو گئے جس میں شاگرد تھے۔ خُدا کا رُوح کام کرتا ہے تو آج بھی لوگ اِسی طرح کشش محسُوس کرتے ہیں۔ جب "بِھیڑ" اُس گھر تک پہنچی تو شاگرد غیر زُبانیں بول رہے تھے۔ لوگ یہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ یہ گلیلی شاگرد طرح طرح کی غیر زُبانیں بول رہے ہیں۔ یہ معجزہ سُننے والوں پر نہیں بلکہ بولنے والوں پر واقع ہُوا تھا۔ سُننے والوں میں پیدائشی یہُودی اور نو مُرید یہُودی (وُہ لوگ جنہوں نے یہُودی مذہب اِختیار کر لیا تھا) شامِل تھے، جو مشرق، مغرب، شمال اور جنُوب کے دُور دراز عِلاقوں سے آئے تھے۔ وُہ سب "اپنی اپنی زُبان میں اُن سے خُدا کے بڑے بڑے کاموں کا بیان سُنتے" تھے۔ جس لفظ کا ترجمہ "زُبان" کیا گیا ہے، اِس کا مطلب "بولی" ہے۔

یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ پنتکُست کے دِن غیر زُبانوں کی نعمت کا ایک مقصد یہ تھا کہ

مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں کو ایک ساتھ خوشخبری سُنائی جائے۔ مثلاً ایک مصنّف لکھتا ہے کہ "خدا نے اپنی شریعت تو ایک ہی زبان میں ایک ہی قوم کو دی، مگر اپنی خوشخبری ساری زبانوں میں ساری قوموں کو دی۔"

لیکن زیرِ نظر متن اِس بات کی تصدیق نہیں کرتا۔ غیر زبانیں بولنے والے تو "خدا کے بڑے بڑے کاموں کا بیان" کر رہے تھے (۲: ۱۱)۔ یہ بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان تھا (۱۔ کرنتھیوں ۱۴: ۲۱-۲۲) تاکہ وہ حیران اور متعجب ہوں۔ اِس کے برعکس پطرس نے اُس زبان میں پیغام دیا جسے اگر سارے نہیں تو سامعین میں سے اکثر سمجھ سکتے تھے۔

اِس معجزے کا اثر مختلف لوگوں پر مختلف ہُوا۔ بعض نے بڑی دلچسپی دکھائی جبکہ بعض نے شاگردوں پر اِلزام لگایا کہ "یہ تو تازہ مَے کے نشہ میں ہیں"۔ بے شک شاگرد ایک ایسی تاثیر کے زیرِ اثر تھے جو اُن کے اختیار سے باہر تھی۔ مگر یہ "مَے" کی نہیں رُوح القدس کی تاثیر تھی!

جن لوگوں کو نئی پیدائش کا تجربہ نہیں ہُوا وہ رُوحانی باتوں کی طبعی تشریح کرنے کو ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ ایک دفعہ جب آسمان سے خدا کی آواز سُنائی دی تو کسی نے کہہ دیا کہ بادل گرجا ہے (یوحنا ۱۲: ۲۸، ۲۹)۔ اِس موقع پر بھی بے ایمان لوگ مذاق اُڑاتے اور رُوح القدس کی پیدا کردہ زندہ دلی کو "تازہ مَے" کا اثر قرار دینے لگے۔ ایک مفسّر کہتا ہے کہ "دُنیا چمکیلی چیزوں کو داغدار کرنا اور سرفراز ہونے والوں کو خاک میں گرانا پسند کرتی ہے"۔

۲: ۱۴- وہ شاگرد جس نے قسم کھا کر اپنے خداوند کا اِنکار کیا تھا اب آگے بڑھا اور بھیڑ سے مخاطب ہُوا۔ اب وہ بُزدل اور ڈانواں ڈول شاگرد نہیں رہا تھا بلکہ جُرأت مند اور شیر دل بن گیا تھا۔ پنتکُست نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ اب "پطرس" رُوح سے معمور تھا۔

قیصریہ فلپّی کے مقام پر خداوند نے پطرس کو آسمان کی بادشاہی کی کُنجیاں دینے کا وعدہ کیا تھا (متی ۱۶: ۱۹)۔ یہاں اعمال باب ۲ میں ہم اُسے یہ کُنجیاں اِستعمال کرتے اور یہودیوں پر دروازہ کھولتے دیکھتے ہیں۔ باب ۱۰ میں وہ یہی دروازہ غیر قوموں پر کھولے گا۔

۲: ۱۵- شاگرد پہلے یہ واضح کرتا ہے کہ آج کا یہ واقعہ تازہ مَے کا نتیجہ نہیں کیونکہ "ابھی تو صُبح کے نو ہی بجے ہیں اور ایسا تو کبھی سُنا بھی نہیں گیا کہ اِتنے لوگ اِتنی صُبح نشہ میں آئے ہوں۔ علاوہ ازیں عید کے روز جو یہودی عبادت خانے کی رسُومات میں شامل ہوتے تھے وہ کم سے کم دس بجے صُبح تک، بلکہ دوپہر تک (یہ اِس پر منحصر ہوتا تھا کہ قربانی کس وقت چڑھائی گئی) بھی کھانے پینے سے پرہیز کرتے تھے۔

۲: ۱۶-۱۹- حقیقت یہ تھی کہ جیسا خدا نے "یوایل نبی کی معرفت" فرمایا تھا اُس نے اپنا رُوح القدس نازل کیا تھا (یوایل ۲: ۲۸ و مابعد)۔

دراصل پنتکُست کے واقعات سے نبوّت کی پُوری تکمیل نہیں ہُوئی تھی - آیات ۱۷- ۲۰ میں مذکور باتوں میں سے اکثر تاحال واقع نہیں ہُوئی تھیں - لیکن پنتکُست پر جو کُچھ بھی ہُوا، وُہ اُن باتوں کی جھلک تھی جو "خُداوند کے عظیم اور جلیل دِن" کے آنے سے پہلے "آخری دِنوں میں" واقع ہوں گی - اگر پنتکُست نے یُوایل کی پیشین گوئی پُوری کر دی تھی تو بعد میں یہ وعدہ کیوں دیا گیا (۳: ۱۹) کہ اگر اِسرائیل قوم توبہ کرے اور اُس ہستی کو قبُول کرے جِس کو مصلوب کیا تھا تو وُہ واپس آئے گا اور خُداوند کے دِن کا آغاز کرے گا؟

یوئیل سے اِقتباس دُہرے حوالہ کے اصُول کا نمونہ ہے، یعنی بائبل مُقدّس کی نبوّت کی پہلے کسی وقت جُزوی اور بعد میں پُوری تکمیل ہوتی ہے۔

پنتکُست پر خُدا کا رُوح نازل کیا گیا، لیکن لفظی طور پر "ہر بشر" پر نہیں - نبوّت کی آخری اور پُوری تکمیل "بڑی مصیبت کے دِنوں" کے اخیر میں ہو گی - مسیح کی جلالی آمد سے پہلے آسمان پر "عجیب کام" اور زمین پر "نشانیاں" ظاہر ہوں گے (متّی ۲۴: ۲۹- ۳۰) - اُس وقت خُداوند یسوع مسیح زمین پر ظاہر ہو گا اور دُشمنوں کو نیست کر کے اپنی بادشاہی قائم کرے گا - اُس کی ہزار سالہ بادشاہی کے آغاز میں یہودی اور غیر قوم "ہر بشر" پر رُوح اُنڈیلا جائے گا اور ہزار سالہ دَور کے دوران یہ حالت قائم رہے گی - عُمر، جنس اور معاشرتی رُتبے کا لحاظ کئے بغیر رُوح القُدس کے طرح طرح کے ظہور دِئے جائیں گے - "رویا" اور "خواب" ہوں گے جو علم و عرفان حاصل کرنے کی علامت ہیں - نبوّت ہو گی جو ظاہر کرتی ہے کہ یہ علم و عرفان دُوسروں کو پہنچایا جا رہا ہے - اِس طرح مکاشفہ اور ابلاغ کی نعمتیں ایک شہادت ہوں گی - یہ سب کُچھ یوئیل کے مُطابق "آخری دِنوں" میں واقع ہو گا - بے شک اِس سے مُراد کلیسیا کے نہیں بلکہ اسرائیل کے آخری دِن ہیں -

۲: ۲۰- یہ بات واضح طور پر کہی گئی ہے کہ یہ فوق الفطرت نشان "خُداوند کے دِن" کے آنے سے "پیشتر" ظاہر ہوں گے - مّتن کے مُطابق "خُداوند کا دِن" سے مُراد ہے کہ جب خُداوند شخصی طور پر زمین پر واپس آئے گا، اپنے دُشمنوں کو نیست کر کے بڑی قُدرت اور جلال کے ساتھ حُکمرانی کرے گا -

۲: ۲۱- یوئیل سے اقتباس کو پطرس اِس وعدہ کے ساتھ ختم کرتا ہے کہ "جو کوئی خُداوند کا نام لے گا نجات پائے گا" - یہ ہے وُہ خُوشخبری جو سارے زمانوں کے لئے ہے کہ خُداوند پر ایمان کے اصُول پر سارے لوگوں کو نجات کی پیشکش کی جاتی ہے - "خُداوند کا نام" ایک اِصطلاح ہے جِس کے مفہوم میں "خُداوند کی پُوری شخصیّت" شامل ہے - چنانچہ "خُداوند کا نام لینے" سے مُراد خُود اُس کو پُکارنا ہے کہ نجات کا واحِد

راستہ وہی ہے۔

۲: ۲۲-۲۴- مگر خداوند ہے کون؟ پطرس چونکا دینے والا اعلان کرتا ہے کہ یہی یسوع جس کو اُنہوں نے مصلوب کیا تھا، وُہی خداوند بھی ہے اور مسیح بھی- پطرس پہلے یسوع کی زندگی کا بیان کرتا ہے، پھر اُس کی موت، جی اُٹھنے اور آسمان پر جانے کا ذکر کرتا ہے اور آخر میں خدا کے دہنے ہاتھ پر جلال پانے کی بات کرتا ہے- اگر اُن کو ابھی تک یہ غلط فہمی ہو کہ "یسوع" ابھی تک کسی یہودی قبر میں پڑا ہُوا ہے تو پطرس بہت جلد اُن کے ذہن صاف کر دے گا- اُن کو بتانا ضروری ہے کہ جسے تم نے قتل کر ڈالا تھا، وُہ آسمان میں ہے اور ضرور ہے کہ تم اُسے مانو۔

چنانچہ رسُول کا استدلال یُوں چلتا ہے کہ— بہت سے کاموں اور "معجزوں" سے ظاہر کیا گیا کہ "یسوع ناصری" "خدا کی طرف سے" ہے (آیت ۲۲)- خدا نے اپنے "مقررہ انتظام اور علمِ سابق کے مُوافق" اُسے یہودی لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا- اُنہوں نے اُسے غیر قوموں (یعنی بے شرع لوگوں) کے حوالہ کر دیا تاکہ وُہ اُسے "مصلوب کر کے مار ڈالیں" (آیت ۲۳)- لیکن "خدا نے موت کے بند کھول کر اُسے جِلایا کیونکہ مُمکن نہ تھا کہ وُہ اُس کے قبضہ میں رہتا"- موت اُسے اپنی قید میں نہیں رکھ سکتی تھی- اِس لئے کہ

۱- خدا کا کردار اُس کو زندہ کرنے کا تقاضا کرتا ہے- وُہ مر گیا، یعنی بے گناہ گنہگاروں کی خاطر مر گیا- ضرور ہے کہ خدا اُسے زندہ کرے کیونکہ اُس کا زندہ کیا جانا ثبُوت ہے کہ مسیح نے اپنے فدیہ کے کام سے خدا کے سارے تقاضے پُورے کر دیئے ہیں۔

۲- پُرانے عہدنامہ کی پیشین گوئیاں اُس کے جِلائے جانے کا تقاضا کرتی ہیں- اگلی آیات میں پطرس خاص اِسی نکتے پر زور دیتا ہے۔

۲: ۲۵-۲۷- زبور ۱۶ میں داؤد نے نبوت سے خداوند کی زندگی، موت، قیامت اور جلال پانے کے بارے میں لکھا تھا- اُس کی زندگی کے بارے میں لکھتے ہوئے "داؤد" بیان کرتا ہے کہ اُس کو بے کراں اعتماد اور یقین حاصل تھا کیونکہ باپ کے ساتھ اُس کی ایسی رفاقت تھی جس میں کوئی خلل نہیں آتا تھا- اُس کا "دِل"، "زبان" اور "جسم"، غرضیکہ پُورا وجود "اُمید" اور خُوشی سے سرشار تھا-

اور اُس کی موت کے بارے میں داؤد نے نبوت سے دیکھ لیا تھا کہ خدا اُس کی "جان کو عالمِ ارواح میں نہ چھوڑے گا اور نہ اپنے مقدس کے سڑنے کی نوبت پہنچنے دے گا"- دُوسرے لفظوں میں خداوند یسوع کی رُوح بے بدن حالت میں نہ رہے گی اور نہ اُس کا جسم گلے سڑے گا- (اِس آیت کو یہ بات ثابت

کرنے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے کہ خداوند یسوع موت کے وقت روحوں کے کسی قید خانے میں گیا تھا جو زمین کے انتہائی نچلے حصے میں واقع ہے ــــ اُس کی روح تو آسمان پر گئی تھی۔ لوقا ۲۳: ۴۳۔ اور جسم قبر میں رکھا گیا تھا)۔

۲: ۲۸۔ اور اُس کی قیامت کے بارے میں داؤد کو یقین تھا کہ خدا اُسے زندگی کی راہ دکھائے گا۔ زبور ۱۶: ۱۱ میں وہ لکھتا ہے کہ "تو مجھے زندگی کی راہ دکھائے گا"۔ اعمال ۲: ۲۸ میں پطرس نے اِسی کا اقتباس کیا، "تو نے مجھے زندگی کی راہیں بتائیں"۔ پطرس نے فعل مستقبل کو بدل کر فعل ماضی استعمال کیا۔ ظاہر ہے کہ روح القدس نے اُسے ایسا کرنے کی ہدایت کی کیونکہ اُس وقت مسیح جی اُٹھا تھا۔

منجی کے موجودہ جلال کی پیشین گوئی کرتے ہوئے داؤد کہتا ہے کہ "تو مجھے اپنے دیدار کے باعث خوشی سے بھر دے گا"۔ اِس بات کو زبور ۱۶: ۱۱ میں وہ یوں بیان کرتا ہے "تیرے حضور میں کامل شادمانی ہے۔ تیرے دہنے ہاتھ میں دائمی خوشی ہے"۔

۲: ۲۹۔ پطرس دلیل دیتا ہے کہ "داؤد" یہ باتیں اپنے حق میں نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ اُس کا بدن تو گل سڑ گیا۔ اُس زمانے کے لوگ "اُس کی قبر" کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ اُن کو معلوم تھا کہ داؤد کو جلایا نہیں گیا تھا۔

۲: ۳۰۔ ۳۱۔ "داؤد" نے یہ زبور نبوت سے لکھا۔ اُسے یاد تھا کہ "خدا" نے وعدہ کر رکھا ہے کہ میرے جانشینوں میں سے وہ ایک ہستی کو زندہ کرے گا تاکہ ہمیشہ تک میرے "تخت پر بیٹھے"۔ داؤد کو معلوم تھا کہ یہ مسیح موعود ہوگا۔ اور اگرچہ وہ مر جائے گا لیکن اُس کی روح بے بدن حالت میں نہیں رہے گی اور نہ اُس کا بدن گلے سڑے گا۔

۲: ۳۲۔ ۳۳۔ اب پطرس ایک ایسے اعلان کو دہراتا ہے جس سے اُس کے سامعین چونک اُٹھے کہ جس مسیح کا ذکر داؤد نے نبوت سے کیا ہے وہ ناصرت کا یسوع ہے۔ "خدا نے" اُسے مُردوں میں سے "جلایا" اور شاگرد سب اِس کے گواہ ہیں کیونکہ وہ عینی شاہد ہیں۔ زندہ کئے جانے کے بعد اُسے "خدا کے دہنے ہاتھ سے سربلند" کیا گیا اور اب جیسا "باپ" نے "وعدہ" کیا تھا، "روح القدس" نازل ہوا ہے۔ یہ اُن ساری باتوں کی وضاحت تھی جو یروشلیم میں کچھ دیر پہلے واقع ہوئی تھیں۔

۲: ۳۴۔ ۳۵۔ کیا "داؤد" نے مسیح موعود کی سربلندی اور سرفرازی کی نبوت نہیں کی تھی؟ وہ زبور ۱۱۰: ۱ میں اپنے بارے میں نہیں کہہ رہا تھا بلکہ وہ بتا رہا تھا کہ یہوواہ مسیح موعود سے کہتا ہے کہ "میری دہنی طرف بیٹھ۔ جب تک میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں تلے کی چوکی نہ کر دوں" (غور کریں کہ آیات ۳۴ ۔ ۳۵ انتظار کے وقت کی نبوت ہے۔ مسیح کے جلال پانے اور دوبارہ آ کر دشمنوں کو نیست کر کے

بادشاہی قائم کرنے کے درمیان اِنتظار کا وقفہ ہے)۔

۲: ۳۶۔ ایک دفعہ پھر وہی بات دُہرائی جاتی ہے جس سے یہودیوں کے دِل ہِل جاتے ہیں کہ "خدا نے اُسی یسوع کو جسے تُم نے مصلوب کیا خُداوند بھی کیا اور مسیح بھی"۔ یونانی لفظوں کی ترتیب میں "جسے تُم نے مصلوب کیا" آخر میں آتا ہے۔ بینگل کہتا ہے کہ ساری بات میں نشتر آخر میں رکھا گیا ہے، یعنی یہی یسوع "جسے تُم نے مصلوب کیا"۔ اُنہوں نے خُدا کے ممسوح کو مصلوب کیا تھا۔ اور رُوح القدس کا نزول گواہی تھی کہ یسوع آسمان میں سربلند کیا گیا ہے (مُلاحظہ کریں یُوحنّا ۷: ۳۹)۔

۲: ۳۷۔ رُوح القدس نے اُن کو اِتنی شدّت سے جھنجھوڑا کہ سامعین نے اُسی وقت ردِّ عمل کا اظہار کیا۔ پطرس نے نہ تو اپیل کی نہ اُن کو دعوت دی تو بھی وُہ پکار اُٹھے کہ "ہم کیا کریں؟" گہرے احساسِ گُناہ کے باعث یہ سُوال اُن کی زُبان پر آ گیا۔ اُنہوں نے جان لیا کہ جس یسوع کو ہم نے قتل کیا تھا وُہ خُدا کا پیارا بیٹا تھا۔ اُسی یسوع کو مُردوں میں سے جِلایا گیا اور اَب وُہ آسمان میں سربلند ہے۔ ایسی صُورت میں یہ قصوروار قاتل خُدا کے غضب سے کس طرح بچ سکتے تھے؟

۲: ۳۸۔ پطرس نے جواب دیا کہ "توبہ کرو اور تُم میں سے ہر ایک اپنے گُناہوں کی مُعافی کے لئے یسوع مسیح کے نام پر بپتسمہ لے"۔ اوّل۔ توبہ کرو، یعنی اپنے قصور اور گُناہ کو مانو اور خُود اپنے خلاف خُدا کے ساتھ کھڑے ہو۔

دوم۔ اپنے گُناہوں کی مُعافی کے لئے بپتسمہ لو۔ بادیُ النّظر میں معلُوم ہوتا ہے کہ اِس آیت میں بپتسمہ کے وسیلے سے نجات کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ اور بہت سے لوگ اِسی مفہُوم پر اصرار بھی کرتے ہیں۔ لیکن مُندرجۂ ذیل وُجُوہ کی بِنا پر یہ تشریح ناممکن ہے:

۱۔ نئے عہد نامہ میں درجنوں حوالے ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ نجات خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے کے وسیلے سے ہے (یُوحنّا ۱: ۱۲؛ ۳: ۱۶، ۳۶؛ ۶: ۴۷؛ اعمال ۱۶: ۳۱؛ رومیوں ۱۰: ۹ چند مثالیں ہیں)۔ یہ تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی آیت ایسی زبردست گواہی کی تردید کرتی ہے۔

۲۔ صلیب پر ڈاکو کو بپتسمہ کے بغیر نجات کی یقین دہانی کرائی گئی تھی (لُوقا ۲۳: ۴۳)۔

۳۔ کہیں بیان نہیں کہ مُنجّی نے کسی کو بپتسمہ دیا ہو۔ اگر نجات کے لئے بپتسمہ ہی ضروری ہے تو ایسے بیان کا نہ ہونا بہت عجیب بات ہے۔

۴۔ پَولُس رسُول شُکر کرتا ہے کہ مَیں نے صِرف چند ایک کرنتھیوں کو بپتسمہ دیا ہے۔ اگر بپتسمہ نجات

کا باعث ہوتا تو یہ شکر گزاری کی عجیب ہی وجہ معلوم ہوگی (۱۔کرنتھیوں ۱: ۱۴۔۱۶)۔

یہ غور کرنا بھی اہم ہے کہ صرف یہودیوں ہی کو گناہوں کی معافی کے لئے بپتسمہ لینے کو کہا گیا (دیکھئے اعمال ۲۲: ۱۶)۔ ہمارے خیال میں یہ حقیقت اِس حوالہ کو سمجھنے کا بھید ہے۔ اسرائیلی قوم نے جلال کے خداوند کو مصلوب کیا تھا۔ اور یہودیوں ہی نے چلّا چلّا کر کہا تھا کہ "اِس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر!" (متی ۲۷: ۲۵)۔ اِس طرح اسرائیلی قوم مسیحِ موعود کی موت کے قصور کو تسلیم کرتی تھی۔

اب اِن میں سے کچھ یہودیوں نے اپنی غلطی کا احساس کیا۔ توبہ کرنے سے اُنہوں نے تسلیم کیا کہ ہم نے خدا کا گناہ کیا ہے۔ اور خداوند یسوع کو منجی ماننے کے وسیلے سے اِن کو نئی پیدائش اور گناہوں کی ابدی معافی حاصل ہوئی۔ پانی سے علانیہ بپتسمہ لینے سے اُنہوں نے اُس قوم سے قطعِ تعلق کر لیا جس نے خداوند کو مصلوب کیا تھا، اور مسیح کو قبول کرنے کا اعلان کیا۔ بپتسمہ ظاہری نشان تھا کہ مسیح کو رد کرنے کا گناہ (اور دوسرے سارے گناہ بھی) دُھل گیا ہے۔ بپتسمہ نے اُن کو یہودی بُنیاد سے نکال کر مسیحی بُنیاد پر قائم کر دیا۔ مگر اُنہیں نجات بپتسمہ نے نہیں دی۔ نجات صرف مسیح پر ایمان کے باعث ملتی ہے۔ جو کوئی اس کے خلاف تعلیم دیتا ہے وہ کوئی اَور "خوشخبری" سُناتا ہے اور اِس وجہ سے ملعون ہے (گلتیوں ۱: ۸، ۹)۔

"گناہوں کی معافی کے لئے بپتسمہ" کے بارے میں رائری یہ تشریح پیش کرتا ہے:

> "اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اِس کے باعث گناہوں کی معافی ملتی ہے کیونکہ نئے عہدنامہ میں ہر جگہ مسیح پر ایمان کے نتیجے میں گناہ معاف ہوئے ہیں، نہ کہ بپتسمہ کے نتیجے میں ــــ جس یونانی حرفِ جار (eis) کا ترجمہ "کے لئے" کیا گیا ہے اِس کا یہاں مطلب ہے "کی وجہ سے" ــــ نہ صرف یہاں بلکہ دیگر مقامات پر بھی یہی مفہوم ہے۔ مثلاً متی ۱۲: ۴۱ جہاں مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ "اُنہوں نے یُوناہ کی منادی کی وجہ سے توبہ کر لی"۔ توبہ سے پنتکُست کے اِس گروہ کو گناہوں کی معافی ملی۔ اور گناہوں کی معافی کی وجہ سے اُنہوں نے بپتسمہ پانے کی درخواست کی"۔

پطرس نے اُن کو یقین دِلایا کہ اگر تم توبہ کرو اور بپتسمہ لو تو رُوح القدس انعام میں پاؤ گے۔ اِس بات پر اصرار کرنا کہ آج اِسی ترتیب کا اطلاق ہوتا ہے، ظاہر کرتا ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ کلیسیا کے ابتدائی دِنوں میں خدا انتظامی معاملات میں کس طرح کام کرتا تھا۔ ایچ۔ پی۔ بارکر اپنی تصنیف The Vicar of Christ میں بڑی خوبی سے بیان کرتا ہے کہ اعمال کی کتاب میں

ایمان داروں کی چار جماعتیں ہیں، اور ہر ایک کے لئے رُوح القُدس حاصل کرنے کی ترتیب الگ الگ ہے۔

— یہاں اعمال ۲: ۳۸ میں ہم یہودی مسیحیوں کے بارے میں پڑھتے ہیں۔ اُن کے لئے ترتیب یُوں تھی:

۱۔ توبہ ۲۔ پانی کا بپتسمہ ۳۔ رُوح القُدس کا حاصل ہونا۔

— اعمال ۸: ۱۴۔۱۷ میں سامریوں کے ایمان لانے کا بیان درج ہے وہاں واقعات کی ترتیب یُوں ہے:

۱۔ ایمان لائے ۲۔ پانی سے بپتسمہ لیا ۳۔ رسُولوں نے اُن کے لئے دُعا کی ۴۔ رسُولوں نے اُن پر ہاتھ رکھے ۵۔ اُن کو رُوح القُدس مِلا۔

— اعمال ۱۰: ۴۴۔۴۸ میں غیر قوم افراد ایمان لائے۔ وہاں ترتیب یُوں ہے:

۱۔ ایمان ۲۔ رُوح القُدس حاصل کرنا ۳۔ پانی کا بپتسمہ۔

— ایمان داروں کا چوتھا گروہ یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کے شاگرد تھے اعمال ۱۹: ۱۔۷۔ اِس موقع پر ترتیب یُوں ہے:

۱۔ وُہ ایمان لائے ۲۔ اُن کو بپتسمہ دِیا گیا ۳۔ پَولُس رسُول نے اُن پر ہاتھ رکھّے ۴۔ اُن کو رُوح القُدس مِلا۔

تو کیا اِس کا مطلب ہے کہ اعمال کی کتاب میں نجات پانے کے چار طریقے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ نجات خُداوند پر ایمان لانے سے ہے اور ہمیشہ ہو گی۔ اعمال کی کتاب میں ایک عبوری دَور کا بیان ہے۔ اُس وقت خُدا کو پسند آیا کہ رُوح القُدس کے پانے کے واقعات میں ردّ و بدل کرے۔ اِس کی وجہ صِرف وُہی جانتا ہے۔

اِن میں سے کون سی ترتیب کا اِطلاق ہم پر ہوتا ہے؟ چونکہ اِسرائیلیوں نے قومی سطح پر مسیحِ موعُود کو ردّ کر دیا ہے اِس لئے اُن کی وُہ خاص مراعات جو اُنہیں حاصل تھیں رُک گئی ہیں۔ آج خُدا غیر قوموں میں سے اپنے نام کے لئے لوگوں کو بُلا رہا ہے (اعمال ۱۵: ۱۴)۔ چنانچہ آج کے لئے وُہ ترتیب ہے جو اعمال باب ۱۰ میں پائی جاتی ہے یعنی ۱۔ ایمان ۲۔ رُوح القُدس پانا ۳۔ پانی کا بپتسمہ۔

ہمیں یقین ہے کہ آج کے زمانے میں اِس ترتیب کا اطلاق یہودیوں اور غیر یہودیوں سب پر ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے پہلی نظر میں یہ بے وجہ اور زبردستی کی بات معلُوم ہو۔ کوئی پُوچھ سکتا ہے کہ اعمال ۲: ۳۸ کی ترتیب یہودیوں کے لئے مَوقُوف ہو گئی اور اعمال ۱۰: ۴۴۔۴۸ کی ترتیب کب سے نافذ ہُوئی۔

بے شک کوئی حتمی تاریخ تو نہیں بتائی جا سکتی، لیکن اعمال کی کتاب میں ہمیں یہودیوں کے بارے میں ایک تدریجی عمل نظر آتا ہے۔ خوشخبری پہلے یہودیوں کو پیش کی گئی۔ یہودیوں نے اِسے بار بار ردّ کیا۔ پھر یہ غیر قوموں کو پیش کی گئی۔ اعمال کی کتاب کے آخر تک پہنچتے پہنچتے اسرائیلی قوم کو بڑی حد تک ایک طرف کر دیا گیا ہے۔ اپنی بے اعتقادی کے باعث وہ خدا کی برگزیدہ قوم ہونے کا دعویٰ کرنے کا حق کھو بیٹھے۔ کلیسیائی زمانے کے دوران انجیل کی خوشخبری غیر قوموں سے منسوب کی جائے گی۔ اس لئے غیر قوموں والی ترتیب جس کا خاکہ اعمال ۱۰: ۴۴-۴۸ میں موجود ہے، اسی کا اطلاق ہو گا۔

۲: ۳۹۔ اِس کے بعد پطرس اُن کو یاد دلاتا ہے کہ رُوح القدس کا "وعدہ تم اور تمہاری اولاد (یہودی قوم) اور اُن سب دُور کے لوگوں (غیر اقوام) سے بھی ہے جن کو خداوند ہمارا خدا اپنے پاس بُلائے گا"۔

جن لوگوں نے کہا تھا کہ "اِس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر"، اُن ہی کو یقین دلایا گیا ہے کہ اگر تم خداوند پر ایمان لاؤ تو تم پر فضل ہو گا۔

بسا اوقات اِس آیت سے یہ تعلیم اخذ کی جاتی ہے کہ ایمان دار والدین کی اولاد یقینی طور سے وعدے کی مراعات حاصل کرتی ہے، یا کہ اولاد بھی نجات یافتہ ہوتی ہے۔ یہ تعلیم غلط ہے۔ اِس سلسلے میں سپرجن کہتا ہے کہ:

"کیا خدا کی کلیسیا کو علم نہیں کہ 'جو جسم سے پیدا ہُوا ہے جسم ہے اور جو رُوح سے پیدا ہُوا ہے رُوح ہے'؟ 'ناپاک چیز میں سے پاک چیز کون نکال سکتا ہے'؟ (یوحنا ۳: ۶؛ ایوب ۱۴: ۴)۔

طبعی پیدائش سے فطری پلیدگی ملتی ہے۔ یہ پیدائش اطمینان نہیں دے سکتی۔

ہمیں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ نئے عہد کے تحت خدا کے فرزند 'نہ خون سے، نہ جسم کی خواہش سے، نہ انسان کے ارادہ سے، بلکہ خدا سے پیدا ہوئے'" (یوحنا ۱: ۱۳)۔

اہم اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ "یہ وعدہ (صرف) تم اور تمہاری اولاد" ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ اُن "دُور کے لوگوں سے بھی ہے جن کو خداوند ہمارا خدا ... بُلائے گا"۔ اِس میں سارے اُسی طرح شامل ہیں جس طرح "جو کوئی ..." (یوحنا ۳: ۱۶) والی خوشخبری کی دعوت میں۔

۲: ۴۰۔ اِس باب میں پطرس کا پُورا پیغام درج نہیں۔ البتہ باقی حصّے کا خلاصہ یہ ہے کہ اُس کی سُننے والے یہودی اپنے آپ کو اُس "ٹیڑھی قوم" سے بچائیں جس نے خداوند یسوع کو ردّ کیا اور قتل کر ڈالا۔ اُس سے بچنے کے لئے وہ یسوع کو مسیح موعود اور نجات دہندہ قبول کریں اور مسیحی بپتسمہ کے وسیلے سے علانیہ اقرار کریں کہ اب اُس خطاکار قوم کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔

۲: ۴۱ - لوگوں میں ایک لہر دَوڑ گئی - وُہ چاہنے لگے کہ ہم بپتسمہ لیں جو ظاہری نشان ہو کہ ہم نے خوشی سے "قبول کیا" ہے کہ پطرس کی باتیں خداوند کا "کلام" ہیں - اُس دن تقریباً "تین ہزار آدمی" ایمان داروں کی جماعت "میں مل گئے" - اگر رُوحوں کی تبدیلی رُوح القدس کے کام کا بہترین ثبوت ہے تو یقیناً پطرس کی خدمت اِسی قسم کی تھی - بے شک گلیل کے اِس ماہی گیر کو خداوند یسوع کی بات یاد آئی ہوگی کہ "مَیں تم کو آدم گیر بناؤں گا" (متی ۴: ۱۹) اور شاید مُنجّی کی یہ بات بھی کہ "مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو مَیں کرتا ہوں وُہ بھی کرے گا، بلکہ اِن سے بھی بڑے کام کرے گا کیونکہ مَیں باپ کے پاس جاتا ہوں" (یوحنا ۱۴: ۱۲) -

یہ بات سبق آموز اور قابلِ توجہ ہے کہ ایمان لانے والوں کی تعداد کیسی احتیاط سے درج کی گئی ہے - "تین ہزار آدمیوں کے قریب" - خداوند کے سارے خادموں کو "مسیح کے پاس آنے کے مبینہ فیصلوں" کا شمار ایسی ہی احتیاط سے کرنا چاہئے -

۲: ۴۲ - حقیقت کا ثبوت "ایمان کو جاری رکھنے" یا "مشغول رہنے" میں ہے - اِن نو مُریدوں نے "سچے ایمان" کا ثبوت دیا - وُہ بڑے اِستقلال سے "مشغول رہے":

۱- وُہ رسولوں سے "تعلیم پانے" میں مشغول رہے - مُراد ہے وُہ تعلیم جو شاگردوں کو الہام سے حاصل ہوتی تھی - پہلے وُہ زبانی دی جاتی تھی، اب وُہ نئے عہد نامہ میں تحریری شکل میں موجود ہے -

۲- وُہ "رفاقت رکھنے میں" مشغول رہے - نئی زندگی کا یہ ایک اَور ثبوت تھا - یہ نو مُرید خدا کے لوگوں کے ساتھ رہنا اور اُن کی ساری باتوں میں شریک ہونا چاہتے تھے -

۳- وُہ "روٹی توڑنے" میں مشغول رہے - نئے عہد نامہ میں "روٹی توڑنے" کی اصطلاح عشائے ربّانی اور عام کھانا کھانے دونوں کے لئے اِستعمال ہُوئی ہے - متن کے مُطابق مطلب لینا چاہئے - یہاں صاف معلوم ہوتا ہے کہ مطلب عشائے ربانی سے ہے کیونکہ یہ کہنا مضحکہ خیز ہوگا کہ وُہ عام کھانا کھانے میں مشغول رہے - اعمال ۲۰: ۷ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مسیحی ہفتہ کے پہلے دن "روٹی توڑا" کرتے تھے - کلیسیا کے ابتدائی زمانے میں عشائے ربّانی کے تعلق سے "محبّت کی ضیافت" (دیکھئے یہوداہ ۱۲؛ ۲- پطرس ۲: ۱۳؛ ۱- کرنتھیوں ۱۱: ۲۰ - ۲۲) بھی ہوتی تھی جس سے مُقدّسین کی باہمی محبّت کا اظہار ہوتا تھا - لیکن خامیاں/خرابیاں در آئیں تو یہ رسم ترک کر دی گئی -

۴- وُہ "دُعا کرنے" میں مشغول رہے - یہ چوتھی بڑی رسم یا بڑا اصول تھا جو ابتدائی کلیسیا میں جاری تھا - جس سے یہ اِظہار ہوتا تھا کہ کلیسیا عبادت، ہدایت و راہنمائی، ایمان میں قائم رہنے اور خدمت کے لئے خداوند پر کامل تکیہ کرتی ہے -

۲: ۴۳- ہر شخص پر عقیدت بھرا "خوف چھا گیا"۔ رُوح القدس کی زبردست قوّت ایسی نمایاں تھی کہ دل مغلوب ہو گئے۔ اُنہوں نے "رسولوں" کو "عجیب کام اور نشان" دکھاتے دیکھا تو وُہ حیران اور ششدر رہ گئے۔ "عجیب کام" وُہ معجزے تھے جو حیران اور متعجب کرتے تھے۔ اور "نشان" وُہ معجزے تھے جن کا مقصد تعلیم دینا تھا۔ ایک ہی معجزہ عجیب کام اور نشان بھی ہو سکتا ہے۔

۲: ۴۴- ۴۵- ایمان دار متواتر "ایک جگہ رہتے اور سب چیزوں میں" ایک دُوسرے کو "شریک" کرتے تھے۔ اُن کے دِلوں میں خدا کی محبّت ایسی قدرت کے ساتھ چھا گئی کہ وُہ اپنی مادی چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتے تھے (۴: ۳۲)۔ ساتھیوں میں سے کسی کو بھی حقیقی طور پر ضرورت ہوتی تو وُہ "اپنی جائداد" بیچ کر رقم بانٹ دیتے تھے۔ اِس طرح اُن میں مساوات قائم ہو گئی تھی۔

الیف۔ ڈبلیو۔ گرانٹ کہتا ہے:

> "ایمان لانے والوں میں دِل اور مقاصد کا اتحاد تھا۔ یہ اتحاد فطری خود غرضی کو نگل گیا تھا۔ اِلٰہی محبّت کے احساس نے اُن میں ایسی بھرپور محبّت پیدا کر دی تھی۔ وُہ باہم اِس طرح مِل گئے تھے کہ اُن کا سب کچھ مشترکہ ہو گیا تھا۔۔۔ اور ایسا کسی خارجی شریعت کے دباؤ کے تحت نہیں ہوتا، ورنہ سب کچھ بگڑ کر رہ جاتا۔ بلکہ یہ اِس شعور کے تحت ہُوا کہ ہم مسیح کے نزدیک کیا ہیں، اور مسیح نے ہم میں سے ہر ایک کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ وُہ مسیح کی اُس برکت سے مالا مال ہو گئے تھے جسے کوئی چیز کم نہیں کر سکتی، بلکہ جتنا اُسے استعمال کرتے تھے اُتنا ہی بڑھتی جاتی تھی۔ 'اور اپنی جائداد اور اسباب بیچ بیچ کر ہر ایک کی ضرورت کے موافق سب کو بانٹ دیا کرتے تھے'۔"

آج بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں ابتدائی ایمان داروں کی اِس رسم کی پیروی کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر تو یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ ہمیں اپنے پڑوسیوں سے اپنے برابر محبّت کرنے کی ضرورت نہیں۔ رُوح القدس سے معمور زندگیوں کا ناگزیر پھل یہ تھا کہ وہ اپنی شخصی چیزوں اور جائداد میں سب کو شریک کرتے تھے۔ کسی نے کہا ہے کہ "حقیقی مسیحی برداشت نہیں کر سکتا کہ اُس کے پاس تو بہت کچھ ہو جبکہ دُوسروں کے پاس بہت کم ہے"۔

۲: ۴۶- یہ آیت مذہبی اور گھریلو زندگی پر پنتکُست کے اثر کو ظاہر کرتی ہے۔

"مذہبی زندگی" کے سلسلے میں ہم یاد رکھیں کہ یہ ابتدائی مسیحی یہودی پس منظر سے تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ کلیسیا قائم ہو گئی تھی لیکن ہیکل سے تعلقات فوری طور پر منقطع نہیں ہوئے۔ یہودیت کا

کفن اُتارنے کا عمل اعمال کی پوری کتاب کے زمانے میں جاری رہا۔ اس لئے ایمان دار "ہیکل" کی عبادات میں بھی حاضر ہوتے رہے۔ وہاں پرانا عہدنامہ پڑھا جاتا اور اس کی تفسیر پیش کی جاتی تھی۔ پھر وہ گھروں میں اس مقصد کے لئے جمع ہوتے تھے جس کا بیان آیت ۴۲ میں ہوا ہے۔

اُن کی گھریلو زندگی کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں کہ وہ "گھروں میں روٹی توڑ کر خوشی اور سادہ دلی سے کھانا کھایا کرتے تھے"۔ یہاں صاف معلوم ہوتا ہے کہ عام کھانا کھانے کی بات ہو رہی ہے۔ نجات کی خوشی زندگی کی ہر بات سے جھلکتی تھی۔ دُنیاوی باتوں میں بھی جلال کی جھلک تھی۔

۴۷:۲۔ تاریکی کے اختیار سے رہائی پانے والوں کے لئے زندگی حمد و ستائش کا نغمہ اور شکرگزاری کا زبور بن گئی تھی کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کی محبت کی بادشاہی میں آ گئے تھے۔

آغاز ہی سے ایمان دار "سب لوگوں کو عزیز تھے"۔ مگر یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ مسیحی ایمان کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ بالآخر لوگ اس کی مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ منجی نے اپنے شاگردوں کو خبردار کیا تھا کہ مقبولیت سے ہوشیار رہیں (لوقا ۲۶:۶) اور یہ بھی کہا تھا کہ تم کو دُکھوں، مصیبتوں اور ایذا رسانی کا سامنا ہو گا (متی ۱۰: ۲۲، ۲۳)۔ چنانچہ یہ ہردل عزیزی عارضی ثابت ہوئی۔ بہت جلد اُن کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

"اور جو نجات پانے تھے اُن کو خداوند ہر روز اُن میں ملا دیتا تھا"۔ نئے ایمان لانے والوں کے باعث مسیحیوں کی جماعت میں ہر روز اضافہ ہو رہا تھا۔ جو لوگ خوشخبری سنتے تھے اُن کی ذمہ داری تھی کہ اپنی مرضی سے یسوع مسیح کو قبول کریں۔ خداوند کے چُننے اور ایمان داروں میں شامل کرنے سے انسانی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی۔

اِس باب میں رُوح القدس کے اُنڈیلے جانے کا بیان، پطرس کا یادگار خطاب جو اُس نے یہودیوں کے سامنے پیش کیا درج ہے۔ پھر بڑی بھیڑ کے ایمان لانے کا ذکر اور ابتدائی مسیحیوں کی زندگی کا مختصر حال مرقوم ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کے تیرھویں ایڈیشن میں "تاریخِ کلیسیا" کے زیرِ عنوان اِس کا مختصر حال بڑی خوبصورتی سے درج کیا گیا ہے:

> "ابتدائی مسیحیوں کی زندگی کی نمایاں بات یہ تھی کہ اُن کو واضح شعور تھا کہ ہم خدا کے لوگ ہیں۔ اُس نے ہمیں بُلایا اور مخصوص کیا ہے۔ اُن کے خیال میں مسیحی کلیسیا انسانی نہیں بلکہ الٰہی ادارہ تھا۔ اِس کی بُنیاد خدا نے رکھی اور وہی اِسے کنٹرول کرتا ہے۔ یہاں تک

کہ دُنیا بھی اُسی کی خاطر خلق کی گئی ہے ... یہ نظریہ ابتدائی مسیحیوں کی انفرادی اور سماجی پُوری زندگی کو کنٹرول کرتا تھا۔ وُہ سمجھتے تھے کہ ہم باقی دُنیا سے الگ اور خاص بندھنوں سے باہم بندھے ہُوئے ہیں۔ ہم آسمانی وطن کے شہری ہیں۔ اور جن اُصولوں اور قوانین کے مُطابق ہم زندگی گزارنے کی کوشش کر رہے ہیں وُہ اُوپر سے ہیں۔ یہ دُنیا بالکل عارضی ہے اور ہماری حقیقی زندگی مُستقبل میں ہے۔ مسیح بہت جلد واپس آنے کو ہے اور اِس زندگی کی مصرُوفیات، مُشقّتیں اور خُوشیاں بے حقیقت ہیں ... مسیحیوں کی روزمرّہ کی زندگی میں رُوح القدُس کام کرتا تھا اور تمام مسیحی فضائل اِس کا پھل تھے۔ اِس اعتقاد کے نتیجے میں اُن کی زندگیوں میں مخصُوص سرگرمی اور جوش وجذبہ پایا جاتا تھا۔ اُن کے تجربات روزمرّہ کی معمُولی زندگی کے تجربات نہیں تھے بلکہ اُن لوگوں کے تجربات تھے جو اپنے آپ سے بھی بُلند ہو گئے تھے اور اعلیٰ اور اُونچی فضاؤں میں رہتے تھے"۔

اِس مقالے کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج کل کی کلیسیا اپنے اصلی جوش اور استحکام سے کتنی پیچھے ہٹ چُکی ہے۔

ہاؤس چرچ

یہ پہلا موقع ہے کہ اعمال کی کتاب میں کلیسیا کی صُورت نظر آنے لگتی ہے (اعمال ۲: ۴۷)۔ اِس لئے ہم کُچھ وقت اِس بات پر غور کرنے پر صَرف کریں گے کہ ابتدائی مسیحیوں کی سوچ میں کلیسیا کو کیا مقام حاصِل تھا۔

اعمال کی کتاب میں اور نئے عہدنامہ کے بقیہ حِصّے میں کلیسیا ایسی تھی جسے ہاؤس چرچ کہا جاتا ہے۔ ابتدائی مسیحی کلیسیائی عمارتوں کی بجائے گھروں میں جمع ہُؤا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مذہب مخصُوص مُقدس مقامات سے آزاد ہو کر عالمگیر سکونتی جگہ یعنی گھر میں مرکوز ہو گیا۔ اُنگر کہتا ہے کہ دو صَدیوں تک گھر مسیحیوں کے جمع ہونے کے مراکز کا کام دیتے رہے۔

ہو سکتا ہے کہ ہم یہ سوچنے لگیں کہ مُعاشی ضرُورت سے مجبُور ہو کر وُہ مسیحی گھروں میں جمع ہوتے تھے اور کہ اِس میں رُوحانی خیال یا سوچ کا عمل دخل نہیں تھا۔ ہم گرجا گھروں کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ خُدا کے نزدیک یہ مثالی مقام ہیں۔

لیکن بڑی مضبُوط دلیل ہے کہ پہلی صَدی کے ایمان دار شاید ہم سے زیادہ دانا اور عقلمند تھے۔ دُنیا میں غربت اور مُحتاجی اِتنی زیادہ ہے کہ سوچ کر کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ ایسی صُورتِ حال میں ایسی شاندار اور پُرتعیش عمارات پر لاکھوں روپیہ خرچ کرنا مسیحی ایمان اور محبّت کے اصُول کے منافی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہاؤس چرچ ہر تہذیب اور ہر مُلک کے لئے مَوزُوں ہے ۔ اور اگر ہم ساری دُنیا پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ کلیسیاؤں کے جِتنے اجتماعات گھروں میں ہوتے ہیں اَور کہیں نہیں ہوتے ۔ آج ہم نے بڑے شاندار اور پُر شکوہ کیتھیڈرل، گرجے اور چیپل بنا رکھے ہیں ۔ اِن کے عِلاوہ اِتنی تنظیمیں ہیں جن کا شُمار بھی مُمکن نہیں ۔ اِن کے برعکس اَعمال کی کتاب میں رسُولوں نے خُداوند کے کام کے لئے کِسی قسم کی تنظیم بنانے کی کوشش نہیں کی ۔ مقامی کلیسیا ہی زمین پر خُدا کی ایک جماعت ہوتی تھی جو ایمان کو پھیلاتی اور مشتہر کرتی تھی اور شاگرد اِسی اِنتظام کے اندر رہ کر کام کرتے تھے ۔

حالیہ سالوں میں مسیحی دُنیا میں جب بھی کسی ایمان دار کو مسیح کے کام میں ترقّی کے لئے کوئی خیال سُوجھتا ہے تو وُہ کوئی نیا مشن یا ادارہ بنا لیتا ہے ۔

اِس کا ایک نتیجہ یہ ہُوا ہے کہ لائق معلّموں اور مبشّروں کو بُنیادی خِدمت سے ہٹا کر ناظم (ایڈمنسٹریٹر) بنا دیا جاتا ہے ۔ کاش یہ تمام حضرات تبلیغی مَیدان میں خِدمات انجام دیں !

تنظیموں کی بھرمار کا دُوسرا نتیجہ یہ ہُوا ہے کہ بالائی اخراجات میں بے حَد اِضافہ ہو گیا ہے اور اِنجیل کی بشارت کے فنڈ اِن اخراجات کی نذر ہو جاتے ہیں ۔ بہُت سی مسیحی تنظیموں کو مِلنے والی رُقُوم کا بیشتر حصّہ اِس تنظیم کو چلانے اور اِس کی نگہداشت و پرداخت پر لگ جاتا ہے، اور جِس بُنیادی مقصد کے لئے تنظیم بنائی گئی تھی اِس کے لئے بہُت تھوڑا حِصّہ بچتا ہے ۔

تنظیموں کی بھرمار کا نتیجہ اکثر سازشوں، دھڑے بندیوں، حَسد اور مُقابلہ بازی کی شکل میں نِکلتا ہے جِس سے مسیح کی گواہی کو سخت نُقصان پہُنچتا ہے ۔

یہ بھی غور کریں کہ اِن میں سے کِتنی تنظیمیں صرف اِنسانی دھڑے بندیوں اور مُقابلہ بازی کے باعث وجُود میں آئی ہیں ۔ حالانکہ لوگوں کے سامنے دعوے کِئے جاتے ہیں کہ خُدا کی مرضی سے بنی ہیں ۔

اور اکثر یہ بات بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ جب اِن تنظیموں کی افادیت ختم ہو جاتی اور اِن کا مقصد پُورا ہو جاتا ہے تو اِس کے بعد بھی طویل عرصے تک یہ اپنے وجُود کو قائم رکھتی ہیں ۔ بانیوں کی رویا ختم ہو جاتی ہے ۔ بُھلا دی جاتی ہے ۔ لیکن اِس کے پہیے کھڑکھڑاتے ہوئے چلتے رہتے ہیں ۔ ایک جوشیلی اور ولولہ انگیز تحریک کی شان رُخصت ہو جاتی ہے لیکن تنظیم کمبل کی طرح چمٹی رہتی ہے ۔ غیر متمدّن سادگی نے نہیں، بلکہ رُوحانی حِکمت تھی جس نے اِبتدائی مسیحیوں کو خُداوند کا کام کرنے کے لئے تنظیمیں بنانے سے بچائے رکھا ۔ جی ۔ ایچ ۔ لینگ لِکھتا ہے کہ :

"ایک تیز فہم مُصنّف نے کہا ہے کہ ہم نے مشنوں کی بُنیادیں رکھیں جبکہ شاگردوں نے

کلیسیائیں تشکیل دیں" - یہ فرق بالکل درست اور معنی خیز ہے - رسولوں نے کلیسیاؤں کی بنیادیں رکھیں - انہوں نے کسی اور چیز کی بنیاد نہیں رکھی کیونکہ جو مقصد اُن کے سامنے تھا اس کے لئے نہ کسی اور چیز کی ضرورت تھی اور نہ کوئی اور چیز موزوں ہو سکتی تھی - جس مقام پر بھی وہ محنت کرتے تھے وہ ایمان لانے والوں کی مقامی جماعت بنا دیتے تھے - وہاں بزرگوں —— ہمیشہ بزرگوں —— ایک بزرگ نہیں —— بلکہ بزرگوں کو مقرر کر دیتے تھے (اعمال ۱۴: ۲۳؛ ۱۵: ۶، ۲۳؛ ۲۰: ۱۷؛ فلپیوں ۱: ۱) تاکہ اُن کی راہنمائی کریں، اُن پر اختیار رکھیں اور اُن کی پاسبانی کریں - اور یہ ایسے لوگ ہوتے تھے جن کو خدا توفیق اور لیاقت دیتا تھا - اور مقدسین انہیں تسلیم کرتے تھے (۱-کرنتھیوں ۱۶: ۱۵؛ ۱-تھسلنیکیوں ۵: ۱۲، ۱۳؛ ۱-تیمتھیس ۵: ۱۷-۱۹) - اِن کے علاوہ جماعتیں خادموں (ڈیکنوں) کو مقرر کرتی تھیں (اعمال ۶: ۱-۶؛ فلپیوں ۱: ۱) - یہ اہم دنیاوی معاملات کا بندوبست اور خصوصاً جماعت کے فنڈز کی تقسیم کا انتظام کرتے تھے - تنظیمی لحاظ سے رسول صرف اتنا کرتے تھے کہ جو شاگرد جمع ہو جاتے تھے اُن کی ایسی ہی جماعتیں بنا دیتے تھے - نئے عہد نامہ میں مقامی جماعتوں کے علاوہ ہمیں اور کوئی تنظیم نظر نہیں آتی بلکہ ایسا بیج بھی نظر نہیں آتا۔"

ابتدائی مسیحی اور اُن کے رسولی راہنماؤں کے نزدیک مقامی کلیسیا ہی وہ یونٹ تھی جس کے وسیلے سے خدا کام کرتا تھا اور جس کو دوام بخشنے کا وعدہ اُس نے کیا ہے -

۵- ایک لنگڑے آدمی کی شفا اور پطرس کا اسرائیلی قوم پر الزام

(۳: ۱-۲۶)

۳: ۱ - کوئی تین بجے سہ پہر کا وقت تھا "پطرس اور یوحنا" یروشلیم میں "ہیکل کو جا رہے تھے" - جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے کلیسیا کے قیام کے بعد بھی کچھ عرصے تک "یہودی مسیحی" ہیکل میں عبادتوں میں شریک ہوتے رہے - یہ عبوری دور تھا جس میں بہت سی باتوں کا تصفیہ کیا جا رہا تھا - یہ لوگ یہودیت سے یکدم علیحدہ نہیں ہوئے تھے - لیکن آج مناسب نہیں ہوگا کہ ایماندار اُن مسیحیوں کی تقلید کریں کیونکہ ہمارے پاس نئے عہد کا پورا مکاشفہ موجود ہے اور ہمیں تاکید کی گئی ہے کہ "اُس کی ذلت کو اپنے اوپر لئے ہوئے خیمہ گاہ سے باہر اُس کے پاس چلیں" عبرانیوں ۱۳: ۱۳، مزید ملاحظہ کریں ۲-کرنتھیوں ۶: ۱۷، ۱۸) -

۳: ۲- وُہ ہیکل کے نزدیک پُہنچے تو اُنہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک معذور بھکاری کو اُٹھا کر لا رہے ہیں۔ اُنہوں نے اُسے معمُول کی جگہ یعنی "اُس دروازہ پر بٹھا" دیا "جو خوبصُورت کہلاتا" تھا۔ اُس آدمی کی بے بسی دیکھئے کہ وُہ "جنم کا لنگڑا" تھا۔ اِس کے بالمُقابِل "خوبصورت دروازہ" کی دِلکشی اور جاذبیّت اور ہیکل کی شان شوکت کا تصوُّر کیجئے۔ اِس سے ہمیں یاد آتا ہے کہ بڑے بڑے اور عظیمُ الشّان کیتھیڈرلوں کے سایہ میں کیسی غُربت اور جہالت مَوجُود ہے۔ اور خطرہ ہے کہ زبردست کلیسیائی نظام جِسمانی اور رُوحانی معذوروں کی مَدد کرنے سے قاصِر رہیں۔

۳: ۳- لگتا ہے کہ یہ لنگڑا صحت یاب ہونے سے مایُوس ہو چُکا تھا۔ چنانچہ اِسی بات پر صابر اور قانع تھا کہ بھیک مانگتا رہے۔

۳: ۴- "پطرس" نے اُس آدمی کو بے بس، ناچار اور بدبخت سمجھنے کی بجائے اُس کو ایک ایسے شخص کے طور پر دیکھا جس میں خُدا کی زبردست قُدرت کا مظاہرہ ہو سکتا ہے۔ اگر ہم رُوح کی راہنمائی میں چلیں تو بُلند بانگ دعوے نہیں کریں گے، ہوائی قلعے نہیں بنائیں گے، بلکہ ہماری نظریں اُن لوگوں پر مرکوز ہوں گی جن کو خُدا برکت دینا چاہتا ہے۔

"ہماری طرف دیکھ" - پطرس کے اِس حُکم کا مقصد اپنی اور یُوحنّا کی شہرت اور تشہیر نہ تھا بلکہ وُہ اُس فقیر کی پُوری پُوری توجّہ چاہتا تھا۔

۳: ۵، ۶- اُس معذور آدمی کو اُن سے سوائے مالی امداد کے اَور کوئی "اُمّید" نہ تھی۔ وُہ اِسی اُمّید پر اُن کی طرف مُتوجہ ہُوا"۔ مگر اُس نے وُہ بیان سُنا جو بیک وقت مایُوس کُن بھی تھا اور سنسنی خیز بھی۔ جہاں تک بھیک دینے کا سُوال تھا پطرس کے پاس دینے کو کُچھ نہ تھا۔ لیکن اُس کے پاس دینے کو کُچھ بہتر چیز تھی۔ اُس نے "یسوعؔ مسیح ناصری" کے اِختیار سے لنگڑے کو حُکم دِیا کہ اُٹھ اور "چل پھر"۔ ایک فہیم اور چٹکلے باز مُبلّغ کہتا ہے "اُس لنگڑے نے بھیک مانگی اور اُس کو ٹانگیں مِلیں"۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ تھامس اکوئیناس پوپ سے مِلنے گیا۔ اُس وقت بڑی بڑی رقمیں گنی جا رہی تھیں۔ پوپ نے بڑے فخر سے کہا "اب ہمیں پطرس کے ساتھ یہ کہنے کی ضرُورت نہیں رہی کہ چاندی سونا تو میرے پاس ہے نہیں"۔ اکوئیناس نے برجستہ جواب دِیا "اور نہ آپ پطرس کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُٹھ اور چل پھر!"

۳: ۷- پطرس نے اُس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر "اُس کو اُٹھایا" تو جو "پاؤں اور ٹخنے" اب تک بے کار تھے، اُن میں قُوّت دَوڑنے لگی اور وُہ "مضبُوط ہو گئے"۔ یہاں ہمیں پھر یاد دِلایا جا رہا ہے کہ رُوحانی زِندگی میں اِلٰہی قُوّت اور اِنسانی عمل عجیب طور سے مِلا ہُوا ہے۔ پطرس اُس آدمی کو پاؤں پر کھڑے

ہونے میں مدد دیتا ہے اور خدا شفا دیتا ہے۔ جو کچھ ہم کرسکتے ہیں وہ ہمیں کرنا چاہیئے۔ پھر جو ہم نہیں کرسکتے وہ خدا کرے گا۔

۳:۸۔ شفا کا معجزہ بتدریج نہیں بلکہ فوری تھا۔ غور کریں کہ خدا کا روح عمل و حرکت کے الفاظ کو کس طرح بڑھاتا ہے۔ "کود کر... کھڑا ہوگیا... چلنے پھرنے لگا... چلتا اور کودتا ہوا"۔

ایک شیرخوار کا چلنا سیکھنے کا عمل کیسا سست اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اِس مشاہدے کے پیشِ نظر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ اِس آدمی کا تجربہ کیسا تعجب انگیز ہے جو زندگی میں پہلی دفعہ فوراً چلنے اور کودنے لگا۔

یہ معجزہ جو یسوع کے نام میں کیا گیا اسرائیلی قوم کے لئے ایک اور گواہی تھا کہ جس ہستی کو انہوں نے مصلوب کر دیا تھا وہ زندہ ہے۔ اور وہ اُن کا شفا دینے والا اور منجی بننا چاہتا ہے۔

۳:۹، ۱۰۔ یہ حقیقت ہے کہ اِس بھکاری کو ہر روز ہیکل کے دروازہ پر ڈال دیا جاتا تھا۔ اِس لئے سارے لوگ اُس سے واقف تھے۔ اور جب وہ شفا پا گیا تو یہ معجزہ بھی لازماً مشہور ہوگیا۔ "لوگ" انکار نہیں کرسکتے تھے کہ ایک بڑا معجزہ ہوا ہے۔ لیکن اِس سارے معاملے کا مطلب کیا تھا؟

۳:۱۱۔ وہ شفا یافتہ آدمی "پطرس اور یوحنا" کو یوں "پکڑے ہوئے تھا" جیسے وہ اُس کے طبیب تھے۔ "تو سب لوگ... اُس برآمدہ کی طرف جو سلیمان کا کہلاتا ہے اُن کے پاس دوڑے آئے"۔ یہ برآمدہ ہیکل کے احاطے کا ایک حصہ تھا۔ اُن کی حیرت اور تعجب نے پطرس کو منادی کرنے کا موقع فراہم کردیا۔

۳:۱۲۔ پہلے تو "پطرس" نے لوگوں کی توجہ اُس شفا یافتہ آدمی اور اپنی طرف سے ہٹائی۔ اُس نے بتایا کہ معجزے کی قدرت کا تعلق کسی طرح بھی ہمارے ساتھ نہیں ہے۔

۳:۱۳-۱۶۔ پطرس فوری طور پر لوگوں کو معجزے کے اصل سرچشمہ یعنی خداوند یسوع مسیح سے متعارف کراتا ہے۔ وہ وضاحت کرتا ہے کہ یہ وہی یسوع ہے جس کو تم نے ردّ کر دیا تھا، جس کا تم نے انکار کردیا تھا، جس کو تم نے "قتل کیا" اُس کو "خدا نے مُردوں میں سے جلایا" اور آسمان میں "جلال دیا"۔ اور اب اُسی پر "ایمان" کے وسیلے سے اِسی آدمی کو اِس کی ناچاری اور بےبسی سے شفا ملی ہے۔

اسرائیل کے لوگوں کو الزام دینے میں پطرس کی یہ پاکیزہ جرأت نہایت قابلِ تعریف ہے۔ اُس نے اُن پر یہ الزام لگائے:

۱۔ تم نے یسوع کو "پکڑوا دیا" (مقدمہ چلانے کے لئے غیرقوموں کے حوالے کیا)۔

۲۔ جب پیلاطس نے "اُسے چھوڑ دینے کا قصد کیا تو تم نے اُس کے سامنے اُس (یسوع) کا انکار کیا"۔

۳- تم نے "اُس قدوس اور راستباز کا اِنکار کیا" اور ایک "خونی" (برابا) کو چھوڑنے کی "درخواست کی"۔

۴- تم نے "زندگی کے مالک کو قتل کیا"۔

اِس کے برعکس غور کریں کہ خُدا نے یسوع کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

۱- "خُدا نے اُسے مُردوں میں سے جلایا" (آیت ۱۵)۔

۲- اُس نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا"۔(آیت ۱۳)۔

آخر میں وہ مسیح پر "ایمان" پر زور دیتا ہے کہ ایمان ہی اِس معجزے کا باعث ہوا (آیت ۱۶)۔ دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی "نام" پورے شخص کی نمائندگی کرتا ہے۔ چنانچہ اُس کے نام پر ایمان کا مطلب ہے مسیح پر ایمان۔

۳: ۱۷- اِس آیت میں پطرس کے لہجے میں نمایاں تبدیلی ہے۔ اِسرائیلی قوم پر خُداوند یسوع کی موت کا الزام لگانے کے بعد، اب وہ اُن کو یہودی "بھائیو" کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور بڑی شفقت سے کہتا ہے کہ "تم نے یہ کام نادانی سے کیا"۔ وہ اُن کو اُبھارتا ہے کہ توبہ کریں اور ایمان لائیں۔

پطرس کی یہ بات خاصی متضاد سی معلوم ہوتی ہے کہ یہودیوں نے خُداوند کو نادانی سے مصلوب کیا تھا۔ کیا وہ پورے ثبوتوں اور اسناد کے ساتھ نہ آیا تھا کہ مَیں مسیح موعود ہوں؟ کیا اُس نے اُن کے درمیان حیرت افزا معجزے نہیں کئے تھے؟ کیا اُس نے خُدا کے برابر ہونے کا دعویٰ کر کے اُن کو طیش نہیں دلایا تھا؟ ہاں۔ یہ ساری باتیں درست ہیں۔ تو بھی وہ اِس حقیقت سے ناواقف تھے کہ یسوع مسیح مجسم خُدا ہے۔ اُن کو توقع تھی کہ مسیح موعود ایسی حقیر اور پست حالت میں نہیں آئے گا بلکہ ایک زبردست فوجی ہوگا جو اُنہیں غیر قوموں کے غلبہ اور تسلط سے رہائی دلائے گا۔ وہ یسوع کو مکار اور فریبی سمجھتے تھے۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ یسوع واقعی خُدا کا بیٹا ہے۔ اُن کا تو یہ خیال تھا کہ اُسے قتل کر کے ہم خُدا کی خدمت کر رہے ہیں۔ اِسی لئے منجی نے صلیب پر کہا کہ "یہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں" (لوقا ۲۳: ۳۴) اور بعد میں پولس نے بھی لکھا کہ "جسے اِس جہان کے سرداروں میں سے کسی نے نہ سمجھا کیونکہ اگر سمجھتے تو جلال کے خُداوند کو مصلوب نہ کرتے" (۱- کرنتھیوں ۲: ۸)۔

یہ سب کچھ اِس لئے تجویز ہُوا کہ اِسرائیلی لوگوں کو یقین دِلایا جائے کہ اُن کے گناہ، خواہ کتنے بڑے ہوں، خُدا کے فضل سے معاف ہو سکتے ہیں۔

۳: ۱۸- اُن کو گناہ سے معذور رکھے بغیر پطرس ثابت کرتا ہے کہ "خُدا" نے اپنی حاکمیت سے یہ

سب کچھ اِس طرح ہونے دیا کہ اُس کے مقصد اور ارادے پورے ہوئے۔ پُرانے عہد نامہ کے "نبیوں" نے نبوّت کی تھی کہ مسیحِ موعود "دُکھ اُٹھائے گا" اور یہودی قوم ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اُس کو ہر طرح کے دُکھ دیئے۔ مگر اب وہ خود کو اُن کے خُداوند اور "مُنجی" کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اُس کے وسیلے سے وہ اپنے گناہوں کی مُعافی حاصل کر سکتے ہیں۔

۳: ۱۹- ضرور ہے کہ اِسرائیلی "توبہ کریں اور رُجوع لائیں"۔ ایسا کریں گے تو اُن کے "گناہ مٹائے جائیں" گے "اور اِس طرح خُداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں" گے۔

یاد رکھیں کہ اِس پیغام کے مخاطبین اِسرائیلی ہیں (آیت ۱۲)۔ یہاں زور دیا گیا ہے کہ قومی بحالی اور برکت سے پہلے قومی توبہ ضروری ہے۔ "خُداوند کے حضور سے تازگی کے دن" یہ اِشارہ ہے مسیح کی مستقبل کی بادشاہی اور برکت کی طرف جس کا بیان اگلی آیت میں ہُوا ہے۔

۳: ۲۰- قوم توبہ کرے گی تو خُدا مسیح یعنی "یسوع" کو "بھیجے" گا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہُوا، اِس سے مُراد مسیح کی دُوسری آمد ہے جب وہ زمین پر اپنی ہزار سالہ بادشاہی قائم کرے گا۔

۳: ۲۱- یہاں لازماً یہ سُوال اُٹھتا ہے کہ اگر اِسرائیل اُس وقت توبہ کر لیتا جب پطرس کہہ رہا تھا تو کیا خُداوند یسوع دُنیا میں واپس آ جاتا؟ خُدا کے لوگوں میں اِس موضوع پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض زور دے کر کہتے ہیں کہ ہاں، وہ واپس آ جاتا، ورنہ وہ وعدہ سچا نہ ہوتا۔ دُوسرے عُلما کلام کے اِس حصّے کو نبوّتی مانتے ہیں کہ یہ اُن باتوں کا بیان ہے جو واقعی وُقوع پذیر ہوں گی۔ یہ سُوال خالِصتاً نظری اور قیاسی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بنی اِسرائیل نے توبہ نہیں کی اور خُداوند یسوع واپس نہیں آیا۔ آیت ۱۲ سے واضح ہوتا ہے کہ "خُدا" نے پیش بینی سے دیکھ لیا تھا کہ اِسرائیلی مسیح کو ردّ کریں گے اور فضل کا موجودہ دَور آئے گا جو مسیح کی آمدِ ثانی تک چلے گا۔ "ضرور ہے کہ وہ (مسیح) آسمان میں اُس وقت تک رہے گا جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں"۔ سب چیزوں کی بحالی کا وقت ہزار سالہ بادشاہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اِس سے مُراد عالمگیر نجات کا وقت نہیں ہے۔ ایسی تعلیم بائبل مُقدّس سے کوئی مُطابقت نہیں رکھتی بلکہ یہ اشارہ اُس وقت کی طرف ہے جب مخلوقات فنا کے قبضے سے آزاد ہوگی اور مسیح راستبازی کے ساتھ حکومت کرے گا اور ساری دُنیا کا بادشاہ ہوگا۔ پُرانے عہد نامہ کے "نبیوں" نے "بحالی کے وقت" کی خبر دی ہے۔

بعض عُلما آیت ۲۱ کی بُنیاد پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فضائی اِستقبال بڑی مُصیبت سے پہلے نہیں ہوگا۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ اگر ضرور ہے کہ ہزار سالہ بادشاہی کے شروع ہونے تک

مسیح آسمان میں رہے تو وہ اِس سے پہلے نہیں آسکتا تاکہ کلیسیا کو آسمانی وطن میں لے جائے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں پطرس اسرائیلی لوگوں سے مخاطب ہے (آیت ۱۲)۔ وہ اسرائیل کے ساتھ بحیثیت قوم خدا کے سلوک اور برتاؤ کا ذکر کر رہا ہے۔ "جہاں تک اسرائیلی قوم کا تعلق ہے" وہ آسمان ہی میں رہے گا اور بڑی مصیبت کے بعد بادشاہی کرنے آئے گا۔ لیکن وہ یہودی جو موجودہ کلیسیائی دور میں فرداً فرداً مسیح پر ایمان لائیں گے، وہ کلیسیا کے فضائی استقبال میں غیر یہودی ایمان داروں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ اور یہ فضائی استقبال کسی لمحہ بھی وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ فضائی استقبال میں خداوند آسمان کو نہیں چھوڑتا بلکہ ہم ہوا میں اُس کے پاس جائیں گے۔

۳: ۲۲۔ پرانے عہد نامہ کی نبوتیں مسیح کے شاندار دورِ حکومت کا پتہ دیتی ہیں۔ مثال کی خاطر پطرس اُن میں سے ایک نبوت کا اقتباس کرتا ہے جو استثنا ۱۸: ۱۵، ۱۸، ۱۹ میں پائی جاتی ہے۔ یہ حوالہ خداوند یسوع کی تصویر پیش کرتے ہوئے اُس کو اسرائیل کے سنہری زمانے میں ایک "نبی" کے طور پر دکھاتا ہے۔ یہ نبی خدا کے ارادے اور شریعت کا اعلان کرتا ہے۔

جب موسیٰ نے کہا کہ "خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا" تو اس سے مراد لیاقت اور کردار کی مشابہت نہیں بلکہ اس مناسبت سے تھی کہ دونوں کو "خدا نے برپا کیا ہے"۔ "وہ اُس کو ویسے ہی برپا کرے گا جیسے مجھے برپا کیا ہے"۔

۳: ۲۳۔ اِس زمین پر مسیح کی حکمرانی کے دوران جو کوئی اُس کی نہ "سُنے گا" اور نہ مانے گا، اُس کو "نیست ونابود" کر دیا جائے گا۔ بے شک جو اُس کو آج رد کرتے ہیں اُن پر بھی ابدی غضب ہو گا۔ لیکن اِس حوالہ میں بنیادی اور اوّلین تصوّر یہ ہے کہ ابھی مسیح کو لوہے کے عصا سے حکومت کرنا ہے۔ اور جو لوگ اُس کی نافرمانی کریں اور اُس سے بغاوت کریں گے اُن کو بلا توقف ہلاک کیا جائے گا۔

۳: ۲۴۔ بحالی کے وقت کے بارے میں نمایاں نبوت کی گئی ہے۔ اِس بات پر زور دینے کے لئے پطرس مزید کہتا ہے کہ "سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا اُن سب نے اِن دِنوں کی خبر دی ہے"۔ مراد ہے مسیح کی بادشاہی کے زمانے کی خبر دی ہے۔

۳: ۲۵۔ اب پطرس اپنے یہودی سامعین کو یاد دلاتا ہے کہ برکت کے اِس زمانے کا وعدہ تم سے کیا گیا ہے کیونکہ "تم نبیوں کی اولاد" اور ابرہام کی نسل ہو۔ آخر "خدا نے ... ابرہام سے" وعدہ کیا تھا کہ "تیری اولاد سے دُنیا کے سب گھرانے برکت پائیں گے"۔ ہزار سالہ برکات کے تمام وعدے "اولاد" یعنی مسیح میں مرتکز ہوتے ہیں۔ اِس لئے چاہیے کہ وہ خداوند یسوع کو مسیحِ موعود مان لیں

اور اُسے قبول کرلیں۔

۳: ۲۶ - "خُدا نے" پہلے ہی "اپنے خادم کو اُٹھا" کھڑا کیا تھا (۳: ۱۳) اور پہلے اُسے اِسرائیلی قوم کے پاس "بھیجا" تھا۔ اِس بات کا اِشارہ ہمارے خُداوند کے تجسّم اور زمینی زندگی کی طرف ہے، اُس کے جی اُٹھنے کی طرف نہیں۔ اگر وُہ اُسے قبول کرلیں تو خُدا اُن میں سے "ہر ایک کو اُس کی بدیوں سے پھیر کر برکت دے" گا۔

پطرس نے یہ وعظ اِسرائیلی لوگوں کے سامنے کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اِس میں نظر "کلیسیا" پر نہیں بلکہ "بادشاہی" پر ہے۔ اور زور فرد پر نہیں بلکہ قوم پر ہے۔ خُدا کا رُوح تحمل اور رحم کے ساتھ اِسرائیل پر منڈلا رہا ہے، اور خُدا کی قدیم قوم سے درخواست کرتا ہے کہ جلال یافتہ خُداوند یسوع کو مسیحِ موعُود قبول کرلو، اور اِس طرح زمین پر مسیح کی بادشاہی لانے میں جلدی کا باعث بنو۔

لیکن اِسرائیل نہیں سُنتا، پر نہیں سنتا۔

و۔ کلیسیا کی ایذا رسانی اور ترقی (۴: ۱ - ۷: ۶۰)

۴: ۱-۴ - نوزائیدہ کلیسیا کی پہلی ایذا رسانی شروع ہونے والی تھی۔ حسبِ معمُول اِس کا آغاز بھی مذہبی لیڈروں کی طرف سے ہُوا۔ "کاہن اور ہیکل کا سردار اور صدُوقی اُن (رسُولوں) پر چڑھ آئے۔"

سکراگی (Scroggie) کہتا ہے کہ "کاہن" مذہبی عدم رواداری کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور "ہیکل کا سردار" سیاسی دُشمنی کا نمائندہ ہے، جبکہ "صدُوقی" قیامت کے عقیدے کا اِنکار کرتے ہیں۔ چونکہ شاگردوں کی منادی کا مرکزی نُقطہ قیامت یعنی "مُردوں کا جی اُٹھنا" تھا اِس لئے صدُوقی اُن کی کُھلم کُھلا مُخالفت کرتے تھے۔ سپرجن کو یہاں ایک مُطابقت نظر آتی ہے۔

"جیسا کہ سب جانتے ہیں صدُوقی آزاد خیال، ترقی پسند مُفکّرین یا اپنے زمانے میں جدید سوچ رکھنے والے لوگ تھے۔ اگر آپ تلخ طعن یا ظالمانہ عمل چاہتے ہیں تو مَیں سِفارش کروں گا کہ آپ اُن وسیع القلب صدُوقی شُرفا کے پاس جائیں۔ وُہ ہر ایک کے ساتھ آزاد خیالی سے پیش آتے ہیں، سوائے اُن کے جو سچّائی پر قائم رہتے ہیں۔ اُن کے لئے صدُوقیوں کے پاس اَیسی خالِص تلخی ہے جو بُت اور ناگدونے سے بھی بڑھ کر ہے۔ وُہ اپنے ساتھی خطا پسندوں کے ساتھ اَیسے فیاض ہیں کہ انجیلی ایمان والوں کے لئے ذرا تحمل اور برداشت اُن کے پاس نہیں ہے۔"

یہ لیڈر اِس حقیقت سے چڑتے اور خار کھاتے تھے کہ رسُول لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ وُہ سمجھتے تھے

کہ یہ تو صرف ہمارا خصوصی حق ہے - اِس کے ساتھ اُن کو یہ بات بھی غصّہ دِلاتی تھی کہ رسُول "یسوع کی نظیر دے کر مُردوں کے جی اُٹھنے کی منادی کرتے تھے"۔ اگر "یسوع ... مُردوں" میں سے "جی اُٹھا" ہے، تو صدُوقی جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔

آیت ۲ میں "مُردوں کے جی اُٹھنے" کے الفاظ بے حد اہم ہیں کیونکہ اِن سے اُس عام تصوّر کی نفی ہوتی ہے کہ دُنیا کے آخر میں مُردوں کی عام قیامت ہوگی - کلام کا یہ حصّہ اور کئی دیگر حصّے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی تعلیم دیتے ہیں - دُوسرے لفظوں میں کچھ مُردے زندہ کِئے جائیں گے جبکہ باقی (یسوع پر ایمان نہ لانے والے) مُردے کسی بعد کے وقت تک قبروں ہی میں رہیں گے۔

لیڈروں نے فیصلہ کیا کہ رسُولوں کو اگلے دِن تک گھر میں نظر بند رکھا جائے - اِس لئے کہ "شام ہوگئی تھی" (باب ۳ میں شفا دینے کا معجزہ تقریباً ۳ بجے بعد از دوپہر ہُوا تھا)۔

باضابطہ مخالفت کے باوجُود بہت سے لوگ خُداوند کی طرف پھرے - "یہاں تک کہ مَردوں کی تعداد پانچ ہزار کے قریب ہوگئی" یعنی اتنے مَرد مسیحی رفاقت میں شامل ہوگئے - مُفسّرین میں اِس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ اِس تعداد میں پنتکست کے دِن ایمان لانے والے تین ہزار افراد بھی شامل ہیں یا نہیں - البتہ اِس تعداد میں عورتیں اور بچّے شامل نہیں۔

۴: ۵، ۶ - "دُوسرے دِن" مذہبی کونسل جس کو سنہیڈرن کہا جاتا تھا تفتیش کرنے کے لئے فراہم ہُوئی - اِرادہ یہ تھا کہ عام لوگوں میں گڑبڑ پھیلانے والوں کا قلع قمع کر دِیا جائے - اُن کو کامیابی ہُوئی تو صرف اِتنی کہ رسُولوں کو مسیح کی گواہی دینے کا ایک اَور موقع فراہم کر دیا۔

نہ صرف اُمّت کے "سردار اور بزُرگ اور فقیہ" جمع ہُوئے بلکہ اُن کے ہمراہ ذیل کے لوگ بھی تھے :

۱- "سردار کاہن حنّا" - اِسی کے سامنے خُداوند کی پہلے پیشی ہُوئی تھی - وہ ریٹائر سردار کاہن تھا - مگر اب غالباً اخلاقاً ہی اُسے 'سردار کاہن' کہا جاتا تھا۔

۲- "کیفا" یہ حنّا کا داماد تھا - اُس نے خُداوند کے مُقدمہ کی صدارت کی تھی۔

۳- "یوحنّا اور اِسکندر" - اِن کے مُتعلق اور کچھ معلوم نہیں۔

۴- "اور جتنے سردار کاہن کے گھرانے کے تھے" یعنی کاہنوں کی بُلند مرتبہ اَولاد۔

۴: ۷ - مُقدّمہ کا آغاز رسُولوں سے اِس سُوال کے ساتھ ہُوا کہ "تم نے یہ کام کِس قُدرت اور کِس نام سے کیا؟" "یہ کام" سے مُراد لنگڑے کو شفا دینے کا معجزہ ہے - "پطرس" نے آگے بڑھ کر مسیح کی گواہی دی - یروشلیم میں یہ پطرس کا مُسلسل تیسرا وعظ تھا - اُس نے علی الاِعلان مسیح کا اِقرار کیا - اُس کو انمول موقع مِلا

گیا تھا کہ مذہبی اِنتظامیہ کے سامنے اِنجیل کی منادی کرے۔ اور اُس نے بے دھڑک ہوکر جوش کے ساتھ اِس موقع سے فائدہ اُٹھایا۔

۴: ۸ - ۱۲۔ پہلے تو اُس نے اُن کو یاد دِلایا کہ تم اِس لئے ناراض ہو کہ "ایک ناتواں آدمی" "اچھا ہو گیا"۔ اگرچہ پطرس نے یہ بات نہیں کہی، لیکن اِشارہ ضرور موجود ہے کہ وُہ لنگڑا آدمی ہر روز ہیکل کے دروازے پر بھیک مانگا کرتا تھا لیکن اِن سرداروں نے اُسے کبھی شِفا نہیں دی۔ وُہ اِس قابل ہی نہ تھے۔ اِس کے بعد پطرس نے گویا بجلی گرا دی کہ اُن سے برملا کہا کہ "یسوع مسیح ناصری ... کے نام سے یہ شخص تمہارے سامنے تندرست کھڑا ہے"۔ اور اِسی یسوع ناصری کو "تم نے صلیب دی اور خُدا نے (اُسے) مُردوں میں سے جِلایا"۔ یہودیوں کے "تعمیراتی منصوبہ" میں "یسوع" کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اِس لئے اُنہوں نے اُس کو "حقیر جانا" اور "صلیب دی"۔ لیکن "خُدا نے (اُسے) مُردوں میں سے جِلایا" اور آسمان پر سربلند کیا۔ اِس طرح رد کیا ہُوا پتھر "کونے کے سِرے کا پتھر" بن گیا۔ یعنی وُہ ناگزیر پتھر بن گیا جس کے بغیر تعمیراتی ڈھانچہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور یسوع ہے ہی ناگزیر۔ اُس کے بغیر "نجات" نہیں "کیونکہ آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دُوسرا نام نہیں بخشا گیا جس کے وسیلہ سے ہم نجات پا سکیں"۔ ہم صرف اِسی "نام" سے "نجات" پا سکتے ہیں۔

آیات ۸ - ۱۲ کو پڑھتے ہُوئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ الفاظ اُسی شخص نے کہے جس نے لعن طعن اور قسم کے ساتھ تین بار خُداوند کا اِنکار کیا تھا۔

۴: ۱۳۔ خُشک اور نمائشی مذہب کبھی بھی ولولہ انگیز اور جاندار تبلیغ کو برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ وُہ دِلوں اور زندگیوں میں اثر پیدا کرتی ہے۔ لیڈر "اَن پڑھ اور ناواقف" آدمیوں کو معاشرے پر اثر انداز ہوتے دیکھ کر "تعجب" کرنے لگتے ہیں۔ اِس لئے کہ وُہ خُود اپنی ساری حِکمت اور علم کے باوجود "گوشت اور خُون (جسمانیت) سے اُوپر نہیں اُٹھ سکتے"۔

جیمز اے۔ سٹیوارٹ کہتا ہے:

> "نئے عہد نامہ میں خادمانِ دین اور کلیسیا کے عام اراکین کے درمیان کوئی اِمتیاز نہیں۔ یہ اِمتیاز رومن کیتھولک مذہب کا تاریخی بقیہ ہے۔ چیکوسلواکیہ میں جان ہس نے اِسی عقیدہ کے لئے لڑتے ہُوئے جان دی کہ سارے ایمان دار کاہن ہیں۔ اور آج تک ہس کا نِشان کُھلی بائبل مُقدّس کے اُوپر عشائے ربانی کا پیالہ ہے۔ ابتدائی کلیسیا میں رُوحانی قُوّتِ مُحرِّکہ یہی سچّائی تھی کہ ہم سب شاہی کاہن ہیں اور ہر ایمان دار گواہ ہے۔ اُس وقت نہ جدید سازوسامان موجُود تھا، نہ ذرائع نقل وحمل تھے، نہ پاک کلام کا کوئی ترجمہ نہ کتابی صُورت

میں اِشاعت کی سہولت مُہیّا تھی، لیکن خُدا کے فضل کی خُوشخبری نے ساری سلطنتِ رومہ بلکہ قیصر کے گھرانے کو بھی ہلا کر رکھ دِیا۔ خُدا ہم کو اُسی قدیم اور ابتدائی مسیحیت میں بُلا رہا ہے"۔

سنہیڈرن "پطرس اور یُوحنّا کی دلیری" دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔ وُہ تو چاہتے تھے کہ اُن کو گلیل کے "اَن پڑھ اور ناواقف" مچھیرے کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ لیکن اُن کے ضبطِ نفس، قُوّت سے بھرپُور زِندگیوں اور جُرأت اور بے خوفی نے اُن عالموں کو اُس موقع کے بارے میں سوچنے پر مجبُور کر دیا جب یسوع پر مُقدّمہ چلایا جا رہا تھا۔ اُنہوں نے رسُولوں کی دلیری کو اِس حقیقت سے منسُوب کیا کہ "یہ یسوع کے ساتھ رہے ہیں"۔ لیکن اصلی وضاحت یہ ہے کہ اب وُہ رُوحُ القُدس سے معمُور تھے۔

۴: ۱۴-۱۸۔ پھر کمرۂ عدالت میں وُہ شفا یافتہ آدمی بھی موجُود تھا جو پہلے معذُور تھا۔ اُس کی موجُودگی بھی اِن سرداروں کے لئے گھبراہٹ اور پریشانی کا باعث تھی۔ اِنکار کرنا ممکن ہی نہ تھا کہ مُعجزہ ہُوا ہے۔ جے۔ ایچ۔ جوویٹ رقم طراز ہے کہ:

"لوگ دلیل بازی اور تیز فہمی میں آپ سے بازی لے جا سکتے ہیں۔ ذہنی بحث میں آپ بآسانی مات کھا سکتے ہیں۔ لیکن مخلصی یافتہ زِندگی کی دلیل ایسا وار ہے جسے روکنا مُمکن نہیں اور اُس آدمی کو جو اچھا ہُوا تھا اُن کے ساتھ کھڑا دیکھ کر کُچھ خِلاف نہ کہہ سکے"۔

اپنی حِکمتِ عملی وضع کرنے کے لئے اُنہوں نے پطرس اور یُوحنّا کو تھوڑی دیر کے لئے کمرۂ عدالت سے باہر بھیج دیا۔ اُن کا اَن حل مسئلہ یہ تھا کہ وُہ مہربانی اور بھلائی کا کام کرنے پر رسُولوں کو سزا نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن اگر وُہ اِن مذہبی جنُونیوں کو نہیں روکتے تو اُن کے اپنے مذہب کو زبردست خطرہ ہے کہ ارکان کی تعداد کم ہو جائے گی۔ چنانچہ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ پطرس اور یُوحنّا کو حُکم دیا جائے کہ "پھر یہ (یسوع کا) نام لے کر کسی سے بات نہ کریں"۔ یعنی نہ تو شخصی گفتگو میں "یسوع" کا ذِکر کریں نہ لوگوں میں اُس کی عام منادی کریں۔

۴: ۱۹-۲۰۔ "پطرس اور یُوحنّا" ایسی پابندی کیسے قبول کر سکتے تھے؟ اُن کی پہلی وفاداری اور ذمہ داری "خُدا" کے ساتھ تھی، اِنسان کے ساتھ نہیں تھی۔ اگر وُہ سچّے تھے، تو سرداروں کو یہ بات ماننا تھی۔ رسُولوں نے مسیح کی قیامت اور صعُود دیکھا تھا۔ وُہ ہر روز اُس کے قدموں میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ وُہ اپنے خُداوند اور نجات دہندہ یسوع مسیح کی گواہی دینے کے ذمہ دار تھے۔

۴: ۲۱، ۲۲۔ مذہبی سرداروں کی حالت بے حد کمزور تھی۔ یہ کمزوری اِس حقیقت سے صاف ظاہر ہے کہ وُہ رسُولوں کو سزا نہیں دے سکتے تھے۔ "یرُوشلیم کے سب رہنے والوں پر روشن ہے کہ

اُن سے ایک صریح مُعجزہ ظاہر ہُوا۔ شفا یافتہ آدمی "چالیس[۴] برس سے زیادہ کا تھا"۔ سب لوگ اُسے جانتے تھے، کیونکہ ایک عرصہ سے اُس کی افسوس ناک حالت کو دیکھتے رہے تھے۔ چنانچہ سنہیڈرن صرف یہ کرسکتی تھی کہ رسُولوں کو مزید ڈرا دھمکا کر چھوڑ دے۔ اُن کو اِسی پر اِکتفا کرنی پڑی۔

۴: ۲۳۔ رسُولوں کو طبعی طور پر اِحساس تھا کہ ہم خُدا کے فرزند ہیں اور آزاد پیدا ہُوئے ہیں۔ وُہ افسران سے "چھُوٹ کر" سیدھے "اپنے" ساتھی ایمان داروں کے پاس "گئے"۔ اُن کی رفاقت اُس گروہ کے ساتھ تھی "جس کی سانسیں پھُولی ہُوئی تھیں، جو ڈرے سہمے گلہ کی مانند تھا۔ جس کا جُرم صِرف مسیح تھا"۔ چنانچہ ہر دَور میں ایک مسیحی کے کردار کا ایک اِمتحان یہ ہوتا ہے کہ اُس کی صحبت اور رفاقت کہاں اور کن لوگوں کے ساتھ ہے۔

۴: ۲۴-۲۶۔ مُقدّسین نے جُونہی یہ واقعہ "سُنا" وُہ بُلند آواز سے دُعا کے ساتھ خُداوند کو پُکارنے لگے۔ اُنہوں نے "خُدا" کو ایک ایسے لقب سے پُکارا جس کا مطلب ہے "اَے مالکِ مُطلق"۔ یہ لفظ نئے عہد نامہ میں بہُت ہی کم اِستعمال ہُؤا ہے۔ پہلے تو اُنہوں نے اُس کی حمد و ستائش کی کہ وُہ ساری چیزوں کا خالق ہے (اِس لئے اُن اِنسانوں سے اعلیٰ و برتر ہے جو اُس وقت اُس کی مخالفت کر رہے تھے)۔ پھر اُنہوں نے زبُور ۲ میں "داؤد" کے الفاظ کو اپنایا جو اُس نے رُوح القُدس کی تحریک سے مخالف حکُومتی طاقتوں کے سِلسلے میں فرمائے تھے کہ وُہ "خُداوند اور اُس کے مسیح کی مخالفت" کرتی ہیں۔ دراصل یہ زبُور اُس زمانے کی طرف اِشارہ کرتا ہے جب مسیح اپنی بادشاہی قائم کرنے کے لئے آئے گا۔ اور کہ "زمین کے بادشاہ ... اور سردار" اِس مقصد کو ناکام کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن ابتدائی دَور کے مسیحیوں کو بھی اِحساس تھا کہ ہمارے زمانے میں بھی صُورتِ حال وَیسی ہی ہے۔ چنانچہ وُہ اِن الفاظ کا اطلاق اپنے حالات پر بھی کرتے تھے۔ جیساکہ پہلے کہا گیا کہ وُہ بڑی مہارت سے پاک نوِشتوں کو اپنی دُعاؤں کے تانے بانے میں شامل کرلیتے تھے۔ یہ اُن کی حقیقی رُوحانیت کا ثبوت ہے۔

۴: ۲۷، ۲۸۔ یہاں زبُور کے الفاظ کا اِطلاق دِکھایا گیا ہے۔ وہیں یروشلیم میں رومیوں اور یہُودیوں نے مِل کر خُدا کے "پاک خادِم یسُوع" کے خِلاف سازش کی تھی۔ "ہیرودیس" یہُودیوں کی اور "پیلاطُس" غیر قوموں کی نمائندگی کرتا ہے۔ لیکن آیت ۲۸ کا اِختتام تعجب انگیز ہے۔ توقع تو یہ ہوگی کہ کہا جائیگا کہ اُنہوں نے باہم مِل کر وُہ کچھ کیا جو اُن کے شریر دِلوں نے تجویز کیا تھا۔ لیکن اِس کے برعکس کہا یہ گیا ہے کہ "تاکہ جو کچھ پہلے سے تیری قُدرت اور تیری مصلحت سے ٹھہر گیا تھا وہی عمل میں لائیں"۔

میتھیسن اِس کی وضاحت کرتے ہُوئے کہتا ہے:

"اُن کی کوشش تھی کہ الٰہی مرضی اور ارادے کی مخالفت کریں، لیکن یہ کوشش اُسی مرضی کے ساتھ اتحاد ثابت ہوئی۔ وُہ مسیح کے خلاف ایک جنگی مشورت میں اکٹھے ہوئے، لیکن لاشعوری طور پر اُنہوں نے مسیح کے جلال کے فروغ کے لئے معاہدہ پر دستخط کر دِئے"۔

ہمارا خُدا اپنے خلاف اُٹھنے والے طوفان کی تندی کو کم نہیں کرتا بلکہ وُہ اُس پر سوار ہوتا اور اُس کے وسیلے سے کام کرتا ہے۔

۴: ۲۹، ۳۰۔ خُدا کی سب پر حاوی قُدرت پر اعتماد کا اظہار کرنے کے بعد مسیحیوں نے تین واضح درخواستیں کیں۔

۱۔ "اُن کی دھمکیوں کو دیکھ"۔ اُنہوں نے خُدا کو یہ بتانا مُناسب نہ سمجھا کہ وُہ اِن شریر لوگوں کے ساتھ کیا کرے بلکہ اُنہوں نے صِرف مُعاملہ اُس پر چھوڑ دیا۔

۲۔ "اپنے بندوں کو یہ توفیق دے"۔ اُن کی اپنی شخصی مُحافظت کوئی اہمیّت نہ رکھتی تھی۔ سب سے اہم بات کلام کی منادی کرنے کے لئے دلیری اور بے خوفی تھی۔

۳۔ "تُو اپنا ہاتھ شِفا دینے کو بڑھا"۔ ابتدائی دَور میں خُدا انجیل کی منادی کی توثیق مُعجزات سے کرتا تھا۔ یہ "مُعجزے اور عجیب کام" "یسوع کے نام سے" "ظہور میں" آتے تھے۔ یہاں ایمان دار خُدا سے التماس کرتے ہیں کہ ہماری خدمت کی توثیق اِسی طرح کرتا رہ۔

۴: ۳۱۔ "جب وُہ دُعا کر چکے تو ۔۔۔ مکان ۔۔۔ ہِل گیا"۔ یہ وہاں موجود رُوحانی قوّت کا جسمانی اظہار تھا۔ "اور وُہ سب رُوح القدس سے بھر گئے"، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ خُداوند کے فرمانبردار تھے، نُور میں چلتے تھے، اُس کی اطاعت کرتے تھے۔ وُہ "خُدا کا کلام دلیری سے سُناتے رہے"۔ یہ آیت ۲۹ میں اُن کی دُعا کا واضح جواب تھا۔

اعمال کی کتاب میں سات دفعہ آیا ہے کہ وُہ رُوح القدس سے بھر گئے۔ اِس کے نتائج یا مقاصد پر غور کریں۔

۱۔ بولنے کے لئے (۲: ۴؛ ۴: ۸ اور یہاں)۔

۲۔ خدمت کرنے کے لئے (۶: ۳)۔

۳۔ پاسبانی کرنے کے لئے (۱۱: ۲۴)۔

۴۔ جھڑکنے کے لئے (۱۳: ۹)۔

۵۔ مرنے کے لئے (۷: ۵۵)۔

۴: ۳۲ - ۳۵ - "جب دلوں میں مسیح کی محبت شعلہ زن ہو تو اُن میں ایک دوسرے کے لئے محبت بھی سُلگتی ہے - اس محبت کا اظہار دینے سے ہوتا ہے - چنانچہ ابتدائی دَور کے مسیحی مسیح میں اپنی مشترکہ زندگی کی حقیقت یوں ظاہر کرتے تھے کہ اپنے مال واسباب کو ساری جماعت کے لئے مشترک سمجھتے تھے - ذاتی اِملاک پر خود غرضی سے قبضہ جمائے رکھنے کی بجائے وُہ سمجھتے تھے کہ یہ سب کی مشترکہ مِلکیت ہے - جب بھی کوئی "ضرورت" ہوتی وُہ اپنی "زمینوں یا گھروں" کو بیچتے اور "قیمت" لاکر رسُولوں کے سپُرد کر دیتے تاکہ وُہ "ہر ایک کو اُس کی ضرورت کے مُوافق بانٹ" دیں - اِس بات پر توجّہ دینا ضرُوری ہے کہ وُہ اُسی وقت بانٹتے تھے جب کوئی ضرورت ہوتی تھی - وُہ کسی خاص وقت پر بِلا وجہ یا یُوں ہی سب کو برابر برابر نہیں بانٹ دیتے تھے -

الیف - ڈبلیو - گرانٹ وضاحت کرتا ہے کہ:

"یہ ذاتی مِلکیت سے عام دستبرداری نہ تھی بلکہ وُہ محبت تھی جو دُوسرے کی ضرورت کے وقت کچھ بھی پیچھے نہیں رکھتی - یہ دِلوں کا طبعی احساس تھا جس نے اُس مقام میں حقیقی مِلکیت تلاش کر لی تھی جس میں مسیح نے صعُود کیا تھا۔"

الیف - ای - مارشل ایک جدید متوازی خاکہ پیش کرتا ہے، جو اگرچہ طنز یہ ہے، مگر افسوس ہے کہ ہے درست - مُلاحظہ کیجئے:

"آج کی مسیحیت کا ابتدائی کلیسیا کے ساتھ مُقابلہ کرتے ہُوئے کِسی نے کہا ہے کہ کیا یہ سنجیدہ خیال نہیں ہے کہ انجیل نویس لُوقا ابتدائی مسیحیت کی بجائے اگر موجُودہ دَور کی مسیحیت کا بیان کرتا تو اُس کو اعمال ۴: ۳۲ - ۳۵ کے الفاظ و بیان کو کچھ یُوں بدلنا پڑتا ... 'اور اِیمان داروں کی جماعت سخت دِل اور سنگین رُوح کی مالک تھی - اور ہر کوئی کہتا تھا کہ میرا سارا مال واسباب میرا اپنا ہی ہے - اُن کی ساری چیزیں فیشن کے مُطابق تھیں اور وُہ بڑی قُدرت سے دُنیا کی دِل کشی اور دِلچسپیوں کی گواہی دیتے تھے - اور اُن سب میں بڑی خُود غرضی تھی - اُن میں بہُت سے ایسے تھے جو محبت سے خالی تھے کیونکہ جو لوگ زمینوں اور گھروں کے مالک تھے وُہ اَور زمینیں اور گھر خریدتے تھے، اور کبھی کبھار تھوڑا بہُت عام لوگوں کی بھلائی کے لئے بھی دے دیتے تھے تاکہ اُن کے ناموں کی اخبارات میں تشہیر ہو - اور تعریف و توصیف ہر ایک کو اُس کی مرضی کے مُطابق بانٹ دی جاتی تھی'۔"

جو زندگیاں پُورے طور پر خُداوند کے لئے وقف ہوتی ہیں، اُن میں ایک پُراسرار قُوّت ہوتی ہے - اِس لئے محض اتفاق نہیں ہے کہ آیت ۳۳ میں ہم پڑھتے ہیں کہ "اور رسُول بڑی قُدرت سے خُداوند یسوع کے

جی اُٹھنے کی گواہی دیتے رہے اور اُن سب پر بڑا فضل تھا"۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب خُدا کو ایسے لوگ مِل جاتے ہیں جو اپنا مال واسباب اُس کی خاطر دے دینے کو تیار ہوتے ہیں تو وُہ اُن کی گواہی میں نُمایاں اور قابلِ بیان دِلکشی اور قوت پیدا کر دیتا ہے۔

بہُت سے لوگ دلیل دیتے ہیں کہ ایک دُوسرے کو اپنی چیزوں میں شریک کرنے کا یہ عمل اِبتدائی کلیسیا میں ایک عارضی مرحلہ تھا۔ اِس کا مقصد ہمارے لئے ایک نمُونہ پیش کرنا نہیں تھا۔ ایسی دلیل بازی صِرف ہماری رُوحانی غربت اور افلاس کو بےنقاب کرتی ہے۔ اگر ہمارے دِل میں پنتِکُست کی قوّت ہو تو ہماری زِندگی میں پنتِکُست کے پَھل بھی ہوں گے۔

رائیری توجّہ دلاتا ہے کہ

"یہ کوئی مسیحی اِشتراکیت نہیں ہے۔ مِلکیّت کی فروخت بالکُل رضاکارانہ تھی (آیت ۳۴)۔ مِلکیّت رکھنے کے حق کو ختم نہیں کیا گیا تھا۔ جماعت رُوپے پیسے پر اُس وقت تک کنٹرول نہیں کرتی تھی جب تک وُہ رضاکارانہ رسُولوں کو نہیں دیا جاتا تھا۔ تقسیم برابر برابر نہیں بلکہ ضرُورت کے مُطابق ہوتی تھی۔ یہ اشتراکی اُصُول نہیں ہیں۔ یہ مسیحی محبّت کا بہترین اظہار تھا"۔

آیت ۳۳ میں کسی عظیم کلیسیا کے دو نِشان دیکھیں —— "بڑی قُدرت" اور "بڑا فضل"۔ ایک عالِم نے چار مزید نشان بتائے ہیں۔ بڑا خوف (۵:۵، ۱۱)، بڑا ظُلم (۸:۱)، بڑی خُوشی (۸:۸؛ ۱۵:۳)، ایمان لانے والوں کی بڑی تعداد (۱۱:۲۱)۔

۴: ۳۶، ۳۷- یہ آیات باب ۵ کے لئے تمہیدی کڑی ہیں۔ یہاں "برنباس" کی فیاضی اور حننیاہ کی ریاکاری میں زبردست تقابُل نظر آتا ہے۔ "یُوسف جس کا لقب برنباس ... تھا"۔ وُہ ایک لاوی تھا۔ عام دستُور کے مُطابق وُہ زمین کا مالک نہ ہو سکتا تھا۔ خُداوند ہی لاویوں کا حِصّہ اور بخرہ تھا۔ اُس نے یہ زمین کیوں اور کیسے حاصل کر لی تھی، اِس بات کا ذِکر نہیں لیکن اِتنا ضرور جانتے ہیں کہ محبّت کے اُصُول نے "نصیحت کے بیٹے" میں ایسا زبردست کام کیا کہ اُس نے "کھیت ... بیچا اور قیمت لا کر رسُولوں کے پاؤں میں رکھ دی"۔

۵: ۱-۴- جب خُدا اپنی قُدرت سے کام کرتا ہے، تو "شیطان" بھی آموجُود ہوتا ہے تاکہ بطالت اور بگاڑ کو پھیلائے اور مُقابلہ کرے۔ لیکن جہاں حقیقی رُوحانی طاقت موجُود ہوتی ہے وہاں دھوکے، فریب اور ریاکاری سے پردہ اُٹھا دیا جاتا ہے۔

لگتا ہے کہ برنباس اور دُوسرے ایمان داروں کی فیاضی اور فراخ دِلی نے "حننیاہ ... اور سفیرہ" پر بہت اثر کیا۔ غالباً وہ بھی مہربانی کے کسی ایسے ہی کام کے صلے میں لوگوں سے تعریف چاہتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے بھی "جائیداد بیچی" اور قیمت کا "ایک حصہ لاکر" رسولوں کو دیا۔ اُن کا گناہ یہ تھا کہ دباتو "ایک حصہ" لیکن تاثر یہ دیا کہ ہم ساری قیمت دے رہے ہیں۔ کسی نے اُن سے جائیداد بیچنے کو نہیں کہا تھا۔ "جب بیچی گئی" تو اُن پر کوئی فرض نہیں تھا کہ ساری قیمت رسولوں کو دے دیتے۔ لیکن اُنہوں نے دکھایا تو یہ، بہانہ کیا تو یہ کہ ہم سب کچھ وقف کر رہے ہیں۔ حالانکہ کچھ حصہ اُنہوں نے خود رکھ لیا تھا۔

"پطرس نے ... حننیاہ" کو مُوردِ الزام ٹھہرایا کہ تُو نے "آدمیوں" سے نہیں بلکہ "رُوح القدس" سے جھوٹ بولا۔ اور "رُوحُ القدس" سے جھوٹ بولنے میں اُس نے "خدا سے جھوٹ بولا"، اِس لئے کہ "رُوحُ القدس" "خدا" ہے۔

۵: ۵-۶۔ "یہ باتیں سُنتے ہی حننیاہ گر پڑا" اور مرگیا۔ اور "جوان" اُسے کفنانے دفنانے کو اُٹھالے گئے۔ ابتدائی کلیسیا کو تنبیہ کرنے کے لئے یہ خُدا کے ہاتھ کا نہایت سنجیدہ کام تھا۔ اِس سے حننیاہ کی نجات یا اُس کے ابدی تحفظ کے بارے میں کوئی سُوال پیدا نہیں ہوتا بلکہ اِس واقعہ سے خُدا نے اپنی کلیسیا میں پہلے بگاڑ پر اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ ایک مُفسّر لکھتا ہے کہ وہاں یا تو رُوحُ القدس رہ سکتا تھا یا حننیاہ۔ اُس ابتدائی کلیسیا کی پاکیزگی نہایت دہکتے انگاروں کی مانند ایسی سفید تھی کہ اِس قسم کا جُھوٹ اُس کے اندر رہ نہیں سکتا تھا۔

۵: ۷-۱۱۔ "قریباً تین گھنٹے گُزر جانے کے بعد" حننیاہ کی بیوی سفیرہ آئی تو پطرس نے اُس کو بھی مُلزم ٹھہرایا کہ اپنے شوہر کے ساتھ "خداوند کے رُوح کو آزمانے کے لئے ایکا کیا" ہے۔ اُس نے سفیرہ کو بتا دیا کہ اُس کے شوہر کا کیا حشر ہُوا اور کہ اُس کا حشر بھی یہی ہو گا۔ "اُسی دم" وہ بھی ڈھیر ہو گئی اور جوان اُس کو بھی دفن کرنے کو لے گئے۔

رسُولوں کو خصوصی معجزانہ طاقت عطا کی گئی تھی، اور پطرس نے اِس جوڑے کو جو سزا سُنائی وہ اِس بات کا ثبوت ہے۔ شاید یہ خُدا کے اُس وعدہ کی تکمیل ہے کہ "جن کے گُناہ تم قائم رکھو اُن کے قائم رکھے گئے ہیں" (یُوحنّا ۲۰: ۲۳)۔ مزید برآں اِس میں ہمیں پولُس کو دی گئی وہ توفیق بھی نظر آتی ہے کہ ایک قصُور وار مسیحی کو جسم کی ہلاکت کے لئے شیطان کے حوالہ کر دیتا ہے (۱۔ کرنتھیوں ۵: ۵)۔ یہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں کہ رسُولوں کے زمانے کے بعد بھی یہ اِختیار جاری رہا۔

ہم تصوّر کر سکتے ہیں کہ اِس واقعہ سے کلیسیا پر ہی نہیں بلکہ سارے سُننے والوں پر کیسی ہیبت طاری

ہو گئی۔

۵: ۱۲-۱۶۔ حننیاہ اور سفیرہ کی موت کے بعد بھی رسول اور دوسرے ایمان دار "سلیمان کے برآمدہ میں جمع ہُؤا کرتے تھے" اور "نشان اور عجیب کام" دکھاتے تھے۔ اُن کے گرد جمع ہونے والے لوگ حیران ہوتے تھے۔ خُدا کی حضوری اور قدرت کا احساس اِتنا گہرا اور واضح ہوتا تھا کہ لوگ نہ تو اُن کے ساتھ غیر سنجیدگی سے ملتے تھے، نہ غلط ڈر سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ "لوگ اُن کی بڑائی کرتے تھے"، اور بہت سے لوگ خُداوند یسوع پر دِل سے ایمان لاتے تھے۔ لوگ اپنے بیماروں کو "چارپائیوں اور کھٹولوں" پر ڈال کر اُن "سڑکوں اور راستوں پر رکھ دیتے تھے جہاں سے رسولوں کو گزرنا ہوتا تھا تاکہ "پطرس ... کا سایہ ہی اِن میں سے کسی پر پڑ جائے" "اور وہ سب اچھے کر دِئے جاتے تھے"۔ ہر کسی کو نظر آ رہا تھا کہ رسولوں کی زندگیوں میں حقیقت اور قدرت ہے، اور وہ ذریعہ تھے جس سے خُدا دوسروں کو برکت دے رہا تھا۔ یروشلیم کے آس پاس کے علاقوں سے بیمار اور بدرُوح گرفتہ لوگ آتے اور سب کے سب شفا پاتے تھے۔

عبرانیوں ۲: ۴ سے واضح ہوتا ہے کہ اِس قسم کے معجزات اور نشان رسولوں کی خدمت پر خُدا کی طرف سے مُہرِ تصدیق "یا گواہی" تھے۔ جب نیا عہدنامہ تحریری شکل میں مکمل ہو گیا تو ایسے "نشانوں" کی ضرورت بڑی حد تک نہ رہی۔ جہاں تک دورِ جدید کی "شفا کی مُہموں" کا تعلق ہے تو اِتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ جتنے بیمار اور معذور رسولوں کے پاس لائے جاتے تھے "وہ سب اچھے کر دئے جاتے تھے"۔ لیکن "ایمان سے شفا دینے والے" کہلانے والوں میں یہ بات کہیں نظر نہیں آتی۔

۵: ۱۷-۲۰۔ رُوح القدس سے کی جانے والی حقیقی خدمت جہاں ایک طرف لوگوں کو ایمان لانے پر اُبھارتی ہے تو دوسری طرف اِس کی زبردست مخالفت بھی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہُؤا۔ "سردار کاہن" (غالباً کائفا) اور "ساتھی ... صدوقیوں" کے غصے کی آگ بھڑک اُٹھی کہ یسوع کے یہ کٹر شاگرد لوگوں میں اِس قدر اثر و نفوذ حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ مذہبی قیادت صرف ہمارا ہی حق ہے، اور وہ اِس حق کے خلاف کسی خطرے کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور اُن کو اِس بات سے تو سخت چِڑ تھی کہ بدن کی قیامت کی منادی کی جائے۔ وہ تو قیامت کا سراسر اِنکار کرتے تھے۔

اب وہ "رسولوں" کو سوائے ظلم و تشدد کے اور کسی طرح روک نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ اُن کو "پکڑ کر عام حوالات میں رکھ دیا"۔ اُس رات "خُداوند کے ایک فرشتہ نے" رسولوں کو "قید خانہ" سے نکال لیا، اور اُن سے کہا کہ "جاؤ۔ ہیکل میں کھڑے ہو کر اِس زندگی کی سب باتیں لوگوں کو سناؤ"۔ لوقا بغیر کسی حیرت اور تعجب کے "فرشتہ" کی اِس معجزانہ مداخلت کا بیان کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خود رسول حیران اور بھونچکا

رہ گئے ہوں - لیکن بیان میں اِس کا کوئی اِظہار موجود نہیں -

"فرشتہ نے" بجاطور پر مسیحی ایمان کو "اِس زِندگی" کہا - یہ کوئی عقیدہ یا عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ "زِندگی" ہے - یہ خُداوند یسوع کی جی اُٹھی "زِندگی" ہے اور جتنے اُس پر ایمان لاتے ہیں اُن سب کو عطا ہوتی ہے -

۵ : ۲۱ - دِن نکلا تو رسول "ہیکل میں" تعلیم دے رہے تھے - اِسی اثنا میں "سردار کاہن ... نے صدر عدالت (سنہیڈرن) ... اور بزرگوں" کا اجلاس طلب کیا - وہ انتظار میں تھے کہ قیدیوں کو اُن کے سامنے "لائیں" -

۵ : ۲۲ - ۲۵ - حیران پریشان "پیادوں" کو آ کر عدالت کو بتانا پڑا کہ "قیدخانہ" میں یوں تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے، صِرف قیدی غائب ہو گئے ہیں - "دروازے" بالکل مُقفل تھے، "پہرے والے" اپنی اپنی جگہ چوکسی سے پہرہ دے رہے تھے لیکن قیدیوں کا کچھ پتہ نہیں - کیسی دُکھی کرنے والی رپورٹ تھی! اَب "ہیکل کے سردار اور سردار کاہنوں" کو یہ فکر کھانے لگی کہ آخر "اِس کا کیا انجام ہوگا؟" یہ مقبولِ عام تحریک کہاں تک چلے گی؟ لیکن اُن کے اِستفسارات میں ایک ایلچی آ مُخل ہوا جس نے خبر دی کہ فرار ہونے والے قیدی "ہیکل میں" واپس اپنے ٹھکانے پر موجود ہیں — اور "لوگوں کو تعلیم دے رہے ہیں"! ہم اُن کی جُرأت اور دلیری کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے - اور ضرور ہے کہ ہمارے اندر بھی ابتدائی کلیسیا کی یہ صلاحیت اور خوبی پیدا ہو کہ اپنے ایمان اور عقیدے کے لئے ہر قیمت ادا کرنے اور ہر مُصیبت برداشت کرنے کو تیار ہوں -

۵ : ۲۶ - "پیادوں" نے اُن کو صدر عدالت میں واپس لانے میں "زبردستی" نہیں کی کیونکہ لوگوں سے "ڈرتے تھے" کہ اگر ہم نے بھرے بازار اُن سے زیادتی کی تو "لوگ ہم کو سنگسار نہ کریں" - اب لوگ یسوع کے اِن پیروؤں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے -

۵ : ۲۷، ۲۸ - تب "سردار کاہن" نے سب کی نمائندگی کرتے ہوئے رسولوں سے کہا "ہم نے تو تمہیں سخت تاکید کی تھی کہ یہ نام لے کر تعلیم نہ دینا" - اُس نے جان بوجھ کر خُداوند یسوع کا نام نہیں لیا - "مگر دیکھو تم نے تمام یروشلیم میں اپنی تعلیم پھیلا دی" - یوں سردار کاہن نے انجانے میں اور بلا اِرادہ رسولوں کی تعریف کر دی کہ اُن کی خدمت اِتنی موثر ثابت ہو رہی تھی — تم "اُس شخص کا خون ہماری گردن پر رکھنا چاہتے ہو" - مگر یہودی لیڈر تو اُس کا خون پہلے ہی اپنی گردن پر لے چکے تھے جب چلا چلا کر کہا تھا کہ "اِس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر!" (متی ۲۷ : ۲۵) -

۵: ۲۹-۳۲ - اِس سے پہلے رسُولوں نے دُعا مانگی تھی کہ ہمیں کلام سُنانے کی دلیری عطا ہو۔ اُن کو اُوپر سے یہ دلیری اور جرأت مِل گئی تھی۔ اِس لئے اب وُہ اپنا فرض ادا کرنے پر زور دیتے ہیں کہ "آدمیوں کے حکم کی نسبت خُدا کا حکم ماننا زیادہ فرض ہے"۔ اُنہوں نے صاف صاف اعلان کیا کہ "خُدا نے یسوؔع کو جِلایا" جسے بنی اِسرائیل نے "صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا تھا"۔ لیکن "اُسی کو خُدا نے مالِک اور مُنجی ٹھہرا کر اپنے دہنے ہاتھ سے سربلند کیا"۔ اور اِس حیثیت میں وُہ تیار ہے کہ "اِسرائیل کو توبہ کی توفیق اور گُناہوں کی مُعافی بخشے"۔ اور آخر میں مزید زور دینے کے لئے رسُولوں نے کہا کہ "ہم اِن باتوں کے گواہ ہیں اور رُوح القُدس بھی جسے خُدا نے اُنہیں بخشا ہے جو اُس کا حکم مانتے ہیں"۔ مُراد یہ ہے کہ جو حکم مان کر بیٹے پر ایمان لاتے ہیں۔

"خُدا نے یسوؔع کو جِلایا" (آیت ۳۰) اِس میں اُس کی قیامت کے ساتھ ساتھ اُس کے "تجسّم" کی طرف بھی اِشارہ ہے۔

۵: ۳۳-۳۷ - اُن کی آواز میں زبردست قائلیت تھی - اِتنی زبردست کہ یہُودیوں کے سرداروں نے رسُولوں کو "قتل کرنا چاہا"۔ وُہ اُن کے قتل کی سازش کرنے لگے۔ اِس مرحلے پر گملی ایل نے مُداخلت کی۔ وُہ بنی اِسرائیل کے تمام ربّیوں میں ممتاز اور مُعزّز تھا۔ وُہ ترسیس کے ساؤل کا "مُعلّم" بھی تھا۔ اُس کے صلاح و مشورے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وُہ بھی مسیحی تھا یا مسیحیوں کا طرف دار تھا، بلکہ اُس کی باتیں اور دلیل دُنیاوی عقل پر مبنی ہیں۔

رسُولوں کو تھوڑی دیر کے لئے کمرۂ عدالت سے "باہر" نکال کر گملی ایل نے سنہیڈرن کو پہلے تو یاد دِلایا کہ اگر یہ تحریک ("تدبیر یا کام") "خُدا کی طرف سے" نہیں تو خُود ہی دم توڑ دے گی۔ اِس اصُول کی حمایت اور توثیق میں دو مثالیں پیش کی گئیں (۱) "تھیوداس" ایک خُود ساختہ لیڈر تھا۔ اُس نے "تخمیناً چار سو آدمی" اپنے ساتھ مِلا لئے تھے۔ "مگر وُہ مارا گیا" اور اُس کے ساتھی "سب پراگندہ ہُوئے"۔ (۲) "یہُوداہ گلیلی" ایک اور مذہبی جنُونی تھا۔ اُس نے بھی یہُودیوں کو بغاوت پر اُبھارا تھا۔ مگر "وُہ بھی ہلاک ہُوا"۔ اور اُس کے ساتھی بھی "سب پراگندہ ہو گئے"۔

۵: ۳۸، ۳۹ - اگر یہ مسیحی مذہب "خُدا کی طرف سے" نہیں تو سب سے اچھی بات یہی ہے کہ اِس سے "کچھ کام نہ رکھو"۔ یہ بہت جلد خُود ہی مِٹ جائے گا۔ اگر اِس کا مُقابلہ کریں گے تو یہ قائم رہنے کی زیادہ مُصمم کوشش کرے گا۔ (یہ دلیل بڑی حد تک دُرست نہیں ہے۔ کئی بے خُدا ادارے اور تنظیمیں صدیوں سے پھل پھُول رہے ہیں بلکہ اِن کے پیرو سچائی کے پیرووں سے زیادہ ہیں۔ لیکن جہاں تک خُدا کے مقاصد کا سُوال ہے یہ دلیل درست ہے)۔

گملی ایل نے بات جاری رکھتے ہُوئے کہا کہ دُوسری طرف "اگر" یہ تحریک "خُدا کی طرف سے ہے" تو یہُودی کیا کوئی بھی "اِن لوگوں کو مغلُوب نہ" کر سکے گا۔ اِس کا تختہ نہیں اُلٹ سکے گا بلکہ بڑی پریشان کُن صورتِ حال کا سامنا ہو گا کہ تم "خُدا سے لڑنے والے ٹھہرو" گے۔

۵: ۴۰ - یہ دلیل سرداروں کے دِل کو لگی۔ چنانچہ اُنہوں نے "رسُولوں کو پاس بُلا کر" پہلے تو اُن کو "پٹوایا" پھر حُکم دیا کہ "یسوع کا نام لے کر بات نہ کرنا"۔ پٹوانا ناجائز ہی نہیں بلکہ احمقانہ بات بھی تھی۔ دراصل یہ متعصب دِلوں کا خُدا کی سچائی کے خلاف نامعقُول مظاہرہ تھا۔ پٹوانے کے ساتھ جو حُکم دِیا گیا وُہ بیوقوفانہ اور لاحاصل تھا۔ یہ تو اَیسے ہی تھا کہ وُہ سُورج کو نہ چمکنے کا حُکم دیتے۔ بھلا رسول یہ حُکم کیسے مان سکتے تھے کہ "یسوع کا نام لے کر بات نہ کرنا"۔

۵: ۴۱، ۴۲ - رسُولوں کو پٹوانے کے دو غیر متوقع نتائج نکلے۔ اوّل، رسُول "خُوش ہو کر چلے گئے کہ ہم اُس نام کی خاطر بے عزّت ہونے کے لائق تو ٹھہرے"۔ وُہ اِس نام سے اِتنی محبّت رکھتے تھے۔ دوم، اُن میں ایک نیا جوش اور وَلولہ اور استقلال پیدا ہُوا۔ چنانچہ وُہ "ہیکل میں" اور گھروں میں "ہر روز" تعلیم دیتے تھے کہ "یسوع ہی مسیح ہے"۔ یُوں ایک دفعہ پھر شیطان اپنی ہی چالوں سے مات کھا گیا۔

مسیحی اور حکومت

اِبتدائی دَور کے مسیحی اِنجیل کا پیغام لے کر آگے بڑھے تو صاف نظر آنے لگا کہ سرکاری اہلکاروں اور خاص طور پر مذہبی لیڈروں کی طرف سے ضرور مخالفت اور مزاحمت ہوگی۔ اُس زمانے میں مذہبی لیڈر بھی حکُومتی مُعاملات میں بڑا عمل دخل رکھتے تھے۔ اِیمان دار اِس کے لئے تیار تھے۔ جب بھی موقع آتا تھا وُہ بڑی وضع داری اور باوقار انداز سے ردِ عمل ظاہر کرتے تھے۔

عمُومی لحاظ سے اُن کی پالیسی یہ تھی کہ حاکموں کی عزّت اور فرمانبرداری کی جائے کیونکہ وُہ خُدا کی طرف سے مخصُوص اور مُقرر ہوتے ہیں اور خُدا کے خادم ہیں تاکہ عام لوگوں کی بھلائی اور فلاح کو فروغ دیں۔ چنانچہ ایک دفعہ جب انجانے میں پولُس نے سردار کاہن کو جھڑک دیا تھا اور اُس کی جواب طلبی ہوگئی تھی تو اُس نے فوراً مُعافی مانگی اور خروج ۲۲: ۲۸ کا حوالہ پیش کیا کہ "... اور نہ اپنی قوم کے سردار پر لعنت بھیجنا" (اعمال ۲۳: ۵)۔

لیکن جب اِنسانی قوانین خُدا کے احکام سے ٹکراتے تھے تو اُس وقت مسیحیوں کی پالیسی یہ ہوتی تھی کہ حکُومت کی نافرمانی کرو اور خواہ کُچھ بھی ہو نتائج برداشت کرو۔ مثال کے طور پر جب پطرس اور یُوحنا

کو خوشخبری سُنانے سے منع کیا گیا تو اُن کا جواب تھا کہ "تُم ہی اِنصاف کرو۔ آیا خُدا کے نزدیک یہ واجب ہے کہ ہم خُدا کی بات سے تمہاری بات زیادہ سُنیں۔ کیونکہ مُمکن نہیں کہ جو ہم نے دیکھا اور سُنا ہے وُہ نہ کہیں" (۴: ۱۹، ۲۰)۔ اور جب پطرس اور دُوسرے رسُولوں کو یسُوع کے نام سے تعلیم دینے کی پاداش میں عدالت میں پیش کیا گیا تو پطرس کا جواب تھا کہ "آدمیوں کے حُکم کی نسبت خُدا کا حُکم ماننا زیادہ فرض ہے" (۵: ۲۹)۔

ایسا کوئی اِشارہ نہیں ملتا کہ اُنہوں نے کبھی حکومت کا تختہ اُلٹنے والوں کا ساتھ دیا ہو، خُود ایسی کوشش کرنا تو دُور کی بات ہے۔ ایذا رسانی، ظُلم وستم اور ہر طرح کی مُخالفت کے باوجُود وہ ہمیشہ اپنے حاکموں کی بہتری ہی کے خواہاں رہتے تھے (۲۶: ۲۹)۔

یہ بات کہنے کی تو حاجت ہی نہیں کہ حکومت سے سہولیات یا مراعات لینے کے لئے وُہ بے ایمانی پر اُتر سکتے تھے۔ مثال کے طور پر گورنر فیلکس پولُس سے رشوت ملنے کا اِنتظار کرتا رہا لیکن اُسے کُچھ نہ ملا (۲۴: ۲۶)۔ دُوسری طرف وُہ اپنے شہری حقُوق کو استعمال کرنا کسی طرح بھی اپنی مسیحی بُلاہٹ سے مُتصادم نہیں سمجھتے تھے (۱۶: ۳۷؛ ۲۱: ۳۹؛ ۲۲: ۲۵-۲۸؛ ۲۳: ۱۷-۲۱؛ ۲۵: ۶-۱۱)۔

لیکن وُہ خُود اِس دُنیا کی سیاست میں ملوث نہیں ہوتے تھے۔ کیوں؟ کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ لیکن اِتنی بات ضرُور واضح ہے کہ اُن کی نگاہیں صرف ایک مقصد پر لگی رہتی تھیں —— کہ مسیح کی خوشخبری کی منادی کریں۔ وُہ پُوری لگن سے، اور دُنیا سے بے تعلق ہو کر اسی مقصد کے حصُول میں لگے رہتے تھے۔ اُن کو یقین تھا کہ یہ خُوشخبری ہی اِنسان کے مسائل کا جواب یا حل ہے۔ یہ قائلیت اِتنی مضبُوط اور زبردست تھی کہ اُن کو کسی ادنیٰ کام سے مثلاً سیاست سے تسلّی ہی نہ ہوتی تھی۔

۶: ۱- اگر ابلیس باہر سے حملہ آور ہو کر کلیسیا کو نیست نہیں کر سکتا تو وُہ کوشش کرتا ہے کہ اندر نااِتفاقی اور پھُوٹ پیدا کر کے اپنا مقصد حاصل کر لے۔ اگلی چند آیات میں اِسی بات کا بیان ہے۔

اِبتدائی کلیسیا میں دستُور تھا کہ کلیسیا میں اُن بیواؤں کو جن کا کوئی اور سہارا نہیں ہوتا تھا ہر روز اُن کی ضرُورت کے مُطابق خرچ دے دیا جاتا تھا۔ کُچھ ایمان دار یُونانی بولنے والے یہُودی تھے۔ اُنہوں نے شکایت کی کہ ہماری "بیواؤں" کی خبر گیری میں "غفلت ہوتی" ہے۔ "عبرانیوں" سے مُراد یروشلیم اور یہُودیہ سے تعلق رکھنے والے ایمان دار ہیں۔

۶: ۲، ۳- "اُن بارہ شاگردوں" کو احساس ہُوا کہ کلیسیا کی روز افزوں ترقی کے ساتھ ساتھ ان کاروباری مُعاملات کو نمٹانے کے لئے کُچھ اِنتظامات کرنے پڑیں گے۔ وُہ خُود "کلام کی خدمت" سے دستبردار ہو کر مالی مُعاملات کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہتے تھے۔ اِس لئے اُنہوں نے صلاح دی کہ کلیسیا "سات" ایسے افراد

کو مُقرر کرے جو "نیک نام ... رُوح اور دانائی سے بھرے ہُوئے ہوں" تاکہ وُہ کلیسیا کے دُنیاوی معاملات کا اِنتظام کریں۔

اگرچہ بائبل مُقدّس میں اُن افراد کا نام "ڈیکن" نہیں دِیا گیا مگر اُنہیں اِس نام سے یاد کرنا ناواجب نہیں ہوگا۔ جس لفظ کا ترجمہ "کھانے پینے کا انتظام کریں" کیا گیا ہے، وُہ اصل زُبان میں اُس فعل سے مُشتق ہے جس سے ہمیں انگریزی کا لفظ "ڈیکن" حاصِل ہُوا ہے۔

اُن میں تین ۳ خُوبیوں کا ہونا لازم تھا:

۱۔ "نیک نام" اچھی شُہرت رکھتے ہوں۔

۲۔ "رُوح سے بھرے ہُوئے" رُوحانی ہوں۔

۳۔ "دانائی سے بھرے ہوں" عملی افراد ہوں۔

اُن کی ضرُوری خُوبیوں کی مزید تفصیل ۱۔تیمتھیس ۳: ۸-۱۳ میں درج ہے۔

۶: ۴۔ رسُولوں نے کہا کہ "ہم تو دُعا میں اور کلام کی خِدمت میں مشغُول رہیں گے"۔ یہاں ترتیب بہت اہمیّت کی حامِل ہے۔ پہلے "دُعا" پھر "کلام کی خِدمت"۔ اُنہوں نے تہیّہ کر لیا تھا کہ اِنسانوں سے خُدا کی بات کرنے سے پہلے خُدا سے انسانوں کی بات کریں گے۔

۶: ۵، ۶۔ جن آدمیوں کو چُنا گیا، اُن کے ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکثریت یُونانی بولنے والے یہُودیوں کی تھی۔ یہی گرُوہ تھا جنھوں نے شکایت کی تھی۔ اُن کو اتنی رعایت دینا بڑی فراخ دِلی کا ثبوت ہے۔ اِس کے بعد اُن کی طرف سے طرف داری کا اِلزام نہیں لگایا جائے گا۔ جب اِنسانوں کے دِل خُدا کی محبّت سے معمُور ہوتے ہیں تو خُودغرضی اور چھوٹے پن پر فتح پا لیتے ہیں۔

ڈیکنوں میں صرف دو ۲ ہیں جن کو ہم اچھّی طرح جانتے ہیں۔ اوّل "ستفنُس" جو کلیسیا کا پہلا شہید ہُوا۔ دُوسرا "فلِپّس" جو مُبشّر تھا اور بعد میں انجیل کو سامریہ میں لے گیا، حبشی خوجے کو مسیح کے لئے جیتا اور قیصریہ میں پَولُس کی خِدمت کرنے کا اعزاز حاصِل کیا۔

دُعا مانگنے کے بعد رسُولوں نے کلیسیا کے ساتھ رفاقت کا اظہار کرنے کے لئے اُن ساتوں پر اپنے "ہاتھ رکھے"۔

۶: ۷۔ اگر اِس آیت کو گزشتہ آیات کے ساتھ مِلا کر پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کاروباری مُعاملات کی دیکھ بھال کے لئے ڈیکنوں کے چُناؤ سے انجیل کے پھیلاؤ میں بڑی تیزی آئی۔

"اور خُدا کا کلام پھیلتا رہا" اور "یروشلیم میں" بہُت سے شاگرد ہو گئے۔ اِسی طرح یہُودی "کاہنوں

کی بڑی گروہ" بھی خُداوند یسوع کی پَیرو ہو گئی۔

۸:۶۔ اب بیان ایک ڈِیکن "ستِفنُس" پر مُرتکز ہو جاتا ہے۔ یہ یُونانی نام ہے جس کا مطلب ہے "تاج" یا "فتح کی مالا/سہرا"۔ خُدا نے ستِفنُس کو مُعجزے دِکھانے اور کلام کی منادی کے لئے بڑی قُدرت کے ساتھ اِستعمال کیا۔ رسُولوں کے عِلاوہ وُہ پہلا شخص ہے جس نے اَعمال کی کتاب کے مُطابق مُعجزے کئے۔ وُہ ایک وفادار ڈِیکن تھا۔ کیا اِس وفاداری کے نتیجے میں اُسے مُعجزوں کی اعلیٰ خِدمت عطا ہُوئی؟ یا ایک اِضافی خِدمت اُسے تفویض ہُوئی جسے وُہ دُوسری خِدمت کے ساتھ ساتھ سرانجام دیتا تھا؟ متن سے اِس بات کا فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔

۹:۶۔ ستِفنُس کی پُراثر خِدمت کی مُخالفت کا آغاز عبادت خانے سے ہُوا۔ عبادت خانے وُہ جگہیں تھیں جہاں یہُودی شریعت کی تعلیم پانے کے لئے ہر سبت کو جمع ہُوا کرتے تھے۔ اِن عبادت خانوں کے نام وہاں فراہم ہونے والے لوگوں کی مناسبت سے رکھے جاتے تھے۔ "لبرتینوں" کا مطلب ہے "آزاد کئے ہُوئے"۔ شاید یہ وُہ یہُودی تھے جن کو رومیوں نے اپنی غلامی سے آزاد کر دیا تھا۔ کرینے شمالی افریقہ کا ایک شہر تھا۔ غالباً وہاں کے کُچھ یہُودی آکر یروشلیم میں آباد ہو گئے تھے۔ اسکندری وُہ یہُودی تھے جو مصر میں اسکندریہ نامی سمندری بندرگاہ سے آئے تھے۔ "کلکیہ" ایشیائے کوچک کا جنُوب مشرقی صُوبہ تھا۔ اور "آسیہ" بھی ایشیائے کوچک کا ایک صُوبہ تھا جو تین علاقوں کو مِلا کر تشکیل دیا گیا تھا۔ معلُوم ہوتا ہے کہ اِن ساری جماعتوں کے عبادت خانے یروشلیم میں یا اِس کے گردونواح میں تھے۔

۱۰:۶-۱۴۔ اِن عبادت خانوں کے جوشیلے یہُودی اُٹھ کر ستِفنُس سے بحث کرنے لگے۔ لیکن اُس کا "مُقابلہ نہ کر سکے"۔ جو لفظ اُس نے بولے اور جس قُوّت کے ساتھ بولے، اِس کا مُقابلہ کرنا ممکن نہ تھا۔ لیکن یہُودی اُسے خاموش کرنے پر تُل گئے۔ چُنانچہ اُنہوں نے خُفیہ طور پر جھُوٹے گواہ تیار کئے تاکہ ستِفنُس پر الزام لگائیں کہ "ہم نے اِس کو مُوسیٰ اور خُدا کے برخلاف کُفر کی باتیں کرتے سُنا"۔ (الفاظ کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہُودیوں کو خُدا کی نسبت مُوسیٰ کی عِزّت کی زیادہ غیرت تھی)۔ بہُت جلد سنہیڈرن کے سامنے اُس کی پیشی ہُوئی۔ اُس پر الزام تھا کہ یہ "پاک مقام" یعنی ہیکل اور "شریعت" کے خِلاف بولتا ہے۔ اُنہوں نے یہ جھُوٹا الزام بھی لگایا کہ یہ کہتا ہے "کہ وُہی یسوع ناصری اِس مقام (ہیکل) کو برباد کرے گا" اور اُس سارے نظام کو "بدل ڈالے گا جو مُوسیٰ" نے بنی اسرائیل کو دیا ہے۔

۱۵:۶۔ سنہیڈرن نے یہ اِلزامات سُنے، مگر جب اُنہوں نے ستِفنُس پر "غور سے نظر کی" تو اُن کو کِسی شیطان یا بدرُوح کا چہرہ نہیں بلکہ "فرشتہ کا سا چہرہ" نظر آیا۔ اُنہیں اُس زندگی کی پُراسرار خُوبصورتی

اور دِلکشی نظر آئی جو پُورے طور پر خُداوند کے تابع ہوتی ہے، جس نے سچائی کا اعلان کرنے اور بشارت دینے کا عزمِ صمیم کر رکھا ہوتا ہے اور جس کو اِنسان کی باتوں کی نہیں بلکہ خُدا کی باتوں کی فِکر ہوتی ہے۔ اُن کو مسیح کے ایک جاں نثار پَیروِ کے روشن چہرے میں مسیح کے جلال کا عکس دِکھائی دیا۔

باب ۷ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ستِفنُس ماہر اُستاد کی طرح اپنا دِفاع کرتا ہے۔ وُہ بڑے اطمینان سے بات شرُوع کرتا ہے۔ یہُودی تاریخ پر مُختصر نظر ڈالتا ہے۔ بات کو آگے بڑھاتے ہُوئے وُہ دو افراد یعنی یُوسُف اور مُوسیٰ پر توجّہ مرکوز کرتا ہے۔ اُن کو خُدا نے برپا کیا، اِسرائیل نے اُن کو ردّ کیا، مگر خُدا نے اُنہی کو چُھڑانے والوں اور نجات دینے والوں کی حیثیت سے سربلند کیا۔ اگرچہ ستِفنُس اُن کے تجربات کا براہِ راست مسیح کے تجربات سے مُقابلہ نہیں کرتا لیکن مشابہت بالکل واضح ہے۔ آخر میں ستِفنُس یہُودی لیڈروں پر تباہ کُن حملہ کر کے اُن پر اِلزام لگاتا ہے کہ وُہ رُوح القُدس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اُن کو "اُس راستباز" یعنی یسُوع کے قاتل ٹھہراتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ وُہ خُدا کی شریعت پر عمل کرنے سے قاصر رہے۔

ستِفنُس کو عِلم ہو گا کہ اُس کی جان خطرے میں ہے۔ جان بچانے کے لئے اُس کو صِرف ایک معذرت خواہانہ اور مفاہمت آمیز تقریر کرنے کی ضرُورت تھی۔ لیکن اُس نے اپنے پاکیزہ ایمان کو داؤ پر لگانے کی بجائے مرنا گوارا کیا۔ اُس کی ہمّت و جُرأت واقعی قابلِ تعریف ہے۔

۷: ۱-۸۔ ستِفنُس کے پیغام کا اِفتتاحی حِصّہ ہمیں عبرانی قوم کی اِبتدا تک لے جاتا ہے۔ یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ابرہام کی تاریخ کی اِتنی تفصیل کیوں دی گئی۔ البتہ اِس کے تین مقاصد ہو سکتے ہیں:

۱۔ یہ دِکھانا کہ ستِفنُس اِسرائیلی قوم سے واقف اور مانُوس ہے اور اُس سے محبّت رکھتا ہے۔

۲۔ یُوسُف اور مُوسیٰ کے واقعات تک پُہنچنا کیونکہ دونوں مسیح کے ردّ کِئے جانے کے مثیل ہیں۔

۳۔ یہ ثابت کرنا کہ ابرہام نے خُدا کی قابلِ قبول عبادت کی، حالانکہ اُس کی عبادت کسی خاص جگہ تک محدُود نہ تھی (ستِفنُس پر ہیکل کے خِلاف بولنے کا اِلزام تھا۔"اِس پاک مقام ...")۔

ابرہام کی سوانح حیات کے نمایاں نکات یہ ہیں:

۱۔ "مسوپتامیہ" میں خُدا کی طرف سے اُس کی بُلاہٹ (آیات ۲، ۳)۔

۲- "حاران" اور پھر کنعان کی طرف اُس کا سفر (آیت ۴) -

۳- خُدا کا وعدہ کہ مَیں تجھ کو ایک مُلک دُوں گا، حالانکہ قوم کے اِس جدِامجد کو مُلک کا ایک ٹکڑا بھی نہ دیا گیا (آیت ۵)۔ یہ بات یُوں ثابت ہوتی ہے کہ اپنے مُردے دفن کرنے کے لئے اُس کو مکفیلہ میں ایک غار خریدنا پڑا (پیدائش باب ۲۳) - اِس وعدے کو ابھی مستقبل میں پُورا ہونا ہے (عبرانیوں ۱۱: ۱۳ - ۴۰) -

۴- خُدا نے بہت پہلے بتا دیا کہ اِسرائیل مصر میں غلام ہوگا، اور بالآخر رہا کیا جائے گا (آیات ۶، ۷)۔ اِس پیشین گوئی کے دونوں حِصّے اُن افراد کے ذریعے پُورے ہوئے جن کو قوم نے رَدّ کر دیا تھا - ایک یُوسف (آیات ۹ - ۱۹) دُوسرا مُوسیٰ (آیات ۲۰ - ۳۶) - آیت ۶ اور پیدائش ۱۵: ۱۳ میں مذکُور "چار سو برس" وہ عرصہ ہے جب یہُودی قوم مصر میں مُصیبت اور دُکھ میں رہی - خرُوج ۱۲: ۴۰ اور گلتیوں ۳: ۱۷ میں درج چار سو تیس برس، یعقوب اور اُس کے خاندان کے مصر میں آنے اور شریعت کے دِئے جانے کے عرصے پر محیط ہیں - مصر میں پہلے تیس برسوں کے دَوران اِسرائیلیوں پر کوئی ظُلم و ستم نہیں کیا گیا تھا بلکہ اُن کے ساتھ تو نہایت عُمدہ سلُوک رَوا رکھا جاتا تھا -

۵- "ختنہ کا عہد" (آیت ۸) -

۶- "اِضحاق" کی پیدائش - اِس کے بعد "یعقوب اور ... بارہ قبیلوں کے بزرگوں" کی پیدائش (آیت ۸ ب)۔ اِس طرح تاریخ ہمیں یُوسف تک لے آتی ہے جو یعقوب کے بارہ بیٹوں میں سے ایک تھا -

۷: ۹ - ۱۹ - پُرانے عہد نامہ میں مسیح کے جتنے مثیل ہیں اُن میں سے "یُوسف" سب سے زیادہ واضح اور پیارا ہے، گو کہیں بھی صاف لفظوں میں کہا نہیں گیا - ستِفنس نے یُوسف کی زندگی کے حالات ایک ایک کر کے گنوائے تو بے شک یہُودیوں کو یاد آتا ہوگا کہ ہم نے یسُوع ناصری کے ساتھ کیا سلُوک کیا تھا اور اُن کے دِلوں پر قائلیت کے تیر چلتے ہوں گے - یُوسف کی زندگی کے بڑے بڑے واقعات جو ستِفنس نے بیان کئے یہ ہیں :

۱- بھائیوں نے "یُوسف کو بیچا" کہ مصر پہنچ جائے (آیت ۹) -

۲- رَدّ کیا ہُوا شخص "مصر میں" عزت اور مقبولیت حاصل کر گیا (آیت ۱۰) -

۳- "کال" نے یُوسف کے بھائیوں کو "مصر" آنے پر مجبور کیا - لیکن وہ اپنے بھائی کو پہچان نہ

سکے (آیات ۱۱، ۱۲)۔

۴۔ "دُوسری بار یُوسُف اپنے بھائیوں پر ظاہر ہوگیا"۔ پھر جس کو رَدّ کیا گیا تھا وُہ اپنے خاندان کو بچانے والا بن گیا (آیات ۱۳، ۱۴)۔ یہاں ایک تضاد نظر آتا ہے۔ آیت ۱۴ میں "پچھتّر جانیں" کہا گیا ہے جبکہ پیدائش ۴۶: ۲۷ اور خروج ۱: ۵ کے یُونانی ترجمہ میں تعداد پچھتّر ہے، عبرانی متن میں تعداد ستّر ہے۔ یہ کوئی نازک مسئلہ نہیں، بلکہ یعقوب کے خاندان کے افراد کے شمار کرنے میں الگ الگ طریقہ اِستعمال ہوُا ہے۔ ایک جگہ مِصر میں پیدا ہونے والے مَنسّی اور افرائیم کے پانچ بیٹوں کو (۱۔ تواریخ ۷: ۱۴-۲۷) بھی شامل کیا گیا۔ جبکہ دُوسری جگہ ایسا نہیں ہُوا۔ مُصنّفین کا ایسی آزادی سے کام لینا کوئی غیر معمُولی بات نہیں۔ سِتفنُس نے یُونانی ترجمہ کی پَیروی کی ہے۔

۵۔ بزُرگانِ قوم کی وفات اور مُلک کنعان میں اُن کی تدفین (آیات ۱۶، ۱۷)۔ اِس آیت میں بھی ایک مُشکل نظر آتی ہے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ "ابرہام نے" ایک جگہ "بنی حمور سے" خریدی تھی۔ پیدائش ۲۳: ۱۶، ۱۷ کے مُطابق ابرہام نے حبرُون میں مکفیلہ کا غار بنی حِتّ سے خریدا تھا جبکہ بنی حمور سے سِکم میں زمین یعقوب نے خریدی تھی (پیدائش ۳۳: ۱۹)۔ یہاں کئی باتیں ممکن ہیں۔ (۱) ہوسکتا ہے کہ ابرہام نے حبرُون کے علاوہ سِکم میں بھی جگہ خریدی ہو۔ اور بعد میں شاید اِسی قطعۂ زمین کو یعقوب نے دوبارہ خریدا ہو۔ (۲) سِتفنُس نے ابرہام کی بجائے اُس کی نسل 'یعقوب' کا نام اِستعمال کیا ہو۔ (۳) سِتفنُس نے اِختصار کی خاطر ابرہام اور یعقوب کے سَودوں کو یکجا کر دیا ہو۔

۶۔ یُوسُف کی مَوت کے بعد "مِصر" میں یعقوب کے خاندان کا بڑھ کر "اُمّت" بن جانا (آیات ۱۷-۱۹)۔ یہ بات ہمیں سِتفنُس کی بحث میں اگلے قدم کے لئے تیار کرتی ہے ——— یعنی وُہ سلُوک جو قوم کے ہاتھوں مُوسیٰ کو برداشت کرنا پڑا۔

۷: ۲۰-۴۳۔ سِتفنُس بڑی کاٹ دار دلیری سے ثابت کر رہا ہے کہ یہُودی قوم کم سے کم دو گزشتہ موقعوں پر قصُوروار ہُوئی کہ اُنھوں نے اپنے نجات دہندوں کو رَدّ کر دیا، جن کو خُدا نے اُن کی رہائی کی خاطر برپا کیا تھا۔ اُس کا دُوسرا ثبوت "مُوسیٰ" ہے۔

سِتفنُس پر مُوسیٰ کے خِلاف کُفر بکنے کا اِلزام لگایا گیا تھا (۶: ۱۱)۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ قصُوروار فریق تو اسرائیلی قوم ہے جس نے خُدا کے چُنے ہُوئے اُس شخص کو رَدّ کر دیا تھا۔

ستفنس موسیٰ کی زندگی پر یوں نظرِ ثانی کرتا ہے :

۱- پیدائش، ابتدائی زندگی اور مصر میں تعلیم (آیات ۲۰ - ۲۲) "کلام ... میں قوت والا" - یہ الفاظ موسیٰ کی تحریروں کی طرف اشارہ کرتے ہوں گے کیونکہ موسیٰ نے خود کہا تھا کہ مَیں فصیح نہیں (خروج ۴ : ۱۰) -

۲- "اپنے بھائیوں" کی طرف سے پہلی دفعہ رَدّ کیا جانا - جب وُہ ایک "مصری" کے خلاف اُن کی حمایت کر رہا تھا (آیات ۲۳ - ۲۸) - آیت ۲۵ پر غور کریں - وُہ کس طرح یاد دلاتا ہے کہ مسیح کو بھی اپنوں نے رَدّ کیا تھا -

۳- "مدیان کے مُلک میں" اُس کی جلاوطنی (آیت ۲۹) -

۴- "جلتی ہُوئی جھاڑی" میں خُدا کا اُس پر ظاہر ہونا اور اُس کو "چھُڑانے والا" بنا کر واپس "مصر" بھیجنا (آیات ۳۰ - ۳۵) تاکہ قوم کو رہائی دِلائے -

۵- وُہ قوم کو چھُڑانے والا ہُوا (آیت ۳۶) -

۶- آنے والے مسیحِ موعود کے بارے میں اُس کی نبُوّت (آیت ۳۷) ("مجھ سا" کا مطلب ہے جس طرح مجھ کو برپا کیا تھا) -

۷- "بیابان کی کلیسیا" کو شریعت دینے والا بنا (آیت ۳۸) -

۸- قوم نے موسیٰ کو دُوسری بار رَدّ کیا اور سونے کا "بچھڑا" پُوجنے لگی (آیات ۳۹ - ۴۱) - اِسرائیل کی بُت پرستی کی مزید تفاصیل آیات ۴۲ - ۴۳ میں دی گئی ہیں - یہودی دعوے تو کرتے تھے کہ ہم خُداوند کو "ذبیحے اور قربانیاں" چڑھاتے ہیں ، مگر اصل میں "مولک کے خیمہ ... کو لئے پھرتے تھے" - یہ قدیم زمانے کی سب سے زیادہ نفرت انگیز قسم کی بُت پرستی تھی - اِس کے ساتھ وُہ "رفان دیوتا" کو سجدہ کرتے تھے - رفان ستاروں کا دیوتا تھا - اِس گناہ کے باعث خُدا نے اُن کو خبردار کیا تھا کہ تم بابل کی اسیری میں جاؤ گے -

"تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے - ہر پُشت میں ہمیں وُہی باتیں نظر آتی ہیں - جب خُدا کے پیغام کا سامنا ہوتا ہے وُہ سمجھتے نہیں (۲۵) - جب صُلح اور امن سے رہنے کو کہا جاتا ہے وُہ سُننے سے انکار کر دیتے ہیں (۲۷) - جب خُدا کا بھیجا ہُوا چھُڑانے والا بھیجا جاتا ہے تو وُہ رحیم خُدا پر بے کار بُتوں کو ترجیح دیتے ہیں (۴۱) - یہ ہے اِنسانی فطرت ---- باغی، ناشکری، بے وقوف ---- خُدا لاتبدیل اور یکساں ہے - جو خُدا موسیٰ سے ہمکلام ہُوا ، وُہی خُدا تھا جس نے اُس کے آباؤاجداد سے کلام کیا تھا (۳۲) - جب لوگ پریشان ہوتے

ہیں تو یہ خُدا اُن کی سُنتا ہے (۳۴)۔ وُہ چھڑانے کو آتا ہے (۳۴)۔ وُہ اپنے لوگوں کو موت سے نکال کر زندگی میں لے آتا ہے (۳۶)۔ جو جان بُوجھ کر اُس کو رَدّ کرتے ہیں، اُن کو وُہ اُن ہی کی خواہشوں کے حوالہ کر دیتا ہے (۴۲)۔ یہ ہے ہمارا عظیم خُدا ــــــ رحیم، قادر، قدُوس ــــ وُہ ہمیشہ یکساں ہے۔ کچھ بھی ہو جائے وُہ لاتبدیل ہے (ملاکی ۳:۶)۔ ستِفنُس کے سامعین کے لئے یہ ایک تنبیہ تھی کہ خُدا کو حقیر نہ جانیں۔ اور یہ یقین دہانی بھی ہے کہ خُدا کا ہر وعدہ پکّا اور قائم ہے"

۷: ۴۴-۴۶۔ ستِفنُس پر ہیکل کے خلاف بولنے کا بھی اِلزام لگایا گیا تھا۔ وُہ جواب میں ماضی کے اُس زمانے کا بیان کرتا ہے جب بنی اِسرائیل کے پاس "بیابان میں شہادت کا خیمہ" تھا۔ یہی وُہ زمانہ تھا جب قوم "آسمانی فوج" کو بھی پُوجتی تھی۔ جب "یشُوع" اِسرائیلیوں کو "مِلکیّت" یعنی مُلکِ کنعان میں لے آیا اور بُت پرست باشِندوں کو وہاں سے نکال دیا گیا تو "اُسی خیمہ" کو مُلکِ کنعان میں لایا گیا اور "وُہ داؤد کے زمانہ تک رہا"۔ باپ دادا نے "درخواست کی" تھی کہ "یعقوب کے خُدا کے واسطے مسکن تیار کیا جائے۔ اور یُوں اُن پر "خُدا کی طرف سے فضل ہُوا"۔

۷: ۴۷-۵۰۔ داؤد کو ہیکل بنانے کی آرزُو تھی۔ لیکن خُدا نے اُس کی درخواست منظُور نہ کی "مگر سلیمان نے اُس کے لئے گھر بنایا"۔

اگرچہ ہیکل خُدا کی قوم کے درمیان خدا کا مسکن تھی لیکن وُہ اِسی عمارت تک محدُود نہ تھا۔ جب ہیکل کی تقدیس ہُوئی تو سلیمان نے اِس بات کو بالکل واضح کر دیا تھا (۱-سلاطین ۸: ۲۷)۔ یسعیاہ نے بھی قوم کو خبردار کیا تھا کہ خُدا عمارتوں کو اہمیّت نہیں دیتا، بلکہ قوم کی اخلاقی اور رُوحانی حالت کو دیکھتا ہے (یسعیاہ ۶۶: ۱، ۲)۔ وُہ خستہ اور شکستہ دِلوں پر نظر کرتا اور اُس آدمی پر فضل کرتا ہے جو اُس کا کلام سُن کر کانپتا ہے۔

۷: ۵۱-۵۳۔ یہُودی لیڈروں نے ستِفنُس پر شریعت کے خِلاف بولنے کا اِلزام لگایا تھا۔ اب وُہ بڑے مختصر لیکن جچے تُلے الفاظ میں اِلزام کو غلط ثابت کرتا ہے۔ دراصل وُہ خُود "گردن کش اور دِل اور کان کے نامختُون" تھے۔ وُہ اُن کو غیر قوموں کی طرح دِل اور کان کے نامختُون ہونے کے باعث جھڑکتا ہے۔

وُہ "رُوح القدُس کی مُخالفت" کرنے میں اپنے "باپ دادا" جیسے تھے۔ اُن کے "باپ دادا" نے "مسیح کے آنے کی پیش خبری دینے والوں (نبیوں) کو قتل کیا"۔ اور اَب اُنہوں نے "اُس راستباز" کو پکڑوا کر قتل کر دیا تھا۔ بحیثیتِ قوم وُہ شریعت پر عمل کرنے سے قاصر رہے تھے، حالانکہ اُن کو یہ شریعت "فرشتوں کی معرفت" مِلی تھی۔

اِس کے بعد اور کچھ کہنے کی حاجت نہ تھی! دراصل کہنے کو کچھ رہ بھی نہیں گیا تھا! اُنہوں نے ستفنس کو اپنا دِفاع کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر اَب وُہ مُدعی ثابت ہُؤا اور یہودی لیڈر مُلزِم ٹھہرے۔ اُس کا پیغام ایک لحاظ سے یہودی قوم کے لئے خُدا کی طرف سے آخری پیغام تھا۔ اِس کے بعد انجیل وہاں سے نکل کر غیر قوموں میں پھیلنے لگی۔

۷: ۵۴-۶۰۔ ستفنس نے گواہی دی کہ "مَیں آسمان کو کُھلا ... دیکھتا ہُوں"۔ اِس کے ساتھ ہی لوگوں نے اُس کی مزید کوئی بات سُننے سے اِنکار کر دیا اور گلے پھاڑ پھاڑ کر چلّانے لگے۔ اُس پر پِل پڑے اور گھسیٹ کر شہر کی فصیل سے باہر لے گئے اور "اُس کو سنگسار کرنے لگے"۔

یُوں لگتا ہے کہ گویا رُوحُ القدس نے ایک نوجوان کا نام اِتفاقیہ درج کروا دیا۔ یہ جوان کھڑا ستفنس کو سنگسار کرنے والوں کے کپڑوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ اُس کا نام "ساؤل" ہے۔ لگتا ہے رُوح ہم سے کہہ رہا ہے کہ "یہ نام یاد رکھنا۔ تم اِس کے بارے میں پھر سُنو گے"۔

ستفنس کی مَوت ہمارے خُداوند کی مَوت سے بہُت مشابہت رکھتی ہے:

۱۔ اُس نے دُعا مانگی "اے خُداوند یسوع! میری رُوح کو قبول کر" (آیت ۵۹)۔ یسوع نے دُعا مانگی تھی کہ "اے باپ! مَیں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہُوں" (لُوقا ۲۳: ۴۶)۔

۲۔ اُس نے دُعا مانگی "اے خُداوند! یہ گُناہ اِن کے ذِمّہ نہ لگا" (آیت ۶۰)۔ یسوع نے دُعا مانگی تھی کہ "اے باپ! اِن کو مُعاف کر کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں" (لُوقا ۲۳: ۳۴)۔

کیا اِس سے پتہ نہیں چلتا کہ خُداوند کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے سے ستفنس خُداوند کے رُوح کے وسیلے سے "اُسی جلالی صُورت میں درجہ بدرجہ" بدل گیا تھا (۲۔کرنتھیوں ۳: ۱۸)؟

یہ دُعا مانگنے کے بعد ستفنس "سو گیا"۔ جب نئے عہد میں مَوت کے حوالہ سے لفظ "سونا" اِستعمال کیا جاتا ہے تو اِشارہ رُوح کی طرف نہیں بلکہ بدن کی طرف ہوتا ہے۔ مَوت کے وقت ایمان دار کی رُوح مسیح کے پاس چلی جاتی ہے (۲۔کرنتھیوں ۵: ۸)۔ تصور یہ ہے کہ "بدن" سو رہا ہے۔

عام حالات میں یہودیوں کو مَوت کی سزا پر عمل درآمد کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ حق رومی حاکموں کے لئے مخصوص تھا (یُوحنّا ۱۸: ۳۱ب)۔ لیکن جب ہیکل کو خطرہ درپیش ہوتا تو رومی اِس حکم میں رعایت کر جاتے تھے۔ ستفنس پر ہیکل کے خِلاف بولنے کا اِلزام تھا، اگرچہ یہ اِلزام بے بُنیاد تھا، مگر یہودیوں نے پھر بھی اُسے مَوت کی سزا دے دی۔ یسوع پر بھی ہیکل کو برباد کرنے کا اِلزام لگایا گیا تھا (مرقس ۱۴: ۵۸) لیکن اُس وقت گواہوں کے بیانات میں تضاد تھا۔

۲- یہُودیہ اور سامریہ میں کلیسیا (۸: ۱- ۹: ۳۱)

ا- سامریہ میں فلپُّس کی خدمت (۸: ۱- ۲۵)

۸: ۱- خُدا کا رُوح ایک دفعہ پھر "ساؤل" کا نام مُتعارف کراتا ہے۔ اُس کے اندر رُوح کا ایک زبردست کشمکش انگڑائیاں لے رہی تھی۔ بظاہر اُس کی دہشت گردی کی حکمرانی جاری تھی لیکن مسیحیوں کے دشمن کے طور پر اُس کے دِن گِنے جا چُکے تھے۔ "ساؤل" ستِفنُس "کے قتل پر راضی تھا"۔ مسیحیوں کو ستانے میں ساؤل سب سے آگے تھا۔ مگر ستِفنُس کے قتل پر راضی ہو کر وہ اپنی بعد کی تبدیلی کی راہ تیار کر رہا تھا۔

"اُسی دِن" اِن الفاظ کے ساتھ ایک نئے دَور کا آغاز ہوتا ہے۔ ستِفنُس کی موت کے ساتھ ہی "کلیسیا پر ... ظُلم" کے دروازے کُھل گئے۔ ایمان دار "یہُودیہ اور سامریہ کی اطراف میں پراگندہ ہو گئے"۔

خُداوند نے اپنے پیروؤں کو ہدایت کی تھی کہ اپنی گواہی کا آغاز یروشلیم سے کریں۔ اِس کے بعد یہُودیہ، سامریہ اور دُنیا کی اِنتہا تک پہنچیں۔ اَب تک اُن کی گواہی صِرف "یروشلیم" تک محدود رہی تھی۔ شاید وہ باہر کے عِلاقوں میں جانے سے ڈرتے تھے۔ اَب اُن کو ظُلم اور ایذا رسانی کے ذریعہ سے باہر نکلنے پر مجبُور کر دیا گیا۔

"رسُولوں کے سوا" سب پراگندہ ہو گئے۔ رسُول شہر ہی میں رہے۔

اِنسانی زاویۂ نگاہ سے ایمان داروں کے لئے یہ تاریک ترین دِن تھا۔ اُن کی رفاقت میں سے ایک رُکن کی زندگی ختم کر دی گئی تھی۔ یہُودی اُن کی گھات میں تھے لیکن خُدا کی نِگاہ میں یہ دِن قطعاً تاریک نہیں تھا۔ گیہُوں کا ایک دانہ زمین میں بویا گیا تھا، اور آخر اِس سے بہُت پَھل پَیدا ہونے کو تھا۔ مخالفت کی آندھیاں خوشخبری کا بیج دُور دُور مقامات تک بکھیر رہی تھیں۔ تو فصل کی وُسعت کا اندازہ کون لگا سکتا تھا؟

۸: ۲- "دِیندار لوگ"، جنھوں نے ستِفنُس کو دفن کیا، اُن کی شناخت نہیں کرائی گئی۔ غالباً یہ وہ مسیحی تھے جو ابھی یروشلیم سے نکالے نہیں گئے تھے۔ یا شاید خُدا ترس یہُودی تھے جِن کو شہید میں کوئی اَیسی بات نظر آئی، جس سے اُن کی نظر میں اُس کی عزّت و توقیر ہُوئی اور اُنھوں نے اُسے لائق طور سے دفن کرنا مُناسب سمجھا۔

۸: ۳- دیکھئے "ساؤل" کا نام پھر آیا! وہ اپنی پُوری توانائی اور وسائل "کلیسیا کو ... تباہ" کرنے اور بدقسمت مظلُوموں کو گھروں سے "گھسیٹ گھسیٹ کر" "قید کرانے" میں صَرف کر رہا تھا۔ کاش

وُہ ستفنس کو، اُس کے وقار اور ناقابلِ تسخیر ایمان کو، اُس کے فرشتہ جیسے چہرہ کو بھول سکتا! اُسی کی یاد کو مٹانے کے لیے وُہ ستفنس کے ہم ایمانوں پر حملے پر حملہ کرتا ہے۔

۸: ۴-۸۔ مسیحیوں کے تتر بتر ہونے سے اُن کی گواہی خاموش نہیں ہوگئی! وُہ جہاں جہاں گئے نجات کی خوشخبری ساتھ لے گئے۔ باب ۶ والا "ڈیکن" "فلپس" شمال کی طرف "شہرِ سامریہ" کو چلا گیا۔ وُہ نہ صرف مسیح کی منادی کرتا تھا بلکہ "معجزے" بھی "دِکھاتا تھا"۔ "ناپاک رُوحیں" نکال کر بھگا دی جاتی تھیں، "مفلوج اور لنگڑے اچھے کئے گئے"۔ لوگ خوشخبری پر کان لگاتے تھے اور "بڑی خوشی ہُوئی"۔ کیا ایسے میں کوئی اَور توقع کی جا سکتی تھی؟

ابتدائی کلیسیا یسوع مسیح کے واضح احکام کی تعمیل کرتی تھی۔

جس طرح مسیح نکلا اُسی طرح یہ کلیسیا بھی باہر نکلی (یُوحنا ۲۰: ۲۱؛ اعمال ۸: ۱-۴)۔

کلیسیا نے اپنا مال واسباب بیچ کر قیمت غریبوں کو دے دی (لُوقا ۱۲: ۳۳؛ ۱۸: ۲۲؛ اعمال ۲: ۴۵؛ ۴: ۳۴)۔

کلیسیا نے اپنے ماں، باپ اور گھروں کو خیر باد کہا اور کلام کی منادی کرنے ہر جگہ پہنچی (متی ۱۰: ۳۷؛ اعمال ۸: ۱-۴)۔

کلیسیا نے مُرید بنائے اور اُن کو کام کرنا اور حکم ماننا سکھایا (متی ۲۸: ۱۸، ۱۹؛ ۱-تھسلنیکیوں ۱: ۶)۔

کلیسیا نے اپنی صلیب اُٹھائی اور مسیح کے پیچھے ہولی (اعمال باب ۴؛ ۱-تھسلنیکیوں باب ۲)۔

کلیسیا نے ظلم وستم سہے اور مصیبت میں خوشی منائی (متی ۵: ۱۱، ۱۲؛ اعمال باب ۱۶؛ ۱-تھسلنیکیوں ۱: ۶-۸)۔

کلیسیا نے مُردوں کو اپنے مُردے دفن کرنے دِئے اور جا کر انجیل کی منادی کی (لُوقا ۹: ۵۹، ۶۰)۔

کلیسیا نے اپنی پاؤں کی گرد اُن لوگوں کے سامنے جھاڑ دی جنہوں نے سُننے سے انکار کیا (لُوقا ۹: ۵؛ اعمال ۱۳: ۵۱)۔

کلیسیا نے بیماروں کو شفا دی، ناپاک رُوحوں کو نکالا، مُردوں کو زندہ کیا اور قائم رہنے والا پھل لائی (مرقس ۱۶: ۱۸؛ اعمال ۳: ۱۶)۔

۸: ۹-۱۱۔ فلپس کی منادی سُننے والوں میں سب سے نامور اور مشہور شخص "شمعون نام" ایک جادُوگر تھا۔

اِس سے پہلے اُس نے "سامریہ" میں اپنے لئے زبردست نام پیدا کر رکھا تھا۔ لوگوں پر اُس کا رُعب تھا۔ وہ اُس کی "جادوگری" کے شعبدوں پر انگشت بدنداں رہتے تھے۔ وہ خود کو ایک "بڑا شخص" قرار دیتا تھا۔ بہت سے لوگ قائل بھی تھے اور "کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں"۔

۸: ۱۲-۱۳۔ لیکن جب بہت سے لوگ "فلپس" کی منادی کے باعث خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے اور "بپتسمہ لینے لگے" تو "شمعون ... بھی" کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں[1] اور وہ بھی "بپتسمہ لے کر فلپس کے ساتھ رہا کیا"۔

بعد کے واقعات سے یوں لگتا ہے کہ شمعون نئے سرے سے پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ نجات پانے کا دعویٰ تو کرتا تھا مگر اُس کے پلے کچھ نہیں تھا۔ جو لوگ تعلیم دیتے ہیں کہ بپتسمہ سے نجات ہے، یہاں اُن کو ایک اُلجھن اور پریشانی کا سامنا ہوتا ہے۔ شمعون نے بپتسمہ لیا تھا مگر ابھی تک اپنے گناہوں میں تھا۔ غور کریں کہ فلپس، خدا کی بادشاہی اور یسوع مسیح کے نام کی خوشخبری دیتا تھا۔ "خدا کی بادشاہی" وہ حلقہ ہے جہاں خدا کی حکمرانی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ موجودہ وقت میں بادشاہ غیر حاضر ہے۔ زمینی بادشاہی کی بجائے اُن سب کی زندگیوں میں جو اُس کے وفادار ہیں ایک نادیدنی رُوحانی بادشاہی موجود ہے۔ مستقبل میں بادشاہ لفظی معنوں میں بادشاہی قائم کرنے کے لئے زمین پر واپس آئے گا۔ یروشلیم اُس کا دارالحکومت ہو گا۔ بادشاہی کی کسی بھی شکل میں حقیقی معنوں میں داخل ہونے کے لئے ضرور ہے کہ انسان نئے سرے سے پیدا ہو۔ "یسوع مسیح کے نام" میں ایمان کا مطلب ہے نئی پیدائش کا تجربہ حاصل کرنا۔ بے شک فلپس کی منادی کا لب لباب یہی تھا۔

۸: ۱۴-۱۷۔ "سامریوں نے" بڑے شوق سے "خدا کا کلام قبول کر لیا"۔ جب یہ خبر "یروشلیم میں" "رسولوں" کو پہنچی تو انہوں نے "پطرس اور یوحنا کو اُن کے پاس بھیجا"۔ اُن کے پہنچنے سے پہلے وہ "خداوند یسوع کے نام پر بپتسمہ" لے چکے تھے۔ لیکن اُن کو "رُوح القدس" نہیں ملا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ خدا کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہوئے رسولوں نے "دعا کی" کہ یہ ایمان دار بھی "رُوح القدس پائیں"۔ "پھر انہوں نے اُن پر ہاتھ رکھے"۔ جونہی ایسا کیا گیا "اُنہوں نے رُوح القدس پایا"۔

اَب فوراً سوال اُٹھ کھڑا ہوا کہ یہاں کے واقعہ اور پنتکُست کے دِن کے واقعہ کی ترتیب میں

---

[1] شمعون نے "یقین کیا" اور آیت ۲۴ میں وہ پطرس سے درخواست کرتا ہے کہ "میرے لئے خداوند سے دُعا کرو"۔ اِس لئے کئی لوگوں کا خیال ہے کہ اُس نے نجات تو پائی تھی، مگر وہ بہت دنیاوی اور جسمانی شخص تھا۔

کیوں فرق ہے۔ پنتکست پر یہودیوں نے

۱۔ توبہ کی ۲۔ بپتسمہ پایا ۳۔ رُوح القدس پایا۔

اِس موقع پر سامری

۱۔ ایمان لائے ۲۔ بپتسمہ لیا ۳۔ رسُولوں نے اُن کے لئے دُعا کی اور اُن پر ہاتھ رکھے۔ ۴۔ رُوح القدس پایا۔

ایک بات ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سب کو نجات ایک ہی طریقے سے ملی —— یعنی خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے سے —— صرف وُہی نجات کا واحد منبع ہے۔ البتہ عبوری دَور میں یہودیت اور مسیحیت کے درمیان پُل بناتے ہوئے، خُدا نے ایمان داروں کی مُختلف جماعتوں کے بارے میں اپنے شاہی اختیار کے مُطابق جو مناسب جانا سو کیا۔ یہودی ایمان داروں سے کہا گیا کہ وُہ یہودی قوم سے بے تعلق ہونے کے لئے بپتسمہ لیں۔ اِس کے بعد اُن کو رُوح القدس دیا گیا۔ یہاں ضرُوری سمجھا گیا کہ سامریوں کے لئے رسُول دُعا کریں اور اُن پر ہاتھ رکھیں —— لیکن کیوں؟

شاید بہترین جواب یہ ہے کہ اِس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ خواہ یہودیوں پر مشتمل ہو خواہ سامریوں پر، کلیسیا ایک ہی ہے۔ بڑا خطرہ تھا کہ یروشلیم کی کلیسیا اِس زعم میں مُبتلا رہے کہ یہودی اعلیٰ و برتر ہیں اور وُہ اپنے سامری بھائیوں سے کوئی میل جول رکھنا پسند نہ کریں۔ پھوٹ کی اِس بدعت کو روکنے کے لئے، یا دو[۲] کلیسیاؤں (ایک یہودی، دُوسری سامری) کے تصوّر کو سر اُٹھانے سے روکنے کے لئے خُدا نے رسُولوں کو بھیجا کہ سامریوں پر ہاتھ رکھیں۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خُداوند یسوع پر ایمان رکھنے کے اعتبار سے اُن میں کامل رفاقت اور یگانگت ہے۔ وُہ سب ایک ہی بدن کے عُضو تھے۔ سب یسوع مسیح میں ایک تھے۔

آیت ۱۶ کہتی ہے کہ "اُنہوں نے صِرف خُداوند یسوع کے نام پر (یا نام میں داخل ہونے کا) بپتسمہ لیا تھا" (اِس کے ساتھ ۱۰: ۴۸ اور ۱۹: ۵ بھی دیکھئے)۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ "باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے بپتسمہ" (متی ۲۸: ۱۹) سے کوئی فرق چیز تھی۔ ایک عالِم لکھتا ہے کہ "لُوقا وُہ اصول قلمبند نہیں کر رہا جو استعمال کیا گیا تھا بلکہ صِرف ایک تاریخی واقعہ بیان کر رہا ہے۔" دونوں تراکیب وفاداری واطاعت اور شناخت (یا مسیح کے ساتھ مشابہت) کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور سارے سچے ایمان دار بڑی خُوشی سے اِقرار کرتے ہیں ہم تثلیث (خُدائے ثالُوث) اور خُداوند یسوع کے ساتھ ایک (ہوئے) ہیں، اور اُس کے وفادار ہیں۔

۸: ۱۸۔ ۲۱۔ "شمعون" جادُوگر اِس بات سے بے حد مُتاثر ہُوا کہ "رسُولوں کے ہاتھ رکھنے سے رُوح القدس دیا جاتا ہے"۔ اُس کو اِس بات کے گہرے رُوحانی مُضمرات کی کوئی سمجھ نہ تھی بلکہ وُہ اِسے کوئی فوق الفطرت

قوت ہی سمجھتا تھا جس سے اُسے اپنے کاروبار میں بہت مدد مِل سکتی تھی - چنانچہ اُس نے یہ اختیار خریدنے کے لئے رسُولوں کو روپوں کی پیشکش کی -

پطرس کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ "شمعون" حقیقی طور پر تبدیل نہیں ہُوا تھا - غور کریں -

۱- "تیرے روپے تیرے ساتھ غارت ہوں" - کوئی ایمان دار کبھی غارت نہیں ہوگا (یُوحنا ۳: ۱۶) -

۲- "تیرا اس امر میں نہ حصہ ہے نہ بخرہ" - دُوسرے لفظوں میں وُہ اِس رفاقت و شراکت سے باہر یا محروم تھا -

۳- "تیرا دِل خُدا کے نزدیک خالص نہیں" - یہ ایک غیر نجات یافتہ انسان کا موزُوں بیان ہے -

۴- "تُو پت کی سی کڑواہٹ اور ناراستی کے بند میں گرفتار ہے" - کیا یہ الفاظ کسی ایسے شخص پر صادق آ سکتے ہیں جو واقعی نئے سرے سے پیدا ہو چکا ہے ؟

۸: ۲۲-۲۴ - پطرس نے "شمعون" کو تلقین کی "اپنی اِس بدی سے توبہ کر اور خُداوند سے دُعا کر کہ تیرے اِس بُرے خیال کی مُعافی ہو جائے - شمعون نے جواب میں پطرس سے کہا کہ تُو شفاعت کے لئے میرے اور خُدا کے بیچ میں درمیانی ہو - شمعون نے سچی توبہ نہیں کی تھی - اِس کا ثبوت یہ الفاظ ہیں کہ "تم میرے لئے خُداوند سے دُعا کرو کہ جو باتیں تم نے کہیں اُن میں سے کوئی مجھے پیش نہ آئے" - اُسے اپنے گناہ پر تاسف نہیں تھا - اُسے صرف فکر تھی کہ گُناہ کے جو نتائج ہیں اُن سے بچا رہُوں -

۸: ۲۵ - پطرس اور یُوحنا "گواہی دے کر اور خُداوند کا کلام سُنا کر یروشلیم کو واپس ہُوئے" - لیکن اب چونکہ اُن کو پاؤں جمانے کی جگہ مِل گئی تھی اِس لئے وُہ "سامریوں کے بہت سے گاؤں میں خوشخبری دیتے گئے" -

ب - فلپُّس اور حبشی خوجہ (۸: ۲۶-۴۰)

۸: ۲۶ - سامریہ میں اِس زبردست رُوحانی بیداری کے دَوران یہ بھی ہُوا کہ "خُداوند کے فرشتہ نے فلپُّس" کو خدمت کے ایک نئے میدان میں قدم رکھنے کو کہا" - اُسے ہدایت ہُوئی کہ اُس مقام کو جہاں بہتوں کو برکت مِل رہی تھی، چھوڑ کر جائے اور ایک واحد شخص کو کلام سُنائے - فرشتہ فلپُّس کو ہدایت تو دے سکتا تھا لیکن اُس کی جگہ انجیل کی منادی نہیں کر سکتا تھا - یہ اعزاز فرشتوں کو نہیں، صرف انسان کو دیا گیا ہے -

"فلپُّس" کی فرمانبرداری میں چُوں و چرا نہیں تھا - چنانچہ وُہ سامریہ سے جنُوب کو "یروشلیم" کو گیا اور وہاں سے اُس "راہ" پر آیا جو "غزہ" کو جاتی ہے - یہ بات واضح نہیں کہ "جنگل میں ہے" کے الفاظ شاہراہ

کے لئے اِستعمال ہُوئے ہیں یا "غزہ"[1] شہر کے لئے۔ مگر تاثر ایک سا ہے کہ "فلپُّس" ایک گنجان آباد اور رُوحانی طور پر پھلدار جگہ کو چھوڑ کر ویران علاقے میں گیا۔

۸: ۲۷-۳۱۔ اِس شاہراہ پر جاتے جاتے فلپُّس ایک کارواں سے جا مِلا۔ کاروان کے سب سے عُمدہ رتھ پر "حبشیوں کی ملکہ کنداکےؔ[2] کا وزیر اور اُس کے سارے خزانہ کا مُختار" سوار تھا۔ یہ بااختیار شخص "خوجہ"[3] تھا۔ لگتا ہے کہ یہ شخص پہلے یہُودیت کو قبول کر چکا تھا، اِس لئے کہ وُہ "یرُوشلیم میں عبادت کے لئے آیا تھا" اور اَب واپس اپنے وطن کو جا رہا تھا۔ رتھ آگے بڑھ رہا تھا اور وُہ "یسعیاہ نبی کا صحیفہ" پڑھ رہا تھا۔ عَین وقت پر "رُوح نے فلپُّس" کو ہدایت کی کہ "اُس رتھ کے ساتھ ہو لے"۔ یہ بات کیسی تازگی بخش ہے کہ یہاں نسلی تعصُّب بالکُل موجُود نہیں۔

۸: ۳۲، ۳۳۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اُس وقت وُہ خوجہ یسعیاہ ۵۳ باب پڑھ رہا تھا جس میں مسیحِ موعُود کا بے مِثل بیان درج ہے! واقعی کیسا عجیب "اِتفاق" ہے! فلپُّس عَین اُس وقت کیوں پُہنچا جب خوجہ خاص یہ حِصّہ پڑھ رہا تھا؟

یسعیاہ کا یہ حِصّہ اُس ہستی کی تصویر پیش کرتا ہے جو اپنے دُشمنوں کے سامنے "بےزُبان تھا"۔ اُس کو بڑی تیزی سے "انصاف" سے دُور لے گئے۔ اُس پر دیانت داری سے مُقدّمہ بھی نہ چلایا۔ اُس ہستی کو اپنی "نسل" کی کوئی اُمید نہ تھی کیونکہ اُس کو عَین جوانی میں جبکہ اُس کی شادی بھی نہ ہوئی تھی قتل کر دیا گیا۔

۸: ۳۴، ۳۵۔ وُہ "خوجہ" حیران ہو رہا تھا کہ "نبی یہ کِس کے حق میں کہتا ہے؟ اپنے یا کِسی دُوسرے کے؟" بے شک اِس سوال نے "فلپُّس" کو وُہ موقع فراہم کر دیا جو وُہ چاہتا تھا کیونکہ وُہ خوجہ کو بتانا چاہتا تھا کہ اِس صحیفے کی یہ ساری باتیں یسُوعؔ ناصری کی زِندگی اور مَوت میں پُوری ہوتی ہیں۔ بے شک جب یہ حبشی خوجہ یرُوشلیم میں تھا تو اُس نے "یسُوعؔ" نام ایک شخص کے بارے میں بہت کُچھ سُنا تھا۔ اور بے شک یہ

---

[1] یہ فلستین کا ایک قدیم شہر تھا جو مصر کو جانے والی شاہراہ پر، یرُوشلیم کے جنُوب مغرب میں بحیرۂ رُوم کے ساحل پر واقع تھا۔

[2] کنداکے غالباً نام نہیں بلکہ فرعُون کی طرح لقب تھا۔

[3] بڑی بڑی خاتُون عہدیداروں کے مَرد نوکروں کو اکثر آختہ (مردانہ صفات سے محرُوم) کر دیا جاتا تھا۔ یہُودیّت میں خوجے اوّل درجہ کے شہری نہیں ہوتے تھے (استثنا ۲۳: ۱)۔ اُن کا درجہ صِرف "پھاٹک کے نو مُرید" کا ہوتا تھا۔ لیکن یہاں ایک خوجہ مسیحی کلیسیا کا پُورا پُورا ممبر بن جاتا ہے۔

باتیں یسوع کے بارے میں شک وشبہ پیدا کرنے والی تھیں۔ اب "خوجہ" کو پتہ چلتا ہے کہ "یسوع" ناصری ہی یہوواہ کا دُکھ اُٹھانے والا خادم ہے جس کے بارے میں یسعیاہ نے لکھا ہے۔

۸: ۳۶۔ معلوم ہوتا ہے کہ فلپس نے اُس حبشی کو مسیحی بپتسمہ کے اعزاز واستحقاق کے بارے میں سمجھایا تھا کہ بپتسمہ میں انسان خود کو موت، تدفین اور قیامت میں مسیح کے مشابہ ٹھہراتا ہے۔ اور اب جبکہ وُہ "چلتے چلتے کسی پانی کی جگہ پر پہنچے" تو خوجہ نے بپتسمہ لینے کی خواہش کا برملا اظہار کیا۔

۸: ۳۷۔ بپتسمہ لینے کے لئے یہ اقرار بے شک ضروری ہے کہ "یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے"۔

۸: ۳۸۔ "رتھ" روکا جاتا ہے اور "فلپس" اُس "خوجہ" کو بپتسمہ دیتا ہے۔ یہ غوطہ[1] کا بپتسمہ تھا جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وُہ "پانی میں اُتر پڑے" اور "پانی میں سے نکل کر اُوپر آئے"۔

جس سادگی سے یہ رسم ادا کی گئی وُہ گہرا تاثر پیدا کرتی ہے۔ جنگل بیابان میں سے گزرتی ہوئی ایک شاہراہ پر ایک ایمان دار ایک نومرید کو بپتسمہ دیتا ہے۔ کلیسیا وہاں موجود نہیں، کوئی اور رسول وہاں موجود نہیں۔ بلاشبہ کارواں میں ہمرکاب مُلازمین اپنے مالک کے بپتسمہ لینے کے گواہ تھے۔ اور وُہ سمجھ گئے کہ اب ہمارا مالک یسوع ناصری کا پیرو بن گیا ہے۔

۸: ۳۹۔ جونہی بپتسمہ کی رسم ختم ہوئی "خداوند کا رُوح فلپس کو اُٹھا لے گیا"۔ اِس سے مُراد صرف یہی نہیں کہ رُوح نے کسی اور جگہ جانے میں اُس کی ہدایت کی بلکہ فوری اور معجزانہ طور پر دُوسری جگہ پہنچانے کا بیان ہے۔ مقصد یہ تھا کہ وُہ "خوجہ" اپنے مسیح پر ایمان لانے کے انسانی وسیلے ہی پر متوجہ نہ ہو جائے بلکہ اُس کی توجہ خُداوند پر مرکوز ہو جائے۔

خوجہ "خوشی کرتا ہُوا اپنی راہ چلا گیا"۔ خُداوند کی فرمانبرداری کرنے سے وُہ خوشی حاصل ہوتی ہے، جس کا مقابلہ اور کوئی خوشی نہیں کر سکتی۔

۸: ۴۰۔ اسی دَوران "فلپس" "اشدود" میں اپنی تبلیغی خدمت کو دوبارہ شروع کر دیتا ہے۔ یہ شہر غزہ کے شمال اور یروشلیم کے مغرب میں ساحل کے قریب واقع تھا۔ وہاں سے منادی کرتا ہُوا وُہ قیصریہ کے

---

[1] رومن کیتھولک علما کی اکثریت، کیلون اور بہت سے دیگر علما بھی جو خود اُنڈیلنے سے یا چھڑکنے سے بپتسمہ دیتے ہیں، متفق ہیں کہ ابتدائی دَور میں بپتسمہ "غوطہ" سے ہوتا تھا لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بتا دیا جائے کہ جن الفاظ کا ترجمہ "میں" اور "میں سے" کیا گیا ہے، اُن کا مطلب "کو" اور "سے" بھی ہے۔

ساحل تک جا پہنچتا ہے۔

اور خوجہ کا کیا ہُوا؟ فلپّس کو اُس کی بعد کی زندگی کی نگہبانی کرنے کا موقع نہ ملا۔ یہ مُبشّر صرف اِتنا ہی کر سکا کہ اُس کو خُدا اور پُرانے عہدنامہ کے صحائف کے سُپرد کر دے۔ لیکن بالیقین رُوح القدس کی قوّت کے ساتھ یہ نیا شاگرد حبش (ایتھوپیا) میں واپس آیا[1] اور سب کو خُداوند یسوؔع مسیح کے نجات بخش فضل کی گواہی دیتا رہا۔

ایمان داروں کے بپتسمہ کا توضیحی بیان

مندرجہ بالا سُطور میں ہم نے حبشی خوجہ کے بپتسمہ پر غور کیا ہے۔ بپتسمہ کا یہ واقعہ اُن بہت سے شواہد کا حصّہ ہے جن کی بِنا پر کہا جاتا ہے کہ اِبتدائی کلیسیا بپتسمہ کی تعلیم دیتی اور اِس پر عمل کرتی تھی (۲: ۳۸؛ ۲۲: ۱۶)۔ یہ بپتسمہ یُوحنّا کے بپتسمہ جیسا نہیں تھا۔ یُوحنّا کا بپتسمہ توبہ کو ظاہر کرتا تھا (۱۳: ۲۴؛ ۱۹: ۴) جبکہ یہ بپتسمہ مسیح کے مشابہ ہونے کا علانیہ اقرار تھا۔

یہ بپتسمہ ہمیشہ ایمان لانے کے بعد دیا جاتا تھا (۲: ۴۱؛ ۸: ۱۲؛ ۱۸: ۸) اور مَردوں اور عورتوں دونوں کے لئے تھا (۸: ۱۲)۔ یہ غیر قوم اور یہودی ہر دو کے لئے تھا (۱۰: ۴۸)۔ بتایا گیا ہے کہ پُورا پُورا گھرانا بھی بپتسمہ لیتا تھا (۱۰: ۴۷، ۴۸؛ ۱۶: ۱۵؛ ۱۶: ۳۳) لیکن اِن واقعات میں سے کم سے کم دو میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گھرانے کے سارے افراد ایمان لائے تھے۔ کبھی اور کہیں بیان نہیں ہُوا کہ شِیرخواروں کو بپتسمہ دیا گیا۔

ایمان داروں کو ایمان لانے کے بہُت جلد بعد بپتسمہ دیا جاتا تھا (۸: ۳۶؛ ۹: ۱۸؛ ۱۶: ۳۳)۔ لگتا ہے کہ بپتسمہ اُن کے مسیح پر ایمان لانے کے اِقرار کی بُنیاد پر دیا جاتا تھا۔ اِقرار کی حقیقت کو ظاہر یا ثابت کرنے کے لئے کسی آزمائشی وقفے کی شرط نہ تھی۔ البتہ ایذا رسانی کا خطرہ ہوتا تھا اِس لئے ایمان لانے والے اِقرار کرنے میں ضرور اِحتیاط برتتے تھے اور پُوری ذمّہ داری اور آگہی کے ساتھ اِقرار کرتے تھے۔

ہمیں شمعوؔن کے مُعاملے (۸: ۱۳) سے معلُوم ہوتا ہے کہ بپتسمہ میں نجات دینے کی خصُوصیّت نہیں ہے۔ ایمان کا اِقرار کرنے اور بپتسمہ لینے کے بعد بھی وُہ "پِت کی سی کڑواہٹ اور ناراستی کے بند میں گرفتار" تھا (۸: ۲۳) اور اُس کا "دِل خُدا کے نزدیک خالص نہیں تھا" (۸: ۲۱)۔

---

[1] افریقہ میں حبش (ایتھوپیا) واحد مُلک ہے جہاں اِنتہائی اِبتدائی دِنوں سے لے کر آج تک مسیحی کلیسیا تسلسل کے ساتھ قائم ہے۔ فلپّس کی وفاداری وُہ کُنجی تھی جس نے وہاں کلیسیا کا دروازہ کھولا تھا۔

جیسا کہ اُوپر ذکر ہؤا بپتسمہ غوطہ سے دیا جاتا تھا (۸: ۳۸، ۳۹)۔ "فلپُّس اور خوجہ دونوں پانی میں اُتر پڑے ... جب وُہ پانی میں سے نِکل کر ..."۔ آج بھی کئی لوگ جو اُنڈیلنے اور چھِڑکنے کے طریقے کی وکالت کرتے ہیں، وُہ بھی مانتے ہیں کہ پہلی صدی کے شاگرد غوطہ کے بپتسمہ پر عمل کرتے تھے۔

دوؔ دفعہ ایسا ہُؤا ہے کہ بپتسمہ کو گناہوں کی مُعافی سے مُنسلِک کیا گیا ہے۔ پنتِکُست کے دِن پطرس نے کہا "توبہ کرو، اور تُم میں سے ہر ایک اپنے گُناہوں کی مُعافی کے لئے یسوعؔ مسیح کے نام پر بپتسمہ لے ..." (۲: ۳۸)۔ بعد کے ایک واقعہ میں حننیاہ نے ساؤل سے کہا "اُٹھ، بپتسمہ لے اور اُس (خُداوند یسوعؔ) کا نام لے کر اپنے گُناہوں کو دھو ڈال" (۲۲: ۱۶)۔ دونوں موقعوں پر ہدایت یہُودیوں کو کی گئی تھی۔ کبھی کسی غیر قوم کو گُناہوں کی مُعافی کے لئے بپتسمہ لینے کو نہیں کہا گیا۔ ایماندار کے بپتسمہ کی خاص بات یہ ہے کہ یہُودی اُس قوم سے علانیہ قطع تعلق کرتا تھا جس نے مسیحِ موعُود کو ردّ اور مصلُوب کیا تھا۔ اُس کی مُعافی کی بُنیاد خُداوند یسوعؔ پر ایمان تھا۔ اُس کی مُعافی کی قیمت خُداوند یسوعؔ کا خُون تھا۔ اور اُس کو مُعافی پہنچانے کا طریقہ پانی کا بپتسمہ تھا کیونکہ اُس کا بپتسمہ اُسے علانیہ یہُودی بُنیاد سے اُٹھا کر مسیحی بُنیاد پر کھڑا کرتا تھا۔

بپتسمہ دینے کا قاعِدہ یا فارمُولہ "باپ اور بیٹے اور رُوح القُدس کے نام سے" (متّی ۲۸: ۱۹) اعمال کی کتاب میں موجُود نہیں۔ سامریوں کو "خُداوند یسوعؔ کے نام پر" (۸: ۱۶) بپتسمہ دیا گیا تھا۔ یہی بات یُوحنّا کے شاگردوں پر صادِق آتی ہے (۱۹: ۵)۔ لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں کہ باپ، بیٹے اور رُوح القُدس کے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے۔ "خُداوند یسوعؔ کے نام پر" (یا 'نام سے') کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "خُداوند یسوعؔ کے اِختیار سے"۔

یُوحنّا کے شاگردوں کو دوؔ دفعہ بپتسمہ دیا گیا۔ پہلے یُوحنّا کا بپتسمہ جو توبہ کے لئے تھا، پھر اُن کے ایمان لانے کے موقع پر ایماندار کا بپتسمہ (۱۹: ۳، ۵)۔

یہاں ہمیں "دوبارہ بپتسمہ" کی ایک مثال مِلتی ہے کہ جنہوں نے ایمان لانے سے پہلے بپتسمہ لیا تھا، اُن کو دوبارہ بپتسمہ دیا گیا۔

ج۔ ساؤل ترسی کا مسیح پر ایمان لانا (۹: ۱-۳۱)

۹: ۱، ۲۔ اعمال کی کتاب کے باب ۹ سے ایک نمایاں موڑ آتا ہے۔ اب تک نمایاں مقام پطرس کو حاصِل تھا کہ وُہ اِسرائیلی قوم میں منادی کرتا تھا۔ اب سے پولُس رسُول بتدریج نمایاں شخصیّت بن جائے گا اور انجیل روز افزوں غیر قوموں تک پہنچے گی۔

اِس موقع پر ساؤل" ترسی غالباً ۳۰ تیس کے پیٹے میں تھا۔ ربّی اُس کو یہودی مذہب کا ایک نہایت ہونہار نوجوان سمجھتے تھے۔ جہاں تک جوش و ولولے کا تعلق ہے وُہ اپنے سارے ساتھیوں میں ممتاز تھا۔

اُس کو مسیحی ایمان کی ترقی میں اپنے مذہب کے لئے خطرہ نظر آتا تھا۔ مسیحی ایمان کو "طریق" (۱۹: ۹، ۲۳؛ ۲۳: ۴؛ ۲۴: ۱۴، ۲۲ بھی دیکھئے) کہا جاتا تھا۔ چنانچہ وُہ بے حدوحساب جوش اور پوری قوّت سے اِس مُضر اور منحوس فرقے کو مٹانے کے درپے ہوگیا۔ اُس نے "سردار کاہن" سے اِس اختیار کا پروانہ لیا کہ شام کے مُلک میں "دمشق" شہر میں یسوع کے پیروؤں کو تلاش کر کے "اُن کو باندھ کر یروشلیم میں لائے" تاکہ اُن پر مقدمہ چلا کر سزا دی جائے۔

۹: ۳-۶۔ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وُہ "دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہُوا کہ یکایک آسمان سے ایک نور اُس کے گرداگرد آچمکا"۔ اِس نور کی چمک ایسی تیز تھی کہ ساؤل "زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سُنی کہ اے ساؤل! اے ساؤل! تُو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" جب ساؤل نے پوچھا کہ "اے خداوند! تُو کون ہے؟" تو اُسے بتایا گیا کہ "مَیں یسوع ہُوں جسے تُو ستاتا ہے؟"

اِس موقع پر ساؤل کے جذبات کا اندازہ لگانے کے لئے یاد رکھنا ضروری ہے کہ اُسے یقین تھا کہ یسوع ناصری مر چکا ہے اور یہودیہ میں ایک قبر میں دفن ہے۔ اور چونکہ اِس فرقے کا لیڈر ہلاک ہو چکا ہے، اِس لئے فرقے کو ختم کرنے کے لئے صرف اُس کے پیروؤں کو نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔ پھر دُنیا اِس سزا سے چھوٹ جائے گی۔

اب ساؤل کو اچانک معلوم ہو جاتا ہے کہ یسوع تو مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے، اور آسمان میں خدا کے دہنے ہاتھ پر جلال حاصل کر چکا ہے۔ جلالی مُنجی کا یہ نظارہ تھا جس نے ساؤل کی زندگی کا رُخ بالکل بدل ڈالا۔

اُس دِن ساؤل کو یہ بھی معلوم ہُوا کہ جب مَیں "یسوع" کے شاگردوں کو ستاتا تھا تو دراصل خود خداوند کو "ستاتا" تھا۔ زمین پر جو "بدن" ہے، جو دُکھ درد اُسے پہنچایا جاتا ہے، وُہ آسمان میں بدن کے "سر" کو محسوس ہوتا ہے۔

ساؤل کو پہلے عقیدہ سمجھایا گیا پھر ذمّہ داری سونپی گئی۔ پہلے اُس کو یسوع کی ذات کے بارے میں سکھایا گیا، اِس کے بعد اُسے دمشق بھیجا گیا جہاں اُسے آگے بڑھنے کے احکام مِلنے تھے۔

۹: ۷-۹۔ "جو آدمی اُس کے ہمراہ تھے" وُہ بالکل ہکا بکا اور سُنّ سے کھڑے تھے۔ اُنہوں نے آسمان سے آواز تو سُنی لیکن سمجھے نہیں۔ اُن کے لئے الفاظ ایسے صاف نہیں تھے (۲۲: ۵)۔ اُن کو

خُداوند دِکھائی نہ دِیا، صِرف ساؤل نے اُسے دیکھا تھا۔ اُس وقت ساؤل کو رسالت کے لئے بُلایا گیا۔
اب اِس مغرور فریسی کو "ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے" جہاں وُہ "تین ۳ دِن تک نہ دیکھ سکا"۔ اِس عرصے میں "نہ اُس نے کھایا نہ پِیا"۔

۹: ۱۰-۱۴ ۔ اِس خبر سے "دمشق" کے مسیحیوں کا جو حال ہُؤا اُس کا تصوّر کرنا کوئی مُشکل نہیں۔ اُن کو علم تھا کہ ساؤل ہمیں گرفتار کرنے آ رہا ہے۔ وُہ دُعا کرتے تھے کہ خُدا مداخلت کرے۔ شاید اُنہوں نے جُرأت کر کے یہ دُعا بھی کی ہو کہ ساؤل بھی مسیح پر ایمان لائے۔ اَب اُن کو خبر مِلتی ہے کہ ہمارے ایمان کا سب سے بڑا دُشمن مسیحی ہو گیا ہے۔ اُن کو تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا تھا۔

خُداوند نے "دمشق" کے ایک ایمان دار "حننیاہ" کو ہدایت کی کہ "ساؤل" سے مِلے۔ حننیاہ نے اُس شخص کے بارے میں دِل کے سارے اندیشے خُدا کے سامنے رکھ دِیئے۔ لیکن جب اُسے یقین دِلایا گیا کہ اِس وقت ساؤل ستانے کی بجائے "دُعا کر رہا ہے" تو "حننیاہ" اُس کوچہ میں جو "سیدھا" کہلاتا ہے "یہوداہ کے گھر گیا"۔

۹: ۱۵، ۱۶ ۔ "خُداوند" کے پاس ساؤل کے لئے زبردست اور عجیب منصوبے تھے "یہ ... میرا نام ظاہر کرنے کا میرا چُنا ہُؤا وسیلہ ہے۔ اور مَیں اُسے جتا دُوں گا کہ اُسے میرے نام کی خاطر کِس قدر دُکھ اُٹھانا پڑے گا"۔ ساؤل کو خاص طور پر غیر "قوموں" کا رسُول ہونا تھا۔ اور اِس تقرر کے باعث اُس کو "بادشاہوں" کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ لیکن وُہ اپنے اُن ہموطنوں کے سامنے بھی منادی کرے گا جو جسم میں اُس کے بھائی ہیں۔ اور یہاں اُس کو شدید ظُلم و ستم کا تجربہ ہو گا۔

۹: ۱۷، ۱۸ ۔ "حننیاہ" نے بڑے پیار سے اِس نئے ایمان دار "پر ہاتھ رکھ کر" اُس کے ساتھ پُوری پُوری رفاقت کا ثبوت دِیا۔ اُس نے اُسے "اے بھائی ساؤل" کہہ کر مُخاطب کیا اور اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ مقصد یہ تھا کہ "ساؤل" دوبارہ "بینائی پائے اور رُوح القُدس سے بھر جائے"۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ "ساؤل" کو "رُوح القُدس" ایک عام شاگرد کے ہاتھ رکھنے کے وسیلے سے دِیا گیا۔ مُفسّروں کے مُطابق "حننیاہ" ایک عام مسیحی (نہ رسُول، نہ ڈیکن) تھا۔ یہ حقیقت کہ خُداوند ایک ایسے شخص کو اِستعمال کرتا ہے جو رسُول نہیں ہے، اُن لوگوں کے لئے جھڑکی کی حیثیت رکھتی ہے جو رُوحانی "خصوصی حقوق" کو صِرف "خادمانِ دِین" تک محدود رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب کوئی شخص واقعی تبدیل ہو جاتا ہے تو چند باتیں ضرور ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ کچھ نشانیاں ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ تبدیلی حقیقی ہے۔ یہ بات ترسیس کے ساؤل پر بھی صادِق آتی ہے۔ یہ نشانیاں

کیا ہیں؟ فرانسس ڈبلیو۔ ڈکسن نے چند ایک بیان کی ہیں :

۱۔ اُس کی مُلاقات خُداوند سے ہُوئی اور اُس نے خُداوند کی آواز سُنی (اعمال ۹: ۴-۶)۔ اُس کو اِلٰہی مُکاشفہ حاصل ہُوا۔ صرف یہ مکاشفہ ہی اُسے قائل کر سکتا تھا اور مسیح کا عقیدت مند پیرو بنا سکتا تھا۔

۲۔ وُہ خُداوند کی فرمانبرداری کرنے اور اُس کی مرضی کو پُورا کرنے کا زبردست آرزومند ہو گیا (اعمال ۹: ۶)۔

۳۔ وُہ دُعا کرنے لگا (اعمال ۹: ۱۱)۔

۴۔ اُس کو بپتسمہ دیا گیا (اعمال ۹: ۱۸)۔

۵۔ وُہ خُدا کے لوگوں سے رفاقت و شراکت رکھنے لگا (اعمال ۹: ۱۹)۔

۶۔ وُہ بڑی قوت سے گواہی دینے لگا (اعمال ۹: ۲۰)۔

۷۔ وُہ فضل میں بڑھتا گیا (اعمال ۹: ۲۲)۔

عام مسیحی[۱] کی خدمت

اعمال کی کتاب سے ہمیں جو سب سے اہم سبق ملتا ہے یہ ہے کہ مسیحیت عام ایمان داروں[۱] کی تحریک ہے۔ اور گواہی کا کام کسی خاص طبقہ مثلاً پریسٹوں یا خادمانِ دین کے سپرد نہیں کیا گیا۔ گواہی دینا تمام ایمان داروں کی ذِمّہ داری ہے۔

ہارنیک کہتا ہے کہ

"جب اِبتدائی دَور میں رُومی سلطنت کے زمانے میں کلیسیا نے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں، تو ایسا مُعلّمین، یا مُبلّغین یا رسُولوں کی وجہ سے نہیں ہُوا تھا بلکہ غیر رسمی مشنریوں کی وجہ سے ہُوا تھا"۔

ڈین اِنجے رقم طراز ہے کہ

"مسیحیت کا آغاز غیر رسمی نبیوں کے مذہب کے طور پر ہُوا۔ اور مسیحیت کے مُستقبل

---

[۱] وُہ مسیحی جو "خادمانِ دین" نہیں یعنی جن کی رسمی مخصُوصیت نہیں ہُوئی۔

کا انحصار بھی عام مسیحیوں پر ہے"۔

برائن گرین کہتا ہے کہ

"مسیحیت کا مستقبل اور باقی دُنیا میں تبلیغ پیشہ ور مسیحی خادموں کے نہیں بلکہ عام مردوں اور عورتوں کے ہاتھوں میں ہے"۔

لیٹن فورڈ کا قول ہے کہ

"جو کلیسیا گواہی کی ذمہ داری صرف ماہرین کے سپرد کر دیتی ہے، وہ اپنے 'سر' کے ارادے کی خلاف ورزی بھی کرتی ہے اور ابتدائی مسیحیوں کے نمونے کے خلاف بھی چل رہی ہے۔ تبلیغ کرنا صرف چند 'نامی کرداروں' کا نہیں بلکہ پوری کلیسیا کا کام تھا"۔

اور آخر میں جے۔ اے۔ سٹوآرٹ لکھتا ہے کہ

"مقامی جماعت کا ہر فرد مسیح کے لئے رُوحیں جیتنے کو نکلتا تھا۔ وہ ذاتی تعلق اور رابطے سے رُوحیں جیتتا اور پھر اُن نوزائیدہ بچوں کو مقامی کلیسیا میں لاتا تھا جہاں اُن کو دین کی تعلیم دی جاتی اور مخلصی دینے والے پر ایمان میں مضبوط کیا جاتا تھا اور پھر وُہ بھی ایسا ہی کرنے کو نکل کھڑے ہوتے تھے"۔

سیدھی سی حقیقت یہ ہے کہ رسُولی کلیسیا میں نہ کوئی خادمِ دین تھا نہ پریسٹ جو مقامی کلیسیا کی صدارت کرتا تھا۔ عام مقامی کلیسیا مُقدسوں، ایلڈروں اور ڈیکنوں پر مشتمل ہوتی تھی (فلپیوں ۱:۱)۔ نئے عہدنامہ کے مُطابق سب کے سب مُقدسین خادمانِ دین ہوتے تھے۔ بشپ (نگہبان) وُہ بزرگ تھے جنہیں اپنی مقامی کلیسیا میں ذمہ داری سے نگرانی کرنا یا رُوحانی راہنمائی فراہم کرنا تھی۔ اور ڈیکن وُہ خادم تھے جو مقامی کلیسیا کے مالی معاملات سے متعلق فرائض ادا کرتے تھے۔

بشپ یا بزرگ کلیسیا کے اندر کوئی جُداگانہ طبقہ نہیں ہوتے تھے۔ بزرگوں یا ایلڈروں کی ایک جمیعت ہوتی تھی جو مِل کر مقامی کلیسیا کی گلہ بانی کرتی تھی۔

لیکن کوئی شخص سوال اُٹھا سکتا ہے کہ رسُولوں، نبیوں، مُبلغوں، گلہ بانوں اور اُستادوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا وُہ ابتدائی کلیسیاؤں کا جُداگانہ طبقہ نہ ہوتے تھے؟ اِس کا جواب اِفسیوں ۴: ۱۲ میں ملتا ہے۔ یہ نعمتیں اِس لئے ملتی تھیں تاکہ مُقدسین (عام ایمان دار) خدمت کا کام جاری رکھ سکیں اور اِس طرح مسیح کے بدن کو ترقی دیں۔ اُن کا مقصد مقامی کلیسیا پر

مُستقِل عُہدیدار بن بیٹھنا نہیں تھا بلکہ اِس طرح کام کرنا تھا کہ وُہ دِن آجائے جب مقامی کلیسیا اپنے پاؤں پر کھڑی ہوکر ساری ذِمّہ داری پُوری کر سکے - پھر وُہ آگے بڑھ کر نئی جماعتیں قائم کرتے اور اُن کو مضبُوط کرتے تھے -

کلیسیا کے مؤرخین کے مُطابق باقاعدہ رسمی خادمُ الدّین کا نظام دُوسری صدی عیسوی میں اُبھرا- اعمال کی کتاب کے زمانے میں اِس نظام کا کوئی وجُود نہ تھا - اِس نظام سے عالمگیر منادی اور کلیسیا کی وُسعت کے کام میں رُکاوٹ پیدا ہُوئی ہے کیونکہ اِس نظام میں بہت زیادہ کا اِنحصار چند ہی لوگوں پر ہوتا ہے -

نئے عہدنامہ میں ایمان دار صرف خادم ہی نہیں بلکہ کاہن بھی تھے - مُقدّس کاہن ہونے کے باعث اُن کو خُدا کی عبادت کے لئے ہر وقت اور ہمیشہ خُدا کی حضُوری میں رسائی حاصل ہے (۱-پطرس ۲: ۵)- شاہی کاہن ہونے کے باعث اُن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب کو اُس ہستی کے بارے میں بتائیں جس نے اُن کو تاریکی سے اپنی عجیب روشنی میں بُلایا ہے (۱-پطرس ۲: ۹) - سارے ایمان داروں کی کہانت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک سرِ بازار منادی کرنے یا تعلیم دینے کا اہل ہے - لیکن اِس کا مطلب یہ ضرُور ہے کہ کلیسیا کے اندر کاہنوں کے خصُوصی طبقے کا کوئی وجُود نہیں جن کو خدمت کے کام اور عبادت کے اِنتظام پر کنٹرول حاصل ہو-

۹: ۱۹-۲۵ - "دمشق" میں شاگردوں نے "ساؤل" کے لئے اپنے دیدہ و دِل فرشِ راہ کر دئے- اُن کے گھروں کے دروازے ساؤل کے لئے کُھل گئے- وُہ بھی فوراً "عبادت خانوں" میں جاکر دلیری سے گواہی دینے لگا کہ یسوع "خُدا کا بیٹا ہے"- نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس کے یہودی سامعین میں گھبراہٹ اور حیرانی پھیل گئی- اُن کو تو بتایا گیا تھا کہ ساؤل یسوع کے نام سے عداوت رکھتا ہے - اور اَب وُہ تعلیم دے رہا تھا کہ یسوع خُدا ہے! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

اِس پہلے موقع پر وُہ کتنی دیر "دمشق" میں رہا، ہمیں اِس کا علم نہیں - البتہ گلتیوں ۱: ۱۷ سے پتہ چلتا ہے کہ وُہ دمشق کو چھوڑ کر عرب چلا گیا - یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ وُہ عرب میں کتنا عرصہ رہا- لیکن یہ بتایا گیا ہے کہ وُہ دمشق واپس آیا - اعمال باب ۹ کے بیان میں عرب کا یہ سفر کہاں آنا چاہئے؟ غالباً آیت ۲۱ اور ۲۲ کے درمیان -

خُدا نے اپنے جن خادموں کو بہت زیادہ اِستعمال کیا، اُن میں سے اکثر کو عرب یا بیابان کا تجربہ ہُوا- اِس کے بعد ہی خُدا نے اُن کو منادی کے لئے بھیجا-

عرب میں قیام کے دَوران "ساؤل" کو اپنی زندگی میں پیش آنے والے واقعات، اور خاص کر

خُدا کے فضل کی خوشخبری پر غور کرنے کا موقع مِلا۔ اور یہ خوشخبری اُن کو خاص طور پر سپرد ہوئی تھی۔ جب وُہ "دمشق" میں واپس آیا (آیت ۲۲) تو عبادت خانوں میں جا کر ثابت کرتا تھا کہ یہی یسوع اسرائیل کا "مسیحِ موعود" ہے۔ یہودی اُس کی تعلیم سے حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ اسی وجہ سے وُہ اُس کے خلاف طیش میں آ گئے اور اُس کو جان سے مار ڈالنے کا "مشورہ" (سازش) کرنے لگے کیونکہ پہلے تو وُہ اُن کا لیڈر تھا، لیکن اب "برگشتہ" ہو گیا تھا۔ اب وُہ دین سے پھر جانے والا" اور "زمانہ ساز" بن گیا تھا۔ لیکن "ساؤل" بچ کر دمشق سے نکل گیا۔ اُس کے ساتھیوں نے اُسے ایک "ٹوکرے" میں بٹھا کر شہر کی دیوار (فصیل) پر سے لٹکا کر اُتار دیا۔ یہ فرار اگرچہ رُسوا کُن ہے لیکن ساؤل تو اب خود شکستہ آدمی تھا۔ وُہ مسیح کی خاطر ہر وُہ رُسوائی برداشت کرنے کو تیار تھا جس سے دُوسرے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۹: ۲۶–۳۰۔ اِنسانی زاویۂ نگاہ سے "یروشلیم" شہر "ساؤل" کے لئے سب سے خطرناک جگہ تھی۔ لیکن جب یقین ہو کہ مَیں خُدا کی مرضی کے مطابق سب کچھ کر رہا ہُوں، تو انسان اپنی ذات کے تحفّظ سے بڑی حد تک بے نیاز ہو جاتا ہے۔

اِس بات پر اختلافِ رائے پایا جاتا تھا کہ مسیحی ہونے کے بعد ساؤل کا "یروشلیم" کا یہ پہلا دَورہ تھا جو کہ تبدیلی کے تین سال بعد ہُوا تھا (گلتیوں ۱: ۱۸)۔ جب وُہ پہلی دفعہ "یروشلیم" آیا تو پطرس اور یعقوب سے تو مِلا لیکن کسی اَور رسُول سے نہیں مِلا۔ آیت ۲۷ میں درج ہے کہ "برنباس ... اُسے اپنے ساتھ رسُولوں کے پاس لے گیا۔ اِس کا مطلب پطرس اور یعقوب کے پاس بھی ہو سکتا ہے اور سارے رسُولوں کے پاس بھی۔ اگر دُوسرا مطلب لیا جائے تو یہ ساؤل کا "یروشلیم" کا دُوسرا دَورہ ہو گا جس کا کسی دُوسری جگہ ذِکر نہیں۔

پہلے تو "یروشلیم" میں سارے شاگردوں کو ساؤل کے اِس دعوے پر شک رہا کہ وُہ مسیحی ہو گیا ہے۔ اِس لئے "سب اُس سے ڈرتے تھے" اور اُسے قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ لیکن "برنباس"، جس کے نام کا مطلب ہے "تسلّی کا بیٹا" وُہ اِسم بامسمّٰی ثابت ہوتا ہے۔ وُہ "ساؤل" کی حمایت کرتا ہے۔ اُس کے ایمان لانے کا واقعہ اور "دمشق" میں دلیری سے گواہی دینے کے حالات دُوسرے شاگردوں کو بتاتا ہے۔ اب ایمان داروں کو احساس ہو گیا کہ ساؤل سچّا ہے۔ اور یہ احساس اُس وقت اَور بھی پختہ ہو گیا جب اُنہوں نے اُسے "یروشلیم میں ... دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی" کرتے سُنا اور دیکھا۔ چند ہی دنوں میں "یونانی مائل یہودی" اُس کے سخت مخالف ہو گئے۔ جب "بھائیوں" نے دیکھا کہ ساؤل کی زندگی اُن لوگوں کے باعث خطرہ میں ہے تو "اُسے قیصریہ میں لے گئے" جو ایک سمندری بندرگاہ ہے، اور وہاں سے اُسے "ترسُس" کو روانہ کر دیا۔ یہ ساؤل کا اپنا شہر تھا اور ایشیائے کوچک کے جنوب مشرقی ساحل پر واقع تھا۔

۹: ۳۱- اِس کے بعد فلستین کی "کلیسیا" یعنی تمام کلیسیاؤں "کو چین ہوگیا" - اب اُن کو موقع مِل گیا کہ کلیسیاؤں کو مضبوط کریں اور توجہ دیں کہ رفاقت عددی اور رُوحانی دونوں لحاظ سے ترقی کرے -

۳- دُنیا کی اِنتہا تک کلیسیا (۹: ۳۲ - ۲۸: ۳۱)

ا- پطرس غیر قوموں میں انجیل کی منادی کرتا ہے (۹: ۳۲- ۱۱: ۱۸)

۹: ۳۲- ۳۴- اب دوبارہ "پطرس" کا بیان شروع ہوتا ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ وہ یہودیہ کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے ایمان داروں سے ملاقاتیں کر رہا ہے - آخر وہ یروشلیم کے شمال مغرب میں اور یافا (آج کل یافو) کو جانے والی شاہراہ پر واقع "لُدہ" میں پہنچتا ہے - وہاں اُسے ایک مفلوج ملا "جو آٹھ برس سے چارپائی پر پڑا تھا"۔ "پطرس" نے اُس کا نام لے کر کہا کہ "یسوع مسیح تجھے شفا دیتا ہے" - اینیاس "فوراً" اُٹھ کھڑا ہُوا اور اپنی چارپائی بڑھا دی - عین ممکن ہے کہ اینیاس کو جسمانی شفا کے ساتھ ہی رُوحانی شفا بھی مِل گئی -

۹: ۳۵- یہ شفا یافتہ مفلوج "لُدہ" کے شہر میں اور "شارون" کے سارے ساحلی علاقے میں خداوند کی گواہی ثابت ہُوا - اِس کے نتیجے میں بہت سے لوگ "خداوند کی طرف رجوع لائے" -

۹: ۳۶- ۳۸- "یافا" اُس دور میں فلستین کی ایک بڑی سمندری بندرگاہ تھا جو یروشلیم سے تقریباً تیس ۳۰ میل دور بحیرہ روم پر واقع تھا - وہاں کے مسیحیوں میں ایک نیک دِل خاتون "تبیتا" تھی (تبیتا ارامی نام ہے جس کو یونانی میں "ڈورقس" کہا گیا ہے - مطلب ہے ہرنی) - وہ غریبوں کے لئے کپڑے سینے اور خیرات کرنے کے لئے بہت مشہور تھی - "وہ بیمار ہو کر مر گئی" - لگتا ہے کہ اُس کی بیماری اچانک اور نہایت مختصر تھی - شاگردوں یعنی ایمان داروں نے "لُدہ" میں فوری پیغام بھیج کر "پطرس" سے "درخواست" کی کہ بلا تاخیر ہمارے پاس پہنچ -

۹: ۳۹- ۴۱- وہاں پہنچا تو پطرس نے دیکھا کہ "سب بیوائیں" زار و قطار رو رہی ہیں - یہ بیوائیں پطرس کو "وہ کُرتے اور کپڑے" دِکھانے لگیں جو تبیتا نے اُن کے لئے بنائے تھے - پطرس نے سب سے کمرے سے نِکل جانے کی درخواست کی اور پھر "گھٹنے ٹیک کر دُعا کی" اور تبیتا کی "لاش ... (سے) کہا اَے تبیتا اُٹھ" - فوراً اُس کی زندگی بحال ہو گئی اور اپنے مسیحی ساتھیوں سے اُس کا دوبارہ میل ہو گیا -

۹: ۴۲- مُردہ کو زندہ کرنے کا یہ معجزہ سارے علاقے میں "مشہور" ہو گیا جس کے نتیجے میں "بہتیرے خداوند پر ایمان لائے" ـــــــ لیکن آیت ۳۵ اور ۴۲ کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اینیاس کے شفا

پانے کے مُعجزے کے نتیجے میں نسبتاً زیادہ لوگ ایمان لائے تھے۔

۹: ۴۳ - پطرس "بہت دن یافا میں شمعون نام دبّاغ کے ہاں رہا"۔ یہاں شمعون کے پیشہ (چمڑا بنانا) کا ذکر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہودی چمڑا بنانے کو گھٹیا بلکہ بدنام پیشہ سمجھتے تھے کیوں کہ دبّاغ کو مُسلسل مُردہ جانوروں کو چھُونا ہوتا ہے۔ اِس لئے وُہ شرعی طور پر ناپاک رہتا ہے۔ پطرس کا "شمعون" کے ساتھ رہنا اِس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ وُہ اِس خاص یہودی رسم کا پابند نہ رہا۔

اکثر اِس بات کی نشان دہی کی جاتی ہے کہ یکے بعد دیگرے تین۳ ابواب میں نوح کے بیٹوں کی نسل کے ایک نہ ایک شخص کے ایمان لانے کا بیان ہے۔ بلاشُبہ حبشی خوجہ (باب ۸) حام کی نسل سے تھا۔ ترسیس کا ساؤل (باب ۹) سِم کی نسل سے تھا اور یہاں باب ۱۰ میں کرنیلیس ہے جو یافت کی اولاد میں سے تھا۔ یہ اِس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ انجیل ساری نسلوں اور ساری تہذیبوں اور ثقافتوں کے لئے ہے۔ مسیح میں یہ سارے فطری تفرقات مِٹ جاتے ہیں۔ باب ۲ میں پطرس نے بادشاہی کی کُنجیوں کو یہودیوں کے لئے ایمان کا دروازہ کھولنے کے لئے اِستعمال کیا تھا۔ اُسی طرح باب ۱۰ میں وُہ غیر قوموں کے لئے بھی یہ دروازہ کھولتا ہُوا نظر آتا ہے۔

۱۰: ۱-۲ - اِس باب کا آغاز "قیصریہ" میں ہوتا ہے۔ یہ شہر یافا سے کوئی تیس۳۰ میل شمال میں واقع تھا۔ "کرنیلیس" ایک رُومی فوجی افسر تھا۔ "صُوبہ دار" کے ماتحت تقریباً سَو۱۰۰ سپاہی ہوتے تھے۔ اُس کا دستہ "اطالیانی" پلٹن کے ساتھ مُنسلِک تھا۔ فوج میں تو اُس کو نُمایاں عُہدہ حاصل تھا ہی، لیکن اُس کی زیادہ شُہرت اپنی "دینداری" کے باعث تھی۔ وُہ "دیندار" تھا، "خُدا سے ڈرتا تھا" اور حاجتمند "یہودیوں کو بہت خیرات دیتا" تھا۔ رائری کا خیال ہے کہ کرنیلیس "پھاٹک کا نومُرید تھا یعنی وُہ یہودیت کے خُدا اور اُس کی بادشاہی پر ایمان رکھتا تھا لیکن اُس نے پُورے طور پر مُرید ہونے کے لئے تاحال کوئی قدم نہیں اُٹھایا تھا"۔

یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وُہ نجات یافتہ شخص تھا۔ جو کہتے ہیں کہ وُہ نجات یافتہ تھا وُہ آیت ۲ اور ۳۵ کا حوالہ دیتے ہیں جہاں "کرنیلیس" کی طرف واضح اِشارہ کرتے ہُوئے پطرس کہتا ہے کہ "ہر قوم میں جو اُس (خُدا) سے ڈرتا اور راستبازی کرتا ہے، وُہ اُس کو پسند آتا ہے"۔ جو عُلما کہتے ہیں کہ وُہ نجات یافتہ نہیں تھا، وُہ ۱۱: ۱۴ کی طرف مُتوجّہ کرتے ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ فرشتہ کرنیلیس سے کہتا ہے کہ پطرس "تجھ سے ایسی باتیں کہے گا جن سے تُو اور تیرا گھرانا نجات پائے گا"۔

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ "کرنیلیس" ایک ایسا شخص تھا جو اُس نُور کے مُطابق زندگی بسر کرتا تھا جو خُدا

نے اُسے عطا کیا تھا۔ یہ نور اُس کے نجات پانے کے لئے کافی نہیں تھا۔ اِس لئے خُدا نے یقینی بندوبست کیا کہ اُسے انجیل کا اضافی نور دیا جائے۔ پطرس کے آنے سے پہلے اُس کو نجات کی تسلّی حاصل نہ تھی۔ لیکن وُہ حقیقی خُدا کی پرستش اور عبادت کرنے والوں کے ساتھ ایک قریبی رشتہ ضرور محسوس کرتا تھا۔

۱۰: ۳-۸ - ایک دِن تقریباً ۳ بجے بعد دوپہر کو کُرنیلیس نے رویا میں صاف صاف دیکھا کہ خُدا کا فرشتہ "اُس کا نام لے کر اُسے مخاطب کر رہا ہے۔ چونکہ وُہ غیر یہُودی تھا اِس لئے اُس کو فرشتوں کی خدمت کا اِتنا شعور نہیں تھا جو ایک یہُودی کو ہو سکتا ہے۔ اُس نے فرشتہ کو خُداوند سمجھا۔ فرشتہ نے اُس کی دِل جمعی کرائی کہ خُدا نے تیری "دُعاؤں" اور "خیرات" کو یاد کیا ہے۔ پھر فرشتہ نے اُسے کہا کہ "اب یافا میں آدمی بھیج کر شمعون کو جو پطرس کہلاتا ہے بُلوا لے۔ وُہ شمعون دبّاغ کے ہاں مہمان ہے جس کا گھر سمندر کے کنارے[1] ہے۔" کرنیلیس بے چُوں و چرا حکم مانتا ہے۔ وُہ اپنے "دو نوکروں" اور ایک "دیندار سپاہی" کو یافا کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔

۱۰: ۹-۱۴ - "دُوسرے دِن ... پطرس دوپہر کے قریب کوٹھے پر دُعا کرنے کو چڑھا"۔ یہ یافا میں شمعون دبّاغ کے گھر کا واقعہ ہے۔ اُس وقت پطرس کو "بھُوک لگی اور کچھ کھانا چاہتا تھا"۔ لیکن نیچے کھانا ابھی تیار کیا جا رہا تھا۔ اُس کی بھُوک نے وُہ مُناسب حالات پیدا کر دِیئے جو تھوڑی دیر میں اُسے پیش آنے کو تھے۔ "اُس پر بے خُودی چھا گئی۔ اور اُس نے دیکھا کہ ... ایک چیز ... چاروں کونوں سے لٹکتی ہُوئی ... اُتر رہی ہے جس میں سب قسم کے چوپائے اور کیڑے مکوڑے اور ... پرندے ہیں"۔ اُس میں پاک اور ناپاک، حلال اور حرام ہر قسم کے جانور موجُود تھے۔ آسمان سے ایک آواز نے بھُوکے رسُول کو ہدایت کی کہ "اُٹھ! ذبح کر اور کھا"۔ یاد رکھیں کہ مُوسیٰ کی شریعت میں ہر قسم کے "حرام یا ناپاک" جانور کو کھانے کی ممانعت ہے۔ پطرس نے اعتراض کیا "اے خُداوند! ہرگز نہیں"۔ سکروگی تبصرہ کرتے ہُوئے کہتا ہے کہ "جو شخص 'ہرگز نہیں' کہتا ہے اُس کو ساتھ 'خُداوند' نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ جو کوئی سچّے دِل سے 'خُداوند' کہتا ہے وُہ کبھی 'ہرگز نہیں' نہیں کہہ سکتا"۔

۱۰: ۱۵، ۱۶ - پطرس نے تاکیدی طور پر بیان کیا کہ مَیں نے زندگی بھر ہمیشہ یہُودی شریعت کے مُطابق حلال چیزیں کھائی ہیں۔ تو آسمانی "آواز" نے کہا "جن کو خُدا نے پاک ٹھہرایا ہے تُو اُنہیں حرام نہ کہہ"۔

---

[1] ایک دبّاغ کے لئے سمندر کے کنارے گھر بنانے میں بڑی مصلحت تھی۔ کھالوں کی دُھلائی سے شہر کے اندر صحت و صفائی کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شہر سے باہر اور سمندر کے کنارے تمام گندا اور بدبُودار پانی اور جانوروں کی

یہ مکالمہ تین دفعہ دُہرایا گیا۔ اِس کے بعد وُہ چادر واپس "آسمان پر اٹھا لی گئی"۔

یہ حقیقت تو صاف نظر آتی ہے کہ اِس رویا کا تعلق صِرف کھانے پینے، حلال اور حرام کے ساتھ نہیں تھا۔ اِس کا مطلب بہت گہرا اور اہم تھا۔ یہ سچ ہے کہ مسیحیت کے آنے کے ساتھ خوراک اور کھانے پینے کے یہ ضابطے قائم نہیں رہے لیکن اِس رویا کی اصل اہمیت یہ ہے کہ خُدا غیر اسرائیلیوں پر بھی ایمان کا دروازہ کھولنے کو تھا۔ یہودی ہوتے ہوئے پطرس نے غیر قوموں کو ہمیشہ ناپاک، غیر، بے دین اور بے خدا ہی سمجھا تھا۔ لیکن اب خُدا ایک نیا کام کرنے کو تھا۔ غیر قوم (آسمانی چادر میں ناپاک جانور اور پرندے غیر قوموں کی نمائندگی کرتے ہیں) بھی اُسی طرح رُوح القُدس پانے کو تھے جیسے یہودیوں (پاک جانور اور پرندے) نے پایا تھا۔ اب قومی اور مذہبی اِمتیازات ختم اور منسوخ ہونے کو تھے۔ اب سے خُداوند یسوع میں تمام ایماندار مسیحی کلیسیا میں ایک سطح پر ہوں گے۔

۱۰: ۱۷-۲۳ا۔ اِدھر "پطرس" اپنے دِل میں اِس "رویا" پر غور کر رہا تھا، اُدھر "کُرنیلیس" کے نوکر دروازے پر آپہنچے اور پطرس کا پُوچھنے لگے۔ "رُوح" کی ہدایت سے پطرس چھت پر سے اُترا اور اُن سے مِلا۔ اُس کو اُن کے آنے کا مقصد معلوم ہُوا تو وُہ اُن کو گھر کے "اندر" لایا اور رات بھر ٹھہرانے کا بندوبست کیا۔ نوکروں نے اپنے مالک کو خُوب خراجِ تحسین پیش کیا کہ وُہ "راست باز اور خُدا ترس آدمی اور یہودیوں کی ساری قوم میں نیک نام ہے"۔

۱۰: ۲۳ب-۲۹- اگلے دِن "پطرس" کُرنیلیس کے تینوں نوکروں کے ہمراہ "قیصریہ" کو "روانہ ہُوا اور یافا میں سے بعض بھائی اُس کے ساتھ ہو لیے"۔ غالباً وُہ سارا دِن سفر کرتے رہے کیونکہ "وُہ دُوسرے روز قیصریہ میں داخل ہُوئے"۔

"کُرنیلیس" اُن کے آنے کی راہ دیکھ رہا تھا۔ چونکہ اُسے یقین تھا کہ پطرس ضرور آئے گا، اِس لئے اُس نے "اپنے رِشتہ داروں اور دِلی دوستوں کو جمع" کر رکھا تھا۔ "پطرس" پہنچا تو کُرنیلیس نے اُس کی عزت و تعظیم کی خاطر "اُس کے قدموں میں گر کر سجدہ کیا"۔ رسُول نے اِس سجدہ کو قبُول کرنے سے اِنکار کیا اور اِحتجاج کیا کہ "میں بھی تو اِنسان ہُوں"۔ مُناسب اور بجا ہو گا کہ جو لوگ اپنے آپ کو "پطرس" کا جانشین کہتے ہیں، وُہ بھی اُس کی اِنکساری اور حلیمی کی تقلید کریں اور لوگوں کو اپنے سامنے دوزانو ہونے اور گھٹنے ٹیکنے سے منع کر دیں۔

لاشیں بآسانی سمندر میں بہائی جا سکتی ہیں۔

"پطرس" نے گھر میں "بہت سے لوگوں کو اکٹھا پایا" تو اُن کو بتایا کہ یہودی ہوتے ہوئے عام حالات میں مَیں کسی غیرقوم کے گھر میں داخل نہ ہوتا۔ لیکن "خدا نے مجھ پر ظاہر کیا" کہ اب سے غیرقوم افراد کو اچھوت نہیں سمجھنا۔ پھر اُس نے پوچھا کہ "مجھے کس بات کے لئے بلایا ہے؟"

۱۰: ۳۰-۳۳۔ "کرنیلیس" نے بڑے شوق سے اپنی اُس رویا کے بارے میں بتایا جو اُس نے "چار[۴] روز" پہلے دیکھی تھی۔ جس میں ایک فرشتہ نے اُسے یقین دلایا تھا کہ "تیری دعا سن لی گئی"۔ اور ہدایت کی تھی کہ "پطرس کو ... اپنے پاس بُلا"۔ اِس غیراسرائیلی شخص کے دل میں خدا کے کلام کی بھوک قابلِ تعریف ہے۔ اُس نے کہا "اب ہم سب خدا کے حضور حاضر ہیں تاکہ جو کچھ خدا نے تجھ سے فرمایا ہے اُسے سنیں"۔ ایسے کھلے دل والی اور کلامِ مقدس کو قبول کرنے والی رُوح کو خدا ضرور اپنی ہدایت سے سرفراز کرتا ہے۔ اُسے بڑا اجر دیتا ہے۔

۱۰: ۳۴-۳۵۔ پیغام دینے سے پہلے "پطرس" نے صاف صاف اقرار کیا کہ اب تک مجھے یقین تھا کہ خدا کا فضل صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ لیکن اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ "خدا" کسی انسان کو اُس کی قومیت کے اعتبار سے عزت نہیں دیتا بلکہ وہ سچے اور شکستہ دل پر نظر کرتا ہے۔ یہ دل یہودی کا ہو یا غیریہودی کا، اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ "بلکہ ہر قوم میں جو اُس سے ڈرتا اور راستبازی کرتا ہے وہ اُس کو پسند آتا ہے"

آیت ۳۵ دو طرح سے سمجھی جا سکتی ہے:

۱۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کوئی سچے دل سے توبہ کرے اور خدا کا متلاشی ہو، تو اگرچہ اُس نے خداوند یسوع کے بارے میں کبھی نہ سنا ہو، تو بھی وہ نجات پائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اگرچہ وہ شخص یسوع کی عوضی قربانی کے بارے میں نہیں جانتا، مگر خدا تو جانتا ہے اور اِس قربانی کی بُنیاد پر اُسے نجات دیتا ہے۔ اور جب بھی وہ سچے ایمان تک پہنچتا ہے، خدا مسیح کی قربانی کے فوائد اُس شخص کے نام محسوب کرتا ہے۔

۲۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ خواہ انسان خدا سے ڈرتا ہو اور راستبازی کرتا ہو، وہ اِس وجہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ نجات صرف خداوند یسوع مسیح پر ایمان سے ہے لیکن جب کبھی خدا کو کوئی ایسا انسان مل جاتا ہے جس نے اُس نور کے مطابق زندگی بسر کی ہو جو خداوند کے بارے میں اُسے عطا کیا گیا ہو تو وہ یقیناً بندوبست

کرتا ہے کہ وُہ اِنسان انجیل سُننے اور نجات پانے کا موقع پائے۔

ہمارے خیال میں دُوسرا نظریہ صحیح ہے۔

۱۰: ۳۶-۳۸۔ اِس کے بعد پطرس اپنے سامعین کو یاد دلاتا ہے کہ اگرچہ انجیل کا پیغام پہلے یہُودیوں کو دیا گیا، لیکن "یسوع مسیح ... سب کا خُداوند ہے" —— یعنی وُہ یہُودی اور غیر قوم سب کا خُداوند ہے۔ اُس کے سامعین نے "یسوع ناصری" کے واقعات ضرور سُنے ہوں گے۔ یہ خوشخبری "یُوحنّا کے بپتسمہ" کے وقت "گلیل" سے شروع ہُوئی اور "تمام یہُودیہ میں مشہور ہو گئی"۔ اِسی "یسوع" کو "خُدا نے ... رُوح القدس سے ... مسح کیا"۔ اُس نے دُوسروں کی خدمت کے لئے بے لوث اور بے غرض زندگی بسر کی۔ "وُہ بھلائی کرتا اور اُن سب کو جو ابلیس کے ہاتھ سے ظُلم اُٹھاتے تھے شفا دیتا پھرا"۔

۱۰: ۳۹-۴۱۔ رسُول "اُن سب کاموں کے گواہ ہیں جو اُس (یسوع) نے ... کئے"۔ وُہ "یروشلیم اور سارے یہُودیہ میں اُس کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اُس (مسیح) کی کامل زندگی کے باوجود "اُنہوں (یہُودیوں) نے اُس کو صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا۔ اُس کو خُدا نے تیسرے دن" مُردوں میں سے "جِلایا"۔ اور اُس کو اُن "گواہوں" نے دیکھا "جو آگے سے خُدا کے چُنے ہُوئے تھے"۔ جہاں تک ہمیں علم ہے اپنے جی اُٹھنے کے بعد خُداوند کسی غیر ایمان دار کو دِکھائی نہیں دیا۔ اُن گواہوں نے خُداوند کے "ساتھ کھایا پیا"۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ مُنجّی کا جی اُٹھا بدن مادی تھا، جسے چُھوئا جا سکتا تھا۔

۱۰: ۴۲۔ خُداوند نے رسُولوں کو مُقرر کیا کہ منادی کریں کہ خُدا کی طرف سے اُسے "زندوں اور مُردوں کا مُنصِف مقرر کیا گیا" ہے۔ یہ بات بہت سے اور حوالوں سے مُطابقت رکھتی ہے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ باپ نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپُرد کیا ہے (یُوحنّا ۵: ۲۲)۔ مطلب یہ ہے کہ ابنِ آدم کی حیثیت میں وُہ یہُودی اور غیر یہُودی سب کی یکساں عدالت کرے گا۔

۱۰: ۴۳۔ لیکن پطرس صِرف عدالت کی بات پر ہی زور نہیں دیتا بلکہ وُہ اِنجیلی سچّائی کا ایک زبردست اور شاندار بیان دیتا ہے۔ وُہ وضاحت کرتا ہے کہ ہم اِس عدالت سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ پُرانے عہدنامہ کے "سب نبی گواہی دیتے ہیں" کہ جو کوئی مسیحِ موعُود کے نام پر "ایمان لائے گا" اُس کے نام سے گُناہوں کی مُعافی حاصل کرے گا"۔ یہ دعوت صِرف بنی اِسرائیل کے لئے نہیں، بلکہ ساری دُنیا اِس میں شامل ہے۔ کیا آپ گُناہوں کی مُعافی پانا چاہتے ہیں؟ تو اُس پر ایمان لائیں۔

۱۰: ۴۴-۴۸۔ "پطرس یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ رُوح القدس اُن سب پر نازِل ہُوا"۔ یاد رکھیں یہ سامعین غیر قوم اور نامختُون تھے۔ اور وُہ "طرح طرح کی زُبانیں بولتے اور خُدا کی تمجید کرتے" تھے۔

غیر زبانیں وہاں موجود سبھوں کے لئے نشان تھیں کہ کرنیلیس اور اُس کے گھرانے کو بھی "رُوح القدس کی بخشش" عطا ہُوئی ہے۔ یافا سے آنے والے یہودی نژاد ایمان دار "حیران ہُوئے کہ غیر قوموں پر بھی رُوح القدس کی بخشش جاری ہُوئی" حالانکہ وُہ یہودی نومرید نہیں بنے تھے۔ لیکن "پطرس" یہودی تعصبات سے اتنا جکڑا ہُوا نہیں تھا۔ اُس کو فوراً احساس ہوگیا کہ خُدا یہودی اور غیر قوم میں کوئی امتیاز نہیں کر رہا۔ چنانچہ اُس نے تجویز کیا کہ کرنیلیس کے گھرانے کو "بپتسمہ" دیا جائے۔

ذرا اِن الفاظ پر غور کریں کہ "جنہوں نے ہماری طرح رُوح القدس پایا"۔ اِن غیر قوم افراد کو بھی اُسی طرح نجات ملی تھی جس طرح یہودیوں کو ——— صرف خالص ایمان سے ——— یہاں شریعت کی پابندی، دُوسرے آئین واحکام کی پیروی یا رسومات اور شعائر کی ادائیگی کا ذکر تک نہیں۔

علاوہ ازیں غیر قوموں کو رُوح القدس ملنے کے تعلق سے واقعات کی ترتیب پر بھی غور کریں۔

۱۔ اُنہوں نے کلام "سُنا" یعنی ایمان لائے (آیت ۴۴)۔

۲۔ اُن پر "رُوح القدس ... نازل" ہُوا (آیت ۴۴، ۴۷)۔

۳۔ اُن کو "بپتسمہ" دیا گیا (آیت ۴۸)۔

یہی ترتیب ہے جو موجودہ زمانے میں یہودی اور غیر قوم، سب کے لئے یکساں مقرر ہے۔ جب خُدا اپنے نام کی خاطر قوموں میں سے لوگوں کو بُلاتا ہے تو یہی ترتیب قائم رہتی ہے۔

خُدا کے رُوح نے قیصریہ میں نہایت پُرفضل کام کیا۔ اب حیرت کی کوئی بات نہیں کہ ایمانداروں نے پطرس کو مجبور کیا کہ "چند روز ہمارے پاس رہ"۔

۱۱: ۱-۳ ۔ یہ خبر بہت جلد "یہودیہ" پہنچ گئی کہ پطرس نے "غیر قوموں" کو بھی خوشخبری سُنائی اور اُنہوں نے بھی نجات پائی ہے۔ اِس لئے "جب پطرس یروشلیم میں آیا تو مختون" بھائیوں نے اُس کو "نامختونوں" کے ساتھ کھانے پینے پر چیلنج کیا۔ یہاں "مختون" بھائیوں سے مُراد یہودی نژاد مسیحیوں سے ہے جو ابھی تک پُرانی سوچوں کے قیدی تھے۔ مثلاً وُہ یقین رکھتے تھے کہ خُداوند سے پُوری برکت پانے کے لئے ضرور ہے کہ غیر قوم شخص ختنہ کرائے۔ اُن کا ابھی تک یہی خیال تھا کہ پطرس نے غیر قوموں کے ساتھ کھایا پیا تو غلط کام کیا ہے۔

۱۱: ۴-۱۴ ۔ اپنا دفاع کرتے ہُوئے "پطرس" نے وُہ تمام واقعات سُنائے جو پیش آئے تھے۔ اِن میں اُس کی "رویا"، "آسمان" سے اُترنے والی "چادر"، کرنیلیس پر "فرشتہ" کا ظاہر ہونا، کرنیلیس کی طرف سے پیغام لے کر آنے والے، رُوح کا حکم کہ اُن کے ساتھ جا، اور غیر قوموں پر

"رُوحُ القُدس" کا نزول ساری باتیں شامل تھیں۔ چونکہ "خُدا" نے اِتنے حتمی اور واضح طریقوں سے کام کیا اِس لئے مزاحمت یا مُخالفت کرنا یقیناً خُدا کی مخالفت ٹھہرتا۔

اپنے اِس پیغام میں "پطرس" نے کئی دلچسپ باتیں بیان کیں۔ یہ باتیں گزشتہ باب میں درج نہیں ہیں۔

۱۔ اُس نے بتایا کہ "چادر ... آسمان سے اُتر کر مجھ تک آئی" (آیت ۵)۔

۲۔ مزید بتایا کہ "اُس پر ... مَیں نے غور سے نظر کی" (آیت ۶)۔

۳۔ پطرس یہ تفصیل بھی دیتا ہے کہ یافا سے "چھ بھائی" اُس کے ساتھ قیصریہ گئے تھے (آیت ۱۲)۔

۴۔ آیت ۱۴ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ فرشتہ نے کُرنیلیس سے وعدہ کیا تھا کہ پطرس "تجھ سے ایسی باتیں کہے گا جِن سے تُو اور تیرا سارا گھرانا نجات پائے گا"۔ یہ آیت زبردست ثبوت ہے کہ پطرس کے آنے سے پہلے کُرنیلیس کو نجات نہیں ملی تھی۔

۱۱: ۱۵۔ پطرس کے بیان کے مُطابق غیر قوم افراد پر "رُوحُ القُدس" اُس وقت "نازل ہُوا" جب وُہ (پطرس) "کلام کرنے لگا" تھا۔ اعمال ۱۰: ۴۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہی میں نہیں بلکہ جب وُہ کچھ دیر تک کلام سُنا چُکا تب نازل ہُوا تھا۔ لگتا ہے کہ اُس نے کلام سُنانا شروع کیا تھا۔ مگر مزید آگے بڑھنے سے پہلے رُوحُ القُدس نازل ہُوا۔ اُسے غالباً کُچھ دیر رُکنا پڑا۔

۱۱: ۱۶۔ جب غیر قوموں پر "رُوحُ القُدس" نازل ہُوا تو پطرس کو فوراً پنتکُست کا واقعہ یاد آ گیا اور ساتھ ہی اُس کا ذہن خُداوند کے اُس وعدے کی طرف گیا جو اُس نے اپنے شاگردوں سے کِیا تھا کہ "تم رُوحُ القُدس سے بپتسمہ پاؤ گے"۔ اُس کو معلوم ہو گیا کہ یہ وعدہ کُچھ تو پنتکُست کو پُورا ہُوا، اور اب دوبارہ پُورا ہو رہا ہے۔

۱۱: ۱۷۔ اِس کے بعد پطرس نے مختون طبقے کے سامنے یہ سوال اُٹھایا کہ "جب خُدا نے" غیر قوموں پر رُوحُ القُدس اُنڈیلنا پسند کیا، جیسا کہ پہلے ایمان لانے والے یہودیوں پر اُنڈیلا تھا تو "مَیں کون تھا کہ خُدا کو روک سکتا؟"

۱۱: ۱۸۔ اِس بات میں یہ عبرانی مسیحی قابلِ تعریف ہیں کہ جب اُنہوں نے پطرس کا بیان سُن لیا تو اُن کو محسوس ہو گیا کہ اِن ساری باتوں میں "خُدا" کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی سوچ اور نظریہ بالکل بدل لیا اور سارے معاملے کو قبول کیا۔ اُن کے سارے اعتراض ختم ہو گئے۔ اُن کی جگہ "خُدا" کی تمجید نے لے لی کہ "خُدا نے غیر قوموں کو بھی زندگی کے لئے توبہ کی توفیق دی ہے"۔

ب۔ انطاکیہ میں کلیسیا کا قیام (۱۱: ۱۹-۳۰)

۱۱: ۱۹۔ اب بیان واپس اُس وقت کی طرف آتا ہے جب "ستفنس" کی شہادت کے بعد کلیسیا پر

ظلم وستم شروع ہو گیا تھا۔ دُوسرے لفظوں میں اگلی آیات کے واقعات کُرنیلیُس کے ایمان لانے (باب ۱۰) سے پہلے وقوع پذیر ہُوئے تھے۔

"پس جو لوگ اُس مُصیبت سے پراگندہ ہو گئے تھے" وُہ اِنجیل کی خُوشخبری کو جگہ جگہ لے گئے۔

۱۔ "فینیکے"۔ یہ بحیرۂ روم کے شمال مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ تنگ سا علاقہ ہے جس میں صُور اور صیدا (سیدون ۔ جدید لبنان) کی بندرگاہیں بھی شامل ہیں۔

۲۔ "کُپرُس" (قبرص) شمال مشرقی بحیرۂ روم میں ایک بڑا جزیرہ۔

۳۔ "کُرینے"۔ افریقہ کے شمالی ساحل (جدید لیبیا) پر ایک بندرگاہ۔

البتہ وُہ "یہُودیوں کے سِوا اَور کِسی کو کلام نہ سُناتے تھے"۔

۱۱: ۲۰، ۲۱ - لیکن ایمانداروں میں سے کچھ "کُپرُسی اور کُرینی تھے جو انطاکیہ" میں آ گئے۔ وُہ "یُونانیوں"[۱] کو بھی خُوشخبری سُناتے تھے۔ خُدا اُن کی منادی پر برکت دیتا تھا۔ اور "بہُت سے لوگ ایمان لا کر خُداوند کی طرف رُجُوع ہُوئے"۔ الیف۔ ڈبلیو۔ گرانٹ کہتا ہے کہ "یہ بات نمایاں اور قابِلِ غور ہے کہ یہاں افسرانہ نظام کا کوئی ذِکر اذکار نہیں بلکہ اِس کی نفی نظر آتی ہے۔ یہاں پُوری خِدمت کے کام میں کِسی کا نام نہیں بتایا گیا"۔

انطاکیہ میں مسیحیّت کا مُتعارف ہونا کلیسیا کے فروغ اور ترقی میں ایک اہم قدم تھا۔ انطاکیہ شام کے مُلک میں دریائے اورنتیس (Orontes) کے کنارے واقع تھا۔ شام فلستین کے شمال میں ہے۔ انطاکیہ کو رومی سلطنت کا تیسرا بڑا شہر مانا جاتا تھا۔ آج بھی اِس کو "دُنیائے قدیم کا پیرس" کہا جاتا ہے۔ بعد میں یہاں سے پَولُس اور اُس کے ساتھی اپنے تبلیغی سفروں پر روانہ ہُوئے تاکہ انجیل کو غیر قوموں کے درمیان پھیلائیں۔

۱۱: ۲۲ - ۲۴ - اِس زبردست بیداری کی خبر جب "یروشلیم کی کلیسیا" کو پہنچی تو فیصلہ کیا گیا کہ رحمدل اور محبّت بھرے "برنباس" کو "انطاکیہ" بھیجا جائے۔ اِس شخص نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا کہ خُداوند اِن غیر قوموں میں بڑی قُوّت سے کام کر رہا ہے۔ چنانچہ اُس نے "اُن سب کو نصیحت کی کہ دِلی ارادہ سے خُداوند سے لپٹے رہو" اور یُوں اُن کی حوصلہ افزائی کی۔ کیسی اچھّی بات ہے کہ ایسی نوزائیدہ کلیسیا کے پاس ایسے شخص کو بھیجا گیا جو "نیک مَرد اور رُوح القُدس اور ایمان سے معمُور تھا"۔ اُس کے وہاں

---

[۱] ۔ نئے عہدنامہ میں "یُونانیوں" سے مُراد عمُوماً یُونانی یہودی ہیں۔ لیکن یہاں صرف یُونانی یعنی غیر قوم بھی مُراد ہو سکتا ہے۔ سیاق وسباق پر غور کریں۔ آیت ۱۹ "یہُودیوں کے سِوا اور کِسی کو کلام نہ سُناتے تھے" آیت ۲۰ "یُونانیوں کو بھی"۔

قیام کے دَوران "بہُت سے لوگ خُداوند کی کلیسیا میں آملے"۔ مزید برآں یروشلیم کی کلیسیا کے ساتھ بھی اتحاد قائم اور مضبُوط ہوگیا۔

۱۱: ۲۵، ۲۶۔ اب "برنباس" کو "ترسُس" کا "ساؤل" یاد آیا۔ برنباس ہی نے "ساؤل" کو یروشلیم میں رسُولوں سے مُتعارف کرایا تھا۔ اُس وقت "ساؤل" کو یہُودیوں کی سازشوں سے بچانے کے لئے جلدی جلدی شہر سے روانہ کیا گیا تھا۔ تب سے وُہ اپنے آبائی شہر "ترسُس" ہی میں قیام پذیر تھا۔ برنباس کو بڑی آرزو تھی کہ خِدمت کے کام میں "ساؤل" کی حوصلہ افزائی کرے اور "انطاکیہ" کی کلیسیا اُس کی تعلیم سے فیض یاب ہو جائے۔ اِس لئے برنباس "ترسُس کو چلا گیا" اور ساؤل کو "انطاکیہ میں لایا"۔ یہ شاندار ٹیم "سال بھر" اُس کلیسیا میں کام کرتی رہی۔ دونوں مِل کر "بہُت سے لوگوں کو تعلیم دیتے رہے"۔

جے۔ اے۔ سٹوارٹ یُوں تبصرہ کرتا ہے:

> "ایف۔ بی۔ میئر نے کہا ہے انطاکیہ مسیحی تاریخ میں ہمیشہ مشہُور رہے گا کیونکہ مُتعدد گُمنام اور غیر مخصُوص شُدہ شاگرد ساؤل کے ظُلم و ستم سے تنگ آکر یروشلیم سے بھاگے اور جُرأت کر کے یُونانیوں کو خوشخبری سُنائی، اور یہُودیت کی اِبتدائی رسم کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے ایمان داروں کو اکٹھا کر کے کلیسیا تشکیل دی۔
>
> اگر یہ ایمان دار کسی جدید کلیسیا سے گئے ہوتے، جس میں خِدمت کا کام صِرف ایک فردِ واحد کو سونپ دیا جاتا ہے تو کلیسیا کی تاریخ کا یہ فاتحانہ دَور کبھی تحریر نہ کیا جاتا۔ کیسا المیہ ہے کہ اَوسط دَرجے کی کلیسیا میں رُوحُ القُدس کی خِدماتی نعمتیں چھُپی اور خوابیدہ پڑی رہتی ہیں کیونکہ "عام" ایمان داروں کو خِدمت کرنے کا موقع نہیں مِلتا۔ جب تک ایمان داروں کے ہر گروہ کی نگہبانی کے لئے تنخواہ دار پاسبان موجُود ہوگا تب تک ایک بات یقینی ہے کہ انجیل کی بشارت پُوری دُنیا میں نہیں ہوگی۔ سارے رضا کار سنڈے سکُول نگرانوں، سنڈے سکُول اور بائبل کلاس کے اُستادوں اور عام مسیحی کارِندوں کے لئے خُدا کا شُکر کریں۔ اگر اُن سب کو اُن کی خدمات کے عوض تنخواہیں دینا پڑتیں، تو بہُت تھوڑی کلیسیائیں ہوتیں جو مالی لحاظ سے اپنا بوجھ اُٹھا سکتیں"۔

۱۱: ۲۷۔ ۳۰۔ اگرچہ "انطاکیہ" مرکز بن گیا جہاں سے خُوشخبری غیر قوموں تک پہنچی تو بھی اُس نے

"یروشلیم" کی کلیسیا کے ساتھ دلی اور پُورے تعلقات ہمیشہ قائم رکھے۔ یروشلیم یہودیوں میں تبلیغ کے لئے مرکز تھا۔ ذیل کا واقعہ اِس اَمر کی وضاحت کرتا ہے۔

"اُنہی دِنوں میں چند نبی یروشلیم سے انطاکیہ میں آئے"۔ "یہ نبی" وُہ ایماندار تھے جن کو رُوح القدس نے یہ نعمت دی تھی کہ خُدا کی طرف سے بولیں۔ اُن کو خُدا سے مکاشفہ حاصل ہوتا تھا جسے وُہ انسانوں کو پہنچا دیتے تھے۔ "اُن میں سے ایک نے جس کا نام اَگبُس تھا" پیشین گوئی کی کہ "تمام دُنیا میں بڑا کال پڑے گا"۔ اور یہ کال قیصر "کلودِیُس کے عہد میں" پڑا۔ "انطاکیہ" کے شاگردوں نے بلا توقف فیصلہ کیا کہ "یہودیہ میں رہنے والے بھائیوں کی خدمت کے لئے کُچھ بھیجیں"۔ یقیناً یہ اِس بات کی بہت اثر انگیز گواہی تھی کہ یہودی اور غیر یہودی ایمان داروں کی درمیانی دیوار گر رہی ہے اور کہ مسیح کی صلیب نے پُرانی مخالفتیں مِٹا دی ہیں۔ اِن "شاگردوں" میں خُدا کا فضل ظاہر ہُوا جنھوں نے یک دِل ہو کر، بے ساختہ رضا کارانہ اور "اپنے اپنے مقدُور کے موافق" دیا۔ ایف۔ ڈبلیو۔ گرانٹ افسوس کے ساتھ کہتا ہے کہ "آج ہر ایک اپنے فاضل مال میں سے تھوڑا سا اور امیر ترین افراد تناسب کے لحاظ سے قلیل ترین مقدار دیتے ہیں"۔

یہ رقم "برنباس اور ساؤل کے ہاتھ بزرگوں کے پاس" بھیجی گئی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کلیسیا کے تعلق سے بزرگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہودی تو "بزرگوں" کے تصوّر سے واقف تھے، اِس لئے کہ اُن کے عبادت خانوں میں بزرگ ہوتے تھے۔ ہمیں کُچھ معلُومات نہیں کہ یہ آدمی یروشلیم میں "بزرگ" یا ایلڈر کیسے بنے۔ غیر قوم کلیسیاؤں میں "بزرگوں" کو رسُول یا اُن کے نمائندے مقرر کرتے تھے (۱۴: ۲۳؛ طِطُس ۱: ۵)۔ بزرگوں کی لازمی صِفات کا بیان ۱۔تیمتھیُس ۳: ۱-۷ اور طِطُس ۱: ۶-۹ میں درج ہے۔

ج۔ ہیرودیس کی طرف سے ظُلم وستم اور اُس کی وفات
(۱۲: ۱-۲۳)

۱۲: ۱، ۲۔ کلیسیا پر شیطان کے تابڑ توڑ حملے جاری رہے۔ اِس دفعہ ظلم وستم "ہیرودیس بادشاہ" کی طرف سے آیا۔ یہ ہیرودیس اگرپا اوّل تھا جو ہیرودیسِ اعظم کا پوتا تھا۔ اِس کو رومی شہنشاہ کلودیُس نے یہودیہ کے حاکمِ اعلیٰ کے عہدے پر مامُور کیا تھا۔ وُہ مُوسیٰ کی شریعت کا پابند تھا۔ اُس نے یہودیوں کو خُوش کرنے کے لئے بُہت کُچھ کیا۔ اِس پالیسی کی پیروی کرنے کی غرض سے اُس نے "کلیسیا میں سے بعض" لوگوں کو بہت پریشان کیا، یہاں تک کہ اُس نے "یُوحنّا کے بھائی یعقوب کو تلوار سے قتل کیا"۔ یہ وہی "یعقوب" ہے جو پطرس اور یُوحنّا کے ساتھ اُس پہاڑ پر موجود تھا جہاں

خُداوند کی صُورت بدل کر نہایت جلالی ہو گئی تھی۔ اِسی کی ماں نے درخواست کی تھی کہ جب مسیح اپنی بادشاہی میں آئے تو اُس کے بیٹے اُس کے پہلو میں بیٹھیں۔

اِس باب میں اُن طریقوں کا دلچسپ مُطالعہ کرنے کا موقع مِلتا ہے جو خُدا اپنے لوگوں سے روا رکھتا ہے۔ "یعقُوب" کو دُشمن نے قتل کر دیا لیکن پطرس معجزانہ طور پر بچ گیا۔ اِنسانی عقل پُوچھتی ہے کہ پطرس کی ایسی طرفداری کیوں کی گئی؟ لیکن ایمان خُدا کی محبّت اور حکمت میں تسلّی پاتا ہے، کیونکہ جانتا ہے کہ

رجس بُرائی پر خُدا برکت دیتا ہے وُہ ہمارے لئے بھلائی ہے'
اور بے برکت بھلائی، برائی ہے،
اور غلط معلوم ہونے والی وُہ ساری باتیں دُرست ہیں،
جو خُدا کی مرضی کے مُطابق ہوں۔

(فریڈرک ڈبلیو۔ فیبر)

۱۲: ۳، ۴۔ یعقوب کے قتل پر "یہُودیوں" نے ایسے جوش اور خُوشی کا اظہار کیا کہ ہیرودیس کو حوصلہ ہُوا کہ "پطرس" کے ساتھ بھی یہی سلُوک کرے۔ مگر اُس وقت تک "عیدِ فطیر کے دن" آ گئے تھے اور مذہبی تہواروں کے دَوران موت کی سزا دینا موزُوں نہیں تھا۔ علاوہ ازیں یہودی اپنی مذہبی رسُومات میں اِتنے مصرُوف ہوتے کہ اِس حمایت اور طرف داری کے کام کی صحیح قدر نہ کر سکتے۔ چنانچہ ہیرودیس نے حُکم دیا کہ اِس اَثنا میں "پطرس" کو قید میں رکھا جائے۔ رسُول کو "نگہبانی کے لئے چار چار سپاہیوں کے چار پہروں میں رکھا" گیا، یعنی سولہ سپاہی اُس کی چوکیداری پر مامُور تھے۔

۱۲: ۵۔ اُدھر یروشلیم کی کلیسیا پطرس "کے لئے بدل و جان خُدا سے دُعا کر رہی تھی"۔ اِس لئے بھی کہ یعقوب کی موت اُن کے ذہنوں میں بالکل تازہ تھی۔ جی۔ سی مورگن کہتا ہے کہ لڑکھڑاتی ہُوئی دِل سوز دُعا کی قُوّت ہیرودیس، بلکہ جہنم سے بھی زیادہ طاقتور تھی۔

۱۲: ۶-۱۱۔ "ہیرودیس اُسے پیش کرنے کو تھا تو اُسی رات پطرس دو زنجیروں سے بندھا ہُوا دو سپاہیوں کے درمیان سوتا تھا"۔ کسی نے اِس نیند کو "فتح کی جھپکی" کہا ہے۔ غالباً پطرس کو خُداوند کا وعدہ یاد تھا کہ وُہ عُمر رسیدہ ہو گا (یُوحنّا ۲۱: ۱۸) اِس لئے جانتا تھا کہ ہیرودیس مجھے وقت سے پہلے نہیں مروا سکتا۔ اچانک "خُداوند کا ایک فرشتہ ظاہر ہُوا۔ فرشتے نے پطرس کی پسلی پر ہاتھ مار کر

اُسے جگایا اور کہا کہ جلد اُٹھ"۔

اُس کی "زنجیریں" فوراً کھل کر گر پڑیں۔ فرشتے نے تیز اور چھوٹے جملوں میں پطرس سے کہا "کمر باندھ اور اپنی جُوتی پہن لے ۔ ۔ ۔ اپنا چوغہ پہن کر میرے پیچھے ہولے"۔ پطرس سمجھا کہ رویا دیکھ رہا ہُوں۔ مگر فرشتہ کے پیچھے ہولیا۔ وُہ قید خانے کے "پہلے اور دُوسرے حلقہ میں سے نکل" آئے اور "لوہے کے پھاٹک پر پہنچے"۔ "وُہ آپ ہی اُن کے لئے کُھل گیا"۔ وُہ چلتے ہُوئے شہر کے ایک "کُوچہ کے سرے" پر پہنچے اور "فرشتہ" نظروں سے غائب ہوگیا۔ اب پطرس کو "ہوش" آیا اور اُسے معلُوم ہُؤا کہ یہ خواب نہیں ہے بلکہ "خداوند نے" معجزانہ مجھے "ہیرودیس کے ہاتھ سے چھڑا لیا" ہے اور یہودیوں کی سازِش سے بچا لیا ہے۔

۱۲ : ۱۲۔ پطرس کھڑا اِن باتوں پر غور کر رہا تھا کہ اُسے اِحساس ہُؤا کہ اُس کے ایمان دار ساتھی "اُس یُوحنّا کی ماں مریم کے گھر" میں "جو مرقس کہلاتا ہے" اُس کے لئے "دُعا کر رہے" ہوں گے۔ یہ رات بھر کی دُعائیہ میٹنگ تھی۔ اِس لئے کہ پطرس کے قید خانے سے نکلنے کا واقعہ رات کے آخری پہر میں پیش آیا ہوگا۔

۱۲ : ۱۳ ۔ ۱۵۔ "پطرس نے پھاٹک ۔ ۔ ۔" کھٹکھٹایا اور کُھلنے کا اِنتظار کرنے لگا۔ "رُدی (یونانی ۔ گُلاب) نام ایک لونڈی آواز سُننے آئی"۔ لیکن "پطرس" کی آواز سُن کر اور پہچان کر اتنی خُوش ہُوئی کہ دروازہ کھولنا بھول گئی! بلکہ خُوشی کی خبر دینے "دوڑ کر" اندر گئی۔ جو لوگ ساری رات دُعا مانگتے رہے تھے اُنہوں نے بھی سمجھا کہ لڑکی کا دماغ چل گیا ہے۔ "لیکن وُہ یقین سے کہتی رہی کہ یُوں ہی ہے"۔ یعنی پطرس رسُول دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ وُہ کہنے لگے کہ "اُس کا (نگہبان) فرشتہ ہوگا"۔

اکثر اُن ایمان داروں پر ناراضی کا اِظہار کیا جاتا ہے کہ دُعا تو مانگ رہے تھے لیکن ایمان کے بغیر۔ اور جب اُن کی دُعاؤں کا جواب مِلا تو حیرت زدہ رہ گئے۔ لیکن دُوسروں کی تنقید کرنے کی بجائے ہمیں زبردست تسلّی ہونی چاہئے کہ خُدا ایسی کمزور ایمان کی دُعاؤں کا بھی جواب دیتا ہے۔ ہم بھی اکثر کم اِعتقادی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۱۲ : ۱۶، ۱۷۔ اِس دوران "پطرس" دروازہ "کھٹکھٹاتا رہا"۔ بالآخر جب "اُنہوں نے (پھاٹک کی) کھڑکی کھولی" اور اُس نے اندر قدم رکھا تو اُن کے تمام شکوک رفع ہوگئے اور اُن کی خُوشی کی اِنتہا نہ رہی۔ اُس نے اُن کو چُپ کرایا اور اپنی مُعجزانہ رہائی کا مُختصر حال سُنایا۔ اُن سے کہا کہ "یعقوب اور بھائیوں کو اِس بات کی خبر کر دینا"۔ یہ "یعقوب" غالباً حلفئی کا بیٹا تھا۔ اِس کے بعد وُہ وہاں سے "روانہ ہوکر دُوسری

جگہ چلا گیا"۔ یہ جاننا ممکن نہیں کہ اِس موقع پر وُہ کہاں گیا۔

۱۲: ۱۸، ۱۹۔ جب صبح ہُوئی اور سپاہیوں نے دیکھا کہ "پطرس" غائب ہے تو اُن بدنصیبوں کی جان پر بن آئی۔ "ہیرودیس" کے لئے بھی یہ زخم آور تجربہ تھا کہ اُس کی ساری چالیں ناکام ہو گئی تھیں۔ "پہرے والوں" نے جو کچھ بتایا اُس میں سے ایک بات بھی قابلِ یقین نہ تھی بلکہ اُن کے عذر ہائے لنگ نے بادشاہ کے غصّے کے لئے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ چنانچہ اُس نے "اُن کے قتل کا حکم دیا"۔ اور اپنے زخم سہلانے کے لئے "یہودیہ کو چھوڑ کر قیصریہ میں جا رہا"۔

۱۲: ۲۰۔ کسی نامعلوم وجہ پر "ہیرودیس صُور اور صیدا کے لوگوں سے نہایت ناخوش تھا"۔ یہ دونوں شہر بحیرۂ روم کے ساحل پر تجارتی بندرگاہیں تھیں۔ اِن شہروں کے باشندوں نے ہیرودیس کے قیصریہ میں قیام سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے کوشش کی کہ اُس کے ساتھ صُلح ہو جائے کیونکہ اُن کو یہودیہ سے گیہوں درآمد کرنے پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اِس مقصد کے لئے اُنہوں نے "بادشاہ (ہیرودیس) کے حاجب (ذاتی خادم) بلستُس" کو اپنے ساتھ ملایا اور اُس کی معرفت سفارتی تعلقات بحال کرنے کی درخواست کی۔

۱۲: ۲۱-۲۳۔ "ہیرودیس" ایک مُقررہ دِن پُوری شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ تخت پر جلوہ افروز ہُوا اور لوگوں سے "کلام کرنے لگا"۔ لوگ دیوانہ وار نعرے لگانے لگے کہ "یہ تو خُدا کی آواز ہے، نہ انسان کی"! اُس نے اِس الٰہی تعظیم کو قبول کرنے سے قطعاً اِنکار نہ کیا اور "خُدا کی تمجید (بھی) نہ کی"۔ اِس لئے "اُسی دم خُدا کے فرشتہ نے اُسے مارا" یعنی کسی خوفناک بیماری میں مُبتلا کر دیا "اور وُہ کیڑے پڑ کر مر گیا"۔ یہ ۴۴ء کا واقعہ ہے۔

اِس طرح وُہ شخص جس نے یہودیوں کو خوش کرنے کے لئے یعقوب کو قتل کرایا تھا اُس ہستی کے ہاتھوں مارا گیا جو رُوح اور بدن دونوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔ "ہیرودیس" نے جو بویا سو کاٹا۔

د۔ پَولُس کا پہلا بشارتی دَورہ ۔ گلتیہ (۱۲: ۲۴-۱۴: ۲۸)

۱۲: ۲۴۔ اِسی اثنا میں انجیل کی خوشخبری پھیلتی چلی گئی۔ خُدا انسان کے غضب کو اپنی ستائش کا باعث بناتا اور غضب کے بقیہ سے کمربستہ ہوتا ہے (زبور ۷۶: ۱۰)۔ "خُداوند اُمتوں کے منصوبوں کو ناچیز بنا دیتا ہے۔ خُداوند کی مصلحت ابد تک قائم رہے گی" (زبور ۳۳: ۱۰-۱۱)۔

۱۲: ۲۵۔ "برنباس اور ساؤل" انطاکیہ سے اِمداد لے کر "یروشلیم" آئے تھے۔ وُہ "اپنی خدمت پُوری

کرکے" انطاکیہ کو لوٹے - اور "یُوحنّا کو جو مرقس کہلاتا" تھا ساتھ لیتے گئے - یہ شخص برنباس کے رشتے کا بھائی تھا - اِسی مرقس نے بعد میں دُوسری انجیل لکھی -

یہ جاننا مُمکن نہیں کہ یعقوب کے قتل، پطرس کی قید یا ہیرودیس کی موت کے وقت "برنباس اور ساؤل" "یروشلیم" میں تھے یا نہیں -

بُہت سے مُفسّرین کا کہنا ہے کہ باب ۱۱ اعمال کی کتاب میں ایک زبردست موڑ ہے بلکہ بعض ایک تو اس کو اعمال کی کتاب کی جِلد دوم کا آغاز قرار دیتے ہیں - اب پُولس رسُول نے حتمی طور پر نمایاں درجہ حاصل کر لیا تھا - اور شام میں انطاکیہ وُہ مرکز بن گیا تھا جہاں سے انجیل کی شعاعیں غیر قوموں تک پھیلنے لگیں -

۱۳: ۱ - جیسا کہ ہم نے باب ۱۱ میں دیکھا تھا "انطاکیہ" میں ایک "کلیسیا" قائم تھی - وہاں ایک شخص کو خادم دِین یا پاسٹر مُقرر کرنے کی بجائے، اِس جماعت میں نعمتوں کی کثرت تھی - بیان ہُوا ہے کہ وہاں کم سے کم پانچ "نبی اور مُعلّم" تھے - پہلے بھی بیان ہُوا ہے کہ نبی وُہ شخص ہوتا تھا جس کو رُوح القُدس نے یہ نعمت دی ہوتی تھی کہ وُہ خُدا سے مکاشفہ حاصل کرتا اور اِس کی تعلیم دُوسروں کو دیتا تھا - "نبی" خُدا کے نمائندہ ہو کر کلام کرتے تھے - اور کبھی دفعہ آنے والے واقعات پہلے ہی بتا دیتے تھے - "مُعلّم" وُہ شخص ہوتا تھا جس کو رُوح القُدس نے خُدا کے کلام کی وضاحت اور تشریح کرنے کی نعمت دی ہوتی تھی - وُہ سادہ اور قابلِ فہم طریقے سے کلام دُوسروں کو سمجھا سکتے تھے -

کلیسیا کے "نبیوں اور مُعلّموں" کے نام ذیل میں دِئے جاتے ہیں :

۱ - "برنباس" - ہمارا اِس سے پہلے بھی تعارُف ہو چکا ہے - وُہ مسیح کا زبردست خادم اور پُولس کا وفادار ہم خِدمت تھا - یہاں اُس کا نام پہلے غالباً اِس لئے دِیا گیا ہے کہ وُہ ایمان لانے یا مسیح کی خِدمت کرنے میں سب سے پُرانا تھا -

۲ - "شمعُون جو کالا کہلاتا ہے" - اِس کے نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیدائش کے اِعتبار سے یہُودی تھا - غالباً وُہ افریقہ کی یہُودی جماعت سے تعلق رکھتا تھا یا اُس نے نام "کالا" اِس لئے اپنا لیا تھا کہ غیر قوموں کے ساتھ کام کرنے میں سہُولت رہتی تھی - اور ہو سکتا ہے کہ اُس کی رنگت بھی کالی ہو - اُس کے متعلق اَور کُچھ معلُوم نہیں -

۳ - "لُوکیُس کُرینی" - غالباً یہ کُرینے کے اُن آدمیوں میں سے تھا جو پہلے "انطاکیہ" میں آکر خُداوند یسوع کی منادی کرتے تھے (۱۱: ۲۰) -

۴۔ "مناہیم"۔ اِس کے بارے میں بیان ہُوا ہے کہ "چوتھائی مُلک کے حاکم ہیرودیس کے ساتھ پلا تھا"۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک ایسا شخص جو "ہیرودیس" اَنتپاس جیسے شریر آدمی کے ساتھ پرورش پاتا رہا وُہ مسیحیت کے ابتدائی نومُریدوں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہے۔ "چوتھائی مُلک کے حاکم" کا مطلب یہ ہے کہ وُہ اپنے باپ کی مملکت کے ایک چوتھائی حِصّے پر حکومت کرتا تھا۔

۵۔ "ساؤل"۔ اگرچہ فہرست میں اُس کا نام آخر میں ہے، مگر یہی ساؤل مجسّم سچائی بن گیا۔ "آخر اوّل ہو جائیں گے"۔

اِن پانچ آدمیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا متحد اور یکدل تھی اور اُن کے درمیان رنگ و نسل کے اِمتیازات کا نام ونشان نہ تھا۔ ایک نیا معیار قائم ہو گیا تھا۔ یہ نہیں کہ تم کون ہو، بلکہ یہ کہ تم کِس کے ہو؟

۱۳: ۲۔ یہ نبی اور معلّم کچھ وقت دُعا اور روزہ میں گزارنے کے لئے جمع ہُوئے تھے۔ غالباً وُہ ساری کلیسیا کے ساتھ مِل کر ایسا کر رہے تھے۔ سیاق وسباق سے واضح ہوتا ہے کہ "خُداوند کی عبادت کر رہے تھے" کا مطلب دُعا اور شفاعت کرنا ہے۔ روزہ رکھنے میں وُہ بدن کی جائز ضرورت سے اِحتراز کرتے تھے تاکہ زیادہ توجّہ کے ساتھ رُوحانی باتوں میں مصرُوف رہ سکیں۔

وُہ دُعا مانگنے کو کیوں اکٹھے ہوئے تھے؟ کیا یہ فرض کرنا نامناسب ہوگا کہ اُنہوں نے یہ میٹنگ اِسی لئے بُلائی کہ منادی اور تبلیغ کے کام کے سِلسلے میں اُن کے دِلوں پر بڑا بوجھ تھا؟ مندرجات سے تو معلُوم نہیں ہوتا کہ یہ رات بھر کی دُعائیہ میٹنگ تھی، لیکن محسُوس یہی ہوتا ہے کہ یہ آج کل کی "دُعائیہ میٹنگ" سے زیادہ سنجیدہ اور طویل قِسم کی میٹنگ تھی۔

جب وُہ دُعا مانگ رہے تھے تو "رُوح القُدس" نے واضح اور حتمی ہدایت کی کہ "برنباس اور ساؤل کو اُس کام کے واسطے مخصُوص کر دو جِس کے واسطے مَیں نے اُن کو بُلایا ہے"۔ ضمناً یہ واقعہ اِس حقیقت کا حتمی ثبوت بھی ہے کہ "رُوح القُدس" ایک شخصیت ہے۔ اگر وُہ صِرف ایک "تاثیر" ہوتا تو یہ تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اِس قِسم کی زُبان استعمال کرتا۔ "رُوح القُدس" نے یہ پیغام کِس طرح نبیوں اور معلّموں کو پہنچایا؟ اگرچہ کوئی صاف جواب نہیں دیا گیا لیکن عین مُمکن ہے کہ نبیوں یعنی شمعون، لُوکیُس یا مناہیم میں سے کِسی ایک کی معرفت بولا ہو۔

یہاں "برنباس" کا نام پہلے اور "ساؤل" کا بعد میں آیا ہے۔ لیکن جب وُہ انطاکیہ واپس

آ ئے تو ترتیب اِس کے اُلٹ تھی۔

"رُوحُ القدُس" کے کردار کی اہمیّت کو واضح کرنے کے سِلسلے میں یہ آیت زبردست عملی اہمیّت رکھتی ہے کہ وُہ ابتدائی کلیسیا کی ہدایت اور راہنمائی کرتا تھا اور کہ شاگرد اُس کی راہنمائی کے سِلسلے میں کیسے حساس تھے۔

۱۳: ۳۔ رُوحُ القدُس کے اِس طرح اپنا اِرادہ ظاہر کرنے کے بعد بھی اُن لوگوں نے روزہ اور دُعا جاری رکھی۔ پھر اُن تینوں (شمعون، لوکیس اور مناہیم) نے برنباس اور ساؤل پر "ہاتھ رکھے"۔ یہ "مخصوصیت" یعنی آرڈینیشن (ordination) کا باضابطہ اور منظور شُدہ عمل نہیں تھا جیسا کہ آج کی مسیحی دُنیا میں کیا جاتا ہے کہ کلیسیا کا کوئی بڑا عُہدیدار کِسی ماتحت یا نائب کو کلیسیائی عُہدہ عطا کرتا ہے۔ یہ تو صِرف اُن کی باہمی رفاقت کا اِظہار تھا کہ رُوحُ القدُس نے اِن دونوں کو بھی اُسی قسم کے کام کے لئے بُلایا تھا جو یہ نبی اور مُعلّم کر رہے تھے۔ نئے عہد نامہ میں یہ تصوّر موجُود نہیں کہ مخصوصیّت کی خاص رسم ادا کی جائے اور کِسی شخص کو کلیسیائی فرائض اور "سیکرامنٹ" ادا کرنے کا ایسا اِختیار عطا کیا جائے کہ اُس کے سِوا کوئی دُوسرا اُن کو ادا کر ہی نہیں سکتا۔ بارن ہاؤس اِس نُکتے پر یُوں تبصرہ کرتا ہے:

> "ہمارے دَورِ جدید کے طریقۂ کار میں ایک زبردست غلطی یہ ہے کہ ہم توقع کرتے ہیں کہ قیادت کے لئے لازمی خصائص صِرف ایک آدمی میں ہوں۔ اِس طرح مُمکن ہے کہ کِسی کلیسیا میں سینکڑوں ممبران ہوں مگر پاسبان صِرف ایک ہی ہوتا ہے۔ اور توقع کی جاتی ہے کہ وُہ منادی بھی کرے، تسلّی و تشفّی بھی دے، وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے متن (رومیوں ۱۲: ۶-۸) میں آٹھ نعمتوں کا ذِکر ہے۔ اور دَراصل اِن میں سے سات کو مخصوص شُدہ پاسٹر کے کام سمجھا جاتا ہے جبکہ آٹھویں نعمت جماعت کا کام ہے۔ اور یہ جو جماعت کے لئے نعمت بچی ہے وُہ کونسی ہے؟ وُہ ہے بِل ادا کرنا۔ یہاں کوئی گڑبڑ ہے۔
>
> شاید کوئی پُوچھے کہ کیا مَیں یہ رائے دے رہا ہُوں کہ عام مسیحیوں کو وَعظ کرنا چاہئے؟ بے شک۔ اگر کِسی عام رُکنِ کلیسیا کو صحائف پر گرِفت حاصل ہے تو اُس کو اِس نعمت کو بروئے کار لاکر ہر موقع پر منادی کرنی چاہئے۔ عام اراکین کی تحریک کی ترقی بہُت اہمیّت رکھتی ہے۔ اور یہ صحیح سمت میں ایک قدم ہے یعنی ہم نئے عہد نامہ کے طریقے پر کام کرنے کی طرف واپس جا رہے ہیں۔"

یاد رکھنا چاہئے کہ اِس موقع سے پہلے بھی برنباس اور ساؤل آٹھ برس سے خُداوند کے کام میں مشغُول تھے۔ وُہ مسیح کی خِدمت کرنے میں نَوآموز نہیں تھے۔ اُن کو پہلے ہی "زخمی ہاتھوں کی مخصُوصیّت"

کا تجربہ تھا۔ اَب انطاکیہ میں اُن کے ہمخدمت بھائی صرف اُن کے ساتھ ایک ہونے کا اظہار کر رہے تھے کہ اُن کو بھی یہ خاص فرض سونپا گیا تھا کہ انجیل کو غیر قوموں تک پہنچائیں۔

"اُنہیں رُخصت کیا" ۔ اِن الفاظ کا اصل مطلب ہے "اُن کو جانے دیا" ۔ یا اُن کو کام کے لئے "آزاد کر دیا"۔

۱۳: ۴ ۔ اِس آیت سے پولُس کا پہلا تبلیغی دَورہ شروع ہو جاتا ہے ۔ اِس دَورے کا بیان ۱۴: ۲۶ تک پھیلا ہُوا ہے ۔ اِس کا تعلق زیادہ تر ایشیائے کوچک میں تبلیغی کام سے ہے ۔ دُوسرا تبلیغی دَورہ خوشخبری کو یُونان لے گیا۔ تیسرے دَورے کے دَوران پولُس ایشیائے کوچک اور یُونان کی کلیسیاؤں کے پاس دوبارہ گیا، لیکن اِس کا زیادہ تعلق آسیہ کے صُوبہ اور اِفسُس کے شہر سے تھا۔ پولُس کی بشارتی خدمت کا عرصہ پندرہ[۱۵] برسوں پر محیط ہے ۔

(پولُس کے دَوروں کا بیان کرتے ہُوئے وُہ جِن جِن مقامات پر گیا، جب کسی کا ذکر پہلی دفعہ آئے گا تو ہم اُسے جلی حرُوف میں لکھیں گے)۔

شام کے شہر انطاکیہ سے مسیح کے یہ دونوں بے باک اور جواں مرد خادِم "سلوکیہ کو گئے"۔ یہ انطاکیہ سے کوئی سولہ[۱۶] میل دُور ایک سمندری بندرگاہ تھی ۔ یہاں سے وُہ "جہاز پر کُپرُس" کے جزیرہ کو چلے گئے۔

۱۳: ۵ ۔ کُپرُس کے مشرقی ساحل پر "سلمیس" کے مقام پر اُترنے کے بعد وُہ "یہُودیوں کے عبادت خانوں میں خُدا کا کلام سُنانے لگے"۔ عبادت خانوں کا رواج تھا کہ کسی بھی یہُودی آدمی کو کتابِ مُقدّس (پُرانا عہدنامہ) سے پڑھنے یا اِس کی تشریح کرنے کا موقع دیا جاتا تھا ۔ اِس وقت "یُوحنّا" مرقُس اُن کا "خادِم" تھا ۔ پہلے یہُودی عبادت خانوں میں جا کر برنباس اور ساؤل خُدا کا یہ فرمان پُورا کر رہے تھے کہ خوشخبری پہلے یہُودی اور پھر غیر قوم کے لئے ہے۔

۱۳: ۶ ۔ سلمیس سے شروع کر کے کلام سُناتے سُناتے وُہ جزیرے کے مغربی کنارے پر "پافُس" کے مقام پر پہنچے ۔ سلمیس اُس جزیرے کا سب سے بڑا شہر اور پافُس دارالحکومت تھا۔

۱۳: ۷، ۸ ۔ یہاں اُن کی مُلاقات "ایک یہُودی جادُوگر اور جھُوٹے نبی" سے ہُوئی جس کا نام "بریسُوع" (یسُوع کا یا یشُوع کا بیٹا) تھا۔ کسی نہ کسی طرح اِس "جادُوگر" نے جزیرے کے اِنتظامی افسر یا رُومی "صُوبہ دار" سرگیُس پولُس سے اچھے تعلّقات اُستوار کر لئے تھے ۔ اِس افسر کو "صاحبِ تمیز" یعنی عاقل اور دانا بتایا گیا ہے ۔ اِس صُوبہ دار نے "برنباس اور ساؤل" کو اپنے پاس بُلایا کیونکہ وُہ "خُدا کا کلام سُننا" چاہتا تھا۔ مگر "جادُوگر" نے مداخلت کر کے روکنے کی کوشش کی۔

---

[۱] لُوقا اُس زمانے کی رُومی سلطنت کے عہدوں یا منصُوبوں کے نام ٹھیک بتاتا ہے۔

آیت ۸ میں اُس کا نام الیماس بمعنی "جادوگر" یا "عقلمند" دیا گیا ہے۔

۱۳: ۹، ۱۰۔ "ساؤل" کو احساس ہو گیا کہ سرگیس پولس حق کا متلاشی ہے، اور جادوگر حق کا دشمن ہے۔ اِس لئے اُس نے جادوگر کو کُھلے عام اور نہایت سخت الفاظ میں ملامت کی۔ مبادا کسی کو شک ہو کہ "ساؤل" جسم کی قوت سے بول رہا تھا، واضح کر دیا گیا ہے کہ اُس نے رُوح القدس سے بھر کر یہ بات کہی۔ اُس نے جادوگر پر "غور سے نظر کی" اور اُسے جتا دیا کہ "تو... تمام مکاری اور شرارت سے بھرا ہوا" ہے۔ ساؤل نے اُس کے نام "بریسوع" سے بھی دھوکا نہیں کھایا۔ اُس نے الیماس کے چہرے کا نقاب نوچ پھینکا اور بتا دیا کہ یہ "ابلیس کا فرزند" اور "ہر طرح کی نیکی کا دشمن ہے" اور خداوند کی سیدھی راہوں کو بگاڑنے سے باز "نہیں آتا"۔

۱۳: ۱۱۔ پھر اُس اختیار سے بولتے ہوئے جو اُس کو رسول ہونے کے باعث حاصل تھا ساؤل نے اعلان کیا کہ الیماس اندھا ہو کر "کچھ مدت تک" سورج کو نہ دیکھے گا۔ چونکہ وہ دوسروں کو (مثلاً صوبہ دار کو) رُوحانی تاریکی میں رکھنے کی کوشش کرتا تھا اِس لئے وہ جسمانی اندھے پن کی سزا پائے گا۔ "اُسی دم کُہر اور اندھیرا اُس پر چھا گیا" اور وہ اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیاں مارنے لگا اور "ڈھونڈتا پھرا کہ کوئی اُس کا ہاتھ پکڑ کر لے چلے"۔

الیماس اسرائیلی قوم کی تصویر پیش کرتا ہے۔ نہ صرف وہ خداوند یسوع کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے بلکہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ اِس کے نتیجے میں خدا نے مناسب اور جائز طور پر اسرائیل کو اندھا کر دیا ہے۔ لیکن فقط "کچھ مدت تک"۔ بالآخر قوم کا ایک تائب بقیہ یسوع کی طرف رجوع کر کے اُس کو مسیح موعود مان کر اُس پر ایمان لائے گا۔

۱۳: ۱۲۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ "صوبہ دار" خدا کی طرف سے اِس معجزانہ ضرب سے متاثر ہوا۔ لیکن وہ "خداوند کی تعلیم" سے زیادہ متاثر ہوا جو اُس کو برنباس اور ساؤل کی معرفت دی گئی۔ وہ سچے دل سے خداوند یسوع پر ایمان لے آیا۔ یہ پہلے بشارتی دورے میں فضل کا پہلا پھل تھا۔

غور کریں کہ اِس بیان (آیت ۹) میں لوقا ساؤل کا غیر یہودی نام "پولس" استعمال کرنا شروع کرتا ہے۔ اِس نام "پولس" کا استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ انجیل غیر اقوام کو روز افزوں زیادہ سے زیادہ پہنچنے لگی ہے۔

۱۳: ۱۳۔ یہ حقیقت کہ اب "پولس" نے نمایاں جگہ حاصل کر لی ہے، اِس کا اظہار اِن الفاظ سے کیا گیا ہے کہ "پولس اور اُس کے ساتھی"۔ "پافس" سے وہ جہاز میں سوار ہو کر شمال مغرب میں پمفولیہ کے پرگہ میں آئے۔ "پمفولیہ" ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل پر ایک رومی صوبہ تھا۔ "پرگہ" اُس کا دارالحکومت تھا اور ساٹھ میل اندرون ملک دریائے سیسترس (Cestrus) پر واقع تھا۔

جب وہ پرگہ میں پہنچے تو "یوحنا" مرقس ان سے الگ ہو کر "یروشلیم کو واپس چلا گیا"۔ شاید اُسے یہ خیال پسند نہیں آیا کہ انجیل کو غیر قوموں تک لے جایا جائے۔ پولس نے یوحنا مرقس کے اِس انحراف کو ایسی شدت سے محسوس کیا کہ اپنے دوسرے دورے میں اُس کو ساتھ لے جانے سے انکار کیا۔ اِس وجہ سے "پولس" اور برنباس میں ایسی تکرار ہوئی کہ جہاں تک مستقبل میں مسیحی خدمت کا تعلق ہے دونوں کی راہیں الگ الگ ہو گئیں (دیکھئے ۱۵: ۳۶-۳۹)۔ آخر وقت آیا کہ مرقس نے "پولس" کا اعتماد دوبارہ حاصل کر لیا (۲-تیمتھیس ۴: ۱۱)۔

"پرگہ" میں قیام اور کام کے بارے میں مزید تفاصیل نہیں دی گئیں۔

۱۳: ۱۴، ۱۵- اُن کی اگلی منزل "پسدیہ کا انطاکیہ" تھا- یہ مقام "پرگہ" سے تقریباً سو میل شمال میں تھا۔ صلیب کے ان دونوں نقیبوں نے ایک دفعہ پھر "سبت کے دن عبادت خانہ" کا رخ کیا۔ نبیوں کی کتاب کے پڑھنے کے بعد "عبادت خانہ کے سرداروں نے" دیکھا کہ یہ یہودی ہیں تو اُن کو بولنے کی دعوت دی کہ "اے بھائیو! اگر لوگوں کی نصیحت کے واسطے تمہارے دل میں کوئی بات ہو تو بیان کرو"۔ عبادت خانوں میں انجیل کا بیان کرنے کی یہ آزادی زیادہ عرصہ جاری نہیں رہنی تھی۔

۱۳: ۱۶- "پولس" انجیل کی منادی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا- چنانچہ اُس نے "کھڑے ہو کر" عبادت خانے میں موجود لوگوں سے کلام کیا- اُس کا عام طریقہ کار یہ تھا کہ پہلے یہودی تاریخ کو بنیاد بناتا تھا- پھر اپنے سامعین کو اُن واقعات تک لاتا تھا جن کا تعلق مسیح کی زندگی اور خدمت سے ہے- پھر خاص زور دے کر مسیح کی قیامت کا بیان کرتا تھا- اور اعلان کرتا تھا کہ اُسی منجی کے وسیلے سے گناہوں کی معافی ہے- آخر میں اُس کو رد کرنے کے سنگین نتائج سے آگاہ کرتا تھا۔

۱۳: ۱۷- پیغام کا آغاز اِس بات سے ہوتا ہے کہ خدا نے "اسرائیل" کو چن لیا کہ زمین پر اُس کی "اُمت" ہو۔ پھر جلد ہی بیان ہوتا ہے کہ "یہ اُمت مُلکِ مصر میں پردیسیوں کی طرح رہتی تھی"۔ مگر خدا نے اپنا فضل اُس پر بڑھایا اور اپنے "زبردست ہاتھ" سے اُسے فرعون کے جبر و استبداد سے چھڑا لایا۔

۱۳: ۱۸- خدا "چالیس برس تک بیابان میں اُن کی عادتوں کی برداشت کرتا رہا"۔ جس لفظ کا ترجمہ "برداشت کرتا رہا" کیا گیا ہے، متن اور سیاق و سباق کے لحاظ سے یہ ترجمہ درست ہے مگر یہ لفظ اُس لفظ سے مشتق ہے جو زیادہ مثبت مفہوم رکھتا ہے- یعنی کسی کی ضرور یات پوری کرنا- بنی اسرائیل کے بڑبڑاتے رہنے کے باوجود خداوند یقیناً اُن کی ضروریات پوری کرتا رہا۔

۱۳: ۱۹-۲۲- "تخمیناً ساڑھے چار سو برس"- یہاں پولس جس عرصے کا ذکر کرتا ہے وہ ماضی میں

بزرگانِ قوم کے زمانے تک پہنچتا ہے اور اِس میں قاضیوں کا دور بھی شامل ہے۔

ملکِ کنعان میں داخل ہو جانے کے بعد خدا نے "اُن میں قاضی مقرر کئے۔ یہاں تک کہ سموئیل نبی کا زمانہ آ گیا۔ اُس وقت بنی اسرائیل نے دوسری قوموں کی طرح "بادشاہ کے لئے درخواست کی"۔ "خدا نے بنیمین کے قبیلہ میں سے ایک شخص ساؤل قیس کے بیٹے کو چالیس برس کے لئے اُن پر (بادشاہ) مقرر کیا"۔ اپنی نافرمانی کی وجہ سے "ساؤل" کو تخت سے "معزول" کر دیا گیا اور اُس کی جگہ "داؤد کو اُن کا بادشاہ بنایا" گیا۔ خدا نے "داؤد" کی بے حد تعریف کی ہے کہ "داؤد میرے دل کے موافق" ہے۔ "وہی میری تمام مرضی کو پورا کرے گا"۔

۱۳: ۲۳۔ داؤد کے موضوع سے پولس بڑی آسانی اور تیزی سے "یسوع" کے موضوع پر آ جاتا ہے اور بتاتا ہے کہ یسوع "داؤد کی نسل" سے تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "پولس کی منادی میں ساری شاہراہیں مسیح تک لے جاتی ہیں"۔ غالباً ہم اُس ہمت اور جرأت کی پوری داد نہیں دے سکتے جو "اسرائیل" کے سامنے یہ بات کہنے کے لئے درکار تھی کہ "خدا نے اپنے وعدہ کے موافق ... ایک منجی یعنی یسوع کو بھیج دیا"۔ اسرائیلی کبھی بھی "یسوع" کو اِس روشنی میں نہیں دیکھتے تھے!

۱۳: ۲۴۔ اِس مختصر سے تعارف کے بعد پولس "یوحنا" بپتسمہ دینے والے کی خدمت کا بیان کرتا ہے۔ مسیح کے "آنے سے پہلے" یعنی اُس کی عام اور علانیہ خدمت کے آغاز سے پہلے "یوحنا نے اسرائیل کی تمام اُمت کے سامنے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کی"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے مسیح موعود کے آنے کا اعلان کیا اور لوگوں سے کہا کہ اُس کے "آنے" کی تیاری کے لئے "توبہ" کرو اور اِس توبہ کے اظہار کے لئے دریائے یردن میں بپتسمہ لو۔

۱۳: ۲۵۔ "یوحنا" نے لمحہ بھر کو بھی یہ تاثر نہیں دیا تھا کہ وہ مسیح موعود ہے۔ اپنی خدمت کے اختتام تک یوحنا تاکید سے کہتا رہا کہ "میں وہ نہیں" جس کے متعلق نبی کہتے آئے ہیں بلکہ اُس کے "پاؤں کی جوتیوں کا تسمہ میں کھولنے کے لائق نہیں"۔ وہ تو صرف اُس کے آنے کی خبر دے رہا تھا۔

۱۳: ۲۶۔ اب پولس نے اپنے سامعین کو "اے بھائیو! ابرہام کے فرزندو" کہہ کر مخاطب کیا۔ اِس طرح اُن کو یاد دلایا کہ "نجات کا کلام" پہلے اسرائیلی قوم کے پاس بھیجا گیا۔ یسوع اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس آیا تھا اور شاگردوں کو بھی ہدایت کی گئی تھی کہ پہلے اِن ہی کو پیغام سنایا جائے۔

۱۳: ۲۷، ۲۸۔ لیکن "یروشلیم کے رہنے والوں اور اُن کے سرداروں نے اُسے نہ پہچانا" کہ یہی یسوع وہ مسیح موعود ہے جس کا قوم مدتوں سے انتظار کر رہی تھی۔ اُن کو احساس نہ ہوا کہ یہی

یسوع ہے جس کے بارے میں "نبیوں" نے لکھا تھا۔ وُہ "ہر سبت" کو پاک صحائف میں سے مسیح موعُود کے بارے میں پیشین گوئیاں سُنتے تو ضرور تھے لیکن اُن کو ناصرت کے یسوع کے ساتھ مُنسلک نہیں کرتے تھے۔ اِس کے برعکس وُہ خُود اِن نبوّتوں کو پُورا کرنے کا وسیلہ بنے۔ اِس لئے کہ اگرچہ اُس (یسوع) کے قتل کی کوئی وجہ نہ ملی تو بھی "اُس پر فتویٰ دے کر" "اُنہوں (اسرائیلیوں) نے پیلاطُس سے اُس کے قتل کی درخواست کی" اور اُس کے ہاتھوں یسوع کو صلیب دِلا دی۔

۱۳: ۲۹۔ اِس آیت میں یہُودیوں نے یسوع کے ساتھ شرُوع سے جو سلوک روا رکھا اُس کی طرف اِشارہ کرنے کے بعد اُن کی طرف سے آخری اِقدام کا ذِکر کیا گیا ہے کہ ارِمتیہ کے یُوسُف اور نیکدیمُس نے بڑی محبت سے خُداوند یسوع کی لاش کو کفنایا دفنایا۔

۱۳: ۳۰، ۳۱۔ یہ حقیقت خُوب تصدیق شُدہ تھی کہ "خُدا نے اُسے (یسوع کو) مُردوں میں سے جلایا"۔ جو لوگ "گلیل سے" یسوع کے ہمراہ "یروشلیم میں آئے تھے"، وُہ تا حال زِندہ تھے اور اُن کی گواہی کو جُھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

۱۳: ۳۲، ۳۳۔ اِس کے بعد رسُول نے بتایا کہ مسیحِ موعُود کے بارے میں پُرانے عہدنامہ میں "جو وعدہ ... باپ دادا سے کیا گیا تھا" وُہ یسوع میں "پُورا" ہو چُکا ہے۔ پہلے تو یہ وعدہ بیت لحم میں اُس کی پیدائش میں پُورا ہُوا۔ پولُس مسیح کی پیدائش کو زبور ۲: ۷ کی تکمیل سمجھتا ہے جہاں خُدا کہتا ہے کہ "تُو میرا بیٹا ہے۔ آج تُو مُجھ سے پیدا ہُوا"۔ اِس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسیح اُس وقت خُدا کا بیٹا ہُوا جب وُہ بیت لحم میں پیدا ہُوا تھا۔ وُہ ازل سے خُدا کا بیٹا ہے۔ لیکن وُہ اپنے تجسّم میں دُنیا پر خُدا کا بیٹا ظاہر ہُوا۔ زبور ۲: ۷ کو مسیح کی ازلی اِبنیت کے اِنکار کے لئے اِستعمال نہیں کرنا چاہئے۔

۱۳: ۳۴۔ اِس آیت میں خُداوند یسوع کی قیامت کو منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔ خُدا نے اُس کو "اِس طرح مُردوں میں سے جلایا ... کہ پھر کبھی نہ مرے"۔ اِس کے ساتھ ہی پولُس یسعیاہ ۵۵: ۳ سے اِقتباس کرتا ہے کہ "مَیں داؤد کی پاک اور سچّی نعمتیں تمہیں دُوں گا"۔ عام قاری کو یہ اِقتباس سمجھنے میں مُشکل پیش آتی ہے۔ یسعیاہ کی اِس آیت اور مسیح کی قیامت میں کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ مُنجّی کا جی اُٹھنا "داؤد" کے ساتھ عہد کے ساتھ کیا تعلق رکھتا ہے؟

خُدا نے "داؤد" کے ساتھ ایک ابدی تخت اور دائمی بادشاہی کا اور اِس تخت پر ہمیشہ تک بیٹھنے کے لئے نسل کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن "داؤد" تو مر گیا اور اُس کا بدن خاک میں مِل گیا۔ داؤد کے بعد بادشاہی کُچھ عرصے تک چلتی رہی لیکن اب چار سَو سال سے بھی زیادہ ہونے کو آئے کہ بنی اِسرائیل کا کوئی بادشاہ

نہ تھا۔ "داؤد" کی نسل بھی یسوع ناصری کے زمانے تک چلی آ رہی تھی۔ یسوع (اپنے زمینی باپ) یوسف کے وسیلے سے "داؤد" کے تخت کا قانونی وارث تھا۔ یوسف اُس کا حقیقی نہیں بلکہ قانونی باپ تھا اور خداوند یسوع اپنی ماں مریم کے وسیلے سے "داؤد" کی نسل سے تھا۔

پولس اِس حقیقت پر زور دے رہا ہے کہ "پاک اور سچی نعمتوں" کا وعدہ "داؤد" سے کیا گیا تھا۔ اب وہ وعدہ مسیح میں پورا ہو چکا ہے۔ وہ داؤد کی نسل سے ہے اور اُسے ابھی "داؤد" کے تخت پر بیٹھنا ہے۔ چونکہ وہ "مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے" اور ایک لاانتہا زندگی کی قدرت میں جیتا ہے اِس لئے "داؤد" کے ساتھ خدا کے وعدے کی ابدی خصوصیات مسیح میں یقینی ہو جاتی ہیں۔

۱۳ : ۳۵۔ مندرجہ بالا بات آیت ۳۵ میں مزید تاکیدی ہو جاتی ہے۔ یہاں پولس زبور ۱۶ : ۱۰ کا اقتباس کرتا ہے کہ "تو اپنے مقدس کے سڑنے کی نوبت پہنچنے نہ دے گا"۔ دوسرے لفظوں میں چونکہ خداوند یسوع مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے، اب موت کا اُس پر کوئی اختیار نہیں۔ وہ دوبارہ نہیں مرنے کا اور نہ اُس کے بدن کے سڑنے کی نوبت آئے گی۔

۱۳ : ۳۶ - ۳۷۔ اگرچہ زبور ۱۶ : ۱۰ کے الفاظ "داؤد" نے کہے تھے لیکن وہ اپنے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ "داؤد تو اپنے وقت میں خدا کی مرضی کا تابع دار رہ کر سو (مر) گیا" اور دفن ہوا اور اُس کا بدن خاک میں مل گیا۔ لیکن خداوند یسوع تیسرے دن مُردوں میں سے "جی اُٹھا"۔ اور اُس کے بدن کی سڑنے تک نوبت نہ پہنچی۔

۱۳ : ۳۸۔ مسیح کا جی اُٹھنا اُس کے (نجات کے) کام پر مہرِ صداقت تھا۔ اِسی کام کی بنیاد پر پولس یہ اعلان کر سکا کہ "گناہوں کی معافی" ایک موجودہ حقیقت ہے۔ ان الفاظ پر غور کریں کہ "اُسی (مسیح) کے وسیلہ سے تم کو گناہوں کی معافی کی خبر دی جاتی ہے"۔

۱۳ : ۳۹۔ لیکن بات صرف اِتنی ہی نہ تھی۔ پولس اب ساری باتوں سے مفت اور کامل طور سے راستباز ٹھہرائے جانے کا اعلان بھی کر سکتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو "موسیٰ کی شریعت" کبھی پیش نہ کر سکتی تھی۔

راستباز ٹھہرانا خدا کا کام ہے۔ وہ اُن بے دین گنہگاروں کو راستباز قرار دیتا ہے جو اُس کے بیٹے کو خداوند اور منجی قبول کرتے اور مانتے ہیں۔ یہ ایک قانونی عمل ہے جو خدا کے ارادے میں وقوع پذیر ہوتا ہے اور جس سے گنہگار کو تمام اِلزامات سے بری قرار دیا جاتا ہے۔ خدا بجا طور پر قصوروار گنہگار کو بری کر سکتا ہے کیونکہ صلیب پر خداوند یسوع مسیح کے عوضی کام کے وسیلے سے گناہوں کا پورا کفارہ ادا ہو چکا ہے، یعنی اُن کی پوری سزا اُٹھائی جا چکی ہے۔

سرسری نظر میں معلوم ہوتا ہے کہ "موسیٰ کی شریعت" چند باتوں میں راستباز ٹھہرا سکتی ہے ۔ لیکن مسیح کے وسیلے سے اِنسان اَور بہت سی باتوں میں بھی راستباز ٹھہرایا جا سکتا ہے ۔ تاہم یہاں یہ تعلیم ہرگز نہیں دی گئی ۔ "شریعت" کبھی کسی کو راستباز نہیں ٹھہرا سکتی ۔ صرف مُلزم ٹھہراتی ہے ۔ پَولُس یہاں یہ کہہ رہا ہے کہ مسیح پر ایمان کے وسیلے سے اِنسان ہر اُس قصُور اور اِلزام سے "بَری ہوتا ہے" جو اُس پر لگایا جا سکتا ہے ——— یہ برّیت "موسیٰ کی شریعت" کے ماتحت کبھی حاصل نہ ہو سکتی تھی ۔

۱۳: ۴۰ ، ۴۱ ۔ بہت سے لوگ خدا کی اِس بڑی پیش کش کو ٹھُکرا دیتے ہیں کہ ابھی نجات پائیں ۔ پیغام کے آخر میں رسُول ایسے تمام لوگوں کو سنجیدگی سے خبردار کرتا ہے ۔ وہ حبقُوق ۱: ۵ (اور شاید یسعیاہ ۲۹: ۱۴ اور امثال ۱: ۲۴-۳۱ کے کچھ ٹکڑوں) کا اقتباس کرتا ہے جہاں خُدا اپنے کلام کی "تحقیر کرنے والوں" کو خبردار کرتا ہے کہ تُم پر ایسا زبردست غضب نازِل کروں گا کہ اگر مَیں تمہیں پہلے سے بتاؤں تو تُم "کبھی اُس کا یقین نہ کرو گے" ۔ پَولُس کے زمانے میں اِس بات کا اِطلاق یروشلیم کی بربادی پر ہو سکتا تھا جو ۷۰ء میں ہُوئی ۔ مگر اِس میں خُدا کا وہ اَبدی غضب بھی شامِل ہے جو اُس کے بیٹے کو ردّ کرنے والوں کے لئے ہے ۔

۱۳: ۴۲ ، ۴۳ ۔ جب عبادت خانے میں عبادت ختم ہوگئی تو "بہت سے یہُودی اور خُدا پرست نَومُرید یہُودی پَولُس اور برنباس کے پیچھے ہو لئے" ۔ وہ رسُولوں کی باتوں میں گہری دِلچسپی لینے لگے تھے ۔ خُداوند کے دونوں خادِموں نے اُن مُتلاشیوں کی زبردست حَوصلہ افزائی کی کہ "خُدا کے فضل پر قائم رہو" ۔

۱۳: ۴۴ ۔ ایک ہفتہ بعد پَولُس اور برنباس اُسی عبادت خانے میں دوبارہ آئے اور جہاں بات ختم کی تھی وہیں سے دوبارہ شروع کی ۔ "تقریباً سارا شہر خُدا کا کلام سُننے کو اِکٹھا ہُوا" ۔ اِن دو دِین دار اور جاں نثار مُبلّغوں کی خِدمت نے بے شمار لوگوں پر گہرا اثر کِیا ۔

۱۳: ۴۵ ۔ لیکن اِس "عجیب اور انوکھے" پیغام کی مقبولیت سے "یہُودی ... حسد سے بھر گئے" ۔ اُنہوں نے پَولُس کے پیغام کی کھُلم کھُلا مُخالفت کرنا شروع کر دی ۔ یہاں تک کہ اُن کے خِلاف نہایت ناشائستہ زبان اِستعمال کرنے لگے ۔

۱۳: ۴۶ ، ۴۷ ۔ "پَولُس اور برنباس" خَوف زدہ ہونے والے نہ تھے ۔ اُنہوں نے دلیری سے بیان کِیا کہ ہم کو یہ فرض سونپا گیا ہے کہ یہ پیغام سب سے پہلے یہُودیوں کو سُنائیں ۔ البتہ اَب جبکہ تُم نے اِس پیغام کو ردّ کر دیا ہے اور اپنے آپ کو مُجرم اور "ہمیشہ کی زندگی کے ناقابِل" ٹھہرا لیا ہے اِس لئے اب ہم (رسُول) یہی پیغام لے کر "غیر قوموں کی طرف مُتوجّہ ہوتے ہیں" ۔ اگر یہُودی مذہب سے

جُدا ہونے کے لئے کسی سند کی ضرورت تھی تو اس کے لئے یسعیاہ ۴۹ : ۶ کے الفاظ کافی ہیں۔ دراصل اِس آیت میں خُدا مسیحِ موعُود سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ "مَیں نے تجھ کو غیر قوموں کے لئے نُور مُقرر کیا تاکہ تُو زمین کی اِنتہا تک نجات کا باعث ہو۔" لیکن خُدا کا رُوح مسیحِ موعُود کے خادِموں کو اجازت دیتا ہے کہ اِن الفاظ کا اِطلاق اپنے اُوپر کریں۔ اِس لئے کہ وُہ اُس کا وسیلہ ہیں کہ غیر قوموں کے لئے "نُور" اور "نجات" لائیں۔

۱۳ : ۴۸۔ "غیر قوموں" کے لئے نجات کے اعلان سے جہاں یہُودی غضب ناک ہو گئے وہاں "غیر قوم والے" جو وہاں موجُود تھے بے حد "خُوش ہُوئے" "اور خُدا کے کلام کی" جو اُنہوں نے سُنا تھا "بڑائی کرنے لگے"۔ "اور جِتنے ہمیشہ کی زِندگی کے لئے مُقرر کئے گئے تھے ایمان لے آئے"۔ یہ آیت خُدا کے اختیارِ کُل کے مُطابق اُس کے چُناؤ کا سادہ سا بیان ہے۔ بائبل مُقدّس حتمی طور پر سکھاتی ہے کہ بعضوں کو خُدا نے اِبتدائے آفرینش سے پیشتر چُن لیا کہ مسیح میں ہوں۔ اور ساتھ ہی یکساں زور کے ساتھ یہ بھی سکھاتی ہے کہ اِنسان اخلاقی لحاظ سے آزاد اور خُود مُختار ہے۔ اگر وُہ یسُوع مسیح کو خُداوند اور مُنجی قبول کرلے تو نجات پائے گا۔ خُدا کا چُناؤ اور اِنسان کی ذِمّہ داری دونوں ہی پاک کلام کی سچّائیاں ہیں، اور دونوں پر یکساں زور دینا ضروری ہے۔ ایک کو کم اور دُوسری کو بڑھا کر بیان کرنا واجب نہیں۔ اگرچہ دونوں میں تصادم یا تناؤ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ تناؤ صِرف اِنسانی ذہن میں ہوتا ہے، خُدا کے ذہن میں ہرگز نہیں ہوتا۔

اِنسان اپنے چُناؤ یا مرضی سے مجرم ٹھہرتا یا ہلاک ہوتا ہے۔ اِس میں خُدا کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اگر تمام بنی نوعِ اِنسان کو وُہی کچھ ملے جس کے وُہ حق دار ہیں تو سب ہلاک ہوں گے۔ لیکن خُدا اپنے فضل میں بعضوں کو بچا لیتا ہے۔ کیا اُس کو ایسا کرنے کا حق ہے؟ بے شک ہے۔ اِلٰہی چُناؤ کے اختیارِ کُل کا عقیدہ وُہ تعلیم ہے جو خُدا کو اُس کا صحیح مقام دیتی ہے کہ وُہ کائنات کا حاکم ہے جو جیسا چاہے کرسکتا ہے۔ اور وُہ کبھی ایسا کام کرنے کا چُناؤ نہیں کرتا جو نا راست یا بے رحمی کا کام ہو۔ اگر ہم ارڈمین کی بات یاد رکھیں تو اِس موضوع پر ہماری بہت سی مُشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ وُہ کہتا ہے کہ

"خُدا اِختیارِ کُل رکھتا ہے۔ لیکن اِسے اُس اِنسان کو مجرم ٹھہرانے کے لئے کبھی اِستعمال نہیں کیا جاتا جو نجات پانے کے لائق ہو بلکہ اُن اِنسانوں کی نجات کے لئے سرگرمِ عمل ہے جو ہلاک ہونے کے لائق تھے۔"

۱۳ : ۴۹، ۵۰۔ یہُودیوں کی مخالفت کے باوجُود "اُس تمام علاقہ میں خُدا کا کلام پھیل گیا"۔ اِس

سے مخالفین اُٹھے اور بھڑک اُٹھے اور مزید رکاوٹیں ڈالنے لگے۔ "یہودیوں نے (بعض) خدا پرست اور عزت دار عورتوں ... کو اُبھارا"۔ یہ عورتیں یہودی مذہب کی نو مرید تھیں اور یہودی جماعت میں "عزت دار" تھیں۔ یہودیوں نے اُن کو مبشروں کے خلاف اُکسایا۔ علاوہ ازیں اُنہوں نے "شہر کے رئیسوں کو" بھی اپنے شریر مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اور اِس طرح ظلم وستم کا ایسا طوفان کھڑا کر دیا کہ "پولس اور برنباس کو" زبردستی "اپنی سرحدوں سے نکال دیا"۔

۱۳: ۵۱، ۵۲۔ خداوند کی ہدایت (لوقا ۹: ۵؛ ۱۰: ۱۱) کے مطابق رسول "اپنے پاؤں کی خاک اُن کے سامنے جھاڑ کر اِکنیم کو گئے"۔ لیکن مسیحیوں نے اِس واقعہ کو پسپائی یا شکست سے تعبیر نہ کیا کیونکہ لکھا ہے کہ "شاگرد خوشی اور روح القدس سے معمور ہوتے رہے"۔ اِکنیم کا شہر انطاکیہ سے جنوب مشرق میں ایشیائے کوچک میں واقع تھا۔ آج کل اس کو "قونیہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

۱۴: ۱، ۲۔ دوسرے مقامات کی طرح جہاں یہودیوں کا عبادت خانہ تھا اِکنیم میں بھی پولس اور برنباس کو منادی کرنے کی اجازت دی گئی۔ اُس زمانے میں یہودیوں میں یہ رسم تھی کہ باہر سے آنے والے کو بولنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ خدا کا روح کلام کے ساتھ اِس قوت کے ساتھ موجود تھا کہ "یہودیوں اور یونانیوں (نو مریدوں) دونوں کی ایک بڑی جماعت (خداوند یسوع پر) ایمان لے آئی"۔ اِس بات سے اُن "یہودیوں" کو جو ایمان نہیں لائے تھے سخت غصہ اور طیش آیا۔ چنانچہ اُنہوں نے "غیر قوموں کے دلوں میں جوش پیدا کر کے اُن کو بھائیوں کی طرف سے بدگمان کر دیا"۔ اعمال کی کتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان نہ لانے والے یہودی رسولوں کے لئے اکثر و بیشتر مصیبت اور ظلم وستم کا باعث بنتے رہے۔ اگرچہ کئی دفعہ وہ خود رسولوں کو سزا نہیں دیتے تھے مگر دوسروں کو ضرور اُکساتے اور اُبھارتے رہتے تھے۔ وہ اپنے ناپاک ارادوں کو پورا کرنے کے لئے غیر قوموں کو استعمال کرنے میں اُستاد تھے۔

۱۴: ۳۔ گو جانتے تھے کہ مشکل اور مصیبت کے بادل اُٹھ رہے ہیں مگر یہ مبلغین "خداوند کے بھروسے پر دلیری سے کلام کرتے" رہے۔ خدا نے اُن کو "نشان اور عجیب کام" کرنے کی توفیق عطا کی اور یوں تصدیق کر دی کہ یہ کلام اور پیغام اُس کی طرف سے ہے۔ "نشان اور عجیب کام" معجزوں کے لئے دو مختلف الفاظ ہیں۔ لفظ "نشان" کا مطلب ہے کہ معجزہ کوئی سبق سکھاتا ہے جبکہ "عجیب کام" حیرت اور دہشت کا احساس پیدا کرتا ہے۔

۱۴: ۴-۷۔ شہر میں ایک تناؤ پیدا ہو گیا۔ فطری طور پر کچھ لوگ ایک طرف اور کچھ دوسری طرف ہو گئے۔ "بعض یہودیوں کی طرف ہو گئے اور بعض رسولوں کی طرف"۔ بالآخر ایمان نہ لانے والے "غیر قوم والے اور یہودی" مصمم ارادہ کر کے "رسولوں" (یہاں یہ لفظ مبشروں کا مترادف ہے) پر چڑھ آئے۔ سنگساری

سے بچنے کے لئے وُہ "لُکاؤنیہ کے شہروں لُسترہ اور دِربے ... کو بھاگ گئے"۔ لُکاؤنیہ وسطی ایشیائے کوچک کا ایک علاقہ تھا۔ لیکن اُن کے جوش، سرگرمی اور اشتیاق میں کوئی کمی نہ آئی۔ وُہ اِس سارے علاقے میں "خوشخبری سُناتے رہے"۔

جب پَولُس اور برنباس کو سنگساری کا خطرہ تھا تو وُہ "لُکاؤنیہ ... کو بھاگ گئے"۔ لگتا ہے کہ دُوسرے موقعوں پر وُہ خطرے کے باوجود اُسی جگہ پر رہے۔ کیا وجہ ہے کہ بعض نازک موقعوں پر وُہ بھاگ گئے اور دُوسرے موقعوں پر ڈٹے رہے؟ کوئی واضح سبب تو نظر نہیں آتا۔ اَعمال کی کتاب میں سب سے بڑا کنٹرول کرنے والا اصُول تو رُوح القُدس کی ہدایت و راہنمائی ہے۔ یہ مردِ خُداوند کی گہری اور قریبی رفاقت اور رابطے میں زندگی گزارتے تھے۔ وُہ اُس میں قائم تھے۔ اُن کو الٰہی ارادہ اور مرضی کی عجیب طور سے خبر ہو جاتی تھی۔ اُن کے نزدیک یہ بات سب سے اہم تھی۔ اُنہیں دینی رسم و رواج اور مُرتّب ضابطوں کی فکر نہیں ہوتی تھی۔

۱۴: ۸، ۹۔ "لُسترہ میں" اِن مُبشّروں کو ایک ایسا آدمی ملا جو "جنم کا لنگڑا" تھا۔ وُہ "پَولُس" کی باتوں کو غیر معمولی دِل چسپی سے سُن رہا تھا۔ کِسی طرح "پَولُس" کو اِحساس ہو گیا کہ "اُس میں شِفا پانے کے لائق ایمان ہے"۔ اگرچہ ہم کو نہیں بتایا گیا کہ پَولُس کو اِس بات کا کیسے پتہ چلا، لیکن ہمارا ایمان ہے کہ سچّے مُبشّر کو یہ توفیق عطا ہوتی ہے کہ جِن لوگوں کے درمیان کام کر رہا ہے، اُن کی رُوحوں کی حالت کا اِمتیاز کر سکے۔ وُہ بتا سکتا ہے کہ وُہ معمولی طور سے مُتجسّس ہیں یا گُناہ کی قائلیّت کے باعث اُن کی رُوح کو واقعی دُکھ ہے۔

۱۴: ۱۰-۱۲۔ جُونہی "پَولُس" نے اُس آدمی کو حُکم دیا کہ "اپنے پاؤں کے بل سیدھا کھڑا ہو جا ... وُہ اُچھل کر چلنے پھرنے لگا"۔ چونکہ یہ مُعجزہ سب کے سامنے ہُوا تھا، اور چونکہ پَولُس نے "بڑی آواز" سے بولنے کے باعث بہت توجّہ حاصل کر لی تھی اِس لئے "لوگوں" پر بے حد اثر ہُوا، بلکہ بڑی تحریک چل پڑی کہ "برنباس کو زیُوس ... اور پَولُس کو ہرمیس" کے طور پر پُوجا جائے اور سجدہ کیا جائے۔ (زیُوس اور ہرمیس اُن کے دیوتا تھے)۔ لوگوں کو واقعی یقین ہو گیا کہ اِن مُبشّروں کی شکل میں ہمارے "دیوتا" ہمارے پاس اُتر آئے ہیں۔ وجہ تو نہیں بتائی گئی لیکن اُنہوں نے "برنباس" کو بڑا دیوتا سمجھا۔ چونکہ "پَولُس" کلام کر رہا تھا اِس لئے اُسے "ہرمیس" قرار دیا جو "زیُوس" کا ایلچی مانا جاتا تھا۔

۱۴: ۱۳۔ یہاں تک کہ "زیُوس کے ... مَندر کا پُجاری" بھی قائل ہو گیا کہ دیوتا اُترے ہیں۔ وُہ تیزی سے "مَندر" سے نکلا۔ اور "بَیل اور پھُولوں کے ہار" لے کر اپنے "شہر ... کے پھاٹک" پر پہنچ گیا تاکہ اُن کے لئے بڑی قربانی کرے۔ یہ ساری تحریک ہر قسم کے دباؤ اور ظُلم سے بھی بڑھ کر مسیحی ایمان کے

لئے ایک عیّارانہ خطرہ تھی۔ ایک کامیاب مسیحی کے لئے ظلم اور ایذا اِتنا خطرہ نہیں ہوتی جتنا لوگوں کا یہ رُجحان کہ مسیح کی بجائے اُس کے خادم کو توجّہ کا مرکز بنا لیا جائے۔

۱۴: ۱۴-۱۷۔ پہلے تو "برنباس اور پَولُس" سمجھے نہیں تھے کہ بِھیڑ کیا کر رہی ہے۔ اِس لئے کہ وُہ لُکاؤنیہ کی بولی نہیں جانتے تھے۔ لیکن جُونہی اُن کو سمجھ آئی کہ لوگ ہمیں دیوتا مان کر ہماری پُوجا کرنا چاہتے ہیں تو اُنہوں نے "اپنے کپڑے پھاڑے"۔ یہ افسوس اور احتجاج کا برملا اِظہار تھا۔ پھر وُہ "لوگوں میں جا کُودے" اور اُنہیں ایسی بیوقوفی سے روکنے لگے اور اُن کو بتانے لگے کہ ہم دیوتا نہیں بلکہ "تمہارے ہم طبیعت اِنسان ہیں" یعنی لُکاؤنیہ کے دُوسرے اِنسانوں کی طرح ہم بھی اِنسان ہیں۔ ہمارا مقصد تو صرف لوگوں کو خوشخبری دینا ہے کہ بے جان بُتوں جیسی "باطل چیزوں سے کِنارہ کرکے ... زِندہ خُدا کی طرف پھریں"۔

۱۴: ۱۸۔ اِس پیغام کا خاطر خواہ اثر ہُوا۔ لوگ بادِلِ ناخواستہ خُداوند کے اِن خادموں کے لئے "قُربانی" کرنے سے باز آئے۔

۱۴: ۱۹-۲۰۔ پِسِدیہ کے "اِنطاکیہ اور اِکُنیُم" سے "بعض یہودی" "پَولُس" اور برنباس کا پیچھا کرتے ہُوئے لُسترہ میں آپہنچے۔ وُہ غیر یہُودی آبادی کو اِن مُبشّروں کے خِلاف بھڑکانے میں کامیاب ہُوئے۔ جو بِھیڑ اُن کو دیوتا مان کر تعظیم دینا چاہتی تھی اب اُسی بِھیڑ نے "پَولُس کو سنگسار کیا اور اُس کو مُردہ سمجھ کر شہر کے باہر گھسیٹ لے" گئی۔

کلام کے اِس حِصّے پر کیلی کا تبصرہ بالکل برمحل ہے:

"اُس عقیدت اور قدم بوسی سے اِنکار جو اہلِ لُسترہ اُن کی نذر کرنے کو تھے اِنسان کے لئے نہایت ناگوار ہوتا ہے اور اُن کے بارے میں جِن کو وُہ ابھی ابھی سجدہ کرنے کو تیار تھے نفرت انگیز باتوں کا یقین کرنے پر مائل کرتا ہے۔ اِنسان خود کو انسانی مدح اور ستائش سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور اگر اِس سے روکیں تو بہت جلد ایسی نفرت پیدا ہوتی ہے جو اُن کی موت پر منتج ہوتی ہے جو خُدائے واحد کی تعظیم اور بڑائی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ یہاں بھی یہی ہُوا۔ اہلِ مِلیتے (جو پَولُس کو خُونی آدمی سمجھے تھے مگر دیوتا ماننے لگے، اعمال ۲۸: ۶) کی طرح اپنا خیال بدلنے کی بجائے اُنہوں نے یہُودیوں کی تُہمت پر کان دھرے (حالانکہ عام طور سے وُہ یہُودیوں کو حقیر اور قابلِ نفرت سمجھتے ہیں) اور اُس شخص کو جھُوٹا نبی قرار دے کر سنگسار کیا جس کو ابھی ابھی دیوتا مان کر قُربانی پیش کرنا چاہتے تھے۔ اور اُسے مُردہ سمجھ کر گھسیٹا اور شہر سے باہر پھینک دیا۔"

کیا سنگساری کے باعث پولس واقعی "مر گیا" تھا؟ اگر یہ وہی واقعہ ہے جس کا ذکر ۲-کرنتھیوں ۱۲: ۲ میں کیا گیا ہے تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ اُس کی بحالی ایک معجزہ تھی۔ "مگر جب شاگرد اُس کے گرداگرد آ کھڑے ہوئے تو وہ اُٹھ کر شہر میں آیا" یعنی اُن شاگردوں کے ساتھ اِسی لسترہ شہر میں آ گیا "اور دُوسرے دن برنباس کے ساتھ دربے کو چلا گیا"۔

۱۴: ۲۱۔ اِن مبشروں کو اپنی ذاتی حفاظت کا کوئی خیال نہیں تھا۔ یہ بات اِس حقیقت سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ "وہ اُس شہر میں خوشخبری سُنا کر ... لسترہ ... کو واپس آئے"۔ لسترہ وہی جگہ ہے جہاں پولس کو سنگسار کیا گیا تھا۔

یہاں تیمتھیس کا ذکر نہیں آیا۔ ممکن ہے کہ اِسی موقع پر وہ پولس کی منادی کے باعث ایمان لایا ہو۔ جب رسول اگلی دفعہ لسترہ آیا تو تیمتھیس مسیح پر ایمان لا چکا تھا اور "بھائیوں میں نیک نام تھا" (۱۶: ۱، ۲)۔ البتہ پولس بعد میں اُس کو "ایمان کے لحاظ سے میرا سچا فرزند" (۱-تیمتھیس ۱: ۲) کہتا ہے۔ مگر اِس کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ پولس نے اُس کو مسیح کے لئے جیتا تھا۔ وہ پولس کی زندگی اور خدمت کے نمونے کی پیروی کرنے کے باعث بھی "سچا فرزند" ٹھہر سکتا تھا۔

جب "لسترہ" میں اُن کا کام پورا ہو گیا تو یہ مبشر دوبارہ **اکنیم** اور پسدیہ کے **انطاکیہ** میں آئے جہاں پہلے کلیسیائیں قائم کی گئی تھیں۔ اِس دفعہ اُن کا مقصد ایمانداروں کی تقویت کرنا تھا۔ وہ صرف خوشخبری کی منادی کرنے اور رُوحوں کو منجی کے لئے جیتنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ اُن کے لئے یہ تو کام کا صرف آغاز ہوتا تھا۔ اِس کے بعد وہ ایمان داروں کو اپنے نہایت پاک ایمان میں مضبوط کرنے اور تعمیر کرنے پر توجہ دیتے تھے۔ اور خصوصیت سے اُن کو کلیسیا کے بھید اور خدا کے پروگرام میں اِس کی اہمیت کی تعلیم دیتے تھے۔ ارڈمین بیان کرتا ہے کہ

> "ایک صحیح مبشر کا پروگرام یہ ہوتا ہے کہ ایسی کلیسیائیں قائم کرے جو اپنا اِنتظام خود چلا سکیں، اپنے آپ کو خود سنبھال سکیں اور خود انجیل کو پھیلا سکیں۔ پولس کا مقصد اور عمل ہمیشہ یہی رہا"۔

۱۴: ۲۲۔ ایمان میں نو عمروں کی مزید دیکھ بھال وہ اِسی طرح کرتے تھے کہ "شاگردوں کے دلوں کو مضبوط" کیا جائے اور خدا کے کلام کی تعلیم دے کر مسیحیوں کے "ایمان" کو پختہ کیا جائے۔ پولس اِس عمل کی تفصیل کلسیوں ۱: ۲۸، ۲۹ میں بیان کرتا ہے "ہم ہر ایک شخص کو نصیحت کرتے اور ہر ایک کو کمال دانائی سے تعلیم دیتے ہیں تاکہ ہم ہر شخص کو مسیح میں کامل کر کے پیش کریں۔ اور اِسی لئے میں اُس کی اُس قوت کے موافق جانفشانی سے محنت کرتا ہوں جو مجھ میں زور سے اثر کرتی ہے"۔

دوم، وُہ اُن کو نصیحت کرتے تھے کہ "ایمان پر قائم رہو"۔ یہ نصیحت اُس زمانے میں وسیع پیمانے پر ایذا رسانی کے پیشِ نظر نہایت باموقع تھی۔ اِس نصیحت کے ساتھ یہ یاددہانی بھی شامل ہوتی تھی کہ "ضرور ہے کہ ہم بہت مصیبتیں سہ کر خُدا کی بادشاہی میں داخل ہوں"۔ یہاں "خُدا کی بادشاہی" کی مستقبل کی صورت کی طرف اشارہ ہے، جب ایماندار مسیح کے جلال میں شریک ہوں گے۔ ایک شخص نئی پیدائش کے وسیلے سے ہی "خُدا کی بادشاہی" میں داخل ہوتا ہے۔ ظُلم و ستم اور "مصیبتیں" سہنا نجات کا باعث ہرگز نہیں ہے۔ البتہ جو موجُودہ وقت میں ایمان کے وسیلے سے "خُدا کی بادشاہی میں داخل" ہوتے ہیں اُن کے لئے وعدہ ہے کہ مستقبل کے جلال کا راستہ "مصیبتوں" سے بھرا ہؤا ہے۔ "ہم اُس کے ساتھ دُکھ اُٹھائیں تاکہ اُس کے ساتھ جلال بھی پائیں" (رومیوں ۸: ۱۷ ب)۔

۱۴: ۲۳۔ اُس وقت اِن مبشروں نے "ہر ایک کلیسیا میں اُن کے لئے بزرگوں کو مقرر کیا"۔ اِس سلسلے میں کئی مشاہدات پیش کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ نئے عہدنامہ کے بزرگ (ایلڈر) خُدا پرست اور پختہ آدمی ہوتے تھے جو مقامی کلیسیا میں رُوحانی قیادت کو بروئے کار لاتے تھے۔ اُن کو بزرگ اور نگہبان کے نام بھی دئے گئے ہیں۔

۲۔ اعمال کی کتاب میں کلیسیا کے پہلے پہل قیام کے موقع پر بزرگ مقرر نہیں کئے جاتے تھے بلکہ جب رسُول دُوسری دفعہ کلیسیا میں جاتے تھے تو اُس وقت یہ کام سرانجام دیا جاتا تھا۔ دُوسرے لفظوں میں اِس درمیانی وقفے میں اُن افراد کو ظاہر اور نمایاں ہونے کا موقع مِل جاتا تھا جن کو رُوح القدس نے بزرگ مقرر کیا ہوتا تھا۔

۳۔ بزرگوں کو رسُول اور اُن کے نمائندے مقرر کرتے تھے۔ اُس وقت تک ابھی نیا عہدنامہ لکھا نہیں گیا تھا کہ بزرگوں کی اہلیت کے بارے میں واضح ہدایات مِل سکتیں۔ رسُول اہلیت کے لئے تمام خصوصیات کو جانتے تھے۔ اور وُہ اُن آدمیوں کو پہچاننے کے قابل تھے جو کلامِ پاک کی شرائط پر پُورا اُترتے تھے۔

۴۔ آج رسُول موجُود نہیں کہ بزرگوں کو مقرر کریں۔ البتہ ۱۔ تیمتھیس باب ۳ اور طِطُس باب ۱ میں بزرگوں کی اہلیت کی شرائط موجُود ہیں۔ اِس لئے ہر مقامی جماعت کو اِس قابل ہونا چاہئے کہ اُن افراد کو پہچانے جو خُدا کی شرائط کو پُورا کرتے ہوں کہ بھیڑوں کے نائب گلہ بان مقرر ہو سکیں۔

پولُس اور برنباس نے "روزہ سے دُعا کر کے اُنہیں (ایمان داروں کو) خُداوند کے سپُرد کیا"۔ یہ بڑی غیر معمولی بات معلُوم ہوتی ہے کہ کلیسیائیں اِتنے تھوڑے عرصے میں قائم کی جا سکیں۔ اُن کو رسُولوں سے تعلیم پانے کا

بہت تھوڑا وقت مِلا۔ اِس کے باوجود وُہ خُداوند کے ساتھ اِتنے شاندار طریقے سے چلنے لگیں اور خود مختار ہو کر کام کرنے لگیں۔ اِس کا جواب خُدا کے رُوح القدس کی زبردست قُدرت میں ہے۔ یہ قوّت اور قُدرت پولُس اور برنباس جیسے آدمیوں میں ظاہر ہوتی تھی۔ جہاں کہیں وُہ جاتے تھے لوگ خُدا کے کلام سے متاثر ہوتے تھے۔ لوگوں کو اُن کی زندگیوں میں حقیقت اور سچائی نظر آتی تھی۔ جو منادی وہ کرتے تھے اُس کی توثیق اُن کی اپنی زندگیوں سے ہوتی تھی۔ اور اِس دوہری گواہی کا اثر بے حساب ہوتا تھا۔

آیات ۲۱-۲۳ رسُولوں کے طریقۂ کار کا پتہ دیتی ہیں ——— خوشخبری کی منادی، نو مُریدوں کو تعلیم دینا، کلیسیائیں قائم کرنا اور اُن کو مضبوط و مستحکم کرنا۔

۱۴: ۲۴-۲۶۔ پسدیہ کے عِلاقے میں سے گُزرنے کے بعد یہ مشنری سفر کرتے ہُوئے **پمفولیہ** میں پُہنچے جو جنوب میں ہے۔ اور **پرگہ** کا دوبارہ دَورہ کرتے ہُوئے وُہ سمندری بندرگاہ **اتلیہ** آئے جہاں سے جہاز میں سوار ہو کر شام کے شہر **انطاکیہ** پُہنچے۔ اِس طرح اُنہوں نے اپنا پہلا تبلیغی سفر تمام کیا۔ اِسی اِنطاکیہ میں وُہ "اُس کام کے لئے جو اُنہوں نے اب پُورا کیا خُدا کے فضل کے سپرد کئے گئے تھے"۔

۱۴: ۲۷۔ جب اُنہوں نے اِنطاکیہ میں "کلیسیا کو جمع کیا" اور اپنی تبلیغی کاوشوں کا حال بتایا تو کیسا خوشی کا موقع ہوگا! اِن دونوں عظیم آدمیوں نے مسیحی انکساری کے ساتھ بیان کیا کہ "خُدا نے ہماری معرفت کیا کُچھ کیا اور یہ کہ اُس نے غیر قوموں کے لئے ایمان کا دروازہ کھول دیا" ہے۔ بیان یہ نہیں کہ ہم نے "خُدا" کے لئے کیا کیا ہے بلکہ اُس کو پسند آیا کہ ہمارے وسیلے سے یہ کام سرانجام دے۔

۱۴: ۲۸۔ اِنطاکیہ میں "وُہ شاگردوں کے پاس مُدت تک رہے"۔ اندازہ ہے کہ یہ مُدت ایک سے دو سال تک تھی۔

بشارتی خدمت کی حِکمتِ عملی

یہ بات کیسی حوصلہ افزا اور ولولہ انگیز ہے کہ دُنیا کے ایک گمنام جیسے کونے میں رہنے والے گمنام سے شاگردوں کے ایک چھوٹے سے گروہ نے جو دُنیا بھر میں خوشخبری پھیلانے کی رویا سے سرشار تھا اِس کام کو پایۂ تکمیل تک پُہنچایا۔ اُن میں سے ہر ایک یہی محسُوس کرتا تھا کہ یہ براہِ راست میرا کام ہے اور ہر ایک نے خُود کو اِسی مقصد کے لئے پُورے طور پر وقف کر دیا۔

تبلیغ کا زیادہ تر کام مقامی ایمان داروں نے سرانجام دیا۔ اور اِس کے ساتھ ساتھ اپنے روزمرّہ کے فرائض سے بھی غفلت نہیں برتی۔ وُہ اپنے گرد و نواح، پاس پڑوس اور مِلنے جُلنے والوں سے خوشخبری

یوں بیان کرتے تھے جیسے دوستوں میں بات چیت ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں رسول اور دوسرے افراد شہر شہر، علاقہ علاقہ اور ملک ملک گھومتے، انجیل کی منادی کرتے اور کلیسیائیں قائم کرتے تھے۔ وہ دو دو یا اس سے ذرا بڑے گروہوں میں نکلتے تھے۔ بعض اوقات کوئی نوجوان رکن زیادہ عمر والے رکن کے ہمراہ جاتا تھا، مثلاً تیمتھیس، پولس کے ساتھ گیا تھا۔

بنیادی طور پر دو طریقے اپنائے جاتے تھے، شخصی تبلیغ اور گروہی تبلیغ۔ جہاں تک گروہ، یا عوام الناس کے درمیان منادی کرنے کا تعلق ہے تو یہ اکثر فی البدیہہ ہوتی اور بسا اوقات مقامی صورتِ حال یا بحران کے نتیجے میں ایسا کرنے کا موقع نکل آتا تھا۔

"اعمال کی کتاب میں جتنی بھی منادی اور تبلیغ کا حال درج ہے۔ وہ ایسے حالات میں ہوئی جو مبشر یا مبلغ کے لئے پہلے سے وعظ کی تیاری کرنے میں مانع تھے۔ ان میں سے ہر موقع غیر متوقع تھا۔"

ای۔ ایم۔ باؤنڈز کے بقول ان کی بشارت اور تبلیغ ایک گھنٹے کی کارگزاری نہیں تھی بلکہ ان کی زندگی چھلکتی تھی۔

رسول اور ان کے ہم خدمت روح القدس کی ہدایت اور راہنمائی میں کام کرتے تھے۔ البتہ اس ہدایت اور راہنمائی کی توثیق اکثر مقامی کلیسیا کی طرف سے ہوتی تھی۔ چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ انطاکیہ کے نبیوں اور معلموں نے برنباس اور پولس پر ہاتھ رکھ کر انہیں پہلے تبلیغی دورے پر روانہ کیا (۱۳ : ۲)۔ پھر ہم پڑھتے ہیں کہ تیمتھیس کو لسترہ اور اکنیم کے بھائیوں کا اعتماد حاصل تھا اور اسی اعتماد کی بنیاد پر وہ پولس کے ساتھ گیا (۱۶ : ۲)۔ اور دوسرے تبلیغی دورے سے پہلے انطاکیہ کی کلیسیا نے پولس اور سیلاس کو خدا کے فضل کے سپرد کیا (۱۵ : ۴۰)۔

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ پہلے بڑے شہروں میں کلیسیائیں قائم کی جائیں، اور پھر یہ کلیسیائیں اپنے اردگرد کے علاقوں میں بشارت دیں اور خوشخبری پھیلائیں۔ غالباً یہ بات کو حد سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش ہے۔ بنیادی طور پر ان کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ روح القدس کی ہدایت کی پیروی کی جائے، یہ غرض نہیں تھی کہ وہ بڑے شہر میں بھیجتا ہے یا چھوٹے قصبے میں۔ روح القدس فلپس کو سامریہ شہر کی بیداری سے غزہ کی شاہراہ پر ایک فردِ واحد کے پاس لے گیا (۸ : ۲۶ - ۴۰)۔ پھر وہ پولس کو بیریہ میں لے گیا (۱۷ : ۱۱) جس کو سیسرو نے ایک "الگ تھلگ شہر" (تمام راستوں سے دور) قرار دیا تھا۔ صاف بات تو یہ ہے کہ اعمال کی کتاب میں ہمیں کوئی لگی بندھی بے لچک جغرافیائی حکمتِ عملی

دِکھائی نہیں دیتی بلکہ مُطلق العنان رُوح القُدس ہے جو اپنی مرضی اور ارادہ کے مُطابق عمل اور حرکت کرتا ہے۔

جہاں کہیں لوگوں نے انجیل کے پیغام کا مثبت جواب دے کر اِسے قبول کیا وہاں مقامی کلیسیائیں قائم کی گئیں۔ اِن جماعتوں نے کام کو استحکام اور دوام بخشا۔ یہ جماعتیں اپنا اِنتظام و انصرام خود چلاتی تھیں، اپنی مالیات کا بندوبست خود کرتی تھیں اور خود ہی اپنے اِردگرد انجیل کی منادی کرتی تھیں۔ رسول اِن جماعتوں کا دوبارہ دَورہ صرف بھائیوں کو مضبوط کرنے اور اُن کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے کرتے تھے (۱۴: ۲۱، ۲۲؛ ۱۵: ۴۱؛ ۲۰: ۱، ۲)۔ اور بزرگوں کا تقرر بھی کرتے تھے (۱۴: ۲۳)۔

بشارتی دَوروں کے دَوران رسُول اور اُن کے ساتھی مالی لحاظ سے اکثر خود کفیل ہوتے تھے (۱۸: ۳؛ ۲۰: ۳۴)۔ بعض اوقات کلیسیائیں اور افراد اپنے نذرانوں اور ہدیوں سے اُن کی کفالت کرتے تھے (فلپیّوں ۴: ۱۰، ۱۵-۱۸)۔ پولُس محنت مشقّت کر کے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ساتھیوں کی بھی کفالت کرتا تھا (۲۰: ۳۴)۔

اگرچہ اُن کی مقامی کلیسیائیں اُن کو خُدا کے فضل کے سپرد کرتی تھیں اور اُن کی کفالت کرتی تھیں لیکن مقامی کلیسیائیں اُن کو کنٹرول نہیں کرتی تھیں۔ وُہ خُدا کی ہدایات اور کلام کی منادی کرنے میں خداوند کا آزاد وسیلہ ہوتے تھے۔ اور جو باتیں "فائدہ کی" ہوتی تھیں اُن کو بیان کرنے میں کبھی بُخل سے کام نہیں لیتے تھے (۲۰: ۲۰)۔

اپنے تبلیغی دَوروں کے اختتام پر وُہ اپنی کلیسیا میں واپس آجاتے اور بتاتے تھے کہ خُدا نے ہماری معرفت کیا کُچھ کیا" (۱۴: ۲۶-۲۸؛ ۱۸: ۲۲، ۲۳)۔ یہ اِتنا اچھّا نمونہ ہے کہ کلیسیا کے ہر دَور میں مشنریوں کو اِس کی پَیروی کرنی چاہئے۔

۵۔ یروشلیم کی کونسل (۱۵: ۱-۳۵)

۱۵: ۱۔ اِنطاکیہ کی کلیسیا میں ختنہ کے بارے میں بحث اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اِس کا بیان گلتیوں ۲: ۱-۱۰ میں بھی دَرج ہے۔ دونوں بیانوں کو یکجا کرنے سے ہمیں یہ تصویر حاصل ہوتی ہے: "بعض" جھُوٹے "بھائی" "یروشلیم" کی کلیسیا سے چل کر اِنطاکیہ آئے اور وہاں کی جماعت میں تبلیغ کرنے لگے۔ اُن کے پیغام کا خُلاصہ یہ تھا کہ غیر یہُودیوں کو بھی "ختنہ" کرانا لازمی ہے "تاکہ" "نجات پا سکیں"۔ اِتنا ہی کافی نہیں کہ وُہ خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لائیں۔ اُن کو چاہئے کہ "مُوسیٰ" کی شریعت کے ماتحت ہو جائیں۔ بے شک یہ خُدا کے فضل کی خوشخبری پر براہِ راست سامنے سے حملہ تھا۔ فضل کی حقیقی خوشخبری سکھاتی ہے کہ مسیح نے نجات کے لئے ضروری کام صلیب پر پُورا کیا۔ گُنہگار کو اب صرف یہ کرنا ہے کہ ایمان سے مسیح کو

قبول کرلے۔ جس لمحے انسانی اہلیت یا اعمال کو بیچ میں لے آئیں گے تو نجات فضل سے نہیں رہے گی۔ فضل کے ماتحت ہر بات کا انحصار خدا پر ہے، انسان پر نہیں۔ اگر شرائط عائد کر دی جائیں تو پھر یہ بخشش نہیں بلکہ قرض بن جائے گی۔ لیکن نجات ایک بخشش ہے۔ یہ اعمال یا اہلیت پر منحصر نہیں۔ کمائی نہیں جاسکتی۔

۱۵: ۲،۳۔ "پولس اور برنباس" نے اِن یہودیت نواز افراد کی پورے زور سے مخالفت کی کیونکہ جانتے تھے کہ یہ لوگ غیر قوم ایمان داروں کو یسوع مسیح میں جو آزادی ہے اُس پر ڈاکہ ڈالنے آئے ہیں۔

یہاں اعمال باب ۱۵ میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انطاکیہ میں بھائیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ "پولس اور برنباس اور ... چند اور اشخاص اِس مسئلہ کے لئے رسولوں اور بزرگوں کے پاس یروشلیم جائیں"۔ گلتیوں ۲:۲ میں پولس کہتا ہے کہ "میرا جانا مکاشفہ کے مطابق ہوا"۔ بے شک اِس میں کچھ تضاد نہیں۔ خدا کے رُوح نے پولس کو مکاشفہ دیا کہ اُسے جانا چاہئے اور انطاکیہ کی کلیسیا کو بھی مکاشفہ دیا کہ چند بھائیوں کو بھیجا جائے۔ "یروشلیم" کو جاتے ہوئے راستے میں وہ فینیکے اور سامریہ کے مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے گئے۔ اِن جگہوں پر اُنہوں نے "غیر قوموں کے رجوع لانے کا بیان" بھی کیا جس سے اِن مقامات پر بھائی "بہت خوش" ہوئے۔

۱۵: ۴۔ "جب" پولس "یروشلیم" پہنچا تو "رسولوں اور بزرگوں" کے پاس گیا اور اُن کو اُس خوشخبری کا سارا حال بیان کیا جس کی منادی اُس نے غیر قوموں میں کی تھی۔ اُن کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ وہی خوشخبری ہے جو ہم یہودیوں کو سناتے رہے ہیں۔

۱۵: ۵۔ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ساری کلیسیا کا کھلا اجلاس تھا جس میں بعض "فریسیوں ... نے" جو ایمان دار تھے "اُٹھ کر" یہ جھگڑا شروع کر دیا کہ غیر قوم والوں کا "ختنہ کرانا اور اُن کو موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے" تاکہ وہ صحیح معنوں میں مسیحی ٹھہریں۔

۱۵: ۶۔ اِس آیت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب آخری فیصلہ کیا گیا تو صرف "رسول اور بزرگ" حاضر تھے۔ البتہ آیت ۱۲ ظاہر کرتی ہے کہ ساری جماعت وہاں موجود تھی۔

۱۵: ۷۔۔۱۰۔ جب "پطرس" کھڑا ہوا تو غالباً مخالف پارٹی نے سوچا کہ یہ ہماری حمایت کرے گا۔ لیکن اُن کی اُمیدیں مایوسی میں بدل گئیں۔ "پطرس" نے سامعین کو یاد دلایا کہ چند برس بیشتر "خدا نے" ٹھہرا دیا تھا کہ "غیر قومیں میری زبان سے خوشخبری کا کلام سن کر ایمان لائیں"۔ یہ بات کرنیلیس کے گھر میں ہوئی تھی۔ جب "خدا" نے دیکھا کہ اِن "غیر قوموں" کے دِل ایمان سے میرے پاس آرہے ہیں تو اُس نے اُن کو بھی اُسی طرح "رُوح القدس دیا" جیسے پنتکست کے دن "یہودیوں کو دیا تھا"۔ اُس وقت "خدا" نے یہ

مُطالبہ نہیں کیا کہ اِن "غیر قوم والوں" کا ختنہ کیا جائے۔ یہ حقیقت کہ وُہ "غیر قوم" ہیں کسی فرق کا باعث نہ بنی۔ خُدا نے "اِیمان کے وسیلہ سے اُن کے دِل پاک" کئے۔ چونکہ "خُدا نے" غیر قوموں کو "ایمان" کے اُصُول پر قبول کیا، نہ کہ شریعت کی پابندی کرنے کے اُصُول پر، اِس لئے "پطرس" نے جماعت سے پُوچھا کہ اب وُہ غیر قوموں کو شریعت کے "جُوئے" تلے رکھنے کا کیوں سوچ رہے ہیں۔ اور جُوا بھی ایسا کہ جس کو نہ ہمارے باپ دادا اُٹھا سکتے تھے نہ ہم"۔ شریعت نے کبھی کسی کو نجات نہیں دی۔ اُس کا کام تو مُلزم ٹھہرانا تھا، راستباز ٹھہرانا نہیں تھا۔ شریعت سے گُناہ کا عِلم ہوتا ہے، گُناہ سے نجات نہیں ملتی۔

۱۵:۱۱۔ پطرس کا آخری فیصلہ قابلِ غور ہے۔ اُس نے گہری فائیلیت کا اِظہار کرتے ہُوئے کہا کہ "جس طرح وُہ (غیر قوم والے) خُداوند یسوع کے فضل ہی سے (شریعت کی پابندی سے نہیں) نجات پائیں گے، اُسی طرح ہم (یہودی) بھی پائیں گے"۔ پطرس یہودی تھا۔ اور کیا توقع کی جا سکتی تھی کہ وُہ کہے گا کہ غیر قوم والے بھی یہودیوں کی طرح نجات پائیں گے؟ مگر صاف نظر آتا ہے کہ "فضل" نسلی اِمتیازات پر غالب آ رہا تھا۔

۱۵:۱۲۔ پطرس نے بات ختم کی تو "برنباس اور پولس" نے بیان کیا کہ خُدا نے کس طرح "غیر قوموں" کے درمیان اِنجیل کی خوشخبری کے ساتھ "کیسے کیسے نشان اور عجیب کام ظاہر کئے"۔

۱۵:۱۳، ۱۴۔ پطرس نے بتایا تھا کہ "پہلے پہل" خُداوند نے اُس کی معرفت کس طرح "غیر قوموں پر" ایمان کا دروازہ کھولا تھا۔ پولس اور برنباس نے بھی گواہی دی کہ کس طرح خُداوند نے اُن کی معرفت "غیر قوموں" میں بشارت کرائی۔ اب "یعقوب" حتمی طور پر بیان کرتا ہے کہ موجُودہ دَور میں خُدا کا مقصد یہ ہے کہ "غیر قوموں ... میں سے اپنے نام کی ایک اُمّت بنا لے"۔ دراصل مختصراً یہ بھی وُہی بات ہے جو "شمعون" (پطرس) نے ابھی ابھی بیان کی تھی۔

۱۵:۱۵-۱۹۔ اب یعقوب نے عاموس ۹:۱۱، ۱۲ کا حوالہ دیا۔ غور کریں کہ وُہ یہ نہیں کہتا کہ "غیر قوموں" کی بلاہٹ اِس نبوّت کی تکمیل میں ہُوئی بلکہ یہ کہ "نبیوں کی باتیں بھی اِس کے مُطابق ہیں"۔ جماعت کو تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ "خُدا نے" غیر قوموں کو بھی نجات پانے کا موقع دیا ہے کیونکہ پُرانے عہدنامہ میں اِس کی واضح نبوّت کی گئی تھی۔ "خُدا" نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ "غیر قومیں" غیر یہودی ہوتے ہُوئے نجات پائیں گی۔

عاموس سے یہ اقتباس ہزار سالہ بادشاہت کی طرف دیکھتا ہے، جب مسیح "داؤد" کے تخت پر بیٹھے گا، اور جب "سب قومیں ... خُداوند کو تلاش کریں" گی۔ یعقوب نے یہ نہیں کہا کہ یہ

نبوّت اُس کے بولتے وقت پُوری ہو رہی تھی بلکہ یہ کہا اُس وقت "غیر قوموں" کو جو نجات مِل رہی تھی وُہ عاموس کی باتوں سے مُوافقت رکھتی تھی۔

یعقوب کی دلیل یہ تھی ــــ "خُدا پہلے پہل غیر قوموں پر" توجّہ دے گا تاکہ "اُن میں سے اپنے نام کی ایک اُمّت بنالے"۔ اور یہی اُس وقت ہو رہا تھا (اور اب بھی ہو رہا ہے)۔ ایمان لانے والے "غیر قوم" ایمان لانے والے یہودیوں کے ساتھ کلیسیا میں شامل کئے جا رہے تھے۔ جو کچھ اُس وقت چھوٹے پیمانے پر ہو رہا تھا (غیر قوموں کی نجات) وُہی بعد میں بڑے پیمانے پر ہو گا۔ مسیح واپس آئے گا۔ اسرائیل کو بلحاظِ قوم بحال کرے گا اور اُن سب "غیر قوم والوں" کو نجات دے گا جو اُس کے نام سے کہلائیں گے۔

یعقوب اپنے زمانے کے واقعات کو اِس نظر سے دیکھتا ہے کہ خُدا نے پہلی دفعہ "غیر قوموں" پر توجّہ کی ہے۔ وُہ محسوس کرتا ہے کہ خُدا کی یہ پہلی توجّہ عاموس کی نبوّت کے عین مطابق ہے ــــ کہ مستقبل میں جب مسیح بادشاہ کی حیثیت سے آئے گا تو "غیر قوموں" پر توجّہ کی جائے گی۔ دونوں واقعات اگرچہ بالکل ایک سے نہیں، لیکن آپس میں مطابقت رکھتے ہیں۔

واقعات کی ترتیب پر غور کریں:

۱۔ اِس مَوجُودہ 'فضل کے زمانہ' کے دَوران "اپنے نام کی ایک اُمّت" بنانے کے لئے غیر قوموں کو الگ کرنا (آیت ۱۴)۔

۲۔ مسیح کی دُوسری آمد پر اِسرائیلی قوم کے ایمان لانے والے حِصّے کو بحال کرنا (آیت ۱۶)۔

۳۔ اِسرائیل کی بحالی کے بعد غیر قوموں کی نجات (آیت ۱۷)۔ اِن "غیر قوموں" کی طرف یُوں اِشارہ کیا گیا ہے "سب قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہیں"۔

یعقوب کا عاموس ۹: ۱۱، ۱۲ سے یہ اقتباس پُرانے عہد نامہ کے مندرجات سے کافی مختلف ہے۔ اِس فرق کی وضاحت کُچھ تو اِس حقیقت میں ہے کہ یعقوب نے اِقتباس یُونانی زبان میں کیا۔ لیکن یہ اقتباس ہفتادی ترجمہ سے بھی مختلف ہے۔ ایک وضاحت یہ ہے کہ جس رُوح القدس نے وُہ اصل الفاظ الہام سے دِئے تھے، آج وُہی رُوح القدس اُن کو تبدیل کرنے کی اجازت دیتا ہے تاکہ درپیش مسئلے کو حل کیا جا سکے۔ دُوسری وضاحت یہ ہے کہ عبرانی مسودات میں عاموس باب ۹ کے کئی مختلف مندرجات ہیں۔ ایک عالم الفورڈ یقین سے کہتا ہے کہ یعقوب نے کِسی اُس ترجمہ سے اِقتباس کیا ہے جو مُسلّمہ عبرانی متن کے قریب ترین ہے، ورنہ فریسی اِس اِقتباس کو ثبوت کے طور پر کبھی قبول نہ کرتے۔

"اِن باتوں کے بعد مَیں پھر آکر" (آیت ۱۶)۔ یعقوب پہلے بتا چُکا ہے کہ اِس موجُودہ دَور میں خُدا کا

پروگرام یہ ہے کہ "غیر قوموں" کے لئے ایمان کا دروازہ کھولا جائے۔ وہ سب تو نجات نہیں پائیں گے، لیکن وہ "اُن میں سے اپنے نام کی ایک اُمّت" بنائے گا۔ اب یعقوب کہتا ہے کہ "اِن باتوں کے بعد" یعنی جب کلیسیا کو قوموں میں سے بُلا لیا جائے گا (الگ کر لیا جائے گا) خدا واپس آئے گا اور "داؤد کے گرے ہوئے خیمہ کو" کھڑا کرے گا اور "پھٹے ٹوٹے کی مرمّت" کرے گا۔ "داؤد کا خیمہ" ایک استعارہ ہے جو اُس کے گھرانے کو بیان کرتا ہے۔ اِس کی بحالی مثال ہے مستقبل میں شاہی خاندان کی بحالی کی اور "داؤد" کے تخت کے دوبارہ قائم ہونے کی جب مسیح بطور بادشاہ اِس پر بیٹھے گا۔ اُس وقت اسرائیل پوری دُنیا کے لئے برکت کا وسیلہ ہوگا۔ "باقی آدمی یعنی سب قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہیں خداوند کو تلاش کریں" گی۔

عاموس سے اقتباس کا اختتام اِن الفاظ سے ہوتا ہے کہ "یہ وُہی خداوند فرماتا ہے"۔

چونکہ خدا کا موجودہ مقصد یہ ہے کہ "غیر قوموں" میں سے "اپنے نام کی ایک اُمّت" بنائے، اِس لئے یعقوب خبردار کرتا ہے کہ "ہم اُن کو (غیر قوموں کو) تکلیف نہ دیں"، یعنی اُن کو موسیٰ کی شریعت کے ماتحت ہونے پر مجبور نہ کریں۔ جہاں تک نجات کا تعلق ہے تو اِس کے لئے صرف ایمان ہی درکار ہے (اور بس)۔

۲۰:۱۵ - البتہ یعقوب نے یہ رائے دی کہ انطاکیہ کی کلیسیا کو خط لکھیں اور وہاں کے مُقدسوں کو نصیحت کریں کہ "بتوں کی مکروہات اور حرامکاری اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور لہو سے پرہیز کریں"۔
پہلی نظر میں ایسا معلوم ہوسکتا ہے کہ یعقوب اپنی بات بالکل بدل رہا ہے۔ کیا یہ بھی ضابطہ (شریعت) پرستی کی ایک شکل نہیں؟ کیا وہ اُن کو دوبارہ شریعت کے ماتحت نہیں رکھ رہا؟ جواب یہ ہے کہ اِس نصیحت کا نجات کے موضوع سے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اِس مسئلے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ مگر اِس نصیحت کا تعلق یہودی اور غیر قوم ایمان داروں کے درمیان رفاقت کے ساتھ ہے۔ اِن ہدایات پر عمل نجات کی شرط نہیں لیکن ابتدائی کلیسیا کو ہر طرح کی پھوٹ اور تفرقے اور رخنے سے بچانے کے لئے یہ نصیحت یقیناً بڑی اہمیت رکھتی تھی۔

جن چیزوں سے منع کیا گیا، یہ ہیں:

۱۔ "بتوں کی مکروہات"۔ آیت ۲۹ میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ کھانے پینے کی وہ چیزیں ہیں جو بتوں کی نذر کی گئی ہوں۔ اگر غیر قوم ایمان دار یہ چیزیں کھاتے رہتے تو اُن کے یہودی بھائی سوچ سکتے تھے کہ اِنہوں نے بت پرستی ترک کی بھی ہے یا نہیں۔ اگرچہ غیر قوم مسیحیوں کو ایسی چیزیں کھانے کی آزادی ہوسکتی تھی لیکن یہ کمزور یہودی بھائیوں کے لئے ٹھوکر ثابت ہوسکتی تھیں۔ اِس لئے دُرست نہ تھیں۔

۲- "حرامکاری"[1]۔ یہ غیر قوموں کا سب سے بڑا گناہ تھا۔ اِس لئے یعقوبؔ کے لئے خاص طور پر ضروری تھا کہ اِس کو بھی مذکورہ موضوعات میں شامل کرتا۔ بائبل مُقدس میں "حرامکاری" سے بچنے کے حکم کو کہیں بھی منسوخ نہیں کیا گیا۔ یہ ہر زمانے میں نافذ ہے۔

۳- "گلا گھونٹے ہُوئے جانور"۔ یہ ممانعت ماضی میں اُس وقت تک جاتی ہے جب طوفان کے بعد خُدا نے نوحؔ سے عہد باندھا تھا (پیدائش ۹: ۴)۔ اِس لئے یہ انسانی نسل کے لئے دائمی حکم ہے، صِرف بنی اسرائیل کے لئے نہیں۔

۴- "لہو"۔ یہ ممانعت بھی ماضی میں پیدائش ۹: ۴ تک جاتی ہے۔ اِس لئے موسیٰؔ کی شریعت سے پہلے کی ہے۔ چونکہ نوحؔ کے ساتھ عہد کو کبھی منسوخ نہیں کیا گیا، اِس لئے یہ قواعد و ضوابط آج بھی نافذ ہیں۔

۱۵: ۲۱- اِس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ آیت ۲۰ کی نصیحت کیوں کی گئی۔ کیونکہ "ہر شہر میں" یہودی موجود تھے اور اُن کو شروع سے تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ مندرجہ بالا باتیں غلط ہیں اِسی لئے یعقوبؔ اُن کے بارے میں خبردار کرتا ہے۔ اُنہیں سکھایا گیا کہ نہ صِرف حرامکاری کا مُرتکب ہونا غلط ہے بلکہ بُتوں کو نذر کی گئی خوراک کھانا، گلا گھونٹے ہُوئے جانوروں کا گوشت کھانا اور خُون (لہو) کھانا بھی غلط ہے۔

۱۵: ۲۲- چنانچہ حتمی طور پر فیصلہ ہو گیا کہ غیر قوموں کو نجات پانے کے لئے ختنہ کرانے کی ضرورت نہیں۔ اگلا قدم یہ تھا کہ اِن باتوں کو لکھ کر "انطاکیہ" کی کلیسیا کو بھیجا جائے۔ یروشلیم کے "رسُولوں اور بزرگوں نے ساری کلیسیا سمیت" "یہوداہ کو جو برسبّا کہلاتا ہے اور سیلاس کو" اِس مقصد کے لئے نامزد کیا۔ یہ دونوں "شخص بھائیوں میں مقدم تھے" کہ یہ "پولُس اور برنباس کے ساتھ" انطاکیہ جائیں۔ یہ "سیلاس" وُہی شخص ہے جو بعد میں "پولُس" کا سفری ساتھی بنا۔ اِسے خطوط میں سلوانُس کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

---

[1] بعض عُلما کا خیال ہے کہ یہ چار ممانعات احبار باب ۱۷ اور ۱۸ کا حوالہ دیتی ہیں۔ جیسا کہ بُتوں کی مکروہات (۱۷: ۸، ۹)، حرامکاری جس میں زِنا (۱۸: ۲۰) ہی نہیں بلکہ ہم جِنسیت بھی شامل ہے (۱۸: ۲۲) اور جانور سے صُحبت (۱۸: ۲۳)، خُونی رشتوں سے بیاہ (۱۸: ۶- ۱۴) بلکہ سُسرالی رشتہ داروں سے بیاہ (۱۸: ۱۵، ۱۶) کی پابندیاں بھی شامل ہیں۔ نیز گلا گھونٹے ہُوئے یا غلط طور پر ذبح کئے گئے جانوروں کا گوشت کھانا (۱۷: ۱۵) لہو یا خُون کھانا (۱۷: ۱۰- ۱۲)۔ اگر یہودی غیر قوم ایمان داروں کو اِن ضوابط کی خلاف ورزی کرتے دیکھیں گے تو بُرا مانیں گے (اعمال ۱۵: ۲۱)۔

۱۵: ۲۳-۲۹ - یہاں خط کا لُبِ لباب دیا گیا ہے - غور کریں کہ جو جھوٹے بھائی یروشلیم سے انطاکیہ گئے تھے، اُن کو یروشلیم کی کلیسیا سے کبھی قبولیت نہ ملی (آیت ۲۴) -

آیت ۲۸ سے پتہ چلتا ہے کہ شاگرد لمحہ بہ لمحہ "رُوح القدس" پر انحصار کرتے تھے "کیونکہ رُوح القدس نے اور ہم نے مُناسب جانا . . ."۔

۱۵: ۳۰، ۳۱ - جب یروشلیم سے یہ "خطِ انطاکیہ" کی کلیسیا میں پڑھا گیا تو اُن کے لئے بڑی خُوشی اور تسلّی کا باعث ہؤا - اب وہاں کے ایمان داروں کو معلوم ہو گیا کہ نجات پانے کے لئے یہودی مذہب کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے -

۱۵: ۳۲، ۳۳ - "یہوداہ اور سیلاس" خدمت کے سلسلے میں کچھ عرصہ وہاں رہے - اِن میٹنگوں میں اُنہوں نے "بھائیوں کو بہت سی نصیحت کر کے مضبُوط کر دیا" یعنی اُن کا ایمان پختہ ہؤا - اُن کا کافی عرصہ خُوش گوار رفاقت اور خدمت میں گزرا - پھر وُہ انطاکیہ سے واپس یروشلیم کے لئے روانہ ہو گئے -

۱۵: ۳۴ - کئی پُرانے نسخوں میں یہ آیت موجود نہیں ہے - آیت ۳۳ اور آیت ۴۰ میں تضاد محسُوس ہوتا ہے - غالباً اِس کی وضاحت کرنے کے لئے کسی کاتب نے یہ اِطلاع یہاں درج کر دی ہے - اِسی وجہ سے اِسے قوسین میں رکھا گیا ہے - آیت ۳۳ میں سیلاس ہمیں یروشلیم کو واپس جاتا ہؤا نظر آتا ہے - اور پھر آیت ۴۰ میں وُہ دُوسرے بشارتی سفر میں پولُس کے ساتھ روانہ ہوتا ہے - اِس کا واضح حل یہ ہے کہ سیلاس ضرور واپس یروشلیم آیا - لیکن پھر پولُس نے اُس کے ساتھ رابطہ کر کے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی -

۱۵: ۳۵ - اُس وقت "پولُس اور برنباس انطاکیہ ہی میں رہے اور . . . خُداوند کا کلام سکھاتے اور اُس کی منادی کرتے رہے" - خُداوند کے اَور بھی "بہت سے" خادم تھے جو کلیسیا کی خدمت کرتے تھے - گلتیوں ۲: ۱۱-۱۴ میں مذکور واقعہ غالباً اِنہی دِنوں پیش آیا تھا -

و - پولُس کا دُوسرا بشارتی دورہ

ایشیائے کوچک اور یُونان (۱۵: ۳۶ - ۱۸: ۲۲)

۱۵: ۳۶ - ۴۱ - اب دُوسرا تبلیغی دورہ شروع کرنے کا وقت آ گیا تھا - "پولُس" نے اِس موضوع پر "برنباس" سے بات کی اور مشورہ دیا کہ اُن شہروں میں دوبارہ جائیں جہاں "ہم نے" پہلے

"خدا کا کلام سُنایا تھا"۔ "برنباس نے اصرار کیا کہ اُس کے رشتے کے بھائی "مرقس" کو ساتھ لے چلیں، لیکن "پولس" نے اِس تجویز کی سختی سے مخالفت کی۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ مرقس "پمفولیہ میں کنارہ کر کے" ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ اُسے یقیناً ڈر تھا کہ وُہ پھر ایسا ہی کرے گا۔ "برنباس" اور پولس کی یہ "تکرار" اِتنی شدید ہو گئی کہ خداوند کے یہ دونوں معزز خادم "ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے"۔ "برنباس مرقس کو لے کر جہاز پر کُپرس کو روانہ ہُوا"۔ کُپرس اُس کی جائے پیدائش تھا اور پہلے تبلیغی دَورہ میں پہلی جائے قیام بھی تھا۔ "پولس نے سیلاس کو پسند کیا"۔ اور ... "کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا ہُوا سُوریہ اور کلکیہ سے گزرا"۔

آیت ۳۶ اور ۴۱ ہمیں "پولس" کی پاسبانی رُوح کے اندر جھانکنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ ایک نامور اور قابلِ قدر اُستاد نے پولس کی محبت بھری فکرمندی اور نگہداشت کا عکس اِن الفاظ میں دِکھایا ہے کہ مسیحی زندگی کی شروعات کے لئے سینکڑوں لوگوں کو بُلانے کی بجائے خدمت کے کام کے لئے ایک ایمان دار کو تربیت دینے کو ترجیح دُوں گا۔

اِس موقع پر لامحالہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کِس کا خیال صحیح تھا، "پولس" یا "برنباس" کا؟ غالباً غلطی دونوں طرف سے ہُوئی۔ برنباس کو فطری طور پر "مرقس" سے محبت تھی اور اِسی محبت نے اُس کی رائے اور فیصلے پر اثر کیا۔ آیت ۳۹ میں بیان ہُوا ہے اُن میں "سخت تکرار" ہُوئی۔ "تکبر سے صرف جھگڑا پیدا ہوتا ہے" (امثال ۱۳: ۱۰)۔ اِس لئے اِس معاملے میں دونوں تکبر کے قصوروار تھے۔ جو لوگ سوچتے ہیں کہ "پولس" درستی پر تھا، وُہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اِس واقعہ کے بعد برنباس اعمال کی کتاب سے غائب ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ "پولس اور سیلاس ... بھائیوں کی طرف سے خداوند کے فضل کے سپرد" ہُوئے، جبکہ برنباس اور یُوحنا مرقس کے بارے میں یہ بات نہیں کہی گئی۔ خواہ کچھ بھی ہو، یہ بڑی دلچسپی کی بات ہے کہ بالآخر مرقس نے کامیابی حاصل کر لی اور اُس نے پولس کا پُورا اعتماد دوبارہ جیت لیا (۲۔تیمتھیس ۴: ۱۱)۔

مقامی کلیسیا کی خود مختاری

پہلی نظر میں یروشلیم کی کونسل ایک قسم کی "فرقوں کی سپریم کورٹ" معلوم ہوتی ہے، لیکن حقائق اَور ہیں۔

مسیحیت کے اِبتدائی دَور میں ہر مقامی جماعت خود مختار ہوتی تھی۔ کلیسیاؤں کا کوئی وفاق نہیں

تھا، نہ کوئی مرکزی اتھارٹی تھی۔ کوئی فرقے نہیں تھے، نہ کوئی فرقوں کا ہیڈکوارٹر تھا۔ ہر مقامی کلیسیا براہِ راست خُداوند کے سامنے جوابدہ تھی۔ اِس کی تصویر مکاشفہ ۱: ۱۳ میں نظر آتی ہے، جہاں خُداوند سونے کے ساتؔ چراغدانوں کے درمیان کھڑا نظر آتا ہے۔ یہ چراغدان آسیہ کے صُوبے کی ساتؔ کلیسیاؤں کے نمائندہ ہیں۔ نکتہ یہ ہے کہ مقامی کلیسیاؤں اور اُن کے عظیم سر کے درمیان کوئی حاکم ایجنسی نہیں ہوتی تھی۔ وُہ خُود براہِ راست ایک ایک کلیسیا کا حاکم تھا۔

یہ بات اِتنی اہم کیوں ہے؟ اوّل۔ غلطی کو پھیلنے سے روکتی ہے۔ جب کلیسیائیں مُشترکہ کنٹرول کے تحت آپس میں مُنسلک کر دی جاتی ہیں تو آزاد خیالی، غلط تعلیم اور برگشتگی کی قوتیں صرف مرکزی ہیڈکوارٹر اور فرقہ وارانہ مدارس پر قبضہ کر کے پُورے میدان پر قبضہ کر سکتی ہیں۔ جہاں کلیسیائیں الگ الگ ہوں، وہاں دُشمن کو متعدد الگ الگ اکائیوں سے نبرد آزما رہنا پڑتا ہے۔

دوم۔ جب کوئی مُخالف حکومت برسرِ اقتدار ہو تو مقامی کلیسیا کی خُود مُختاری اہم تحفّظ کا کام دیتی ہے۔ اگر کلیسیاؤں کا وفاق ہو تو ایک ہمہ گیر حکومت ہیڈکوارٹر میں چند لیڈروں پر کنٹرول حاصل کر کے ساری کلیسیاؤں کو کنٹرول کر سکتی ہے۔ جب کلیسیائیں کسی مرکزی اتھارٹی کو تسلیم کرنے سے اِنکار کرتی ہیں تو ظُلم و ستم کے زمانے میں زیادہ آسانی سے زیرِ زمین جا سکتی ہیں۔

فی زمانہ بہت سی حکومتیں جن میں جمہوری اور آمرانہ حکومتیں سب شامل ہیں کوشش کرتی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی مگر خُود مُختار کلیسیاؤں کو مُتحد کر دیا جائے۔ وُہ کہتی ہیں کہ ہم مقامی اکائیوں کی اِتنی بڑی تعداد سے معاملات طے نہیں کرنا چاہتے بلکہ ایک مرکزی کمیٹی سے کرنا چاہتے ہیں جو سب کی نمائندہ ہو۔ آزاد حکومتیں کچھ مراعات اور فوائد کی پیشکش کے ذریعہ اِس قسم کا اِتحاد قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ دُوسری حکومتیں فرمان کے ذریعے زبردستی اِتحاد قائم کرتی ہیں۔ ہٹلر نے یہی حربہ استعمال کیا تھا۔ صُورتِ حال کُچھ بھی ہو، جو کلیسیائیں اِس دباؤ کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہیں، وُہ نہ صرف اپنی رُوحانی خصُوصیت کھو بیٹھتی ہیں بلکہ ایذا رسانی کے زمانے میں خفیہ طور پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی صلاحیت سے بھی محرُوم ہو جاتی ہیں۔

بعض لوگ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اعمال کی کتاب کی کلیسیاؤں کی مرکزی اتھارٹی تو تھی یعنی یروشلیم کی کونسل جس کے بارے میں ہم ابھی ابھی بات کر رہے تھے۔ لیکن اگر ہم زیرِ نظر آیات کا اِحتیاط سے مُطالعہ کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی باضابطہ اِدارہ (آئین اور قواعد و ضوابط کے تحت وجُود میں آنے والا) نہیں تھا۔ اور نہ اِس کو اِنضباطی اِختیارات حاصل تھے۔ یہ تو محض رسُولوں اور بزرگوں کی ایک مجلس تھی جو صرف مشاورتی حیثیت سے کام کرتی تھی۔

اِس کونسل نے اِنطاکیہ سے لوگوں کو حُکماً نہیں بُلایا تھا بلکہ اُنہوں نے خود فیصلہ کیا تھا کہ یروشلیم میں بزرگوں سے صلاح مشورہ کریں۔ کلیسیاؤں پر کونسل کے فیصلوں کی پابندی لازمی نہیں تھی بلکہ یہ فیصلے پورے گروہ کی مُتفقہ رائے کا درجہ رکھتے تھے، اور اِسی حیثیت میں پیش کئے جاتے اور قبول کئے جاتے تھے۔

کلیسیا کی تاریخ اِس کی خود وضاحت کرتی ہے۔ جہاں کہیں بھی کسی مرکزی اتھارٹی کے ماتحت کلیسیاؤں کا وفاق قائم ہُؤا وہاں تنزّل کی رفتار تیز ہو گئی۔ خدا کی خالص ترین گواہی اُن ہی کلیسیاؤں میں قائم رہی ہے جو بیرونی اِنسانی حکومت سے آزاد رہی ہیں۔

۱۶: ۱-۲ - جیسے پرندے شام کو اپنے گھروں میں واپس آتے ہیں ویسے پولس کو پُرانی یادیں آئی ہوں گی جب وہ دوسری مرتبہ "دربے اور لسترہ" میں پہنچا۔ لسترہ میں سنگساری کی یاد نے وہاں واپس آنے کو شبہ میں ڈال دیا ہوگا۔ مگر رسول جانتا تھا کہ اِس علاقے میں خدا کے لوگ ہیں۔ ذاتی تحفظ کا کوئی خیال اِس کو روک نہیں سکتا تھا۔

جیسا پہلے کہا گیا، تیمتھیس اُن دنوں پولس کی خدمت کے نتیجے میں ایمان لایا ہوگا جب یہ رسول پہلی دفعہ لسترہ آیا تھا۔ (معلوم ہوتا ہے لسترہ تیمتھیس کا آبائی شہر تھا)۔ تیمتھیس کی ماں یونیکے اور نانی لوئس دونوں "یہودی" نژاد مسیحی تھیں (۲-تیمتھیس ۱: ۵)۔ "اُس کا باپ یونانی تھا" لگتا ہے کہ اِس وقت تک اُس کا اِنتقال ہو چکا تھا۔

پولس کو "لسترہ اور اکنیم کے بھائیوں" سے یہ جان کر دلی خوشی ہوئی کہ "تیمتھیس" مسیحی ایمان میں خوب ترقی کر رہا ہے۔ "پولس" نے اُس کو بشارتی دورہ پر اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ ابتدائی دور کے رسول جوڑا جوڑا ہو کر کام کرتے تھے، اور عمر میں چھوٹے بھائیوں (تیمتھیس اور مرقس) کو مسیحی خدمت کے عملی پہلوؤں کی تربیت دینے کے لئے ساتھ رکھتے تھے۔ اُن نوجوانوں کو کیسا اعزاز حاصل تھا کہ ایسے حوصلہ آزما تبلیغی خدمت میں تجربہ کار اور پختہ کار افراد کے ساتھ ایک ہی جُوئے میں جوتے جاتے تھے۔

۱۶: ۳ - روانہ ہونے سے پہلے "پولس" نے تیمتھیس کا "ختنہ کر دیا"۔ اُس نے کچھ عرصہ پہلے ططس کا ختنہ کرنے کی سخت مخالفت کی تھی (گلتیوں ۲: ۱-۵)۔ مگر اب اُس نے ایسا کیوں کیا؟ جواب صرف یہ ہے کہ ططس کے معاملے میں سوال بنیادی مسیحی عقیدے کا تھا جبکہ یہاں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ جھوٹے اُستاد متواتر زور دے رہے تھے کہ ططس جیسے نسلی غیر قوم شخص کو نجات پانے کے لئے ختنہ کرانا ضرور ہے۔ پولس نے دیکھ لیا کہ یہ بات مسیح کے کفّارے کے کافی ہونے کا اِنکار ہے۔ اِس لئے وہ اِس کی اجازت دینے پر آمادہ نہ ہُؤا۔ اِس علاقے کے لوگ جانتے تھے کہ تیمتھیس ماں کی طرف سے

یہُودی ہے۔ "پَولُس"، "سیلاس" اور تیمتھیس تبلیغی دَورے پر جانے کو تھے۔ اور اکثر اُن کا پہلا رابطہ یہُودیوں سے ہو گا۔ اگر اُن "یہُودیوں" کو پتہ چلتا کہ تیمتھیس کا ختنہ نہیں ہُوا تو شاید وُہ سُننے سے اِنکار کر دیں۔ اور اگر اُس کا ختنہ ہو چکا ہو تو اُن کی طرف سے اعتراض کا اِحتمال نہیں رہے گا۔ چونکہ اِس موقعے پر یہ اَمر تعلیمی اور اخلاقی اہمیت کا حامل نہیں تھا اِس لئے "پَولُس" نے تیمتھیس سے یہ یہُودی رسم پُوری کروائی۔ وُہ سب لوگوں کے لئے سب کچُھ بنا ہُوا تھا تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچالے۔

(۱۔ کرنتھیوں ۹: ۱۹۔ ۲۲)۔

پَولُس نے تیمتھیس کا ختنہ اِس لئے کیا تاکہ جب وُہ خوشخبری کی منادی کرے تو یہُودی سامعین بھی کان لگا کر سُنیں۔ یہ وضاحت اِن الفاظ میں مُضمر ہے کہ پَولُس نے "اُس کو لے کر اُن یہُودیوں کے سبب سے جو اُس نواح میں تھے اُس کا ختنہ کر دیا، کیونکہ وُہ سب جانتے تھے کہ اِس کا باپ یُونانی ہے"۔

۱۶: ۴۔ ۵۔ جب یہ تینوں مُنتشر گلاتیہ کے "شہروں میں سے" گزرتے تھے تو کلیسیاؤں کو وُہ "احکام" پہنچاتے جاتے تھے "جو یروشلیم کے رسُولوں اور بزرگوں نے جاری کئے تھے"۔ مُختصراً یہ احکام یہ تھے:

۱۔ جہاں تک نجات کا تعلق ہے، صرف ایمان ضرُوری ہے۔ ختنہ یا شریعت کی پابندی کو نجات کی شرائط کے طور پر ساتھ نہیں مِلانا چاہئے۔

۲۔ حرامکاری کی ممانعت سارے ایمان داروں کے لئے اور ہر زمانے کے لئے ہے۔ لیکن غالباً یہ بات غیر قوم سے ایمان لانے والوں کو خاص طور پر یاد دِلائی جاتی تھی کیونکہ یہ گُناہ اُن کو اکثر تنگ کرتا تھا (اور اب بھی کرتا ہے)۔

۳۔ بُتوں کی قُربانیوں اور گلا گھونٹے ہُوئے جانوروں، اور لہُو کو کھانے کی ممانعت ہے۔ اِس لئے نہیں کہ یہ نجات کے لئے ضرُوری ہیں، بلکہ اِس لئے کہ یہُودیوں اور غیر قوم ایمان داروں کے درمیان رفاقت و شراکت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اِن ہدایات میں سے بعض پر بعد میں نظر ثانی کی گئی (ملاحظہ کریں ۱۔ کرنتھیوں ابواب ۸۔ ۱۰؛ ۱۔ تیمتھیس ۴: ۴، ۵)۔

اِن آدمیوں کی خدمت کے نتیجے میں "کلیسیائیں" مسیحی "ایمان میں مضبُوط اور شمار میں روز بروز زیادہ ہوتی گئیں"۔

۱۶: ۶۔ ۸۔ یہ آیات زبردست اہمیت کی حامل ہیں کیونکہ ثابت کرتی ہیں کہ رسُولوں کی بشارتی

حکمتِ عملی میں "رُوح القدُس" ہدایت اور راہنمائی اور نگرانی کرتا تھا۔ "**فروگیہ** اور **گلتیہ** کے علاقوں میں" کلیسیاؤں کا دوبارہ دورہ کرنے کے بعد اُنہوں نے "آسیہ" کے صُوبے میں جانے کی صلاح کی۔ یہ علاقہ مغربی ایشیائے کوچک میں ہے۔ مگر "رُوح القدُس نے اُنہیں ... منع کیا"۔ بتایا نہیں گیا کہ کیوں۔ بعض عُلما کا خیال ہے کہ الٰہی مشورت میں یہ علاقہ پطرس کے لئے مخصُوص کیا گیا تھا (دیکھئے ۱-پطرس ۱:۱)۔ کچھ بھی ہو وُہ شمال مغرب کو چلے گئے اور "**مُوسیہ**" کے علاقے میں آئے۔ دراصل یہ آسیہ کے صُوبہ میں شامل تھا، مگر معلوم ہوتا ہے وہاں اُنہوں نے منادی نہیں کی۔ اِس کے بعد اُنہوں نے شمال مشرق میں "بِتُونیہ" میں جانے کی کوشش کی۔ یہ جگہ بُحیرۂ اسود کے ساحل کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ مگر "رُوح نے اُنہیں جانے نہ دیا"۔ چنانچہ وُہ سیدھے مغرب کو ہو لئے اور ساحلی شہر "**تروآس**" میں آئے۔ یہاں سے یہ مشنری بُحیرۂ ایجین کے پار یُونان کی طرف دیکھ سکتے تھے جو یورپ کا دروازہ ہے۔ رائری لکھتا ہے:

"آسیہ کو بائبل مُقدّس کی ضرُورت تھی۔ لیکن ابھی خُدا کا وقت نہیں آیا تھا۔ ضرورت اُن کی بُلاہٹ کے لئے کافی نہیں تھی۔ وُہ ابھی ابھی مشرق سے آئے تھے۔ اُن کو جنُوب یا شمال کو جانے سے منع کیا گیا تھا۔ مگر اُن کو خیال نہ آیا کہ خُداوند اُنہیں مغرب کو لے جا رہا ہے ——— وُہ اُس کی واضح ہدایات کا اِنتظار کر رہے تھے۔ صِرف منطق ہی بُلاہٹ کی بُنیاد نہیں ہو سکتا۔"

۱۶: ۹۔ "پولُس نے رات کو رویا میں دیکھا کہ ایک مکدُنی آدمی کھڑا ہُوا اُس کی منّت کر کے کہتا ہے کہ پار اُتر کر **مکدُنیہ** میں آ اور ہماری مدد کر"۔ مکدُنیہ یُونان کا شمالی حصّہ ہے اور تروآس سے بالکل مغرب کی طرف ہے۔ مکدُنیہ (اور سارے یورپ) کو چُھٹکارے کے فضل کی بشارت کی ضرُورت تھی۔ خُداوند آسیہ کی طرف دروازے بند کر رہا تھا تاکہ اُس کے خادم خوشخبری کو یورپ لے جائیں۔ سٹاکر اِس حقیقت کی تصویر کھینچتا ہے:

"مکدُنی آدمی یورپ کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور مدد کے لئے اُس کی پُکار یورپ کو مسیح کی ضرُورت کی نمائندہ ہے۔ رویا سے پولُس نے جان لیا کہ یہ خُدا کا حکم ہے۔ اور اگلے دن غرُوبِ آفتاب نے جو اپنی سنہری کرنوں سے آبنائے دانیال کو جگمگا رہا تھا اُس کو ایک جہاز کے عرشے پر بیٹھا دیکھا جس کا رُخ مکدُنیہ (مقدُونیہ) کی طرف تھا۔"

۱۶: ۱۰۔ یہاں ایک نُمایاں تبدیلی نظر آتی ہے۔ اسم ضمیر "وُہ" کی بجائے "ہم" اِستعمال ہونے لگا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ اِس وقت اعمال کی کتاب کا مُصنّف بھی پولُس اور سیلاس کے ساتھ آ ملا۔ چنانچہ

اِس کے بعد کے واقعات کو وہ عینی شاہد کے طور پر قلم بند کرتا ہے۔

الٰہی راہنمائی

اِس دُنیا میں مؤثر طور سے کام کرنے کے لئے اِبتدائی کلیسیا اپنے اُس سر پر اِنحصار اور اعتماد رکھتی تھی جو آسمان میں ہے۔ لیکن خداوند یسوع اپنی مرضی کو اپنے خادموں پر کس طرح ظاہر کرتا تھا؟

آسمان پر جانے سے پہلے اُس نے عام حکمتِ عملی اُن کو دے دی تھی۔ یہ حکمتِ عملی اُس کے اِن الفاظ میں موجود ہے "تم ... یروشلیم اور تمام یہودیہ اور سامریہ میں بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہو گے" (اعمال ۱: ۸)۔ آسمان پر جانے کے بعد مسیح اپنی مرضی کو اُن پر کئی طریقوں سے ظاہر کرتا تھا۔

یہوداہ کا جانشین چُننے کے سِلسلے میں (۱: ۱۵-۲۶) پطرس اور دیگر شاگردوں کو پُرانے عہدنامہ کے "صحائف" (زبور ۶۹: ۲۵) سے راہنمائی مِلی۔

کم سے کم پانچ موقعوں پر خداوند نے "رویا" کے ذریعے اُن کی راہنمائی کی ــــــ حننیاہ (۹: ۱۰-۱۶)، کُرنیلیس (۱۰: ۳)، پطرس (۱۰: ۱۰، ۱۱، ۱۷)، پولس (دو دفعہ ــــــ ۱۶: ۹، ۱۰؛ ۱۸: ۱۹)۔

دو دفعہ اُس نے "نبیوں" کی معرفت راہنمائی کی (۱۱: ۲۷-۳۰؛ ۲۱: ۱۰-۱۲)۔

دُوسرے موقعوں پر مسیحیوں نے "حالات" سے ہدایت حاصل کی۔ مثال کے طور پر ظلم و ستم نے اُن کو پراگندہ کر دیا (۸: ۱-۴؛ ۱۱: ۱۹؛ ۱۳: ۵۰، ۵۱؛ ۱۴: ۵، ۶)۔ حکومت کے مقتدر افراد نے پولس اور سیلاس کو فلپی سے نکل جانے کا حکم دیا (۱۶: ۳۹، ۴۰)۔ بعد میں افسرانِ اعلیٰ پولس کو یروشلیم سے قیصریہ لے گئے (۲۳: ۲۳)۔ پولس نے قیصر کو اپیل کی اور اِس کے نتیجے میں اُس کو روم جانا پڑا (۲۵: ۱۱) اور بعد میں جہاز کی تباہی نے وقت اور واقعات کی ترتیب کا تعین کیا (۲۷: ۴۱؛ ۲۸: ۱)۔

بعض اوقات "صلاح مشورہ اور دُوسرے مسیحیوں کے کسی کام میں پہل کرنے" سے بھی راہنمائی حاصل ہوئی۔ یروشلیم کی کلیسیا نے برنباس کو انطاکیہ بھیجا (۱۱: ۲۲)۔ اگبس نے کال کی پیشین گوئی کی۔ اِس سے انطاکیہ کی کلیسیا کو تحریک ہوئی کہ یہودیہ کے مقدسین کے لئے اِمدادی سامان بھیجیں (۱۱: ۲۷-۳۰)۔ انطاکیہ کے بھائیوں نے پولس اور برنباس کو یروشلیم بھیجا (۱۵: ۲)۔ یروشلیم کی کلیسیا نے برنباس اور پولس کے ساتھ یہوداہ اور سیلاس کو بھیجا (۱۵: ۲۵-۲۷)۔ جب پولس اور سیلاس دُوسرے تبلیغی دورے پر روانہ ہوئے تو بھائیوں کو خدا کے فضل کے سپرد کیا (۱۵: ۴۰)۔ لسترہ سے روانہ ہوتے وقت پولس تیمتھیس کو ہمراہ لے گیا (۱۶: ۳)۔ تھسلنیکے کے بھائیوں نے تشدد کے خطرے کے پیشِ نظر پولس اور سیلاس کو بیریہ بھیج دیا

(۱۷: ۱۰)۔ اِسی طرح بیریّہ کے بھائیوں نے اِسی قسم کے خطرے کے باعث پَولُس کو روانہ کر دیا (۱۷: ۱۴، ۱۵) اور پَولُس نے تیمتھیس اور اِراستُس کو مکِدُنیہ بھیج دیا (۱۹: ۲۲)۔

راہنمائی کے مندرجہ بالا طریقوں کے علاوہ کئی ایسے واقعات بھی ہیں جہاں معلوم ہوتا ہے کہ افراد کو خُدا کی مرضی کی "براہِ راست" اِطّلاع مِلی۔ ایک فرشتے نے فِلپُّس کی حبشی خوجہ تک راہنمائی کی (۸: ۲۶)۔ جب انطاکیہ میں نبی اور مُعلّم روزہ رکھ کر دُعا کر رہے تھے تو رُوح القُدس اُن سے ہم کلام ہُوا (۱۳: ۱، ۲)۔ رُوح القُدس نے پَولُس اور تیمتھیس کو آسیہ میں کلام سُنانے سے منع کیا (۱۶: ۶)۔ بعد میں اُنہوں نے بِتُونیہ جانے کی کوشش کی مگر رُوح القُدس نے جانے کی اِجازت نہ دی (۱۶: ۷)۔

مُختصراً یہ کہ ابتدائی دَور کے مسیحی مندرجہ ذیل طریقوں سے راہنمائی حاصل کرتے تھے:

۱۔ پاک صحائف سے

۲۔ رویا اور نبُوّت کے وسیلے سے

۳۔ حالات سے۔

۴۔ دُوسرے مسیحیوں کی صلاح و مشورہ اور کسی کام میں پہل کرنے سے۔

۵۔ براہِ راست اِطّلاع مِلنے سے (ممکن ہے یہ کوئی باطنی قائلیت ہو)۔

۱۶: ۱۱-۱۲۔ مسیح کے یہ انتھک ایلچی "تروآس سے جہاز میں روانہ ہوکر" پہلی رات جزیرہ "سمُتراکے" کے قریب لنگر انداز ہُوئے۔ اِس کے بعد "نیاپُلِس" پہنچے جو تروآس سے تقریباً ۱۲۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ پھر چند میل اندرُونِ مُلک سفر کر کے "فِلپّی میں پہنچے جو مکِدُنیہ کا شہر اور اُس قسمت کا صدر مقام تھا۔

۱۶: ۱۳، ۱۵۔ معلوم ہوتا ہے کہ فِلپّی میں کوئی یہُودی عبادت خانہ نہیں تھا۔ مگر پَولُس اور اُس کے ساتھیوں کو معلوم ہُوا کہ کچھ یہُودی "سبت کے دِن شہر کے دروازہ کے باہر ندی کے کنارے" جمع ہوتے ہیں۔ وُہ اُس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ کچھ "عورتیں" دُعا مانگ رہی ہیں۔ اُن میں "لُدِیہ نام" ایک خاتون بھی شامل تھی۔ غالباً وُہ غیر قوم سے یہُودی ایمان میں شامل ہُوئی تھی۔ اُس کا آبائی تعلق "تھواتیرہ شہر" سے تھا جو مغربی ایشیائے کوچک میں لُدِیہ کے علاقے میں واقع تھا۔ وہاں سے وُہ فِلپّی آگئی تھی۔ وُہ "قرمز بیچنے والی" تھی۔ غالباً قرمزی رنگ کا کپڑا بیچتی تھی۔ "تھواتیرہ" اپنے رنگوں کے لئے مشہور تھا۔

کلام سُننے کے لئے نہ صِرف اُس کے کان کُھلے تھے بلکہ "دِل" بھی کُھلا تھا۔ اُس نے خُداوند یسوع کو قبول کیا اور "اپنے گھرانے سمیت بپتسمہ لے لیا"۔ بلاشُبہ بپتسمہ لینے سے پہلے اُس کے "گھرانے" کے افراد بھی ایمان لائے تھے۔ لُدِیہ کے شادی شُدہ ہونے کا ذِکر نہیں۔ اُس "گھرانے" میں نوکر وغیرہ

بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

"لُدیہ" کو نجات اعمال سے نہیں ملی بلکہ نجات اِس لئے ملی کہ نیک اعمال کرے۔ اُس نے اپنے ایمان کی سچائی کا ثبوت دینے کے لئے پَولُس، سیلاس، لُوقا اور تیمُتھیُس کے لئے اپنے گھر کے دروازے کھول دئے۔

۱۶:۱۶-۱۸۔ کسی اَور دن جب "پَولُس" اور اُس کے رفیقِ کار "دُعا کرنے کی جگہ" کو جا رہے تھے تو اُنہیں "ایک لَونڈی ملی جس میں غیب دان رُوح تھی"۔ بد رُوح گرفتہ ہو کر وُہ مستقبل کا حال بتاتی اور کئی اَور حیرت افزا انکشافات کرتی تھی اور اِس طرح "اپنے مالکوں کے لئے بہت کچھ کماتی تھی"۔

جب اُس لَونڈی نے مسیحی مُبشّروں کو دیکھا تو اُن کے پیچھے آ کر چلّانے لگی "یہ آدمی خدا تعالیٰ کے بندے ہیں جو تمہیں نجات کی راہ بتاتے ہیں"۔ اور "وُہ بہت دِنوں تک ایسا ہی کرتی رہی"۔ اُس کا کہنا سچ تھا لیکن "پَولُس" جانتا تھا کہ بد رُوحوں کی گواہی قبول کرنا درست نہیں۔ علاوہ ازیں وُہ اُس لڑکی کی زبوں حالی پر بھی افسردہ تھا جسے شیطان نے بھی اپنی "لَونڈی" بنا رکھا تھا۔ چنانچہ اُس نے "یسوع مسیح" کے "قادر" نام سے بد رُوح کو حکم دیا کہ "اِس میں سے نکل جا"۔ وہ لڑکی اِس ہولناک بندھن سے فوراً آزاد ہو گئی۔ وُہ ہوش میں آ گئی اور اُس کی عقل بحال ہو گئی۔

مُعجزات

اعمال کی پُوری کتاب کے تانے بانے میں مُعجزات موجود ہیں۔ چند نمایاں مُعجزات کی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے:

غیر زبانوں کی نعمت ۲:۴؛ ۱۰:۴۶؛ ۱۹:۶

ہیکل کے دروازے پر لنگڑے آدمی کی شِفا ۳:۷

حننیاہ اور سفیرہ کی خدا کے غضب کے تحت فوری مَوت ۵:۵، ۱۰

رسُولوں کی قید خانے سے رہائی ۵:۱۹

پَولُس کا جلالی مسیح سے آمنا سامنا ۹:۳-۶

پطرس کا اینیاس کو شفا دینا ۹:۳۴

تبیتا کا زندہ کیا جانا ۹:۴۰

پطرس کی رویا کہ آسمان سے چادر اُترتی ہے ۱۰:۱۱

فرشتے کا ہیرودیس کو مارنا ۱۲:۲۳

الیماس جادوگر کا غضب کے تحت اندھا ہو جانا ۱۳:۱۱

لُستِرہ میں پَولُس کا مفلُوج آدمی کو شفا دینا ۱۴: ۱۰

لُستِرہ میں سنگساری کے بعد پَولُس کا بحال ہونا ۱۴: ۱۹، ۲۰

پَولُس کی رویا کہ مکِدُنی آدمی مدد کے لئے بُلا رہا ہے ۱۶: ۹

فلپّی میں پَولُس کا لونڈی میں سے بدرُوح کو نکالنا ۱۶: ۱۸

فلپّی میں سے پَولُس اور سیلاس کی قید خانے سے رہائی ۱۶: ۲۶

یُوتخُس کو زِندہ کرنا ۲۰: ۱۰، ۱۱

اگبُس کی نبُوّت ۲۱: ۱۰، ۱۱

مِلیتے میں سانپ سے چھُٹکارا ۲۸: ۳-۶

پُبلیُس کے باپ کو بُخار اور پیچش سے شفا ۲۸: ۸

باقی لوگوں کی شفا ۲۸: ۹

بتایا گیا ہے کہ اِن معجزات کے علاوہ بھی رسُول نشان اور عجیب کام دکھاتے تھے (۲: ۴۳)۔ ستِفنُس لوگوں میں نشان اور عجیب کام دِکھاتا تھا (۶: ۸)۔ فلپُّس نشان اور معجزے دِکھاتا تھا (۸: ۶، ۱۳)۔ برنباس اور پَولُس نشان اور عجیب کام دِکھاتے تھے (۱۵: ۱۲)۔ خُدا پَولُس کے ہاتھوں سے معجزات کرتا تھا (۱۹: ۱۱)۔

اعمال کی کتاب کا مُطالعہ کرتے ہوئے فطری طور پر یہ سُوال پیدا ہوتا ہے کہ "کیا آج بھی معجزات کی توقع کرنی چاہئے؟" اِس سُوال کا جواب دیتے ہوئے دونوں اِنتہاؤں سے بچنا چاہئے۔ پہلی صورتِ حال تو یہ ہے کہ چونکہ یسُوع مسیح کل اَور آج بلکہ ابد تک یکساں ہے اِس لئے آج بھی وُہی معجزے ہونے چاہئیں جو ابتدائی کلیسیا میں ہوتے تھے۔

دُوسری اِنتہا یہ ہے کہ معجزات کلیسیا کے صِرف اِبتدائی زمانے کے لئے تھے لہٰذا آج ہم اِن کی توقع کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

یہ بات سچ ہے کہ "یسُوع مسیح کل اور آج بلکہ اَبد تک یکساں ہے" (عبرانیوں ۱۳: ۸)۔ لیکن اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خُدا کے طریقوں میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ مثال کے طور پر خُدا نے جو آفتیں مصر پر نازل کیں، وُہ دوبارہ کبھی کسی پر نازل نہ کیں۔ اُس کی قدرت تو وُہی ہے۔ وُہ اب بھی ہر قسم کے معجزے کر سکتا ہے۔ لیکن اِس کا ہرگز مطلب نہیں کہ ہر زمانے میں ایک ہی قسم کے معجزے کرنا اُس پر لازم ہے۔ وُہ تو لاانتہا تنوعات کا خُدا ہے۔

دُوسری طرف ہمیں یہ بھی نہیں کہنا چاہئے کہ موجُودہ کلیسیائی دَور میں معجزات کی ضرُورت ہی نہیں۔

یہ تو بہت آسان ہے کہ ہم معجزوں کو ایک طرف کر کے خود ایسی زندگیوں پر مطمئن اور قانع ہو کر بیٹھ جائیں جو جسم اور خواہش کی سطح سے کبھی اُوپر نہیں اُٹھتیں۔

ہماری زندگیاں فوق الفطرت قوت سے سرشار ہونی چاہئیں۔ ہمیں ہر وقت دیکھتے رہنا اور سمجھنا چاہئے کہ سارے حالات کا رُخ ایک ہی مرکزی نقطے کی طرف ہے اور اُن کے پیچھے خدا کا ہاتھ ہے۔ ہمیں کسی پُراسرار اور معجزانہ طریقے سے خدا کی راہنمائی کا تجربہ ہوتے رہنا چاہئے۔ ہمیں اپنی زندگیوں میں ایسے واقعات کا تجربہ ہونا چاہئے جو امکانات کے قاعدہ کلیہ سے ماورا ہوتے ہیں۔ ہمیں احساس اور شعور ہونا چاہئے کہ خدا روابط کا اہتمام کر رہا ہے، دروازے کھول رہا ہے، مخالفت کو غیر مؤثر بنا رہا ہے۔ ہماری خدمت میں فوق الفطرت کی چاشنی ہونی چاہئے۔

ہمیں دعاؤں کے براہِ راست جواب موصول ہونے چاہئیں۔ جب ہماری زندگیاں دوسرو[illegible]ں کو چھوئیں تو خدا کے لئے کچھ ہوتا ہوا نظر آنا چاہئے۔ ہمیں بے کارگی، تعطل، حادثہ، نقصان اور ایسے [illegible] خدا کا ہاتھ دکھائی دینا چاہئے۔ ہمیں غیر معمولی مشکلات سے نجات کا تجربہ ہونا چاہئے۔ ہمیں ایسے حوصلہ، قوت، توفیق، ہمت، امن، اطمینان اور حکمت کا احساس ہونا چاہئے جو ہماری فطری حدود سے ماورا ہے۔

اگر ہماری زندگیاں صرف فطری سطح پر بسر ہوتی رہتی ہیں تو پھر ہم میں اور غیر مسیحیوں میں کیا فرق ر[illegible]

خدا کی مرضی یہ ہے کہ ہماری زندگیاں فوق الفطرت ہوں، کہ ہم میں سے یسوع مسیح کی زندگی جاری ہو کر دوسروں تک پہنچے۔ جب ایسا ہوگا تو محالات اور ناممکنات پگھل جائیں گے، بند دروازے کھل جائیں گے اور قوت اُمڈنے لگے گی۔ پھر ہم میں رُوح القدس کی اِتنی قوت بھر جائے گی کہ جب لوگ ہمارے قریب آئیں گے تو رُوح کے شراروں کو محسوس کریں گے۔

۱۶: ۱۹-۲۴- اب یہ خاتون بد رُوح کے چنگل سے آزاد تھی - مگر اُس کی آزادی پر شکرگزار ہونے کی بجائے اُس کے مالکوں کو سخت غصہ آیا کہ "ہماری کمائی کی اُمید جاتی رہی" ہے - چنانچہ وہ "پولس اور سیلاس کو پکڑ کر حاکموں کے پاس چوک میں کھینچ لے گئے" (یہاں "حاکموں" سے مراد "مجسٹریٹوں" ہے) اور بڑھا چڑھا کر الزام لگانے لگے۔ بنیادی طور پر یہ الزام لگایا کہ یہ "یہودی" ہیں اور "کھلبلی ڈالتے ہیں"۔ یعنی رومی طرزِ زندگی کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "فوجداری کے حاکموں نے اُن کے کپڑے پھاڑ کر اُتار ڈالے اور بینت لگانے کا حکم دیا"۔ اِن مبشروں (پولس اور سیلاس) کو پہلے تو خوب بینت لگائے، پھر "قید خانہ میں ڈالا" اور خصوصی ہدایات جاری کیں کہ "داروغہ ... بڑی ہوشیاری سے اُن کی نگہبانی کرے"۔ ایسے سخت حکم کے باعث داروغے نے اُن کو "اندر کے قید خانہ میں ڈال دیا اور اُن کے پاؤں کاٹھ میں ٹھونک دئے"۔

کلام کے اِس حِصّے میں ہمیں شَیطان کے دو بڑے حربے نظر آتے ہیں - اوّل، اُس نے جھُوٹی دوستی کو آزمایا، یعنی بدرُوح گرفتہ لڑکی کی گواہی - یہ حربہ ناکام ہؤا تو کھُلم کھُلا ظُلم و ستم پر اُتر آیا - اے - جے - پولوک تبصرہ کرتا ہے کہ :

"ابلیس یہ سوچ کر کیا فاتحانہ بغلیں بجا رہا ہوگا کہ مَیں نے مسیح کے اِن جاں نثار خادموں کے مقصدِ زندگی کو یُوں یکایک تباہ کر دیا ہے - لیکن اُس کا شادیانے بجانا قبل از وقت تھا - اُس کے ساتھ ہمیشہ یُوں ہی ہوتا ہے اور ہمیشہ ہوگا بھی - زیرِ نظر مُعاملے میں سب کُچھ ہزیمت اور مایُوسی میں بدل گیا اور خُداوند کے کام میں افزائش کا باعث بنا"-

۱۶ : ۲۵ - "آدھی رات" نے دیکھا کہ "پَولُس اور سیلاس دُعا کر رہے اور خُدا کی حمد کے گیت گا رہے" ہیں - اُن کی خُوشی اور شادمانی کو دُنیاوی حالات سے کُچھ سروکار نہ تھا - اُن کے گانے کا سرچشمہ تو اُوپر آسمان کی بُلندیوں میں تھا -

۱۶ : ۲۶ - دُوسرے قَیدی اُن کی دُعائیں اور خُدا کی حمد و ستائش کے گیت سُن رہے تھے کہ اِتنے میں ایک غیر معمُولی "بھونچال" نے قَیدخانے کو ہلا دیا اور اُس کے "سب دروازے کھُل گئے" - سارے قَیدیوں کی "بیڑیاں کھُل پڑیں"، پاؤں "کاٹھ" سے آزاد ہو گئے - لیکن عمارت نہ گری -

۱۶ : ۲۷ ، ۲۸ - داروغہ بھی جاگ اُٹھا - اُس نے "قَیدخانہ کے دروازے کھُلے دیکھے تو سمجھا کہ قَیدی بھاگ گئے" - اُسے اچھّی طرح خبر تھی کہ اَب میری جان کی بھی خیر نہ ہوگی - چنانچہ اُس نے خُودکُشی کی غرض سے اپنی "تلوار" کھینچ لی - "لیکن پَولُس" نے بُلند آواز سے پُکار کر اُسے روکا اور یقین دِلایا کہ ایسا کرنے کی کوئی ضرُورت نہیں کیونکہ "سب" قَیدی ابھی تک مَوجُود تھے -

۱۶ : ۲۹ ، ۳۰ - اب داروغہ کو ایک نئے احساس نے مغلوب کر لیا - زندگی اور ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے خَوف و خدشہ کی جگہ گُناہ کی گہری قائلیّت اُبھر آئی - اب اُسے اِس خَوف نے آ دبایا کہ مُجھے اپنے گُناہوں میں خُدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا - وُہ پُکار اُٹھا "اے صاحبو! مَیں کیا کروں کہ نجات پاؤں؟"

ایمان لانے سے پہلے اِس سُوال کا پَیدا ہونا ضرُوری ہے - اِنسان کو جاننا ضرُوری ہے کہ مُجھ پر خُدا کا غضب ہے - پہلے یہ جانے گا تو نجات پا سکے گا - جب تک اِنسان دِل سے یہ نہیں کہتا کہ "مَیں تو واقعی جہنّم کے لائق ہُوں" اُس وقت تک اُسے یہ بتانا قبل از وقت اور بے سُود ہے کہ نجات کیسے پا سکتا ہے -

۱۶ : ۳۱ - نئے عہدنامہ میں اگر کسی کو خُداوند یسُوع مسیح پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے تو صرف اِن

گنہگاروں کو جو مانتے تھے کہ ہم گنہگار ہیں۔ جب داروغہ اپنے گناہوں پر پورے طور سے شکستہ دِل ہو چکا تھا تو اُس کو بتایا گیا کہ "خداوند یسوع پر ایمان لا تو تُو اور تیرا گھرانا نجات پائے گا"۔

یہاں یہ خیال ہرگز نہیں پایا جاتا کہ اگر داروغہ ایمان لائے گا تو اُس کا گھرانا اپنے آپ نجات پا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وُہ "خداوند یسوع پر ایمان" لائے گا تو وُہ "نجات پائے گا" اور اُس "کا گھرانا" بھی اِسی طرح "نجات پائے گا" ——— "ایمان لا ۔ ۔ ۔ اور تُو نجات پائے گا ۔ ۔ ۔ اور تیرا گھرانا بھی ایسا ہی کرے"۔

موجودہ دَور میں بہت سے لوگوں کو یہ جاننے اور سمجھنے میں مُشکل پیش آتی ہے کہ ایمان لانے کا مطلب کیا ہے۔ لیکن جب کسی گنہگار کو اِحساس ہو جاتا ہے کہ مَیں کھویا ہُؤا، بےکس، نااُمّید اور جہنّم میں جانے والا ہُوں اور اُس سے کہا جاتا ہے کہ مسیح پر ایمان لا کہ وُہ خُداوند اور مُنجّی ہے تو وُہ خُوب سمجھ جاتا ہے کہ اِس کا مطلب کیا ہے، کیونکہ صرف یہی ایک بات رہ جاتی ہے جو وُہ کر سکتا ہے۔

۱۶: ۳۲-۳۴۔ پولُس اور سیلاس نے گھرانے کو تعلیم دینے میں کچھ وقت گزارا تو داروغہ نے عملاً ثابت کیا کہ وُہ سچّے دِل سے ایمان لایا تھا۔ "اُس نے ... اُن کے زخم دھوئے" اور بلا تاخیر "بپتسمہ لیا"۔ مزید براں وُہ اُن کو اپنے گھر میں لایا۔ اُنہیں کھانا کھلایا اور "سارے گھرانے سمیت خُدا پر ایمان لا کر بڑی خوشی کی"۔ وُہ سارے خوش تھے کہ ہم کو خُداوند مِل گیا ہے۔

ہم پھر سے ذِکر کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں کوئی ایسی بات دَرج نہیں جس سے اشارہ مِلتا ہو کہ جس گھرانے نے بپتسمہ لیا اُس میں بہت چھوٹے یا شِیرخوار بچّے بھی تھے۔ وُہ سب اِتنے بڑے اور سمجھ دار تھے کہ "خُدا پر ایمان لا سکتے تھے"۔

۱۶: ۳۵۔ لگتا ہے کہ رات کے دوران ہی "فوجداری کے حاکموں" کے دِل تبدیل ہو گئے تھے۔ اِس لئے کہ جب دِن ہُؤا تو اُنہوں نے "حوالداروں" کو یہ ہدایت دے کر "بھیجا" کہ اُن دو قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔

۱۶: ۳۶، ۳۷۔ جب داروغہ نے یہ خوشخبری "پولُس کو" "سُنائی" تو رسُول نے اِن حالات میں وہاں سے جانے سے اِنکار کر دیا۔ آخر وُہ اور سیلاس اگرچہ پیدائش کے لحاظ سے یہودی تھے، لیکن رومی شہری تھے۔ اُن پر بلا جواز مقدمہ چلایا اور "پٹوایا" گیا۔ اور اب حاکم چاہتے تھے کہ وُہ چُپکے سے کِھسک جائیں جیسے قصوروار تھے اور شرم محسوس کر رہے تھے۔ "ہرگز نہیں"۔ پولُس نے مُطالبہ کیا کہ حاکم "آپ آکر ہمیں باہر لے جائیں" خُود آکر رِہا کریں۔

۱۶: ۳۸-۴۰۔ حاکم ضرور آئے، اور معذرت خواہ ہوئے! اُنہوں نے پولُس اور سیلاس سے درخواست کی کہ مزید ہلچل یا ہنگامے کے بغیر "شہر سے چلے جائیں"۔ بادشاہ کے فرزندوں کے سے وقار کے ساتھ خُداوند کے

خادموں کو "قید خانہ سے" نکال کر لایا گیا۔ لیکن وہ شہر سے فوراً نہیں چلے گئے۔ پہلے وہ "لدیہ کے ہاں گئے" ۔ وہاں "بھائیوں" سے بات چیت کی اور اُن کو "تسلّی دی"۔ کیسی خوشی کی بات ہے! جن کو خود تسلّی کی ضرورت تھی وہ دوسروں کو تسلّی دیتے تھے!

جب فلپّی میں اُن کا کام پورا ہو گیا وہ گویا فتح کے جھنڈے لہراتے ہوئے وہاں سے "روانہ ہوئے"۔

۱۷: ۱۔ فلپّی سے روانہ ہو کر پولُس اور سیلاس نے تقریباً تینتیس (۳۳) میل جنوب مغرب کو سفر کیا اور "اِمفپُلِس" پہنچے۔ اُن کا اگلا قیام "اپلونیہ" میں ہوا جو مزید تیس (۳۰) میل آگے جنوب مغرب میں تھا۔ وہاں سے وہ مغرب کی طرف سینتیس (۳۷) میل کا سفر کر کے "تھسلنیکے میں آئے"۔ یہ شہر تجارتی شاہراہوں کے سنگم پر بڑی باموقع جگہ پر واقع تھا اور تجارت کا بہت اعلیٰ مرکز تھا۔ رُوح القدس نے اِس شہر کو ایک ایسا صدر مقام ہونے کے لئے چُن لیا جہاں سے خوشخبری بہت سی اطراف میں پھیلے گی۔ آج یہ شہر سیلونیکی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

جب پولُس اور سیلاس خداوند کے لئے نئے علاقے فتح کرنے کو فلپّی سے روانہ ہوئے تو لوقا وہیں رہ گیا ہو گا۔ یہ اندازہ اِس بات سے ہوتا ہے کہ واقعات بیان کرنے کے انداز میں تبدیلی آ گئی ہے اور "ہم" کی بجائے پھر "وہ" اِستعمال ہونے لگا ہے۔

۱۷: ۲، ۳۔ "اپنے دستور کے موافق" اِن مبشّروں نے یہودی عبادت خانہ ڈھونڈ نکالا اور وہاں خوشخبری کی منادی کی۔ "پولُس نے ... تین (۳) سبتوں کو کتابِ مقدّس سے اُن کے ساتھ بحث کی" کہ نبوّت کی گئی تھی کہ "مسیح" موعود کو "دُکھ اُٹھانا اور مُردوں میں سے جی اُٹھنا ضرور تھا"۔ اُس نے یہ باتیں "کتابِ مقدّس" سے ثابت کیں۔ اور پھر بتایا کہ "یسوع" ناصری ہی مسیح موعود ہے جس کا اِتنی مدت سے اِنتظار ہو رہا تھا۔ کیا اُس نے دُکھ نہیں اُٹھایا اور مر کر مُردوں میں سے نہیں جی اٹھا؟ کیا اِس سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہی خدا کا "مسیح" ہے؟

۱۷: ۴-۷۔ یہودیوں میں سے "بعض نے مان لیا اور پولُس اور سیلاس کے شریک ہوئے" کہ ہم بھی مسیح پر ایمان لاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ بہت سے یونانی نومرید اور اس شہر کی "بہتیری شریف عورتیں" بھی ایمان لائیں۔ یہ دیکھ کر ایمان نہ لانے والے یہودی بھڑک اُٹھے اور اُنہوں نے فیصلہ کُن اِقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُنہوں نے "بازاری آدمیوں میں سے کئی بدمعاشوں" کو جمع کر کے فساد اور ہنگامہ کھڑا کر دیا اور "یاسون کا گھر" گھیرے میں لے لیا، کیونکہ پولُس اور سیلاس وہیں مہمان تھے۔ جب پولُس اور سیلاس کو اِس گھر میں "نہ پایا" تو "یاسون اور کئی اور بھائیوں کو (جو اُس کے ہم ایمان تھے) حاکموں کے پاس ..."

کھینچ لے گئے"۔ اُن کا ارادہ اور مقصد تو نہیں تھا لیکن اُنہوں نے پَولُس اور سیلاس کی بڑی تعریف کی۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ وُہ شخص ہیں "جنہوں نے جہان کو باغی کر دیا" (لفظی ترجمہ ۔ جہان کو اُلٹ دیا ہے)۔ یہ الزام تو دراصل تعریف تھی۔ پھر الزام لگایا کہ یہ شخص "قیصر" کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازش کر رہے ہیں کیونکہ کہتے ہیں کہ "بادشاہ تو اَور ہی ہے، یعنی یسوعؔ"۔ یہودیوں کے لئے ایسی بات کرنا واقعی عجیب تھا کہ وُہ "قیصر" کی حکومت کی محافظت میں ایسے شوق اور جذبہ کا مُظاہرہ کریں۔ بھلا اُن کے دِلوں میں رُومی سلطنت کے لئے محبّت تھی کہاں؟

لیکن کیا اُن کا اِلزام دُرست تھا؟ بے شک اُنہوں نے پَولُس کے مُنہ سے سُنا تھا کہ یسوعؔ دوبارہ آئے گا اور ساری دُنیا پر بادشاہ ہو گا۔ لیکن اِس سے تو قیصر کی حکومت کو کوئی فوری خطرہ نہ تھا کیونکہ مسیح اُس وقت تک واپس نہیں آئے گا جب تک اِسرائیل من حیث القوم توبہ نہ کرے۔

۱۷: ۸، ۹۔ اِن خبروں سے "شہر کے حاکم گھبرا گئے"۔ اُنہوں نے "یاسون" اور اُس کے ساتھیوں سے تو "ضمانت" لے لی۔ اور غالباً یہ ہدایت بھی کی ہو گی کہ تمہارے مہمان جلد از جلد شہر چھوڑ جائیں۔ پھر حاکموں نے "اُنہیں چھوڑ دیا"۔

۱۷: ۱۰-۱۲۔ تھسلُنیکے کے بھائیوں نے فیصلہ کیا کہ اِن مُبلّغوں کو شہر سے روانہ ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ اُنہوں نے پَولُس اور سیلاس کو "راتوں رات ... بیریہّ میں بھیج دیا"۔ یہ ناقابلِ تسخیر مُبلّغین سیدھے "یہودیوں کے عبادت خانہ میں گئے"۔ وُہ خوشخبری سُنا رہے تھے اور یہودیوں نے بڑی فراخ دِلی کا ثبوت دیا۔ وُہ پُرانے عہد نامہ کے صحائف سے تحقیق کرتے، پڑتال کرتے اور اُن کی باتوں کا کلامِ مقدّس کی باتوں سے مُقابلہ کرتے تھے۔ وُہ سیکھنے پر مائل تھے اور ساری تعلیم کو پاک صحائف کی کسوٹی پر پرکھنے پر مُصر رہتے تھے۔ بہُت سے یہودی ایمان لے آئے۔ اِس کے علاوہ غیر قوم میں سے "بہُت سی عزّت دار عورتیں اور مرد ایمان لائے"۔

۱۷: ۱۳، ۱۴۔ "جب" یہ اِطّلاعات واپس "تھسلُنیکے" پہنچیں کہ "پَولُس" اور سیلاس "بیریہّ" میں اپنی خدمت کا کام جاری رکھے ہُوئے ہیں تو وہاں کے یہودی خاص طور پر "بیریہّ" آئے اور رسُولوں کے خلاف "لوگوں کو اُبھارا اور اُن میں کھلبلی ڈالی"۔ اِس پر بھائیوں نے "پَولُس کو فوراً" ساحلِ سمندر کی طرف بھیج دیا اور مُحافظت کی خاطر چند اِیمان دار اُس کے ہمراہ گئے۔

۱۷: ۱۵۔ بیریہّ سے "اتھینے تک" کافی لمبا سفر تھا۔ یہ بات بیریہّ کے مسیحیوں کی دِلی محبّت اور جانثاری کی مظہر ہے کہ وُہ اتھینے تک پَولُس کے ساتھ گئے۔ جب وقت آیا کہ وُہ "پَولُس" "کو اتھینے" میں چھوڑ کر واپس آئیں تو اُس نے اُن کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ "سیلاس اور تیمُتھیُس ... جہاں تک ہو سکے جُلد میرے پاس" آئیں۔

۱۷: ۱۶۔ "جب پولُس اتھینے میں اُن کی راہ دیکھ رہا تھا" تو "شہر کی" بُت پرستی دیکھ کر "اُس کا جی جل گیا"۔ اگرچہ اتھینے تہذیب وثقافت، تعلیم اور فنونِ لطیفہ کا مرکز تھا مگر "پولُس" کو ان میں سے کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ اُس نے یہ وقت شہر کے اہم مقامات اور نظارے دیکھنے میں صرف نہیں کیا۔ آرنوٹ کہتا ہے کہ

"بات یہ نہیں کہ پولُس سنگِ مرمر کے مجسموں کی قدر وقیمت سے واقف نہ تھا بلکہ وُہ زندہ انسانوں کو زیادہ قیمتی سمجھتا تھا ... وُہ کمزور نہیں بلکہ ایسا مضبوط انسان ہے جو غیر فانی رُوحوں کو فنون لطیفہ سے فائق اور اہم سمجھتا ہے ... پولُس بُت پرستی کو بے ضرر نہیں بلکہ دردانگیز اور تکلیف دہ مانتا ہے"۔

۱۷: ۱۸،۱۷۔ "اِس لئے وُہ عبادت خانہ میں یہودیوں اور خُدا پرستوں سے اور چوک میں جو ملتے تھے اُن سے روز بحث کیا کرتا تھا"۔ اِس طرح اُس کا سامنا "چند اپکوری اور ستوئیکی" فلاسفروں سے ہوگیا۔ اپکوری ایک فلاسفر بنام اپکورُس کے پیرو تھے۔ اُس کی تعلیم تھی کہ زندگی کا بڑا مقصد علم کا حصُول نہیں بلکہ خوشی اور مسرت کا حصُول ہے۔ ستوئیکی وحدت الوجُود (ہمہ اوست کا عقیدہ) کے معتقد تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ حکمت اِس میں ہے کہ انسان شدید جذبات سے آزاد ہو، خوشی اور غم کا تاثر نہ لے، اور طبعی قانون کو برضا ورغبت قبول کرے۔ جب اِن دونوں مکاتب فکر کے پیرووں نے پولُس کی باتیں سُنیں تو اُس کو "بکواسی" قرار دیا۔ "اَوروں نے کہا یہ غیر معبُودوں کی خبر دینے والا معلُوم ہوتا ہے۔ اِس لئے کہ وُہ یسوع اور قیامت کی خوشخبری دیتا تھا"۔

۱۷: ۱۹-۲۱۔ "وُہ اُسے اپنے ساتھ اریوپگس پر لے گئے"۔ اریوپگس سُپریم کورٹ کی قسم کا ایک قومی اِدارہ تھا۔ اِس کے ممبران مریخ نامی پہاڑی پر فراہم ہوتے تھے۔ اِس خاص معاملے میں کوئی مقدمہ تو نہیں تھا بلکہ صرف ایک ایسی پیشی تھی جس میں پولُس کو موقع دیا گیا کہ اپنی تعلیم کو عدالت کے ممبران اور عام لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ اِس کی کچھ وضاحت آیت ۲۱ میں دی گئی ہے۔ "اتھینوی" سرِ بازار کھڑے ہوکر باتیں کرنا اور دُوسروں کی سُننا بہت پسند کرتے تھے۔ لگتا ہے اِس کام کے لئے اُن کے پاس وقت کی کوئی کمی نہ تھی۔

۱۷: ۲۲۔ "پولُس نے اریوپگس کے بیچ میں کھڑے ہوکر" وُہ باتیں کیں جن کو کوہِ مریخ کا خطاب کہا جاتا ہے۔ اِس خطاب کا مطالعہ کرتے ہُوئے یاد رکھنا ضرُوری ہے کہ وُہ یہودیوں سے نہیں بلکہ غیر قوم والوں سے مخاطب تھا۔ وُہ پُرانے عہدنامہ سے واقف نہیں تھے۔ اِس لئے پولُس کو بات شرُوع کرنے کے لئے کسی ایسے موضُوع کی تلاش تھی جس میں سب کی دِلچسپی مشترک ہو۔ اُس نے اِس مشاہداتی رائے سے آغاز کیا کہ اتھینوی بہت مذہبی لوگ ("دیوتاؤں کے بڑے ماننے والے") ہیں۔ اتھینے کے ایک مذہبی شہر ہونے کی تصدیق اِس حقیقت سے بھی ہوتی تھی کہ مشہُور تھا کہ اتھینے میں لوگ کم اور بُت زیادہ ہیں۔

۱۷: ۲۳ - جب پَولُس اُن بُتوں پر غور کر رہا تھا جو اُس نے شہر میں دیکھے تھے تو اُسے "ایک ایسی قربان گاہ" یاد آئی "جس پر لکھا تھا کہ نامعلوم خُدا کے لئے"۔ اِن الفاظ میں پَولُس کو وُہ نُکتہ مِل گیا جس سے وُہ اپنے پیغام کا آغاز کر سکتا تھا - پہلی حقیقت یہ ہے کہ "خُدا" کا وجُود ہے - اور دُوسری یہ کہ اتھینوی "اُس" کو نہیں جانتے - پَولُس کے لئے یہ فطری بات تھی کہ پیغام کا رُخ موڑ کر اُن کو حقیقی "خُدا" کے بارے میں بتائے - کِسی نے خُوب کہا ہے کہ پَولُس نے اُن کی خُدا پرستی کے آوارہ دھارے کو موڑ کر دُرست سمت میں ڈال دیا۔

۱۷: ۲۴، ۲۵ - مُبشر کہتے ہیں کہ بُت پرستوں کو خُدا کے بارے میں تعلیم دینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بات کائنات کی تخلیق سے شُروع کی جائے - اتھینوی لوگوں کے ساتھ پَولُس نے بعینہٖ یہی طریقہ اِستعمال کیا۔ اُس نے "خُدا" کا تعارف یُوں کرایا کہ خُدا وُہ ہستی ہے "جس نے دُنیا اور اُس کی سب چیزوں کو پیدا کیا"۔ اپنے اِردگرد اَن گِنت مندروں اور بُتوں کو دیکھتے ہُوئے رسُول نے اپنے سامعین کو باور کرایا کہ حقیقی خُدا "ہاتھ کے بنائے ہُوئے مندروں میں نہیں رہتا" اور "نہ ... آدمیوں کے ہاتھوں سے خدمت لیتا ہے" کیونکہ وُہ کِسی چیز یا کِسی شخص کا مُحتاج نہیں - بُتوں کے مندروں میں پنڈت اور پُجاری وغیرہ اپنے دیوتاؤں کے لئے کھانے پینے کی اور دُوسری "ضرُوریات" کی چیزیں لاتے ہیں - لیکن حقیقی "خُدا" اِنسانوں سے کوئی چیز لینے کا محتاج نہیں کیونکہ وُہ خُود "زِندگی اور سانس اور سب کُچھ" کا منبع ہے -

۱۷: ۲۶-۲۸ ل - اِس کے بعد پَولُس نے اِنسانی نسل اور اصل کے آغاز پر بحث کی - ساری قومیں ایک ہی جَدِ امجد یعنی آدمؑ کی اولاد ہیں - نہ صِرف یہ کہ قوموں کو خُدا نے پیدا کیا ہے بلکہ یہ بھی ٹھہرا دیا کہ "اُن کی میعادیں اور سکُونت کی حدیں" کیا ہوں گی، یعنی اُن کی عُمریں کتنی کتنی ہوں گی اور وُہ کون کون سے مُلک میں رہیں بسیں گی - اُس نے اُن پر اَن گِنت فضل کئے، بے شمار نعمتیں عطا کیں تاکہ وُہ "خُدا کو ڈھونڈیں"۔ وُہ چاہتا ہے کہ قومیں "ٹٹول کر اُسے (خُدا کو) پائیں"، حالانکہ حقیقت میں وُہ "کِسی سے دُور نہیں"۔ یہ حقیقی "خُدا" ہی ہے جس میں "ہم" سب "جیتے اور چلتے پھرتے اور موجُود ہیں"۔ وُہ نہ صرف ہمارا خالق ہے بلکہ ہمارا ماحول بھی ہے -

۱۷: ۲۸ ب - خالق اور مخلُوق کے مابین تعلق پر مزید زور دینے کے لئے پَولُس نے اُن کے "بعض شاعروں کا حوالہ دیا جنہوں نے کہا ہے کہ "ہم تو اُس کی (خُدا کی) نسل بھی ہیں"۔ یہاں اِنسانوں کی برادری اور خُدا کی پدریت کی تعلیم مُراد نہیں - ہم خُدا کی "نسل" اِن معنوں میں ہیں کہ اُس نے ہمیں خلق کیا ہے - لیکن ہم اُس کے "فرزند" اُسی صُورت میں بنتے ہیں کہ خُداوند یسُوع مسیح پر ایمان لائیں -

۱۷: ۲۹ - پَولُس کی دلیل جاری رہتی ہے - اگر اِنسان "خُدا کی نسل" ہیں تو "ہم کو یہ خیال کرنا مناسب

نہیں کہ ذاتِ الٰہی اُس سونے یا رُوپے یا پتھر کی مانند ہے جو آدمی کے ہُنر اور ایجاد سے گھڑے گئے ہیں"۔
اور اِس وجہ سے وُہ اِنسان جتنے عظیم نہیں ہیں۔ ایک مفہوم میں یہ بُت اِنسان کی نسل ہیں جبکہ سچّائی یہ ہے کہ بنی نوعِ اِنسان خُدا کی مخلوق ہیں۔

۱۷: ۳۰۔ بُت پرستی کی حماقت کو بے نقاب کرنے کے بعد پولُس بیان کرتا ہے کہ صدیوں سے خُدا غیر قوم والوں کی "جہالت" سے "چشم پوشی" کرتا آیا ہے۔ مگر اب جبکہ انجیل کا مکاشفہ آ گیا ہے وُہ (خدا) "ہر جگہ حکم دیتا ہے کہ توبہ کریں" یعنی پُرانے طور طریقوں کو قطعی طور پر چھوڑ دیں اور نئی راہ اِختیار کریں۔

۱۷: ۳۱۔ یہ نہایت ضروری پیغام ہے "کیونکہ اُس (خدا) نے ایک دِن ٹھہرایا ہے جس میں وُہ راستی سے دُنیا کی عدالت اُس آدمی کی معرفت کرے گا جسے اُس نے مقرر کیا ہے"۔ اُس آدمی کا اِشارہ "خُداوند یسوع مسیح" کی طرف ہے۔ اور جس عدالت کا ذِکر کیا گیا ہے، وُہ اُس وقت ہو گی جب مسیح دوبارہ اِس دُنیا میں آئے گا تاکہ اپنے دُشمنوں کا خاتمہ کرے اور ہزار سالہ بادشاہی کا آغاز کرے۔ اِس عدالت کی پکّی یقین دہانی اِس حقیقت میں ہے کہ خُدا نے خُداوند یسوع کو "مُردوں میں سے جلایا"۔ اِس طرح پولُس اپنے سامعین کو اپنے پسندیدہ موضوع یعنی مسیح کی قیامت پر لے آتا ہے۔

۱۷: ۳۲، ۳۳۔ پولُس اپنا پیغام مکمّل نہ کر سکا۔ "مُردوں کی قیامت" کے تصوّر پر ٹھٹھا مارنے والوں نے خلل ڈال دیا۔ دُوسرے لوگوں نے اُس کا مذاق تو نہیں اُڑایا مگر ہچکچاتے رہے۔ وُہ کوئی قدم نہیں اُٹھانا چاہتے تھے۔ اِس لئے کہنے لگے "یہ بات ہم تجھ سے پھر کبھی سُنیں گے"۔

۱۷: ۳۴۔ لیکن یہ کہنا بھی درست نہیں کہ پولُس کا پیغام بے سُود ثابت ہُوا۔ کم سے کم "دیونُسی یُس" ایمان لایا۔ اور وُہ "اریوپگُس (عدالت) کا ایک حاکم" تھا۔ "دمرِس نام ایک عورت" اور بعض دیگر لوگ بھی ایمان لائے جن کے نام نہیں دِئے گئے۔

"اِسی حالت میں پولُس اُن کے بیچ میں سے نکل گیا"۔ اِس کے بعد ہم اتھینے کا کوئی ذِکر نہیں سُنتے۔ پولُس ایذا رسانی کے مراکز میں تو دوبارہ آیا لیکن اتھینے کی فلسفیانہ خوش گفتاری اُسے مُتاثر کرنے میں ناکام رہی۔ لہٰذا ایسا لگتا ہے کہ وُہ وہاں دوبارہ نہ گیا۔

بعض لوگ پولُس کے اِس وعظ پر تنقید کرتے ہیں کہ اُس نے اہلِ اتھینے کی مذہبیّت کی تعریف کی ہے حالانکہ وُہ سخت بُت پرست تھے۔ وُہ ایک ایسے کتبہ میں خُدا کی شناخت دیکھتا ہے جو کسی بُت کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ اِس وعظ میں اتھینوی لوگوں کے طور طریقوں اور رسُومات کا اُس نے زیادہ

لحاظ کیا ہے اور یہاں اِنجیل کے پیغام کو اُتنی وضاحت اور زور کے ساتھ پیش نہیں کیا جیسا ہم اُس کے دُوسرے پیغامات میں دیکھتے ہیں - یہ تنقید بالکل غیر مناسب ہے - ہم نے پہلے بھی وضاحت کی ہے کہ پَولُس کسی ایسے نکتے کی تلاش میں تھا جس سے اُن لوگوں کی توجہ اپنی گرفت میں لے سکے - پھر وُہ اپنے سامعین کو قدم بہ قدم حقیقی خُدا کے عرفان تک لایا، پھر مسیح کے عدالت کے لئے آنے کے پیشِ نظر اُن پر توبہ کی اہمیت واضح کی - پَولُس کی منادی کی اِسی بات سے تصدیق ہوتی ہے کہ اُس کے وسیلے سے لوگ سچّے دِل سے اِیمان لاتے تھے -

غیر رسمی پُلپٹ

کوہِ مِرّیخ (Mars Hill) پر پَولُس کی منادی مثال ہے اُن غیر رسمی مقامات کی جہاں سے اِبتدائی دَور کے مسیحیوں نے دُنیا کو خوشخبری کا پیغام دیا -

ایک پسندیدہ جگہ تو کھلا میدان تھی - پنتکُست کے دِن پیغام گھر سے باہر کھلی جگہ پر دیا گیا ہوگا - یہ اندازہ کلام سُننے اور ایمان لانے والوں کی تعداد سے ہوتا ہے (اعمال ۲: ۶، ۴۱) - کھلی جگہ پر منادی کرنے کی دیگر مثالیں ۸: ۵، ۲۵، ۴۰؛ ۱۳: ۴۴ اور ۱۴: ۸ - ۱۸ میں مِلتی ہیں -

کم سے کم دو موقعوں پر ہیکل کے گردونواح پیغام سے گُونج اُٹھے (۳: ۱-۱۱؛ ۵: ۲۱، ۴۲) - پَولُس اور اُس کے ہمخدمتوں نے فلپّی میں ندی کنارے کلام پیش کیا (۱۶: ۱۳) اور یہاں اتھینے میں اُنہوں نے چوک میں منادی کی (۱۷: ۱۷) اور اس کے بعد کوہِ مِرّیخ پر خطاب کیا - یروشلیم میں پَولُس نے غُصّے سے بھرے ہُوئے ہجوم سے انتونیہ (Antonia) کے قلعے کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر کلام کیا (۲۱: ۴۰-۲۲: ۲۱) -

کم سے کم چار دفعہ یہودی سنہیڈرن کے سامنے پیغام دِیا گیا - (۱) پطرس اور یُوحنّا نے (۴: ۸، ۱۹) - (۲) پطرس اور دُوسرے رسُولوں نے (۵: ۲۷-۳۲) - (۳) ستفنُس نے (۷: ۲ - ۵۳) اور (۴) پَولُس نے (۲۲: ۳۰ - ۲۳: ۱۰) -

پَولُس اور اُس کے ساتھیوں کا عام دستور یہ تھا کہ عبادت خانوں میں انجیل کی بشارت دیتے تھے (۹: ۲۰؛ ۱۳: ۵، ۱۴؛ ۱۴: ۱؛ ۱۷: ۱، ۲، ۱۰، ۱۷؛ ۱۸: ۴، ۱۹، ۲۶؛ ۱۹: ۸) -

کئی دفعہ ذاتی گھروں کو استعمال کیا گیا - پطرس نے کُرنیلیس کے گھر میں منادی کی (۱۰: ۲۲، ۲۴)، پَولُس اور سیلاس نے فلپّی میں جیل کے داروغے کے گھر میں گواہی دی (۱۶: ۳۱، ۳۲)، کُرنتھس میں پَولُس نے عبادت خانے کے سردار کرسپُس کے گھر میں منادی کی (۱۸: ۷، ۸)، ترواس میں وُہ کسی کے گھر میں آدھی

رات تک کلام سُناتا رہا (۲۰: ۷)، اِفسُس میں وُہ گھر گھر جا کر انجیل کا پرچار کرتا رہا (۲۰: ۲۰) - اور روم میں اپنے کرایہ کے مکان میں تعلیم دیتا رہا (۲۸: ۳۰، ۳۱) -

فلپّس نے حبشہ کے ایک خوجہ کو رَتھ میں پیغام دِیا (۸: ۳۱ - ۳۵) اور پولُس نے ایک بحری جہاز پر کلام سُنایا (۲۷: ۲۱ - ۲۶) - اِفسُس میں وُہ ہر روز ایک مدرسہ میں بحث کیا کرتا تھا (۱۹: ۹) -

پولُس نے دیوانی عدالتوں میں کلام کی منادی کی - فیلکس کے سامنے (۲۴: ۱۰)، فیستُس کے سامنے (۲۵: ۸) اور اگرِپا کے سامنے (۲۶: ۱ - ۲۹) -

۸: ۴ میں ہم پڑھتے ہیں کہ ستم رسیدہ ایمان دار جہاں جہاں پراگندہ ہُوئے وہاں وہاں "خوشخبری دیتے پھرے"۔

اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ وُہ نہیں سوچتے تھے کہ پیغام کا اِعلان کسی خاص "تقدیس شُدہ" عمارت کے اندر محدُود ہونا چاہیئے۔ اُن کو جہاں کہیں لوگ مِل جاتے تھے، اُن کے لئے موقع اور دلیل ہوتی تھی کہ مسیح کو رُوشناس کرائیں - اے - بی سیمپسن کہتا ہے کہ

"اِبتدائی مسیحی ہر صُورتِ حال کو گواہی دینے کا موقع گردانتے تھے، بلکہ جب اُن کو حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو اُن کو خیال تک نہیں گزرتا تھا کہ ہم اِس موضُوع سے کنارہ کر کے مسیح کے ساتھ اپنے تعلق کا اِنکار کریں - وُہ نتائج سے خوف زدہ نہیں ہوتے تھے - اُن کے لئے تو یہ بادشاہوں اور حاکموں کو خوشخبری سُنانے کا ایک اچھا موقع ہوتا تھا، جن تک وُہ کسی اَور طرح پہنچ نہیں سکتے تھے - عین مُمکن ہے کہ خُدا ہر اِنسان کو ہمارا راستہ کاٹنے کی صرف اِس لئے اِجازت دیتا ہے تاکہ ہمیں موقع مِل جائے کہ اُس کے راستے میں کوئی برکت چھوڑ جائیں اور اُس کے دِل اور زِندگی میں کچھ اثر کریں جس سے وُہ خُدا کے نزدیک آجائے"۔

خُداوند یسوع نے اُن کو مُقرر کر کے اِرشاد کیا تھا "تُم تمام دُنیا میں جا کر ساری خَلق کے سامنے اِنجیل کی منادی کرو" (مرقس ۱۶: ۱۵) - اعمال کی کتاب اِس حکم پر عمل ہوتا دکھاتی ہے -

ہم یہ کہنا بھی بجا سمجھتے ہیں کہ اعمال کی کتاب میں اکثر و بیشتر منادی بے ساختہ اور بغیر تیاری کے ہُوئی۔ اکثر پیغام تیار کرنے کا وقت ہی نہیں ہوتا تھا۔ رسُولوں کا پیغام "گھڑی بھر کی کارکردگی نہیں بلکہ زِندگی بھر کی تیاری" کا مظہر ہوتا تھا۔ وعظ تیار نہیں ہوتا تھا، واعظین تیار ہوتے تھے -

۱۸: ۱ - بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "پولُس اتھینے" سے اِس لئے چلا گیا کہ منادی کے نتائج خاطر خواہ

نہیں تھے۔ لیکن ہم اِس خیال کو ترجیح دیتے ہیں کہ رُوح القدس نے اُسے ہدایت کی کہ مغرب کی طرف "کرنتھس" جائے۔ یہ شہر "اخیہ" کا صدر مقام تھا اور حرامکاری کے لئے بدنام زمانہ تھا۔ ضرور تھا کہ یہاں انجیل کی بشارت دی جائے اور کلیسیا قائم کی جائے۔

۱۸: ۲، ۳۔ کرنتھس میں پَولُس نے "اکوِلہ" اور "پرِسکلہ" نامی ایک جوڑے سے دوستی بڑھائی جو زندگی بھر قائم رہی۔ "اکوِلہ ... ایک یہودی" تھا جس کی پیدائش "پنطُس" میں ہوئی تھی۔ پنطُس ایشیائے کوچک کا شمال مشرقی صوبہ تھا۔ اکوِلہ اور اُس کی بیوی نے "رومہ" میں رہائش اختیار کرلی تھی لیکن قیصر کلودیس کے ایک یہود مخالف فرمان کی وجہ سے اُن کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ چونکہ کرنتھس روم سے مشرق کو جانے والی شاہراہ پر واقع تھا اِس لئے اکوِلہ وہاں قیام پذیر ہوگیا اور "خیمہ دوزی" کا کام کرنے لگا۔ پَولُس کا پیشہ بھی خیمہ دوزی تھا۔ اِس لئے وہ بھی اُن کے ساتھ رہ کر یہی کام کرنے لگا۔

"زندگی کے بہترین مکاشفات ہم پر اُس وقت ہوتے ہیں جبکہ ہم اپنے فرائض کے میدانوں میں ہوتے ہیں۔ اپنی ہر روز کی روزی کمانے پر توجّہ دیں۔ اور اپنی مشقتوں کے دوران آپ کو بڑی بڑی برکات ملیں گی، اور عمدہ عمدہ رویا دیکھیں گے ... دکان یا دفتر یا گودام خدا کے گھر جیسا بن جائے گا۔ اپنا کام فرض شناسی اور تندہی سے کریں اِسی میں آپ کو نایاب روحانی رفاقت ملے گی جیسے اکوِلہ اور پرِسکلہ کو ملی تھی!"

(ڈی۔ ٹی۔ ینگ)

بیان سے پتہ نہیں چلتا کہ "اکوِلہ" اور "پرِسکلہ" پَولُس کی ملاقات سے پہلے ہی مسیحی تھے یا وہ اُس کی خدمت کے وسیلے سے نجات پانے والوں میں شامل ہوئے۔ زیادہ قرینِ قیاس یہی ہے کہ وہ کرنتھس میں آتے وقت مسیحی تھے۔

۱۸: ۴۔ پَولُس "ہر سبت کو عبادت خانہ میں بحث کرتا اور یہودیوں اور یُونانیوں کو قائل کرتا تھا" کہ یسوع واقعی خدا کا مسیح ہے۔ یُونانیوں سے مُراد وہ یُونانی ہیں جنھوں نے یہودی مذہب کو اختیار کیا ہُوا تھا۔

۱۸: ۵۔ "پَولُس" "سیلاس اور تیمتھیس" کو بیریہ میں چھوڑ آیا تھا۔ انھیں سے اُس نے پیغام بھیجا تھا کہ میرے ساتھ آملو۔ چنانچہ وہ کرنتھس میں اُس سے آملے۔

اُن کی آمد پر "پَولُس کلام سُنانے کے جوش سے مجبُور" ہُوا۔ مُراد یہ ہے کہ خداوند نے اُس کو بڑا بوجھ دیا تھا کہ بڑی جانفشانی سے کلام سُنائے اور "یہودیوں کے آگے گواہی دے ... کہ یسوع ہی مسیح ہے۔" شاید اِس کا مطلب یہ ہو کہ اب رسُول خیمہ دوزی میں وقت نہیں لگاتا تھا بلکہ پُورا وقت انجیل کی

منادی پر صَرف کرتا تھا۔

تقریباً یہی وقت تھا کہ پَولُس نے تھسلنیکیوں کو پہلا خط لکھا (تقریباً ۵۲ء)۔

۱۸: ۶ - ایمان نہ لانے والے یہودی پَولُس "کی مخالفت کرنے اور کُفر بکنے لگے" یا طعن زنی کرنے لگے۔ خوشخبری کو رد کرنا دراصل بالآخر خود اپنی مخالفت کرنا ہے۔ ایمان نہ لانے والا کسی دُوسرے کو نہیں اپنے آپ کو نُقصان پہنچاتا ہے۔

"پَولُس نے اپنے کپڑے جھاڑ کر اُن سے کہا، تمہارا خُون تمہاری ہی گردن پر۔ مَیں پاک ہُوں۔ اب سے غیر قوموں کے پاس جاؤں گا"۔ کپڑے جھاڑنا ایک اظہاری عمل تھا جس کا مطلب تھا اب میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔ لیکن اِس بات نے اُسے ایک اَور شہر یعنی اِفسُس میں عبادت خانے میں جانے سے نہیں روکا (۱۹: ۸)۔

رسُول کے اَلفاظ ہر ایمان دار کے لئے سنجیدہ یاد دہانی ہیں کہ ایک مسیحی تمام اِنسانوں کا مقروض ہے۔ اگر وُہ انجیل کی منادی نہیں کرتا اور یہ قرض ادا نہیں کرتا تو خُدا اُس کو قصُور وار ٹھہرائے گا۔ دُوسری طرف اگر وُہ دیانت داری سے مسیح کی گواہی دیتا ہے مگر اُسے بُری طرح رد کیا جاتا ہے تو وُہ قصُور سے پاک ہے اور مسیح کو رد کرنے والا قصُور وار ٹھہرتا ہے۔

یہ آیت اِسرائیلی قوم کو الگ رکھنے میں اور غیر قوموں میں انجیل کی منادی کرنے میں ایک اَور قدم کی نشان دہی کرتی ہے۔ خُدا کا حُکم تھا کہ خُوشخبری پہلے یہُودیوں کے پاس جائے۔ لیکن اَعمال کی ساری کتاب میں یہُودی قوم اِس پیغام کو رد کرتی چلی جاتی ہے۔ اَب خُدا کا رُوح بڑے افسوس کے ساتھ اِس قوم سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

۱۸: ۷، ۸ - یہُودیوں کے ہنگاموں سے دِل برداشتہ ہو کر پَولُس رسُول "یوستُس" کے گھر چلا گیا۔ اِس شخص نے غیر قوم سے یہُودی مذہب کو قبول کر لیا تھا۔ اُس کا "گھر ... عبادت خانہ سے مِلا ہُوا تھا"۔ پَولُس رسُول نے اِس جگہ سے اپنی خدمت جاری رکھی۔ اُسے بڑی خُوشی ہُوئی کہ "عبادت خانہ کا سردار کرِسپُس اپنے تمام گھرانے سمیت خُداوند پر ایمان لایا"۔ اِسی طرح "بہُت سے کرنتھی" بھی مسیح پر ایمان لائے اور "بپتسمہ لیا"۔ پَولُس نے کرِسپُس اور چند دُوسرے اَفراد کو بپتسمہ دیا (۱-کرنتھیوں ۱: ۱۴-۱۶)۔ لیکن اُس کا عام دستُور یہ تھا کہ کسی دُوسرے ایمان دار سے بپتسمہ دِلواتا تھا۔ اُسے خدشہ تھا کہ لوگ میرے گرد ایک پارٹی بنا لیں گے اور خُداوند یسوع کے لئے اُن کے ایمان اور وفاداری میں خَلل پڑے گا۔

۱۸: ۹، ۱۰ - "خُداوند نے رات کو رویا میں پَولُس سے کہا، خوف نہ کر"۔ خُدا باپ نے اُس کی حوصلہ افزائی کی۔ اُسے یقین دِلایا کہ ڈرنے اور خوف کھانے کی کوئی بات نہیں۔ خُدا کی حضُوری اور تحفّظ کے یقین کے ساتھ رسُول کو کلام کی منادی کرتے رہنا چاہئے۔ اُس "شہر میں ... بہُت سے لوگ" تھے جو خُداوند کے

تھے ـــــ اِس مفہوم میں کہ وُہ اُن کی زندگیوں میں کام کر رہا تھا اور بالآخر وُہ اُس پر ایمان لائیں گے ۔

۱۸: ۱۱ ۔ پَولُس نے کُرِنتھُس میں "ڈیڑھ برس" قیام کیا اور اُن کو "خُدا کا کلام سُناتا رہا"۔ کُرِنتھیوں کے نام پہلے اور دُوسرے خط میں اِس عرصے کے بارے میں نہایت قیمتی مواد مِلتا ہے جس سے سارا پس منظر واضح ہو جاتا ہے ۔

۱۸: ۱۲-۱۶ ۔ غالباً پَولُس کے کُرِنتھُس کے قیام کے آخری دِنوں میں (تقریباً ۵۳ء) "گلیّو" کو "اَخیہ کا صُوبہ دار" مقرر کیا گیا ۔ یہُودیوں نے سوچا کہ نیا صُوبہ دار ہمارا طرف دار ہوگا ۔ چنانچہ وُہ "ایکا کرکے پَولُس پر چڑھ آئے" اور اُسے کُرِنتھُس شہر کے چوک میں گلیّو کی عدالت میں پیش کیا ۔ اِلزام یہ تھا کہ "یہ شخص لوگوں کو ترغیب دیتا ہے کہ (یہُودی) شریعت کے برخلاف خُدا کی پرستش کریں"۔ اِس سے پیشتر کہ رسُول کو اپنا دِفاع کرنے کا موقع مِلتا "گلیّو" نے بڑی حقارت کے ساتھ عدالت برخاست کر دی ۔ اُس نے یہُودیوں سے کہہ دیا کہ یہ سراسر تُمہاری "شریعت" کا مُعاملہ ہے ۔ اور ہمارے دائرۂ قانُون میں نہیں آتا ۔ "اگر کچھ ظُلم یا بڑی شرارت کی بات ہوتی" تو گلیّو "صبر کرکے" اُن کی سُنتا ۔ مگر دراصل یہ صِرف "لفظوں اور ناموں اور خاص تُمہاری شریعت" کا مُعاملہ تھا ۔ صُوبہ دار کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ ایسی باتوں کا "مُنصِف" بنے ۔ چنانچہ اُس نے مُقدّمہ خارج کر دیا ۔

۱۸: ۱۷ ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یُونانیوں نے "سوستھنیس" کو اِس لئے مارا کہ وُہ ایسا ہلکا اِلزام لگا کر پَولُس کو گلیّو کی عدالت میں لایا تھا ۔ "گلیّو نے اِن باتوں کی کچھ پروا نہ کی" ۔ مُراد یہ نہیں کہ اُسے خوشخبری سے کچھ دِلچسپی نہ تھی ، حالانکہ یہ بات بھی دُرست ہے ، دراصل وُہ یہُودی شریعت اور رسم و رواج میں ملوث ہونا نہیں چاہتا تھا ۔

۱۸: ۱۸ ۔ اِن واقعات کے بعد بھی "پَولُس بہُت دِن" کُرِنتھُس میں رہا ۔ شاید اِسی دوران اُس نے تھِسلُنیکیوں کے نام دُوسرا خط لِکھا ۔

بالآخر جب وُہ کُرِنتھُس سے "رُخصت ہُوا" تو "پرِسکلہ اور اَکوِلہ" اُس کے ساتھ تھے ۔ وُہ جہاز پر سُوریہ کو روانہ ہُوا ۔ اُس کا ارادہ تھا کہ دوبارہ انطاکیہ جائے ۔ تبصرہ نگاروں میں اِس بات پر اِختلاف پایا جاتا ہے کہ جس نے "کِنخریہ میں سر مُنڈایا" وُہ "پَولُس" تھا یا اَکوِلہ ۔ (ہمارے اُردو ترجمہ میں ایسا ابہام نہیں ہے ۔ اَلفاظ اور بیان کی ترتیب سے صاف واضح ہے کہ وُہ "پَولُس" ہی تھا ۔ مُترجم) ۔ "کِنخریہ" کُرِنتھُس کی مشرقی بندرگاہ تھی ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "مَنّت" کا انداز بالکل یہُودی تھا اور پَولُس جیسے رُوحانی طور سے

پختہ شخص کے لئے مناسب نہیں تھا۔ غالباً اِس مسئلے کا کوئی شافی حل پیش نہیں کیا جا سکتا۔

۱۸: ۱۹-۲۰۔ جب جہاز "اِفسس" میں لنگر انداز ہوا تو پرسکلہ اور اکولہ وہیں قیام کرنے کے اِرادہ سے اُتر گئے۔ پولس نے جہاز کے مختصر سے قیام سے فائدہ اُٹھایا اور "عبادت خانہ میں جا کر یہودیوں سے بحث کرنے لگا"۔ حیرانی کی بات ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ پولس کچھ عرصہ اُن کے پاس ٹھہرے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔

۱۸: ۲۱۔ جہاز روانہ ہونے کو تھا۔ مگر پولس نے وعدہ کیا کہ "اگر خدا نے چاہا تو تمہارے پاس پھر آؤں گا"۔ ابھی تو اُسے "یروشلیم" جانا تھا کیونکہ عید آ رہی تھی۔

۱۸: ۲۲۔ جہاز کا اگلا پڑاؤ "قیصریہ" میں تھا۔ وہاں سے رسول اُتر کر "یروشلیم کو گیا اور کلیسیا کو سلام کر کے اِنطاکیہ میں آیا"۔ اور یہ انطاکیہ میں اُس کا آخری پھیرا ثابت ہوا۔

یوں پولس کا دوسرا تبلیغی دورہ اختتام کو پہنچا۔

ز۔ پولس کا تیسرا بشارتی دورہ

ایشیائے کوچک اور یونان

(۱۸: ۲۳ — ۲۱: ۲۶)

۱۸: ۲۳۔ اِنطاکیہ میں طویل قیام کرنے کے بعد پولس اپنے تیسرے اور وسیع تبلیغی دورہ پر جانے کو تیار ہوا۔ اِس سفر کا بیان ۱۸: ۲۳ سے ۲۱: ۱۶ تک پھیلا ہوا ہے۔

پہلے علاقے جہاں پولس کو جانا تھا "گلتیہ ... اور فروگیہ" تھے۔ رسول ایک ایک کر کے وہاں کی کلیسیاؤں میں گیا "اور شاگردوں کو مضبوط کرتا گیا"۔

۱۸: ۲۴-۲۶۔ اب منظر بدل کر دوبارہ "اِفسس" میں آتا ہے جہاں ہم نے "اکولہ اور پرسکلہ" کو چھوڑا تھا۔ "اپلوس نام ایک ... خوش تقریر" مبشر وہاں آ گیا۔ وہ "کتابِ مقدس" یعنی پرانے عہدنامہ کا "ماہر" تھا۔ پیدائش کے اعتبار سے وہ "اِسکندریہ" کا "یہودی" تھا۔ اِسکندریہ شمالی مصر کا دارالحکومت تھا۔ اگرچہ اپلوس کی منادی میں بڑی قوت تھی اور بڑا جوشیلا تھا لیکن مسیحی ایمان کے بارے میں اُس کا علم قدرے ادھورا تھا۔ اُس نے "یوحنا" بپتسمہ دینے والے کی خدمت کے بارے میں خوب تعلیم پائی تھی اور جانتا تھا کہ "یوحنا" مسیح موعود کی آمد کی تیاری کے لئے اِسرائیلی قوم کو کس طرح توبہ کی طرف بلاتا تھا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُسے مسیحی بپتسمہ یا مسیحی عقیدے کی دوسری باتوں کا کوئی علم نہ تھا۔ جب پرسکلہ اور اکولہ نے عبادت خانے میں اُس کی باتیں

سُنیں تو جان گئے کہ اُسے اگلی تعلیم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وُہ بڑی محبّت سے "اُسے اپنے گھر لے گئے اور اُس کو خُدا کی راہ اور زیادہ صحّت سے بتائی"۔ اِس "خوش تقریر" مُبشّر کے حق میں یہ بات بہت قابلِ تعریف ہے کہ وُہ ایک خیمہ دوز اور اُس کی بیوی سے سیکھنے پر آمادہ ہُوا۔

۱۸: ۲۷، ۲۸۔ وُہ سیکھنے والی رُوح رکھتا تھا۔ اِسی وجہ سے اِفسُس کے "بھائیوں" نے اُس کی خواہش کا احترام کیا اور اُس کی ہمّت بڑھائی۔ وُہ کُرنتھس جا کر کلام کی منادی کرنا چاہتا تھا۔ اِفسُس کے بھائیوں نے اُس کے لئے ایک تعریفی خط لکھ دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وُہ کُرنتھس کے اِیمان داروں کے لئے مددگار ثابت ہُوا، کیونکہ "وُہ کتابِ مُقدّس سے یسُوعؔ کا مسیح ہونا ثابت کر کے بڑے زور شور سے (کُرنتھس کے) یہُودیوں کو علانیہ قائل کرتا رہا"۔

۱۹: ۱۔ جب پَولُس پہلی دفعہ "اِفسُس" گیا تھا تو اُس نے یہُودیوں سے وعدہ کیا تھا کہ خُدا نے چاہا تو مَیں پھر آؤں گا۔ اِس وعدے کو پُورا کرنے کے لئے وُہ گلتیہ اور فرُوگیہ کے علاقے سے روانہ ہو کر اور اندرُونِ مُلک جانے والی اور پہاڑی علاقے میں سے گزرنے والی شاہراہ پر سفر کرتا ہُوا "اِفسُس" پہنچا۔ یہ شہر رُومی صوبہ دار کے زیرِ انتظام ایشیا کے مغربی ساحل پر واقع تھا۔ وہاں اُس کی مُلاقات کئی آدمیوں سے ہُوئی جو کہتے تھے کہ ہم "شاگرد" ہیں۔ اُن سے گفتگو کے دَوران پَولُس کو معلُوم ہُوا کہ مسیحی اِیمان کے بارے میں اُن کا اِیمان ادھُورا اور ناقص ہے۔ اُسے شک پڑ گیا کہ آیا اِن کو کبھی رُوحُ القُدس بھی مِلا ہے یا نہیں۔

۱۹: ۲۔ چُنانچہ اُس نے اُن سے پُوچھا کہ "کیا تُم نے اِیمان لاتے وقت رُوحُ القُدس پایا؟" اِس آیت میں یہ تصوّر نہیں کہ رُوحُ القُدس فضل کا کوئی ایسا کام ہے جو نجات کے بعد ہوتا ہے۔ جُونہی کوئی گنہگار نجات دہندہ کا یقین کرتا اور اِیمان لاتا ہے وُہ رُوحُ القُدس پاتا ہے۔

اِن شاگردوں کا جواب یہ تھا کہ "ہم نے تو سُنا بھی نہیں کہ رُوحُ القُدس نازل ہُوا ہے"۔ چونکہ یہ آدمی یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کے شاگرد تھے (آیت ۳) اِس لئے اُن کو پُرانے عہدنامہ سے "رُوحُ القُدس" کا علم ہونا چاہئے تھا۔ اِتنا ہی نہیں، بلکہ یُوحنّا اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا تھا کہ جو میرے بعد آتا ہے وُہ رُوحُ القُدس سے بپتسمہ دے گا۔ جس بات کا اِن شاگردوں کو علم نہیں تھا، یہ تھی کہ پنتکُست کے دِن رُوحُ القُدس دِیا جا چُکا تھا۔

۱۹: ۳، ۴۔ رسُول نے بپتسمہ کا سوال اُٹھایا تو معلُوم ہُوا کہ یہ آدمی صِرف "یُوحنّا کے بپتسمہ" سے واقف ہیں۔ دُوسرے لفظوں میں اُن کو صِرف اِتنا ہی علم تھا کہ مسیحِ موعُود آنے والا ہے۔ اور اُنہوں نے تیاری کی خاطر "توبہ کا بپتسمہ" لیا تھا کہ جب مسیحِ موعُود آئے گا تو ہم اُس کو بادشاہ قبُول کریں گے۔

اُن کو تاحال خبر نہ تھی کہ "مسیح" مُؤا، دفن ہُؤا اور مُردوں میں سے زندہ ہو کر واپس آسمان پر بھی جا چُکا ہے، اور کہ اُس نے رُوح القدس نازل کیا ہے۔ "پولس" نے یہ ساری باتیں اُن کو بتائیں اور سمجھائیں۔ پھر اُن کو یاد دِلایا کہ "یوحنا" نے صِرف "توبہ کا بپتسمہ" دِیا تھا۔ پھر کہا کہ اَب "یسوع (مسیح) پر ایمان لانا"۔

۱۹: ۵۔ "اُنہوں نے یہ سُن کر خُداوند یسوع کے نام کا بپتسمہ لیا"۔ اعمال کی کتاب کے شروع سے آخر تک زور یسوع کی خُداوندیت پر ہے۔ اِس لئے یہاں یوحنا کے شاگردوں کو "یسوع کے نام کا بپتسمہ" دِیا گیا۔ یہ علانیہ اقرار تھا کہ وُہ اپنی زندگیوں میں یسوع مسیح کو خُداوند مانتے ہیں۔

۱۹: ۶، ۷۔ "جب پولس نے اُن پر ہاتھ رکھے تو رُوح القدس اُن پر نازل ہُؤا"۔ اعمال کی کتاب میں یہ چوتھا واضح واقعہ ہے جب "رُوح القدس" عطا کیا گیا۔ پہلا باب ۲ میں ہے، جب پنتکُست کے دِن رُوح القدس نازل ہُؤا۔ اِس میں بُنیادی طور پر یہودی شامل تھے۔ دُوسرا واقعہ باب ۸ میں ہے، جب پطرس اور یوحنا کے ہاتھ رکھنے سے سامریوں پر رُوح القدس نازل ہُؤا۔ تیسرا واقعہ باب ۱۰ میں ہے جب یافہ میں کرنیلیُس کے گھرانے پر یہ فضل ہُؤا۔ ہم پہلے بھی بتا چُکے ہیں کہ ہر واقعہ میں "رُوح القدس" کے پانے کے واقعات کی ترتیب الگ الگ ہے۔ یہاں باب ۱۹ (چوتھا واقعہ) میں ترتیبِ واقعات یوں ہے:

ایمان ——— دوبارہ بپتسمہ ——— رسُولوں کا ہاتھ رکھنا ———

"رُوح القدس" کا پانا ———

پولس کے ہاتھ رکھنے سے یوحنا کے شاگردوں کو "رُوح القدس" دے کر خُداوند نے بعد میں اُٹھنے والے اِس اعتراض کی پیش بندی کر دی کہ پولس کسی طرح پطرس، یوحنا یا کسی دُوسرے رسُول سے کم تر ہے۔

جب یوحنا کے شاگردوں کو رُوح القدس ملا تو "وُہ طرح طرح کی زبانیں بولنے اور نبوت کرنے لگے"۔ نیا عہدنامہ دِئے جانے سے پیشتر کے زمانے میں خُدا کا یہ طریقہ تھا کہ ایسی فوق الفطرت قوتیں دیتا تھا۔ آج ہم ایمان لاتے وقت "رُوح القدس" پاتے ہیں۔ نئے عہدنامہ کے صحائف اِس پر گواہی دیتے ہیں۔

جس لمحہ کوئی شخص خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لاتا ہے، اُسی لمحہ رُوح القدس اُس کے اندر سکونت کرنے لگتا ہے، اُس پر پاک رُوح کی مُہر ہو جاتی ہے، اُس کو رُوح بیعانہ میں مِل جاتا ہے۔ اُس کو رُوح القدس کا مسح حاصل ہوتا ہے اور وُہ رُوح کے بپتسمہ سے مسیح کے بدن میں شامل ہو جاتا ہے۔ البتہ اِن باتوں سے یہ اِنکار مقصُود نہیں کہ بعد میں ایماندار کی زندگی میں رُوحانی بُحران نہیں آتے۔ اِس بات سے بھی اِنکار نہیں کہ بعض اوقات افراد پر رُوح خاص خاص طریقے سے نازل ہوتا ہے، اُن کو خاص خاص خِدمات کی توفیق عطا کرتا ہے، اُن کو ایمان میں جُرأت اور دلیری بخشتا ہے، اور لوگوں کے لئے ہمدردی اُن پر اُنڈیلتا ہے۔

۱۹: ۸- پَولُس اِفسُس کے "عبادت خانہ میں جا کر تین[۳] مہینے تک دلیری سے بولتا اور خُدا کی بادشاہی کی بابت بحث کرتا اور لوگوں کو قائل کرتا رہا"۔ "بحث کرنے" سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ رسُول لوگوں کے ذہن اور عقل کو مخاطب کرتا تھا۔ "قائل کرنا" سے مُراد ہے کہ وُہ اُن کے ارادے کو متاثر کرتا تھا تاکہ وُہ ایمان لائیں کہ یسُوع ہی مسیح ہے۔ اُس کی ساری گفتگو کا مرکزی موضُوع "خُدا کی بادشاہی" کی باتیں ہوتا تھا۔

۱۹: ۹، ۱۰- جب یہوُدیوں میں سے بعض "سخت دِل" ہو گئے یعنی اُن کا ذہن اور عقل پَولُس کی باتوں کو قبول کرنے سے اِنکار کرتی تھی اور "نافرمان" ہو گئے یعنی ایمان لانے کا ارادہ نہیں کرتے تھے، جب وُہ "لوگوں کو پَولُس کے خِلاف اُبھارنے لگے اور اِس طریق" کو "بُرا کہنے لگے تو پَولُس نے عبادت خانے سے کنارہ کر لیا، اور "شاگردوں کو" یہوُدیوں سے "الگ کر لیا"۔ وُہ اُنہیں "ترنُّس کے مدرسہ" میں لے گیا۔ یہاں اُسے اُن کو "ہر روز تعلیم دینے کی آزادی تھی۔ عام خیال کے مُطابق "ترنُّس" یُونانی تھا۔ وُہ فلسفہ اور علمِ بیان کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ "دو[۲] برس تک" رسُول شاگرد بناتا اور اُنہیں دُوسروں کو تعلیم دینے کے لئے بھیجتا رہا۔ اِس کے نتیجے میں "آسیہ کے رہنے والوں، کیا یہوُدی کیا یُونانی سب نے خُداوند کا کلام سُنا"۔ اِس طرح پَولُس کے لئے ایک بڑا اور مؤثر دروازہ کُھل گیا، حالانکہ مُخالفین بھی بہُت تھے (۱-کرنتھیوں ۱۶: ۹)۔

۱۹: ۱۱، ۱۲- "پَولُس" یسُوع مسیح کا شاگرد تھا۔ اُس کو نشان اور عجیب کام دِکھانے کی توفیق اور قُوّت حاصِل تھی۔ یہ اُس کی رسالت کا ثبوت اور اُس کے پیغام کی تصدیق تھی۔ اُس سے نکلنے والی قُوّت اِتنی بڑی تھی کہ لوگ "رومال اور پٹکے اُس کے بدن سے چُھوا کر لے جاتے تھے۔ جب وُہ "بیماروں پر ڈالے جاتے تھے تو اُن کی بیماریاں جاتی رہتی تھیں اور بُری رُوحیں اُن میں سے نکل جاتی تھیں"۔ سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی اِن معجزات کو دُہرانا ممکن ہے؟ خُدا کا رُوح القُدس اِختیارِ مُطلق رکھتا ہے۔ وُہ جیسا چاہے کر سکتا ہے۔ البتہ یہ ماننا چاہئے کہ رسُولوں اور اُن کے تابعین کو فوق الفطرت قُوّتیں عطا کی گئی تھیں۔ چونکہ آج لغوی معنوں میں ہمارے درمیان 'رسُول' موجُود نہیں اِس لئے یہ اِصرار کرنا بے سُود ہے کہ اُن کے معجزات جاری و ساری ہیں۔

۱۹: ۱۳، ۱۴- جب بھی خدا قدرت کے ساتھ کام کرتا ہے تو شیطان بھی رُکاوٹ ڈالنے اور مُخالفت کرنے کو آموجُود ہوتا ہے۔ جب پَولُس کلام سُنا رہا اور معجزات دِکھا رہا تھا تو اِفسُس میں بعض یہوُدی تھے جو جگہ جگہ جا کر "جھاڑ پھونک کرتے پھرتے تھے"۔ اُنہوں نے یہ طریقہ اِختیار کر لیا کہ "خُداوند یسُوع کا نام" جادُو کے کُلیہ کے طور پر اِستعمال کرتے اور بُری رُوحوں کو نکل جانے کا حُکم دیتے تھے۔ بعض یہوُدیوں کو بُری رُوحیں نکالنے کی قُوّت حاصِل تھی۔ اِس بات کو خُداوند یسُوع نے بھی تسلیم کیا تھا (لُوقا ۱۱: ۱۹)۔

اِن جادُوگر یہوُدیوں میں سِکوا کے سات بیٹے بھی شامل تھے۔ اِس شخص کو "سردار کاہن" مقرر

رکھا گیا تھا۔ ایک دِن اُس کے بیٹے کسی میں سے بدرُوح کو نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُنہوں نے بدرُوح سے کہا "جس یسوع کی پولُس منادی کرتا ہے مَیں تم کو اُسی کی قسم دیتا ہُوں"۔

۱۹: ۱۵، ۱۶۔ اُنہوں نے الفاظ تو ادا کر دِئے لیکن اُن کو قوّت حاصل نہ تھی لہٰذا بدرُوح نے تعمیل نہ کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ "بُری رُوح" کا جواب بہت آنکھیں کھولنے والا تھا۔ "یسوع کو تو مَیں جانتی ہُوں اور پولُس سے بھی واقف ہُوں مگر تم کون ہو؟"

یہ کیسی دِلچسپ بات ہے کہ پاک کلام "بُری رُوح" اور "وہ شخص جس پر بُری رُوح تھی" (آیت ۱۶) دونوں میں بہت عُمدہ اِمتیاز کرتا ہے۔ اُن کو الگ الگ کرتا ہے۔ آیت ۱۵ میں بُری رُوح بولی۔ لیکن آیت ۱۶ میں "وہ شخص جس پر بُری رُوح تھی" خُود کُود کر سِکوا کے بیٹوں پر جا پڑا اور دونوں پر غالب آیا۔ اُن کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اُن کو زخمی کر دیا۔

۱۹: ۱۷۔ شیطانی قوّتوں کی اِس شکست کی خبر سارے علاقے میں پہنچی تو لوگوں پر ایک عجیب "خوف چھا گیا اور خُداوند یسوع کے نام کی بزرگی ہُوئی"۔ غور کریں، پولُس کے نام کو جلال نہیں مِلا بلکہ پولُس کے نجات دہندہ کو۔

۱۹: ۱۸، ۱۹۔ جادُو کے فن کے ماہرین پر خُدا کے رُوح نے اَیسی قُدرت سے کام کیا کہ بہت سے لوگ مسیح کی طرف رجُوع ہُوئے اور اُنہوں نے "آکر اپنے اپنے کاموں کا اِقرار اور اظہار کیا"۔ یہ کرنے کے بعد اُنہوں نے اپنے ایمان کا عملی مظاہرہ کیا اور "اپنی اپنی (جادُوگری کی) کتابیں اِکٹھی کر کے سب لوگوں کے سامنے جلا دیں"۔ اُن کتابوں کی قیمت "پچاس ہزار روپے" تھی۔ حساب لگانا مُشکل ہے کہ آج کل کے حساب سے کتنی رقم ہو گی، جبکہ افراطِ زر میں ہزاروں گُنا اِضافہ ہو چُکا ہے۔ بات کروڑوں تک پہنچے گی۔

۱۹: ۲۰۔ بُت پرستی کی رسمیں ترک کرنے کے اِس واقعہ کا بہت چرچا ہُوا۔ اور نتیجے میں "خُداوند کا کلام زور پکڑ کر پھیلتا اور غالب ہوتا گیا"۔ اگر آج کے مسیحی بھی اپنی گھٹیا کتابوں اور رسالوں کو جلا ڈالیں تو خُدا کا کلام یقیناً غالب ہوتا جائے گا۔

۱۹: ۲۱۔ اِفسس میں پولُس کے قیام کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ اُس نے اِرادہ کیا کہ "مکِدُنیہ اور اخیہ سے ہو کر یرُوشلیم کو جاؤں گا"۔ اِس کے بعد "رومہ" بھی دیکھنا ضرُور ہے۔ اُس کا محبّت اور ہمدردی بھرا عظیم دِل ہمیشہ اُن مراکز تک پہنچنے کی کوشش کرتا تھا جہاں خوشخبری کا پَودا لگایا جا سکے اور جہاں سے وہ آگے پھیل سکے۔

۱۹: ۲۲۔ اُس نے "تیمتھیُس اور اِراستُس کو اپنے آگے مکِدُنیہ" بھیجا۔ مگر "آپ کچھ عرصہ آسیہ

میں رہا"۔ غالباً یہی زمانہ تھا جب اُس نے کرنتھیوں کو پہلا خط لکھا (تقریباً ۵۶ء)۔

۱۹: ۲۳-۲۷- پَولُس کی خدمت کے نتیجے میں بہت سے اِفسی اپنے بتوں کو چھوڑ کر خداوند کی طرف رجوع ہوئے۔ شہر میں روحانی بیداری ایسے وسیع پیمانے پر پھیلی کہ بت تراشوں کا بازار مندا پڑ گیا۔ جو اِس مندے کی زد میں آئے اُن میں سے ایک شخص "دیمیتریُس نام ایک سُنار" بھی تھا۔ وہ "ارتمس[1] دیوی کے رُوپہلے مندر" بنایا کرتا تھا۔ اِس موقع پر دیمیتریُس نے اپنے ہم پیشہ سارے افراد کو اکٹھا کیا اور اُن کو اُبھارا کہ رسولوں کے خلاف کوئی فیصلہ کُن اِقدام کریں۔ وہ اُن کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہا کہ "پَولُس" لوگوں کو اِس بات پر قائل کرنے میں کامیاب رہا ہے کہ "جو ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں وہ خدا نہیں ہیں"۔ اُس نے اپنی اصل نیت کا اِظہار کرتے ہوئے کہا کہ "ہمارا پیشہ بے قدر ہو جائے گا"۔ ہمارا کاروبار تباہ ہو جائے گا۔ مزید برآں اُس نے اِسے مذہبی رنگ دینے کی کوشش بھی کی اور ظاہر کرنے لگا کہ اُسے ارتمس اور اُس کے مندر سے بڑی عقیدت ہے۔

۱۹: ۲۸-۳۱- سُناروں کے اِس اجلاس نے فوراً عوامی ہنگامہ اور بلوہ کی صورت اختیار کر لی اور "تمام شہر" اِس میں ملوث ہو گیا۔ تمام لوگ چلا چلا کر کہنے لگے "اِفسیوں کی ارتمس بڑی ہے!" پھر اُنہوں نے "پَولُس" کے دو[2] "ہم سفر" ساتھیوں "گیُس اور ارِسترخُس ... کو پکڑ لیا اور ایک دل ہو کر تماشاگاہ (اکھاڑا یا بڑا اسٹیڈیم) کو دَوڑے"۔ بے شک اُن کا ارادہ اِن دونوں کو جان سے مار ڈالنے کا تھا۔ "پَولُس خود مجمع میں جا کر بات کرنا چاہتا تھا مگر "شاگردوں" اور "آسیہ کے حاکموں" (منتخب افسران) نے بھی اُسے ایسا کرنے سے روکا۔ (یہ حاکم دیوی دیوتاؤں کے اعزاز میں اپنے پلّے سے خرچ کر کے تہواروں اور میلوں کا اہتمام کیا کرتے تھے) شہر کے یہ مُربّی "پَولُس" کے دوست بن گئے تھے۔ اُنہوں نے اُسے سمجھایا کہ تمہارا تماشاگاہ میں داخل ہونا نہایت غیر دانشمندانہ اِقدام ہو گا۔

۱۹: ۳۲- اِس وقت تک مجمع بالکل بے قابو ہو گیا تھا۔ اکثر لوگوں کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ ہم یہاں آئے کیوں ہیں۔ ہر طرف سے متضاد آوازیں آ رہی تھیں۔ ہر طرف بے ہنگم شور اور چیخم دھاڑ مچی ہوئی تھی۔

۱۹: ۳۳-۳۴- "اِسکندر" نام ایک یہودی نے آگے بڑھ کر مجمع سے خطاب کرنا چاہا۔ یقیناً اُس کا مقصد یہ تھا کہ یہودیوں کا دفاع کرے کہ اِس سارے معاملے میں وہ بے گناہ ہیں۔ لیکن "جب اُنہیں معلوم ہوا کہ یہ یہودی ہے" تو اُنہوں نے اِحتجاج کے شور سے آسمان سر پر اُٹھا لیا اور "کوئی دو[2] گھنٹے

---

[1] یہ بے شمار چھاتیوں والی باروری کی دیوی تھی۔

تک چلاتے رہے کہ افسیوں کی اَرتمس بڑی ہے"۔

۱۹: ۳۵۔ اِس نازک موقع پر "شہر کا مُحرّر لوگوں کو" خاموش کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس کی تقریر کا لُبِ لُباب یہ تھا کہ اِفسیوں کو کسی بات سے ڈرنے گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ سب جانتے ہیں کہ "افسیوں کا شہر بڑی دیوی اَرتمس کے مندر اور اُس مُورت کا مُحافظ ہے"۔ اگرچہ ایشیا کے تیرہ[۱۳] شہر اِس مَندر میں دِل چسپی رکھتے تھے، لیکن اِس مُقدّس عمارت کی حفاظت اِفسیوں کی مُقدّس ذِمّہ داری تھی۔ مزید برآں اُن کو "اَرتمس کی مُورت" کی حفاظت کرنے کا اِعزاز بھی حاصل تھا۔ مانا جاتا تھا کہ یہ مُورت آسمان سے گری تھی۔

۱۹: ۳۶--۴۰۔ یہ دلیل دیتے ہُوئے کہ اِفسیوں کی مذہبی بُنیاد مُستحکم ہے اور کوئی بات اَرتمس کی عبادت کا تختہ نہیں اُلٹ سکتی مُحرّر نے لوگوں کو بتایا کہ اَیسا ہنگامہ کرنا نادانی ہے۔ آخر جن آدمیوں کے خلاف وُہ نعرہ بازی کر رہے تھے وُہ "نہ مَندر کو لُوٹنے والے ہیں نہ ہماری دیوی کی بدگوئی کرنے والے ... اگر دیمیتریُس اور اُس کے ہم پیشہ" افراد کو کسی سے کوئی جائز شکایت ہے "تو عدالت کھُلی ہے، اور صُوبہ دار" اُن کی شکایت سُننے کو "موجود ہے"۔ اگر لوگوں کو کوئی اَور شکایت ہے یا فیصلہ طلب مسئلہ درپیش ہے "تو باضابطہ مجلس میں فیصلہ ہو گا"۔ مگر وُہ تو بلوائیوں کی طرح بے ہنگم جمع ہو گئے تھے۔ اور رومی سلطنت ایسی کارروائیوں کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی۔ اور اگر اِس بلوہ کے بارے میں جواب طلبی ہو جائے تو کوئی اپنا دِفاع نہیں کر سکے گا۔ مزید برآں شہر کا مُحرّر جانتا تھا کہ اگر اِس قسم کے بلوہ کی خبر روم پہنچ گئی تو میری مُلازمت بلکہ جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔

۱۹: ۴۱۔ اَب مجمع ٹھنڈا ہو چُکا تھا۔ اُس نے "مجلس کو برخاست کیا" اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چل دِئے۔

> "عجیب بات ہے کہ مجمع کے بلوہ نے نہیں بلکہ امن و امان کی خاطر شہر کے مُحرّر کی تقریر نے اِفسُس شہر میں پَولُس کی خِدمت کو روک دیا۔ جب تک صحت مند مخالفت کا وجود تھا پَولُس محسوس کرتا رہا کہ اِفسُس میں مواقع کا دروازہ کھُلا ہُوا ہے (۱۔کرنتھیوں ۱۶: ۸، ۹)۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب سرکاری مُحافظت آموجود ہُوئی تو پَولُس وہاں سے آگے بڑھ گیا۔"

لفظ "مجلس" (آیت ۳۲، ۳۹، ۴۱) یُونانی کے لفظ "اکلیسیا" (ekklesia) کا ترجمہ ہے اور جس کا مفہوم ہے بُلائے ہُوئے یا الگ کئے گئے لوگوں کی جماعت۔ نئے عہدنامہ کے

دُوسرے حِصّوں میں اِسی لفظ کا ترجمہ کلیسیا کیا گیا ہے۔ خواہ اِس لفظ سے جیسا کہ یہاں ہے مُراد بُت پرست مجمع ہو، یا اِسرائیل کی جماعت جیسا کہ اعمال ۷: ۳۸ میں ہے یا نئے عہدنامہ کی کلیسیا، اصل مطلب کا تعیّن سیاق و سباق سے کیا جائے گا۔ اِکلیسیا کا بہتر ترجمہ جماعت (یا اسمبلی) ہے، کلیسیا نہیں۔ لفظ "چرچ" بمعنی کلیسیا یُونانی کے لفظ kuriake سے آیا ہے جس کا مطلب ہے "خُدا کی ملکیت ہونا"۔ جدید اِستعمال میں اِس کا مفہُوم ایک مذہبی عمارت (اُردو میں۔ کلیسیا) بھی ہے۔ اِسی لئے بہُت سے مسیحی لفظ 'جماعت' یا اسمبلی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اِس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ کلیسیا (چرچ) بُلائے ہُوئے یا الگ کئے گئے لوگوں کا گروہ ہے کوئی عمارت یا فرقہ نہیں۔

۲۰: ۱۔ اِس آیت سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پَولُس رسُول اِفسُس سے سیدھا "مکِدُنیہ" آیا۔ لیکن ۲۔ کرِنتھیوں سے پتہ چلتا ہے کہ وُہ پہلے تروآس کو گیا۔ وہاں اُس کو انجیل سُنانے کے لئے دروازہ کُھلا ملا۔ لیکن وُہ طِطُس سے ملنے اور اُس سے معلُوم کرنے کا آرزُومند تھا کہ اہلِ کرِنتھُس نے میرے پہلے خط کو کیسے قبُول کیا ہے۔ جب اُسے طِطُس تروآس میں نہ ملا تو اُس نے شمال مشرق کی طرف سے بحیرۂ اخضر کو پار کیا اور "مکِدُنیہ" میں آگیا۔ وُہ یقیناً نیاپلِس میں جہاز سے اُترا پھر اندرُونِ مُلک کو سفر کر کے فلپّی پُہنچا۔ جب وُہ "مکِدُنیہ" کے علاقے میں غالباً فلپّی میں تھا تو اُس کی مُلاقات طِطُس سے ہُوئی۔ اور کرِنتھُس کے بارے میں خبروں سے اُس کی بہُت دِل جمعی اور حوصلہ افزائی ہُوئی۔ غالباً اِس موقع (۵۶ء؟) پر اُس نے کرِنتھیوں کو دُوسرا خط لکھا (دیکھئے ۲۔ کرِنتھیوں ۱: ۸، ۹؛ ۲: ۱۲-۱۴؛ ۷: ۵-۷)۔

۲۰: ۲-۳ الف۔ مکِدُنیہ میں کچھ عرصہ خدمت کرنے کے بعد پَولُس جنُوب کی طرف "یُونان" یا "اخیہ" کو روانہ ہُوا۔ اِس علاقے میں اُس کا قیام تین مہینے تک رہا۔ بلاشُبہ زیادہ دیر وُہ کرِنتھُس میں قیام پذیر رہا اور اِسی عرصے کے دَوران اُس نے رومیوں کی کلیسیا کو خط لکھا۔ بعض عُلما کو یقین ہے کہ گلتیوں کو بھی اِسی عرصے کے دَوران لکھا تھا۔

۲۰: ۳ ب۔ اصل میں پَولُس کا منصُوبہ یہ تھا کہ کرِنتھُس سے روانہ ہو کر بحیرہ اخضر کو پار کر کے سُوریہ جائے۔ مگر جب اُسے پتہ چل گیا کہ یہودی سازِش کر رہے ہیں کہ اِس راستے پر کسی مقام پر مُجھے ہلاک کر دیں تو اُس نے منصُوبہ تبدیل کر کے پھر شمال کا رُخ کیا اور دوبارہ "مکِدُنیہ" میں سے گزرا۔

۲۰: ۴۔ اِس موقع پر ہمارا تعارُف پَولُس کے چند ہم سفر ساتھیوں سے کرایا گیا ہے۔ بیان ہوتا ہے کہ وُہ "آسیہ تک اُس کے ساتھ گئے"۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ اِن میں سے چند ایک اُس کے ساتھ رُوم تک بھی گئے۔

—— "بیریّہ کا سوپترُس" ۔ غالباً یہ وُہ شخص تھا جس کا ذِکر رومیوں ۱۶ : ۲۱ میں سوسیپطرس کے نام سے کیا گیا ہے اور جو پَولُس کا رِشتہ دار تھا۔

—— "اَرِسترخُس" ۔ یہ تھسلُنیکے کا باشندہ تھا۔ اِفسُس کے ہنگامہ (اَعمال ۱۹ : ۲۹) میں اِس کی جان بال بال بچی تھی۔ بعد میں ہم پڑھتے ہیں کہ روم میں یہ پَولُس کے ساتھ قید بھی تھا (فلیمون ۲۴؛ کُلسّیوں ۴ : ۱۰) ۔

—— "سِکُندُس" ۔ یہ بھی تھسلُنیکے کا باشندہ تھا۔ وُہ پَولُس کے ساتھ آسیہ تک اور غالباً ترواَس یا مِلیتے تک بھی گیا۔

—— "گیُس" ۔ یہ "دِربے" کا رہنے والا تھا۔ اِس کو مکِدُنی گیُس کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہئے جس کو اِفسُس کے بلوائیوں نے پکڑ لیا تھا (اعمال ۱۹ : ۲۹) ۔ ایک اور گیُس کا ذِکر بھی آتا ہے جو کرنتھس میں رہائش پذیر تھا اور پَولُس کے وہاں قیام کے دَوران اُس کا میزبان رہا (رومیوں ۱۶ : ۲۳)۔ یُوحنّا کا تیسرا خط گیُس نام ایک آدمی کو لکھا گیا تھا جو اِفسُس کے قریب کسی شہر میں رہتا تھا۔ گیُس ایک مقبولِ عام نام تھا۔

—— "تیمُتھیُس" ۔ یہ شخص نہ صرف "آسیہ تک" پَولُس کے "ساتھ گیا" بلکہ اُس کی پہلی گرفتاری اور قید کے دَوران رُوم میں اُس کے ساتھ تھا۔ بعد میں اُس نے پَولُس کے ساتھ آسیہ کے اُس علاقے کا دَورہ کیا جو صُوبہ دار کے زیرِ حکم تھا۔ تیمتھیس کے نام اپنے دُوسرے خط میں پَولُس اُس سے دوبارہ مُلاقات کرنے کی خواہش کا اِظہار کرتا ہے ۔ مگر ہمیں علم نہیں کہ یہ خواہش پُوری ہُوئی یا نہیں ۔

—— "تُخِکُس" ۔ وُہ ایشیائے کوچک کا رہنے والا تھا۔ غالباً مِلیتے تک رسُول کے ساتھ گیا۔ بعد میں وُہ رُوم میں پَولُس سے آملا اور بیان کیا گیا ہے کہ اُس کی دُوسری گرفتاری تک اور قید کے دَوران وُہ پَولُس کے ساتھ محنت اور مُشقّت کرتا رہا۔

—— "تُرُفِمُس" ۔ ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ غیر یہُودی تھا۔ اُس کا گھر ایشیائے کوچک میں اِفسُس شہر میں تھا۔ وُہ پَولُس کے ساتھ یروشلیم گیا اور غیر ارادی طور پر رسُول کی حراست کا باعث بن گیا۔ اِس کا ذِکر ۲۔تیمتھیس ۴ : ۲۰ میں بھی آیا ہے۔

۲۰ : ۵-۶ ۔ لگتا ہے کہ یہ سات بھائی پَولُس کے آگے آگے سفر کر کے "ترواَس" گئے جبکہ پَولُس اور لُوقا فِلپّی میں ٹھہرے ہُوئے تھے۔ (ہمیں یقین ہے کہ لُوقا پَولُس رسُول کے ساتھ تھا کیونکہ آیت ۵ میں اِسم ضمیر "ہماری" اور آیت ۶ میں "ہم" اِستعمال ہُوا ہے)۔ "عیدِ فطیر کے دِنوں کے بعد" یعنی عیدِ فسح کے بعد پَولُس اور لُوقا مکِدُنیہ سے جہاز میں سوار ہو کر "ترواَس" کو روانہ ہُوئے ۔ عام طور سے اِس سفر میں "پانچ دِن" نہیں لگتے تھے ۔ تاخیر کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی۔

۲۰: ۷-۹ - آیت ۶ اور ۷ کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول ارادتاً سات دن تک تروآس میں رکا رہا تاکہ خداوند کے دن "روٹی توڑنے" کے وقت وہاں موجود ہو - آیت ۷ سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور کے مسیحیوں کا دستور تھا کہ "ہفتہ کے پہلے دن" جمع ہوتے تھے تاکہ عشائے ربانی کی رسم ادا کریں -

"پولس ... آدھی رات تک کلام کرتا رہا" - اس بات سے ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوتی - جب کلیسیا کا روحانی درجۂ حرارت بلند ہوتا ہے تو خدا کا روح گھڑیوں کے بندھن سے آزاد ہو کر پوری آزادی سے کام کرتا ہے - رات آگے بڑھتی گئی تو "بالاخانہ" میں گرمی اور حبس میں بھی اضافہ ہوتا گیا - غالباً "بہت سے چراغ" بھی اس اضافے میں اپنا حصہ ادا کر رہے تھے اور لوگوں کی بڑی تعداد کے باعث بھی فضا بوجھل ہو گئی - "اور یوتخس نام ایک جوان (کھلی) کھڑکی میں بیٹھا تھا ... وہ نیند کے غلبہ میں تیسری منزل سے گر پڑا" - اتنی بلندی سے گرنے کے باعث اسے ایسی چوٹ آئی کہ مر گیا -

۲۰: ۱۰ - مگر "پولس اتر کر" نیچے گیا اور اس نوجوان کی لاش سے "لپٹ گیا" - یاد رہے کہ پرانے زمانے کے نبی بھی ایسا کرتے تھے - پھر وہ لوگوں سے کہنے لگا کہ اس معاملے میں کوئی شور و غل نہ کریں کیونکہ اب یوتخس جیتا ہے - پولس کی بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی فکرمندی غیر ضروری تھی کیونکہ وہ جوان مرا نہیں تھا - "اس میں جان ہے" - لیکن آیت ۹ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مر چکا تھا - ایک رسول کی قوت سے کام لیتے ہوئے "پولس" نے اس کی زندگی معجزانہ بحال کی تھی -

۲۰: ۱۱، ۱۲ - پولس بالاخانے میں واپس آیا تو انہوں نے "روٹی توڑی" (آیت ۱۱) - یعنی عشائے ربانی کی رسم ادا کی جس کی خاطر وہ باہم جمع ہوئے تھے (آیت ۷) - اس کے بعد انہوں نے عام کھانا کھایا جس کو ہم "اگاپے[1] کی دعوت" یا "ضیافتِ محبت[2]" یا "رفاقتی کھانا" کہتے ہیں - کلیسیا کے ابتدائی دور میں رفاقتی کھانا عشائے ربانی کے ساتھ ہی کھایا جاتا تھا - لیکن کچھ خرابیاں در آئیں (۱-کرنتھیوں ۱۱: ۲۰-۲۲) اور رفتہ رفتہ یہ طریقہ ترک کر دیا گیا -

رات بھر کی میٹنگ کے بعد پولس نے تروآس کے ایمان داروں کو الوداع کہا - تروآس کے بھائی اس میٹنگ کو ساری عمر نہیں بھولے ہوں گے -

۲۰: ۱۳-۱۵ - تروآس سے پولس "پیدل" روانہ ہوا اور خاکنائے کا بیس[1] میل راستہ

---

[1] خدا کی محبت (agape)   [2] بعض کلیسیائیں ہندی نام "پریم بھوجن" بھی استعمال کرتی ہیں -

پیدل طے کرکے "اُسّس" پہنچا۔ اُس کے ہم سفر ساتھی "جہاز پر" خاکنائے کے گرد چکر کاٹ کر جنوبی طرف وہاں پہنچے اور اُسے بھی جہاز پر چڑھا لیا۔ اُس نے یہ سفر اکیلے اور پیدل طے کیا۔ غالباً وُہ تنہائی میں خدا کے کلام پر غور و خوض کرنا چاہتا تھا۔

ایشیائے کوچک کے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کو (جہاز میں) سفر کرکے پہلے وُہ "مِتُلینے" آئے جو جزیرہ "لسبوس" (Lesbos) کا بڑا شہر تھا۔ اگلی رات کو وُہ جزیرہ "خیُس" کے قریب لنگر انداز ہُوئے۔ ایک دِن کے اَور سفر کے بعد وُہ "سامُس" کے جزیرہ کے سامنے آئے۔ آخر کار یہ مُسافر "میلیتُس" میں آ گئے۔ یہ بندرگاہ ایشیائے کوچک کے جُنوب مغربی ساحل پر افِسُس سے چھتیس ۳۶ میل جنوب میں واقع تھی۔

۲۰: ۱۶۔ "پَولُس" اِرادتاً "اِفِسُس" نہیں گیا بلکہ اُس کے پاس سے گزرنے کا ارادہ کیا کیونکہ اُسے خدشہ تھا کہ وُہ گیا تو زیادہ وقت لگ جائے گا۔ وُہ اِس لئے "جلدی کرتا تھا کہ ... پنتکُست کا دن یروشلیم میں" منائے۔

۲۰: ۱۷۔ "میلیتُس" میں اُترنے کے بعد پَولُس نے "اِفِسُس" کے "بزرگوں" کو کہلا بھیجا کہ آ کر اُس سے ملیں۔ بے شک اُن تک پیغام پہنچنے میں، اور پھر اُن کے جُنوب کو سفر کرکے آنے میں کافی وقت لگ گیا۔ تاہم اُن کو اِس کا بڑا اجر مِلا کہ اُس عظیم رسُول کی زُبان سے ایک شاندار پیغام سُن سکے۔ اِس پیغام میں اُس نے خُداوند یسُوع مسیح کے ایک مثالی خادم کی بہُت عُمدہ تصویر پیش کی ہے۔ ہمیں ایک ایسا آدمی نظر آتا ہے جو دل و جان سے دیوانگی کی حد تک مسیحؔ کے لئے وقف تھا۔ وُہ وقت، بے وقت محنت میں لگا رہتا تھا۔ وُہ اَن تھک، مستعِد اور کسی سے نہ دبنے والا کارِندہ تھا۔ سچی حلیمی اور انکساری اُس کا طرۂ امتیاز تھا۔ وُہ اپنے مقصد کے لئے ہر قیمت ادا کرنے کو تیار تھا۔ اُس کی خدمت بڑے رُوحانی بوجھ کا نتیجہ تھی۔ وُہ پاکیزہ بے خوفی اور جُرأت کا مالک تھا۔ اُس کے لئے مرنا اور جینا کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اہمیت تھی تو اِس بات کو کہ خُدا کی مرضی پُوری ہو اور سارے انسان خوشخبری سُنیں۔ وُہ اپنے ہر کام میں بے غرض اور بے لوث تھا۔ وُہ لینا نہیں بلکہ دینا پسند کرتا تھا۔ وُہ مُشکلات سے نہ گھبراتا تھا نہ ڈرتا تھا۔ جِس بات کی منادی کرتا تھا اُس پر عمل بھی کرتا تھا۔

۲۰: ۱۸، ۱۹۔ رسُول نے اِفِسُس کے بزرگوں کو یاد دِلایا کہ "مَیں ... ہر وقت تمہارے ساتھ کِس طرح رہا"۔ "پہلے ہی دِن سے کہ" اُس نے "آسیہ میں قدم رکھا" اُس کی زِندگی کا انداز کیا تھا۔ "وُہ کمال فروتنی سے ... خُداوند کی خدمت کرتا رہا"۔ اُس نے خُود انکاری کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ خدمت کے سِلسلے میں اُس کے دِل پر متواتر ایک بوجھ رہتا تھا۔ اُس نے غم میں اور "آزمائشوں" میں "آنسو"

بہائے۔ "یہودیوں کی سازش کے سبب" اُس نے مسلسل دُکھ اور ظلم سہے۔ مگر تمام ناموافق حالات کے باوجود اُس کی خدمت میں جرأت اور بے باکی تھی۔

۲۰: ۲۰-۲۱۔ پولس نے اِفسیوں سے کسی ایسی چیز کا دریغ نہیں کیا، کوئی ایسی بات بچا کر نہیں رکھی جو اُن کی رُوحانی ترقی اور فلاح کے لئے ضروری تھی۔ وُہ اُن کو "علانیہ اور گھر گھر (جا کر) سکھانے سے کبھی نہ جھجکا"۔ مسیح کی محبت اُسے مجبور کرتی تھی۔ اُس کے لئے ضروری نہ تھا کہ مقررہ وقفوں کے بعد میٹنگیں کراتا، بلکہ وُہ ہر موقع سے فائدہ اُٹھاتا تھا تاکہ ایمان داروں کی حوصلہ افزائی اور ترقی کرے۔ وہ قومیت یا مذہبی پس منظر کی بُنیاد پر کسی سے امتیازی رویہ روا نہیں رکھتا تھا۔ وُہ سب کے سامنے گواہی دیتا تھا کہ "خُدا کے سامنے توبہ کرنا اور ہمارے خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لانا چاہئے"۔ انجیل کے دو بنیادی عنصر ہیں۔ حقیقی تبدیلی کے ہر واقعہ میں "توبہ" اور "ایمان" دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہ انجیل کے سکّہ کی دو طرفیں ہیں۔ جب تک کوئی شخص سچی توبہ نہیں کرتا نجات بخش ایمان ناممکن ہے۔ دوسری طرف "توبہ" اُس وقت تک بے فائدہ ہوگی جب تک ساتھ خُدا کے بیٹے پر "ایمان" نہ لایا جائے۔ "توبہ" کا مطلب ہے پُورے طور پر رُخ پھیر لینا۔ اِس طرح گنہگار تسلیم کرتا ہے کہ مَیں کھویا ہُوا ہُوں اور اپنے قصور کیلئے خُدا کی عدالت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ "ایمان" کا مطلب ہے اپنے آپ کو یسوع مسیح کے سپرد کر دینا کہ وُہی خداوند اور مُنجی ہے۔

نئے عہد کے اکثر حصّوں میں "ایمان" کو نجات کی واحد شرط بیان کیا گیا ہے۔ لیکن "ایمان" میں پہلے تصوّر یہ ہے کہ "توبہ" کی گئی ہے۔ جب تک کسی کو احساس اور شعُور نہ ہو کہ مُجھے نجات دہندہ کی ضرورت ہے وُہ یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ کیسے قبول کر سکتا ہے؟ یہ شعُور رُوح القُدس کی مُجرم ٹھہرانے والی خدمت سے پیدا ہوتا ہے اور "توبہ" پر منتج ہوتا ہے۔

۲۰: ۲۲، ۲۳۔ پولس اِفسیوں کے درمیان اپنے رویّے پر نظرِ ثانی کرنے کے بعد اُن دُکھوں کی طرف دیکھتا ہے جو اُسے پیش آنے کو تھے۔ وُہ کہتا ہے کہ "مَیں رُوح میں بندھا ہُوا یروشلیم کو جاتا ہُوں"۔ اُس کا باطن اُسے مجبُور کر رہا تھا کہ وہاں جائے۔ اگرچہ وُہ نہیں جانتا تھا کہ یروشلیم میں واقعات کیا رُخ اختیار کریں گے تاہم اِتنا ضرور جانتا تھا کہ "قید اور مُصیبتیں ... تیار ہیں"۔ "رُوح القدس ہر شہر میں" اُس کو اِن باتوں کی ہر روز گواہی دیتا رہا تھا۔ شاید یہ گواہی نبیوں کی خدمت سے ملتی تھی یا شاید باطن میں پُراسرار انداز میں خُدا اُسے بتا دیتا تھا۔

۲۰: ۲۴۔ جب پولس اپنے دِل میں اِس منظر پر غور کر رہا تھا تو اپنی جان کا خیال نہیں کرتا تھا۔

اُس کی دِلی خواہش خُدا کی فرمانبرداری کرنا اور اُسے خُوش کرنا تھی۔ اگر ایسا کرتے ہُوئے اُسے اپنی "جان" بھی قُربان کرنی پڑتی تو ایسا کرنے کو تیار تھا۔ جس نے رسُول کے لئے اپنی جان دی اُس کی خاطر کوئی قربانی بھی بڑی نہیں۔ اہمیّت تھی تو صِرف اِس بات کو کہ وُہ اپنی دَوڑ ختم کرے "اور وُہ خِدمت جو خُداوند یسوع سے پائی ہے پُوری کروں یعنی خُدا کے فضل کی خوشخبری کی گواہی دُوں"۔ جس خُوشخبری کی منادی پَولُس کرتا تھا اُس کا بیان اِس سے بہتر الفاظ میں نہیں ہو سکتا، یعنی "خُدا کے فضل کی خوشخبری"۔ یہ کیسا ولولہ انگیز اور سنسنی خیز پیغام ہے کہ خُدا اُن لوگوں پر مہربانی کرتا ہے جو اِس کے بالکل حق دار نہیں بلکہ جو قصُوروار، بے دین اور گُنہگار ہیں، جو صِرف اَبدی جہنم کے لائق ہیں۔ یہ پیغام دیتا ہے کہ خُدا کا عزیز بیٹا آسمان کے ارفع ترین جلال کو چھوڑ کر آیا تاکہ دُکھ اُٹھائے، خُون بہائے اور کلوری پر جان دے تاکہ جو اُس پر ایمان لائیں وُہ گُناہوں کی مُعافی اور اَبدی زِندگی پائیں۔

۲۰: ۲۵-۲۷۔ پَولُس کو یقین تھا کہ وُہ اپنے عزیز افسی بھائیوں کو پھر کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن اُن کو چھوڑتے ہُوئے اُس کا ضمیر صاف تھا کیونکہ وُہ اُن سے "خُدا کی ساری مرضی" بیان کرتا رہا تھا اور اِس میں سے کُچھ بھی پیچھے نہیں رکھا تھا۔ اُس نے اُن کو نہ صِرف خوشخبری کی بُنیادی باتیں بتائیں بلکہ وُہ تمام سچائیاں بھی سکھائیں جو خُدا پرستی کی زِندگی کے لئے ضرُوری ہیں۔

۲۰: ۲۸۔ چونکہ اُس کو معلُوم تھا کہ اُن بھائیوں کو زمین پر دوبارہ نہیں دیکھ پائے گا اِس لئے وُہ بزرگوں کو ایک سنجیدہ ذِمّہ داری دیتا ہے کہ پہلے اپنی رُوحانی حالت کی "خبرداری کرو"۔ جب تک وُہ خُداوند کی رفاقت میں نہیں رہیں گے، اُس وقت تک "سارے گلّہ" کی مناسب گلّہ بانی نہیں کر سکیں گے۔

بزرگوں کا خاص کام یہ تھا کہ "اُس سارے گلّہ کی خبرداری" کریں "جس کا رُوح القُدس نے اُن کو "نگہبان ٹھہرایا" تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا نئے عہدنامہ میں "نگہبانوں" کو 'بزرگ' بھی کہا گیا ہے۔ یہ آیت اِس بات پر زور دیتی ہے کہ بزرگ/نگہبان مقامی جماعت کی طرف سے منتخب یا مُقرر نہیں ہوتے اُن کو "رُوح القُدس" مُقرر کرتا ہے۔ اور جن ایمان داروں کے درمیان وُہ خِدمت کرتے ہیں، چاہئے کہ وُہ اُن کو پہچانیں اور تسلیم کریں۔

دُوسرے کاموں کے عِلاوہ اُن کی ذِمّہ داری یہ بھی تھی کہ "خُدا کی کلیسیا کی گلّہ بانی کریں۔ اِس ذِمّہ داری کی اہمیّت اِن الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے کہ "جسے اُس نے خاص اپنے خُون سے مول لیا"۔ یہ الفاظ بائبل مُقدّس کے عُلما کے درمیان بہت بحث مباحثہ اور اختلافِ رائے کا باعث بنے رہے ہیں۔

مُشکل یہ ہے کہ یہاں یہ تصویر پیش کی گئی ہے کہ "خُدا" نے اپنا "خُون" بہایا حالانکہ "خُدا" رُوح ہے۔ خُون تو خُداوند یسوع نے بہایا تھا اور اگرچہ یسوع خُدا ہے، تاہم بائبل مُقدس کسی اَور جگہ یہ نہیں کہتی کہ "خُدا" نے اپنا خُون بہایا، یا وُہ مُوا۔

مُتعدد نسخہ جات میں یُوں لکھا ہے کہ "کلیسیا ... جسے خُداوند اور خُدا نے خاص اپنے خُون سے مول لیا"، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِشارہ ذاتِ الٰہی کے اُس اُقنُوم (خُداوند) کی طرف ہے جس نے حقیقت میں خُون بہایا تھا۔

۲۰: ۲۹-۳۰۔ پَولُس کو پُورا احساس تھا کہ اُس کے "جانے کے بعد" کلیسیا پر نہ صِرف باہر سے بلکہ اندر سے بھی حملے ہوں گے۔ جھُوٹے اُستاد یعنی بھیڑوں کے بھیس میں "بھیڑیئے" آئیں گے اور گلّے کو بے دردی سے پھاڑیں گے۔ کلیسیا کے اَندر اَیسے افراد ہوں گے جو اعلیٰ عُہدوں کے حُصُول کے لئے سچّائی کو چھوڑ کر "اُلٹی اُلٹی باتیں کہیں گے تاکہ شاگردوں کو اپنی طرف کھینچ لیں"۔

۲۰: ۳۱۔ اِن ڈراؤنے خطرات کے پیشِ نظر بزرگوں کو چاہیئے کہ خبردار رہیں اور ہمیشہ "یاد رکھیں" کہ رسُول کس طرح "تین برس تک رات دِن آنسو بہا بہا کر ہر ایک کو سمجھانے سے باز نہ آیا"۔

۲۰: ۳۲۔ اب پَولُس کی سب سے بڑی تدبیر یہی تھی کہ اُن کو "خُدا اور اُس کے فضل کے کلام کے سپُرد" کرے۔ غور کریں کہ اُس نے اُن کو دُوسرے اِنسانی بزرگوں کے "سپُرد" نہیں کیا۔ نہ اُن کے سپُرد کیا ہے جو رسُولوں کے جانشین ہو سکتے تھے بلکہ اُس نے اُن کو "خُدا" اور بائبل مُقدس کے سپُرد کیا ہے۔ یہ پاک کلام کی زبردست تصدیق ہے کیونکہ یہی ایمان داروں کی "ترقی کر سکتا ہے اور تمام مُقدسوں میں شریک کر کے میراث دے سکتا ہے"۔

۲۰: ۳۳-۳۵۔ پیغام کا اِختتام کرتے ہُوئے پَولُس رسُول نے اپنی خِدمت اور زندگی کے نمُونے کو ایک دفعہ پھر بزرگوں کے سامنے رکھا۔ وُہ پُوری دیانت داری سے کہہ سکتا تھا کہ "مَیں نے کسی کی چاندی یا سونے یا کپڑے کا لالچ نہیں کیا"۔ مالی منافع کی اُمید اُسے خُداوند کے کام کے لئے تحریک نہیں دیتی تھی۔ جہاں تک مالی چیزوں کا تعلق ہے وُہ ضرور غریب تھا۔ لیکن خُدا کے تعلق سے وُہ دولت مند تھا۔ وُہ اپنے ہاتھ اُن کے سامنے بڑھا کر اُن کو یاد دلاتا ہے کہ "اِنہی ہاتھوں" نے محنت اور مشقت کر کے "میری اور میرے ساتھیوں کی حاجتیں رفع کیں"۔ اِتنا ہی نہیں، اُس نے کچھ اَور بھی کیا۔ وُہ ایک خیمہ دوز کے طور پر محنت کرتا اور "کمزوروں" کو سنبھالتا تھا۔ اِس میں دونوں قسم کے "کمزور" شامل ہیں، جو جسمانی لحاظ سے بیمار اور کمزور تھے، اور جو رُوحانی باتوں میں کمزور تھے۔ لازم ہے کہ بزرگ اِن ساری باتوں کو یاد رکھیں اور دُوسروں کی بہتری اور بھلائی کے لئے کوشاں رہیں۔ وُہ زور دے کر کہتا ہے کہ "خُداوند یسوع ... نے خود کہا، دینا لینے سے مبارک ہے"۔

یہ نہایت دِلچسپ بات ہے کہ ہمارے خُداوند یسوعؔ کے یہ الفاظ کسی انجیل میں نہیں مِلتے۔ بے شک یہ الفاظ اُس کی بہُت سی تعلیمات کا نچوڑ پیش کرتے ہیں۔ یہ خُداوند کی باتوں پر ایک الہامی اضافہ ہیں۔

۲۰: ۳۶-۳۸۔ پیغام کے اِختتام پر پولُسؔ نے زمین پر "گھٹنے ٹیکے" اور بزرگوں کے ساتھ "دُعا کی"۔ اُن کے لئے یہ بہُت رنج و غم کا موقع تھا۔ اُنہوں نے اپنی محبّت کا بھرپُور اظہار کیا کہ اُس کے "گلے لگ لگ کر اُس کے بوسے لئے"۔ خاص بات جس نے اُن کو بے حد "غمگین" کیا پولُسؔ کے الفاظ تھے کہ "تم پھر میرا مُنہ نہ دیکھو گے"۔ بھاری دِل کے ساتھ اُنہوں نے پولُسؔ کو "جہاز تک پُہنچایا" تاکہ اپنے یروشلیم کے سفر کو جاری کرے۔

۲۱: ۱-۴ا۔ مِلیتُسؔ سے ایسی محبّت اور شفقت بھری الوداع کے بعد پولُسؔ اور اُس کے ساتھی "کوسؔ" میں آئے اور وہاں رات بسر کی۔ دُوسرے دِن جنُوب مشرق کو آگے بڑھتے ہُوئے "رُدُسؔ" کے جزیرہ پر آئے۔ جزیرہ کے شمالی کونے کو چھوڑ کر اُن کا جہاز مشرق کی سمت چلتا ہُوا "پترہؔ" پُہنچا جو ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل پر لوکیہؔ کی بندرگاہ ہے۔ "پترہ" سے وُہ دُوسرے "جہاز" میں سوار ہُوئے جو "سیدھا فینیکےؔ کو" جا رہا تھا۔ اُس کا راستہ "سُوریہ" کی ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ تھا جس علاقے کا ایک بڑا شہر "صُورؔ" تھا۔ بحیرۂ روم میں سفر کرتے ہُوئے اُن کو "کُپرسؔ" نظر آیا۔ مگر اِس جزیرہ کو وُہ اپنے "بائیں ہاتھ چھوڑ کر" آگے بڑھ گئے۔ سرزمینِ فلستین کی بڑی بندرگاہ "صُورؔ" میں وُہ "اُترے" کیونکہ وہاں جہاز کا مال اُتارنا تھا۔ "پولُسؔ اور دُوسرے مسیحیوں نے وہاں ایمانداروں کو تلاش کیا اور "سات روز وہاں رہے"۔

۲۱: ۴ب۔ اِنہی دِنوں کے دَوران شاگردوں نے "رُوح کی معرفت پولُسؔ سے کہا کہ یروشلیم میں قدم نہ رکھنا"۔ یہاں وُہی سُوال پیدا ہوتا ہے جو مُدتوں سے پُوچھا جاتا رہا ہے کہ کیا "پولُسؔ" جان بُوجھ کر نافرمانی کرکے "یروشلیم میں" جا رہا تھا؟ کیا وُہ انجانے میں خُداوند کے ارادہ کو سمجھنے میں ناکام رہا؟ یا وُہ واقعی خُدا کے ارادہ کے مُطابق وہاں جا رہا تھا؟ آیت ۴ب کو سرسری طور سے پڑھنے سے شاید یہی معلُوم ہو کہ رسُول خودسر اور سرکش تھا اور جان بُوجھ کر رُوح کے خِلاف کام کر رہا تھا۔ لیکن غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ دراصل "پولُسؔ" کو علم نہ تھا کہ یہ آگاہی "رُوح کی معرفت" دی جا رہی ہے۔ تاریخ نویس لُوقاؔ اپنے قارئین کو بتاتا ہے کہ صُور کے اِن شاگردوں کا یہ مشورہ رُوح کی تحریک سے تھا۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ آیا پولُسؔ رسُول کو بھی اِس حقیقت کا پتہ تھا یا نہیں۔ زیادہ قرینِ قیاس یہ معلُوم ہوتا ہے کہ "پولُسؔ" نے اپنے دوستوں کے مشورہ کو اِس بات پر محمُول کیا ہو کہ وُہ اُسے جسمانی اذیت یا موت سے بھی بچانا چاہتے ہیں۔ اُس کو اپنے ہم وطن یہُودیوں سے اِتنی محبّت تھی کہ اُن کے مُقابلے میں وُہ اپنی جسمانی فلاح و بہبُود کو کوئی اہمیّت نہیں دیتا تھا۔

۲۱: ۵-۶- وُہ سات "دِن گزر گئے" تو صُور کے ایمان دار سب اِکٹھے ہو کر اِن مُبشّروں کے ساتھ ساحلِ سمندر تک آئے۔ یہ اُن کی مسیحی محبت کا مُنہ بولتا مظاہرہ تھا۔ کچھ وقت دُعا میں گزارنے اور محبت کے ساتھ الوداع کہنے کے بعد جب جہاز روانہ ہُوا تو یہ ایمان دار "اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے"۔

۲۱: ۷- اَب جہاز "پتلمیس" میں لنگر انداز ہُوا۔ یہ بندرگاہ صُور سے کوئی پچیس ۲۵ میل جنوب میں تھی۔ آج کل اِس کا نام عکّہ ہے جو حیفہ کے نزدیک ہے۔ اِس کا نام بطولمی یعنی بطلیموس کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہاں ایک دِن کے قیام سے خداوند کے خادم کو مقامی "بھائیوں" سے مُلاقات کا موقع مِل گیا۔

۲۱: ۸- "دُوسرے دن" اُن کے بحری سفر کا آخری حصہ شروع ہُوا۔ اب اُن کو تیس ۳۰ میل جنوب میں "قیصریہ" پہنچنا تھا جو شارون کے میدان میں واقع تھا۔ یہاں وُہ "فلپّس مبشّر کے گھر" میں ٹھہرے (اِسی نام کا رسُول الگ شخص ہے)۔ یہ وُہی فلپّس ہے جِس کو یروشلیم کی کلیسیا نے ڈیکن (مُنتظم) ہونے کے لئے چُنا تھا اور جو خوشخبری کا پیغام سامریہ میں لے گیا تھا اور اُسی کی تعلیم سے حبشی خوجے نے نجات پائی تھی۔

۲۱: ۹- فلپّس کی "چار کنواری بیٹیاں تھیں جو نبوّت کرتی تھیں"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کو رُوح القدس سے یہ نعمت مِلی تھی کہ خداوند سے براہِ راست پیغام وصُول کرتی تھیں اور دُوسروں تک پہنچاتی تھیں۔ بعض لوگ اِس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ عورتوں کو کلیسیا میں وعظ کرنے اور تعلیم دینے کی اجازت ہے۔ لیکن عورتوں کو نہایت واضح طور سے منع کیا گیا ہے کہ وُہ مردوں کی مجلس میں نہ وعظ کریں، نہ تعلیم دیں، نہ کوئی عہدہ یا اختیار رکھیں (۱-کرنتھیوں ۱۴: ۳۴-۳۵؛ ۱-تیمتھیس ۲: ۱۱، ۱۲)۔ اِس لئے ہم صِرف اِس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ اِن "چار کنواری بیٹیوں" کی نبوّتی خدمت گھر کے اندر یا دیگر غیر کلیسیائی اجتماع میں ہوتی تھی۔

۲۱: ۱۰، ۱۱- پولُس کے قیصریہ میں قیام کے دوران "اگبُس نام ایک نبی یہودیہ سے آیا"۔ یہ وُہی نبی ہے جس نے یروشلیم سے انطاکیہ میں آ کر کال کی پیشین گوئی کی تھی۔ اور یہ کال کلودیس کے عہدِ حکومت میں پڑا تھا (اعمال ۱۱: ۲۸)۔ اب "اُس نے ... پولُس کا کمر بند لیا اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر" ایک نبوّت کی۔ اپنے سے پہلے کے کئی نبیوں کی طرح اُس نے بھی یہ ڈرامائی انداز اختیار کیا اور ایک لحاظ سے عملاً پیغام پیش کیا۔ پھر اُس نے اِس عمل کا مطلب بیان کیا۔ جیسے اُس نے اپنے "ہاتھ پاؤں" باندھے تھے، "اِسی طرح یہودی یروشلیم میں" پولُس کو "باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کریں گے"۔ پولُس نے جو خِدمت (کمر بند اُس کا نشان تھا) یہودیوں کے درمیان کی اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وُہی اُس کو پکڑوائیں گے۔

۲۱: ۱۲-۱۴- جب قیصریہ کے مسیحیوں اور پولُس کے ساتھیوں نے یہ بات سُنی تو پولُس کی "مِنّت کی کہ یروشلیم کو نہ جائے" لیکن وُہ ان کی فکرمندی کا لحاظ نہ کر سکا- اُن کے آنسوؤں نے صرف اُس کا "دِل توڑنے" کا کام کیا- کیا زنجیروں اور قید کا خوف اُسے وُہ کام کرنے سے روک لے گا جسے وُہ خُدا کی مرضی سمجھتا ہے؟ پولُس اُن کو بتا دینا چاہتا تھا کہ "مَیں تو یروشلیم میں خُداوند یسوع کے نام پر نہ صرف باندھے جانے بلکہ مرنے کو بھی تیار ہُوں"- اُن کی تمام دلیلیں بے سُود ثابت ہُوئیں- وُہ وہاں جانے پر تُلا ہُوا تھا- اِس لئے اُنھوں نے صرف اِتنا کہا کہ "خُداوند کی مرضی پُوری ہو"-

یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ پولُس کے اِلوداعی الفاظ کسی ایسے آدمی نے کہے تھے جو جان بُوجھ کر رُوح القُدس کی ہدایت اور راہنمائی کی نافرمانی کر رہا ہو- ہم جانتے ہیں کہ صُور میں شاگردوں نے اُسے یروشلیم جانے سے منع کیا تھا (آیت ۴)- لیکن کیا پولُس کو علم تھا کہ وُہ رُوح کی معرفت بول رہے تھے؟ اور کیا خُدا نے بعد میں اُس کے سفرِ یروشلیم کی منظُوری نہیں دی تھی جب اُس نے فرمایا کہ "خاطر جمع رکھ کہ جیسے تُو نے میری بابت یروشلیم میں گواہی دی ہے، وَیسے ہی تجھے روما میں بھی گواہی دینا ہوگا" (۲۳: ۱۱)- دو باتیں تو بالکل واضح ہیں- (۱) پولُس کے نزدیک خُداوند کی خدمت میں اُس کی ذاتی حفاظت کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے- (۲) خُداوند نے اُن تمام واقعات کو اپنے جلال کے لئے اِستعمال کیا-

۲۱: ۱۵، ۱۶- قیصریہ سے یروشلیم تک کا پچاس سے زائد میل سفر خشکی کا سفر تھا- اُس زمانے میں ذرائع آمد و رفت کی سست رفتاری کے باعث یہ ایک طویل سفر تھا- پولُس رسُول کے ہم سفروں کی تعداد میں اِضافہ ہو گیا تھا کیونکہ "قیصریہ سے بھی بعض شاگرد اُن کے ساتھ چلے"- اور ایک مسیحی بھائی بنام "مناسون" بھی ساتھ ہو لیا تھا- وُہ آبائی طور سے "کُپرس" کا باشندہ اور "قدیم" شاگردوں میں سے ایک تھا- اب وُہ "یروشلیم" میں رہتا تھا- پولُس کے "یروشلیم" کی طرف آخری سفر کے دَوران مناسون کو رسُول اور اُس کے ہم سفروں کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہُوا-

"یروشلیم" میں آمد کے ساتھ پولُس کے تبلیغی دَورے دراصل اِختتام پذیر ہو گئے- اعمال کی کتاب کے بقیہ حِصّے میں اُس کی گرفتاری، مُقدمہ میں پیشی، روم کے سفر اور وہاں پیشی اور قید کے حالات درج ہیں-

۲۱: ۱۷، ۱۸- "یروشلیم" پہنچے تو "بھائیوں" نے بڑی خُوشی اور گرمجوشی سے پولُس اور اُس کے رفیقوں کا خیر مقدم کیا- اگلے دِن "یعقُوب" اور "سب بزرگوں" کے ساتھ مُلاقات کا بندوبست کیا گیا- ہم کسی طرح بھی معلُوم نہیں کر سکتے کہ یہاں کون سے یعقُوب کی طرف اِشارہ ہے- ہو سکتا ہے یہ خُداوند کا بھائی یعقُوب

ہو یا حلفئی کا بیٹا یعقوب یا اِس نام کا کوئی اَور شخص۔ لیکن زیادہ اِمکان یہی ہے کہ خداوند کا بھائی یعقوب ہو۔

۲۱: ۱۹- ۲۰ ا۔ پولس نے "جو کچھ خدا نے اُس کی خدمت سے غیر قوموں میں کیا تھا مفصّل بیان کیا"۔ اِس بیان سے سب کو بے حد خوشی ہوئی۔

۲۱: ۲۰ ب-۲۲۔ لیکن یہودی بھائیوں کو کچھ اندیشہ تھا۔ یہ بات مشہور کر دی گئی کہ پولس شریعت اور موسوی رسموں کے خلاف تعلیم دیتا ہے۔ اِس کا مطلب تھا کہ یروشلیم میں مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔

پولس پر خاص اِلزام یہ تھا کہ وہ دوسرے ملکوں کے "سب یہودیوں کو یہ کہہ کر موسیٰ سے پھر جانے کی تعلیم دیتا ہے کہ نہ اپنے لڑکوں کا ختنہ کرو نہ موسوی رسموں پر چلو"۔ کیا پولس واقعی یہ سکھاتا تھا؟

وہ یہ تعلیم ضرور دیتا تھا کہ ایمان لانے والوں کی راست بازی کے لئے مسیح شریعت کا انجام ہے (رومیوں ۱۰: ۴)۔ البتہ یہ تعلیم بھی ضرور دیتا تھا کہ مسیح کے آنے کے باعث ایمان لانے والے یہودی شریعت کے ماتحت نہیں رہتے۔ وہ سکھاتا تھا کہ اگر کوئی آدمی راست باز ٹھہرائے جانے کی خاطر ختنہ کراتا ہے تو وہ خود کو مسیح یسوع کی نجات سے دُور کر لیتا ہے۔ وہ سکھاتا تھا کہ مسیح کے آجانے کے بعد عکس اور مثیل کی طرف لوٹنا مسیح کی بے قدری کرنا ہے۔ اِن باتوں کے پیشِ نظر یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ یہودی اُسے خطرہ کیوں سمجھتے تھے۔

۲۱: ۲۳، ۲۴۔ لیکن یروشلیم کے یہودی بھائیوں نے ایک سکیم بنائی۔ اُن کا خیال تھا کہ اِس طرح ہمارے ہم وطن خواہ نجات یافتہ ہوں خواہ نہیں، وہ بھائی پولس کو معاف کر دیں گے۔ اُنہوں نے مشورہ دیا کہ پولس ایک یہودی "منّت" مانے۔ "چار آدمی" پہلے ہی یہ کام کر رہے تھے۔ پولس اُن کے ساتھ شامل ہو جائے، "اپنے آپ کو اُن کے ساتھ پاک کرے" اور اُن کے اخراجات بھی ادا کرے تاکہ سب صاف صاف جان لیں کہ اُس کا شریعت کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

ہمیں معلوم نہیں کہ اِس "منّت" میں کیا کچھ شامل تھا۔ تفاصیل پر گہرا پردہ پڑا ہوا ہے۔ لیکن ہمیں صرف یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ یہ ایک یہودی "منّت" تھی۔ اور اگر یہودی پولس کو اِس کی رسومات ادا کرتے ہوئے دیکھتے تو اُن کو یقین ہو جاتا کہ وہ دوسروں کو موسیٰ کی "شریعت" سے پھر جانے کی تعلیم نہیں دیتا۔ یہودیوں کے لئے یہ ایک نشان ہوتا کہ رسول خود "شریعت" کو مانتا ہے۔

رسول کے اِس یہودی "منّت" کو اپنے اُوپر لینے کے اِس عمل کی حمایت بھی کی گئی ہے اور اِس پر اِعتراض بھی کئے گئے ہیں۔ پولس کے دِفاع یا صفائی میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ وہ خود اپنے اصُول کے مطابق عمل کرتا تھا کہ مَیں سب آدمیوں کے لئے سب کچھ بنا ہوا ہوں تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤں

(۱-کرنتھیوں ۹: ۱۹-۲۲) - دُوسری طرف پَولُس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وُہ یہودیوں کو راضی کرنے کے لئے حد سے آگے نکل گیا اور تاثر یہ پیدا کیا کہ مَیں شریعت کے ماتحت ہُوں - دُوسرے لفظوں میں پَولُس پر اِلزام ہے کہ وُہ اپنے اِس نظریہ کے خِلاف چلا کہ ایمان دار نہ تو راست باز ٹھہرائے جانے کے لئے اور نہ روزمرّہ زِندگی کے معمُولات میں شریعت کے ماتحت ہے (گلتیوں باب ۲، ۱) - ہم اِعتراض کرنے والوں کے ساتھ مُتفق ہونے کا رُجحان رکھتے ہیں - لیکن ساتھ ہی محسُوس کرتے ہیں کہ ہمیں رسُول کی نِسبت پر فیصلہ دینے میں اِحتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے -

۲۱: ۲۵ - یروشلیم کے بھائیوں نے پَولُس کو صلاح دی کہ غیرقوم ایمان داروں پر کوئی آئین وضوابط ٹھونسنے کی ضرُورت نہیں سوائے اُن ضابطوں کے جو یروشلیم کی کونسل نے تجویز کئے ہیں یعنی "وُہ صِرف بُتوں کی قُربانی کے گوشت سے اور لہُو اور گلا گھونٹے ہُوئے جانوروں اور حرامکاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں" -

۲۱: ۲۶ - "پَولُس" نے جو اِقدام کئے آج وُہ پُورے طور پر ہماری سمجھ میں نہیں آتے - اکثر مُفسّرین کا خیال ہے کہ یہ نذارت کی مَنّت تھی - لیکن اگر ایسا بھی تھا ہم اِس رسم کے مختلف مراحل اور اِقدام کو نہیں سمجھتے -

ح - پَولُس کی گرفتاری اور پیشیاں (۲۱: ۲۷ - ۲۶: ۳۲)

۲۱: ۲۷ - ۲۹ - جب مَنّت کے "سارے دِن پُورے ہونے کو تھے" تو یہُودیوں کو راضی کرنے کی پَولُس کی کوشش بے کار ثابت ہُوئی - "آسیہ" کے صُوبے کے بعض اُن "یہُودیوں نے" جو مسیح پر ایمان نہیں لائے تھے، "اُس کو ہیکل میں" دیکھ لیا - اُنہوں نے لوگوں کو بھڑکا کر اُس کے خِلاف ہلچل مچا دی - نہ صِرف اُنہوں نے یہ اِلزام لگایا کہ پَولُس یہُودی "اُمّت اور شریعت" کے خِلاف تعلیم دیتا ہے بلکہ یہ اِلزام بھی لگایا کہ غیر یہُودیوں کو ہیکل کے اندرُونی احاطے میں لا کر ہیکل کو "ناپاک" کرتا ہے - دراصل جو کُچھ ہُوا اُس کی تفصیل یُوں ہے کہ "اُنہوں نے اِس سے پہلے تُرفمُس اِفسی کو پَولُس کے ساتھ شہر میں دیکھا تھا" - تُرفمُس اِفسُس کا ایک غیر یہُودی شخص تھا جو مسیح پر ایمان لے آیا تھا - چونکہ یہُودیوں نے اُن دونوں کو اکٹھے دیکھا تھا اِس لئے اُنہوں نے "خیال کیا کہ پَولُس اُسے ہیکل میں لایا" تھا -

۲۱: ۳۰ - ۳۵ - اگرچہ صاف نظر آتا ہے کہ اِلزام غلط تھا لیکن مُخالفین کا مقصد پُورا ہو گیا - "تمام شہر میں ہلچل پڑ گئی اور لوگ ... پَولُس کو ... ہیکل سے باہر گھسیٹ کر لے گئے" - اُنہوں نے ہیکل کے اندرُونی صحنوں کے دروازے بند کر دِئے - وُہ اُسے "قتل کرنا چاہتے تھے" - اِتنے میں رومی "پلٹن کے سردار" کو خبر

پہنچ گئی۔ "وہ اُسی دم سپاہیوں اور صوبہ داروں کو لے کر اُن کے پاس ... دوڑا آیا" اور بپھرے ہوئے ہجوم سے پولُس کو چھڑا لیا۔ پھر اُسے "دو زنجیروں" سے باندھا اور لوگوں سے پوچھا کہ "یہ کون ہے اور اِس نے کیا کیا ہے؟" بے شک ہجوم کے شور شرابے اور چلّانے سے کچھ بات سمجھ میں نہ آئی کیونکہ "بعض کچھ چلّائے اور بعض کچھ"۔ جھنجھلا کر پلٹن کے سردار نے سپاہیوں کو "حکم دیا" کہ قیدی کو "قلعہ میں لے جاؤ"۔ مقصد یہ تھا کہ وہ بہتر تفتیش کر کے معلوم کر سکے کہ ہو کیا رہا ہے۔ سردار کی اِس کوشش کے دوران بھی "بھیڑ" نے ایسی "زبردستی" کی کہ "سپاہیوں کو اُسے (پولُس کو) اُٹھا کر لے جانا پڑا"۔

۲۱ : ۳۶۔ جب سپاہی اُسے اُٹھا کر لے جا رہے تھے تو بھیڑ چلّا چلّا کر کہہ رہی تھی کہ "اُس کا کام تمام کر"۔ غالباً بعض لوگوں نے یہ الفاظ پہلے بھی سُنے ہوں گے۔

۲۱ : ۳۷ - ۳۹۔ جب سپاہی اُسے "قلعہ کے اندر" لے جانے کو تھے تو پولُس نے پلٹن کے سردار سے درخواست کی کہ مَیں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ سردار پولُس کو "یونانی" بولتے سُن کر چونک گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ مَیں نے ایک "مصری" کو گرفتار کیا ہے جس نے بغاوت کی تھی اور "چار ہزار" آدمیوں کو جو "غازی" کہلاتے تھے اپنے ساتھ ملا کر "جنگل میں لے گیا" تھا۔ پولُس نے فوری طور پر اُسے یقین دلایا کہ "مَیں یہودی آدمی کِلکیہ کے مشہور شہر ترسُس کا باشندہ ہوں"۔ وہ کسی معمولی شہر کا رہنے والا نہیں تھا۔ یہ شہر تہذیب و تمدّن، تعلیم اور تجارت کا مرکز تھا۔ اوگستین نے اِسے "آزاد شہر" قرار دیا تھا۔ اپنی مخصوص دلیری سے رسول نے "لوگوں سے" خطاب کرنے کی اجازت مانگی۔

۲۱ : ۴۰۔ اجازت ملی تو رومی سپاہی پولُس کو گھیرے میں لئے کھڑے تھے۔ رسول نے لوگوں کو "ہاتھ سے اشارہ" سے چُپ کرایا۔ خاموشی ایسی گہری تھی جیسا اُن کا "ہلڑ" زوردار تھا۔ اب وہ یروشلیم کے یہودیوں کے سامنے گواہی دینے کے لئے تیار تھا۔

یہاں "عبرانی زبان" سے مُراد غالباً ارامی زبان ہے جو عبرانی سے بہت مُشابہت رکھتی ہے اور اُس زمانے کے اِسرائیلی عام بولتے تھے۔

۲۲ : ۱، ۲۔ یہودی ہجوم سے خطاب کے لئے یونانی کی بجائے ارامی زبان کا استعمال بہت دانائی کی بات تھی۔ جونہی اُنہوں نے اپنی مادری زبان سُنی تو اُن کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ اُن کا شور اَور بھی کم ہو گیا۔ کم سے کم تھوڑی دیر کے لئے تو "وہ اَور بھی چُپ چاپ ہو گئے"۔

۲۲ : ۳ - ۵۔ پولُس نے بات اپنی اصل سے شروع کی کہ "مَیں یہودی ہوں، اور کِلکیہ کے شہر ترسُس میں پیدا ہوا"۔ اُس نے مشہور یہودی اُستاد "گملی ایل کے قدموں میں" بیٹھ کر تعلیم پائی تھی۔ اُس نے

یہودیت کی عمدہ تعلیم پائی تھی۔ پھر اُس نے خاص زور اِس بات پر دیا کہ یہودی ہونے کے باعث مَیں بہت سرگرم اور جوشیلا تھا۔ وہ مسیحی ایمان رکھنے والوں کو بے حد "ستاتا" کرتا تھا۔ اُس نے یسوع پر ایمان رکھنے والوں کو پکڑ پکڑ کر قید خانے بھر دیے تھے۔ "سردار کاہن" اور سنہیڈرن کے ارکین گواہ تھے کہ وہ بڑے بھرپور طریقے سے "مسیحی طریق والوں" کی مخالفت کرتا تھا اور اِنہی بزرگوں سے اختیار کے "خط" لے کر پولس دمشق کو روانہ ہوا تھا تاکہ وہاں سے مسیحیوں کو "باندھ کر یروشلیم میں سزا دلانے کو" لائے۔

۲۲: ۶-۸۔ یہاں تک تو یہودی پولس کی بات کو خوب اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ اور اگر دیانت سے کام لیتے تو اتفاق بھی کر سکتے تھے کہ ساری بات بالکل درست ہے۔ اب رسول اُن کو ایک ایسا واقعہ بتانے کو ہے جس نے اُس کی زندگی کے رُخ کو بالکل موڑ دیا۔ فیصلہ کرنا اُن کی ذمہ داری ہوگی کہ یہ واقعہ خدا کی طرف سے تھا یا نہیں۔

پولس بیان کرتا ہے کہ "مَیں سفر کرتا کرتا دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہُوا کہ دوپہر کے قریب یکایک ایک بڑا نور آسمان سے میرے گرداگرد آ چمکا"۔ یہاں یہ حقیقت پہلی دفعہ قلم بند کی گئی ہے کہ وہ "نور" دوپہر کو پوری بلندی پر چمکنے والے سورج سے بھی زیادہ تیز تھا۔ اِس "نور" کی شدت کے باعث پولس زمین پر گر پڑا۔ اب اِس "ستانے والے" نے آسمان سے یہ "آواز" سنی کہ "اے ساؤل! اے ساؤل! تُو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" ساؤل نے سوال کیا تو معلوم ہُوا کہ "یسوع ناصری" آسمان سے اُس سے ہمکلام تھا۔ یسوع ناصری مُردوں میں سے جی اُٹھا تھا اور اُسے آسمان پر جلال دیا گیا تھا۔

۲۲: ۹۔ پولس کے ہم سفروں نے "نور تو دیکھا لیکن ... آواز نہ سُنی"۔ اعمال ۹: ۷ سے مقابلہ کریں تو بات بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ پولس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے ہم سفر آواز تو سُنتے تھے مگر سمجھتے نہ تھے کہ کیا کہا جا رہا ہے۔

۲۲: ۱۰، ۱۱۔ جلال کے خداوند کے ساتھ اِس شخصی ملاقات اور بات چیت کے بعد پولس نے اپنی جان، روح اور بدن کو اپنے نجات دہندہ کے لئے وقف کر دیا۔ یہ بات اُس کے سوال سے ظاہر ہے کہ "اے خداوند! مَیں کیا کروں؟" خداوند یسوع نے اُس سے کہا "اُٹھ دمشق میں جا۔ وہاں تجھے ہدایات دی جائیں گی۔ پولس مسیح کے "جلال کے نور" سے اندھا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اُس کے ساتھی اُس کا "ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے"۔

۲۲: ۱۲۔ دمشق میں "حننیاہ" اُس سے ملنے گیا۔ پولس اُس کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ "شریعت کے موافق دیندار اور وہاں کے سب رہنے والے یہودیوں کے نزدیک نیک نام تھا"۔ پولس کی تبدیلی

کے بیان کو ثابت کرنے کے لئے اِس قسم کے آدمی کی "گواہی" بے حد اہم ہے۔

۲۲: ۱۳- حننیاہ نے پولس کو "بھائی ساؤل" کہہ کر مخاطب کیا اور کہا "پھر بینا ہو"۔ یہ پہلا موقع تھا کہ پولس نے "اُس کو دیکھا"۔

۲۲: ۱۴-۱۶- یہ پہلا موقع ہے کہ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حننیاہ نے پولس سے کہا کہ

"ہمارے باپ دادا کے خدا نے تجھ کو اس لئے مقرر کیا ہے کہ تو اُس کی مرضی کو جانے اور اُس راستباز کو دیکھے اور اُس کے منہ کی آواز سنے۔ کیونکہ تو اُس کی طرف سے سب آدمیوں کے سامنے اُن باتوں کا گواہ ہوگا جو تو نے دیکھی اور سنی ہیں۔ اب کیوں دیر کرتا ہے؟ اُٹھ بپتسمہ لے اور اُس کا نام لے کر اپنے گناہوں کو دھو ڈال"۔

اِن آیات میں کئی اہم اور دلچسپ نکات سامنے آتے ہیں۔ حننیاہ نے بیان کیا کہ جس نے دمشق کی راہ پر کے واقعات کا اہتمام کیا وہ "باپ دادا کا خدا" ہے۔ اگر یہودی اِن ساری باتوں کی جو واقع ہوئی تھیں مخالفت اور مزاحمت کرتے ہیں تو دراصل "خدا" سے جنگ کرتے ہیں۔ دوم، حننیاہ نے پولس سے کہا کہ "تو سب آدمیوں کے سامنے" خداوند کا "گواہ ہوگا"۔ اِس بات سے یہودیوں کو پولس کے اس اعلان کے لئے تیار ہو جانا چاہئے تھا کہ اُس کو غیر قوموں کے پاس بھیجا گیا تھا۔ سوم۔ پولس سے کہا گیا کہ "اُٹھ بپتسمہ لے اور اُس کا نام لے کر اپنے گناہوں کو دھو ڈال"۔

بہت سے لوگ آیت ۱۶ کا غلط استعمال کرتے ہوئے تعلیم دیتے ہیں کہ بپتسمہ سے نئی پیدائش ملتی ہے۔ یہ بات عین ممکن ہے کہ اس آیت کا اطلاق صرف پولس پر ہوتا ہے کیونکہ وہ یہودی تھا۔ اور اُسے ضرورت تھی کہ خود کو اپنی قوم سے علیحدہ کرے کیونکہ وہ مسیح کو رد کرتی تھی (۲: ۳۸ پر تبصرہ بھی ملاحظہ کریں)۔

اگر ہم اصل زبان میں جملے کی ساخت کو دیکھیں تو اِس مسئلے کا حل کوئی مشکل نہیں۔ یونانی میں دو دو باتیں اکٹھی بیان کی گئی ہیں۔ اور آیت کے درمیان صفت فعلی استعمال ہوئی ہے۔ چنانچہ لفظی ترجمہ کچھ یوں ہوگا۔ "اُٹھ کر، بپتسمہ لے اور اُس (خداوند) کا نام لینے کے وسیلے سے اپنے گناہوں کو دھلوا لے"۔ آیت کا آخری جملہ بائبل مقدس کی عام تعلیم سے مطابقت بھی رکھتا ہے (دیکھئے یوایل ۲: ۳۲؛ اعمال ۲: ۲۱؛ رومیوں ۱۰: ۱۳)۔

۲۲: ۱۷-۲۱- اِن آیات میں ہمیں پہلی دفعہ پولس کے ایک تجربے کی خبر دی گئی ہے جو اُس کو اپنی تبدیلی کے بعد پہلی دفعہ یروشلیم آنے پر ہوا تھا۔ وہ "ہیکل میں دعا کر رہا تھا... کہ ... بے خود ہو گیا"

اور خداوند کو دیکھا کہ اُسے حکم دے رہا ہے کہ "فوراً یروشلیم سے نکل جا" کیونکہ یہاں کے لوگ "میرے (مسیح کے) حق میں تیری گواہی قبول نہ کریں گے"۔ رسُول کو یہ بات ناقابلِ یقین لگی کہ اُس کے اپنے لوگ اُس کی سُننے سے اِنکار کریں گے۔ آخر وُہ جانتے تھے کہ یہ شخص کیسا سرگرم اور جوشیلا یہودی تھا۔ کیسے وُہ یسوع کے شاگردوں کو مارتا پیٹتا اور "قید کراتا" تھا۔ اور کیسے وُہ "ستفنس" کے قتل پر راضی اور قتل کرنے والوں میں شامل تھا۔ مگر خداوند نے اپنے حکم کو دُہرایا کہ "جا۔ مَیں تجھے غیر قوموں کے پاس دُور دُور بھیجوں گا"۔

۲۲: ۲۲، ۲۳۔ اب تک تو یہودی پولُس کی باتیں خاموشی سے سُنتے رہے تھے، لیکن اُس نے خوشخبری کو غیر قوموں کے پاس لے جانے کا ذکر کیا تو وُہ حسد اور نفرت سے پاگل ہو گئے۔ وُہ بے قابو ہو کر چیخنے چلّانے لگے کہ پولُس کو جان سے مار دیا جائے۔

۲۲: ۲۴، ۲۵۔ جب "پلٹن کے سردار" نے اُن کی دیوانگی دیکھی تو وُہ اِس نتیجے پر پہنچا کہ پولُس نے ضرور کوئی سنگین جرم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وُہ پولُس کا پیغام بھی نہیں سمجھ سکا ہو گا کیونکہ ارامی زبان میں دیا گیا تھا۔ چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا کہ اُس پر تشدد کر کے اُس سے جرم قبول کروایا جائے۔ چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ "اُسے قلعہ میں لے جاؤ" اور تسموں سے باندھو تاکہ کوڑے مارے جائیں۔ جب اُس کو کوڑے مارنے کی تیزی سے تیاریاں ہو رہی تھیں تو پولُس نے پاس کھڑے صوبہ دار سے آہستگی سے پُوچھا کہ کیا تمہیں روا ہے کہ ایک رومی آدمی کے کوڑے مارو، اور وُہ بھی قصُور ثابت کئے بغیر؟ رومی شہری کے کوڑے مارنا بڑا سنگین جرم تھا۔

۲۲: ۲۶۔ "صوبہ دار" دَوڑتا دوڑتا "پلٹن کے سردار کے پاس گیا" اور کہنے لگا کہ پولُس کے ساتھ جو کچھ کرنا ہو ہوشیاری سے کرنا کیونکہ "یہ تو رومی آدمی ہے"۔ یعنی رومی شہری ہونے کے پُورے حقوق رکھتا ہے۔

۲۲: ۲۷، ۲۸۔ اب تو "پلٹن کا سردار" جلدی سے "پولُس" کے پاس آیا۔ پُوچھنے پر اُسے معلوم ہُوا کہ "پولُس" واقعی "رومی" شہری ہے۔ اُس زمانے میں "رومی" شہریت حاصل کرنے کے تین طریقے تھے۔ اوّل، بعض اوقات کسی شخص کو خصوصی خدمات کے صلہ میں شاہی فرمان سے رومی شہریت دی جاتی تھی۔ دوم، بعض پیدائشی لحاظ سے "رومی" ہوتے تھے۔ سوم، کبھی بھاری قیمت ادا کر کے شہریت خریدنا بھی ممکن ہوتا تھا۔ پولُس پیدائشی "رومی" تھا۔ وُہ ترسُس کے آزاد رومی شہر میں پیدا ہُوا تھا۔ اُس کا باپ بھی "رومی" شہری تھا۔ جبکہ "پلٹن کے سردار نے ۔۔۔ بڑی رقم دے کر رومی ہونے کا رُتبہ حاصل کیا" تھا۔

۲۲: ۲۹۔ پولُس کی "رومی" شہریت کا علم ہُوا تو اُسے کوڑے لگانے کے سارے منصُوبے منسُوخ

ہو گئے اور افسران گھبرا گئے۔

۲۲ : ۳۰۔ بے شک پلٹن کے سردار کو یہ معلوم کرنے کا اشتیاق تھا کہ آخر "یہودی اُس پر کیا اِلزام لگاتے ہیں؟" تاہم اُس کا پکا اِرادہ تھا کہ ساری کارروائی مُناسب اور قانُونی طریقہ سے سر انجام پائے۔ اِس لئے یروشلیم کی بِھیڑ کی ہنگامہ آرائی کے اگلے دِن اُس نے "پَولُس" کو قید خانہ سے نِکلوایا اور اُسے "سردار کاہن" اور سنہیڈرن کے سامنے پیش کیا۔

۲۳ : ۱، ۲۔ سنہیڈرن (صدر عدالت) کے سامنے کھڑے ہو کر پَولُس نے اپنے بیان کے آغاز میں بتایا کہ "مَیں نے آج تک کمال نیک نیّتی سے ... عُمر گُزاری ہے"۔ "سردار کاہن حننیاہ" اِس بیان پر سخت طیش میں آ گیا۔ بلاشُبہ وُہ سمجھتا تھا کہ "پَولُس" یہودی مذہب سے برگشتہ، تارکِ دین اور زمانہ ساز شخص ہے۔ اور جو شخص یہودیت کو چھوڑ کر مسیحیت میں جا شامِل ہُوا ہے، وہ ایسی بے گناہی کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟ اِس لئے "سردار کاہن" نے حُکم دیا کہ اُس کے مُنہ پر طمانچہ مارو۔ چونکہ کارروائی شروع ہو چکی تھی اِس لئے یہ حُکم قطعی غیر مُنصفانہ تھا۔

۲۳ : ۳۔ "پَولُس" نے بھڑک کر حننیاہ کو جواب دیا کہ "اے سفیدی پِھری ہُوئی دیوار! خُدا تُجھے مارے گا"۔ باہر سے تو سردار کاہن راست باز اور نیک آدمی لگتا تھا لیکن باطن میں خراب اور بِگڑا ہُوا تھا۔ دعویٰ کرتا تھا کہ مَیں دُوسروں کا "شریعت کے مُوافِق اِنصاف" کرتا ہُوں مگر پَولُس کو مارنے کا حُکم "شریعت کے برخلاف" دیا تھا۔

۲۳ : ۴۔ پاس کھڑے لوگ پَولُس کی ایسی تباہ کُن ڈانٹ پر بھونچکا رہ گئے۔ کیا اُسے عِلم نہ تھا کہ "سردار کاہن" سے مُخاطب ہے؟

۲۳ : ۵۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ "پَولُس" کو کیوں احساس نہ ہُوا یا وُہ کیوں نہ پہچان سکا کہ حننیاہ "سردار کاہن" ہے۔ سنہیڈرن کو فوری اِطّلاع پر فراہم کیا گیا تھا اور غالباً حننیاہ اپنے مرتبہ و منصب کا لباس نہیں پہنے ہُوئے تھا۔ یہ بھی مُمکن ہے کہ وُہ اُس نشست پر نہیں بیٹھا ہُوا تھا جو عموماً "سردار کاہن" کے لئے مخصُوص ہوتی تھی۔ وجہ کُچھ بھی ہو "پَولُس" نے قوم کے باضابطہ "سردار" کی شان میں دانستہ گُستاخی نہیں کی تھی۔ اُس نے اپنے الفاظ پر فوراً معذرت کی اور خروج ۲۲ : ۲۸ کا حوالہ دیا کہ "اپنی قوم کے سردار کو بُرا نہ کہہ"۔

۲۳ : ۶۔ کمرۂ عدالت میں ہونے والی گُفتگو سے پَولُس نے اندازہ لگا لیا کہ "صدوقیوں" اور "فریسیوں" کے درمیان اِختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ اُس نے اِس دراڑ کو اَور بھی چوڑا کرنے کے اِرادہ سے کہا کہ "مَیں فریسی ... ہُوں" اور مُجھ پر اِس لئے مُقدّمہ چل رہا ہے کہ "مُردوں کی قیامت" پر یقین رکھتا ہُوں۔ "صدُوقی" تو بے شک قیامت کا اِنکار کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی رُوحوں یا فرشتوں کے وجُود کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ "فریسی" بہت راسخ العقیدہ لوگ تھے۔ وُہ دونوں باتوں پر ایمان رکھتے تھے (دیکھئے ۲۳ : ۸)۔

یہاں پولس پر تنقید کی جاتی ہے کہ اُس نے جسمانی مصلحت کے تحت سامعین میں پھوٹ ڈالنے کے لئے یہ گر استعمال کیا۔

۲۳: ۷-۹۔ بہر حال اُس کے الفاظ نے "فریسیوں اور صدوقیوں میں تکرار" کروا دی اور "بڑا شور ہوا"۔ "فریسیوں کے فرقہ کے بعض فقیہ" پولس کی بے گناہی کی حمایت کرنے لگے۔ اُن کا کہنا تھا کہ "اگر کسی رُوح یا فرشتہ نے اِس سے کلام کیا ہو تو پھر کیا؟"

۲۳: ۱۰۔ مخالف دھڑوں میں تکرار میں ایسی گرمی پیدا ہوئی کہ "پلٹن کے سردار نے ... فوج کو حکم دیا" کہ قیدی کو کمرے سے نکال کر واپس "قلعہ میں" لے جائیں۔

۲۳: ۱۱۔ "اُسی رات خداوند" یسوع شخصی طور پر پولس پر ظاہر ہوا اور کہنے لگا "خاطر جمع رکھ کہ جیسے تُو نے میری بابت یروشلیم میں گواہی دی ہے، ویسے ہی تجھے رومہ میں بھی گواہی دینا ہوگا"۔ قابلِ غور بات ہے کہ پاک کلام کے اُس حصے میں جہاں اُس کے اعمال کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے وہاں "خداوند" خود اُس کی تعریف کرتا ہے کہ تُو نے "یروشلیم میں" بڑی وفاداری سے میری گواہی دی ہے۔ منجی نے تنقید یا ملامت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا بلکہ قطعی تعریف اور اُمید افزائی کا پیغام دیا۔ پولس کی خدمت ابھی ختم نہیں ہوئی جیسے وہ "یروشلیم میں" خدمت میں وفادار رہا اُسی طرح "رومہ میں" بھی مسیح کی گواہی دے گا۔

۲۳: ۱۲-۱۵۔ اگلے دن چند "یہودیوں نے ایکا" کیا کہ پولس رسول کو جان سے مار کر ہی دم لیں گے۔ حقیقت میں "وہ چالیس سے زیادہ تھے" جنہوں نے "لعنت کی قسم کھا" کر کہا کہ جب تک اِس "دغاباز" کو قتل نہ کریں "نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے"۔ اُن کا منصوبہ یا سازش یوں تھی۔ وہ "سردار کاہنوں اور بزرگوں کے پاس" گئے اور صلاح دی کہ سنہیڈرن (صدر عدالت) کا ایک اجلاس اِس اعلان کے ساتھ بُلایا جائے کہ پولس کے معاملے کی حقیقت زیادہ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اور سنہیڈرن پلٹن کے سردار سے درخواست کرے کہ قیدی کو وہاں لائے۔ مگر یہ "چالیس" قاتل قید خانہ اور کمرۂ عدالت کی راہ میں کہیں گھات میں بیٹھے ہوں گے۔ جب "پولس" قریب سے گزرے گا تو وہ اُس پر پل پڑیں گے اور اُسے مار ڈالیں گے۔

۲۳: ۱۶-۱۹۔ خدا کی مشیت سے "پولس" کے ایک بھانجے نے سازش کا سارا حال سُن لیا اور جا کر اُسے خبر دی۔ پولس یقین رکھتا تھا کہ اپنی جان کی محافظت کے لئے ہر قانونی طریقے سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ اِس لئے اُس نے ساری بات ایک صوبہ دار کو بتائی۔ وہ صوبہ دار شخصی طور پر اُس نوجوان کو پلٹن کے سردار کے پاس لے "گیا"۔

۲۳: ۲۰-۲۱۔ پولس کے بھانجے نے نہ صرف سازش کا سارا حال بیان کیا بلکہ پُرجوش درخواست بھی

کی کہ "یہودیوں" کے اِس مطالبہ کو ہرگز نہ ماننا کہ پَولُس کو اُن کے پاس لایا جائے۔

۲۲:۲۳ - پلٹن کے "سردار" نے ساری بات سُننے کے بعد اُس "جوان" کو اِس ہدایت کے ساتھ رُخصت کیا کہ کسی کو نہ بتانا کہ تمہاری میرے ساتھ مُلاقات ہُوئی ہے - سردار کو اب احساس ہُوا کہ مجھے بلا تاخیر فیصلہ کُن اقدام کر کے قیدی کو یہودیوں کے طیش اور غضب سے بچانا ہوگا۔

۲۳:۲۳ - ۲۵ - چنانچہ اُس نے جلدی سے "دو صُوبہ داروں" کو بُلایا اور حکم دیا کہ فوجی دستہ تیار کریں تاکہ قیدی رسُول کو بحفاظت "قیصریہ" پہنچایا جائے - اِس حفاظتی دستے میں "دو سو سپاہی اور ستر سوار اور دو سو نیزہ بردار" شامل تھے - یہ سفر رات کی تاریکی کے پردہ میں کرنا تھا - تقریباً نو بجے رات کو روانہ ہونا تھا۔

اِتنا بڑا حفاظتی دستہ خُدا کے اِس ایلچی کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ پلٹن کے سردار کا مقصد یہ تھا کہ اپنے اعلیٰ رُومی افسران میں اپنی شہرت کو قائم رکھے - اگر یہودی پَولُس کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو چونکہ وُہ رومی شہری تھا اِس لئے ذمّہ دار افسر کو اپنی کوتاہی کی خاص جواب دہی کرنی پڑتی۔

۲۶:۲۳ - ۲۸ - "رُومی حاکم فیلکس" کو خط لکھتے ہوئے پلٹن کا سردار اپنی شناخت "کلودِیُس لوسیاس" کے نام سے کراتا ہے - اِس خط کا مقصد پَولُس سے متعلقہ صُورتِ حال کی وضاحت کرنا تھا - یہ بات قدرے مضحکہ خیز ہے کہ "لُوسیاس" اپنے آپ کو ایک ہیرو اور راستی کے محافظ کے طور پر پیش کرتا ہے - غالباً اُسے خدشہ تھا کہ "فیلکس" کو یہ رپورٹ دی جائے کہ اُس نے ایک "رُومی" شہری کو اِلزام ثابت کئے بغیر باندھ رکھا ہے - "کلودیس لوسیاس" کی خوش قسمتی تھی کہ پَولُس نے اِس بات کا ذکر نہیں کیا۔

۲۹:۲۳، ۳۰ - پلٹن کے سردار نے وضاحت کی کہ میری تفتیش سے ثابت ہوتا ہے کہ پَولُس بے گناہ ہے اور اِس پر کوئی ایسا اِلزام نہیں کہ "وُہ قتل یا قید کے لائق ہو" بلکہ سارے غُل غپاڑے اور ہنگامے کا تعلق یہودی "شریعت کے مسئلوں" سے ہے - پَولُس کے خلاف ایک سازش کے باعث مَیں نے موزُوں سمجھا کہ اُس کو "قیصریہ" بھیج دُوں - "مُدعی" بھی وہاں آکر دعویٰ کر سکتے ہیں اور سارا معاملہ فیلکس کے سامنے پیش ہو سکتا ہے۔

۳۱:۲۳ - ۳۵ - "قیصریہ" کے اِس سفر کے دَوران وُہ تھوڑی دیر کے لئے "انتپترس" کے مقام پر رُکے - یہ شہر یروشلیم سے اُنتالیس (۳۹) میل اور "قیصریہ" سے چوبیس (۲۴) میل کے فاصلے پر واقع تھا - چونکہ اِس مقام سے آگے یہودیوں کی گھات اور حملے کا کوئی خطرہ نہیں تھا اِس لئے فوجی یروشلیم کو واپس آگئے - "پَولُس" کو بحفاظت "قیصریہ" پہنچانے کے لئے صرف سواروں کا دستہ ساتھ رہ گیا - قیصریہ پہنچ کر اُنہوں نے لُوسیاس کا "خط" فیلکس کو دے دیا اور "پَولُس کو بھی اُس کے آگے حاضر کیا" - ابتدائی

تفتیش سے فیلکس کو تسلی ہوگئی کہ پولس رومی شہری ہے۔ اُس نے وعدہ کیا کہ "جب تیرے مُدعی بھی حاضر ہوں گے تو مَیں تیرا مُقدمہ کر دوں گا"۔ اور حکم دیا کہ اِس دوران پولس کو "ہیرودیس کے قلعہ" یا پریٹوریم میں قید رکھا جائے۔

رومی گورنر فیلکس نے غلام سے بڑی تیزی سے ترقی کرتے ہوئے رومی گورنر کا عہدہ حاصل کیا تھا۔ اَب وُہ رومی سلطنت میں اعلیٰ سیاسی رُتبے پر فائز تھا۔ جہاں تک شخصی زندگی کا تعلق ہے، فیلکس بہت بدکار تھا۔ جس وقت اُسے یہودیہ کے صوبہ کا گورنر مقرر کیا گیا، وُہ تین شاہی خواتین کا شوہر تھا۔ گورنری کے دوران اُس کو امیسہ (Emesa) کے بادشاہ ازیزوس (Azizus) کی بیوی دُرُوسِلّہ سے محبت ہوگئی۔ یوسیفس کے مُطابق شادی کا بندوبست کُپرُس کے جادوگر شمعون کی معرفت کیا گیا۔

فیلکس ایک ظالم حاکم تھا۔ اِس کا ثبوت اِس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ اُس نے یونتن نام ایک سردار کاہن کو مروا دیا تھا کیونکہ اُس نے فیلکس کی بدانتظامیوں پر نکتہ چینی کی تھی۔ اور یہی فیلکس تھا جس کے سامنے پولس کو پیش ہونا تھا۔

۲۴: ۱۔ پولس کے یروشلیم سے قیصریہ آنے کے "پانچ دِن کے بعد حننیاہ سردار کاہن" سنہیڈرن کے چند اراکین کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اُنہوں نے "تِرطُلُس نام" ایک رومی وکیل کو اُجرت پر ساتھ لیا کہ اِستغاثہ کا وکیل ہو۔ اُس کی ذمہ داری تھی کہ فیلکس کے سامنے کھڑا ہوکر "پولس کے خلاف" اِلزامات کے حق میں دلائل دے۔

۲۴: ۲-۴۔ "تِرطُلُس" نے اِستغاثہ کا آغاز کرتے ہوئے فیلکس کی بے حد خوشامد اور تعریف کی۔ بے شک اِس ساری مُبالغہ آرائی میں کچھ نہ کچھ سچائی بھی تھی۔ فیلکس نے ہنگاموں اور بغاوتوں کو کچل کر امن و امان قائم رکھا تھا لیکن تِرطُلُس کے الفاظ میں صِرف اِس حقیقت کا اعتراف ہی نہیں بلکہ اُس نے حد سے آگے بڑھ کر گورنر کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی۔

۲۴: ۵-۸۔ اِس کے بعد اُس نے پولس رسُول پر چار خصُوصی اِلزام لگائے:

۱۔ یہ شخص "مُفسِد" ہے یعنی فساد کرنے والا ہے۔

۲۔ "سب یہودیوں میں فتنہ انگیز" ہے۔

۳۔ "ناصریوں کے بدعتی فرقہ کا سرگروہ" ہے۔

۴۔ "اِس نے ہیکل کو ناپاک کرنے کی بھی کوشش کی تھی"۔

۲۴: ۹۔ تِرطُلُس نے اِس اعتماد کا اظہار کیا کہ فیلکس اِن اِلزامات کے درست ہونے کی تفتیش اور تصدیق کرنے کی قابلیت اور لیاقت رکھتا ہے۔ اِس پر جو "یہودی" وہاں موجود تھے اُنہوں نے بھی اِلزامات کے سلسلے میں تِرطُلُس کی ہاں میں ہاں مِلائی۔

۲۴ : ۱۰ ۔ گورنر نے "پولس کو بولنے کا اشارہ کیا" تو وہ اپنے دفاع کے لئے کھڑا ہُوا۔ پہلے تو اُس نے اطمینان کا اظہار کیا کہ مجھے ایک ایسے شخص کے سامنے جوابدہی کا موقع ملا ہے جو "بہت برسوں" کا تجربہ رکھتا ہے اور یہودیوں کے رسم و رواج اور طور طریقوں سے بخوبی واقف ہے۔ شاید محسوس ہو کہ پولس بھی خوشامد کر رہا ہے لیکن دراصل یہ حقیقت کا مؤدبانہ بیان تھا۔

اِس کے بعد پولس رسول نے اپنے خلاف الزام کا ایک ایک کر کے جواب دیا۔

۲۴ : ۱۱ ۔ فسادی ہونے کے الزام کے جواب میں اُس نے بتایا کہ صرف "بارہ دن" ہوئے ہیں کہ میں یروشلیم میں عبادت کرنے گیا تھا۔ یہ کوئی فساد کی بات یا وجہ نہیں ہو سکتی۔

۲۴ : ۱۲، ۱۳ ۔ پھر اِس الزام کی تردید کی کہ اُس نے یہودیوں کو بغاوت کرنے پر اکسایا تھا۔ میں نے "نہ ہیکل میں ... نہ عبادت خانوں میں نہ شہر میں" کسی سے بحث کی، نہ کسی کو فساد کرنے یا بغاوت کرنے پر اُکسایا۔ یہ حقائق تھے اور کوئی اِن کو غلط ثابت نہیں کر سکتا تھا۔

۲۴ : ۱۴ - ۱۷ ۔ پولس نے تیسرے الزام کی تردید نہیں کی کہ یہ "ناصریوں کے بدعتی فرقہ کا سرگروہ" ہے ۔ البتہ یہ ضرور کہا کہ اِس حیثیت میں مَیں یہودیوں "کے خُدا کی عبادت کرتا ہُوں اور جو کچھ توریت اور نبیوں کے صحیفوں میں لکھا ہے اُس سب پر میرا ایمان ہے"۔ مَیں سارے راسخ العقیدہ یہودیوں اور خصوصاً فریسیوں کی اُمید میں شریک ہُوں کہ "راستبازوں اور ناراستوں دونوں کی قیامت ہوگی"۔ آنے والی اِسی "قیامت" کی روشنی میں پولس کوشش کرتا تھا کہ خُداوند اور ساتھی اِنسانوں کے ساتھ ہمیشہ واضح تعلق قائم رہے۔ یہودیوں کو بغاوت پر اُکسانا تو دُور کی بات ہے، وُہ تو یروشلیم میں "اپنی قوم کو خیرات پہنچانے اور نذریں چڑھانے آیا تھا"۔ یہاں وُہ مکدنیہ اور اخیہ کی کلیسیاؤں کی طرف سے اُس چندے وغیرہ کا حوالہ دے رہا ہے جو یروشلیم میں حاجتمند مسیحی مُقدسین کے لئے بھیجا گیا تھا۔

۲۴ : ۱۸، ۱۹ ۔ چوتھا الزام یہ تھا کہ پولس نے "ہیکل" کو ناپاک کیا تھا۔ پولس نے اِس کا یہ جواب دیا کہ "یہودی منت" کو پُورا کرنے کے لئے جب میں ہیکل میں نذریں چڑھا رہا تھا تو "آسیہ کے چند یہودی تھے" جنھوں نے مجھے دیکھا اور مجھ پر الزام لگایا کہ مَیں ناپاک غیر قوم والوں کو "ہیکل میں" لایا تھا۔ بے شک یہ بات درست نہ تھی۔ اُس وقت رسول اکیلا تھا اور رسمی ناپاکی سے "طہارت کی حالت میں" تھا یعنی پاک تھا۔ "آسیہ کے" یہ "چند یہودی" تھے جنھوں نے یروشلیم میں مجھ پر الزام لگایا اور میرے خلاف ہنگامہ کرایا تھا۔ "اگر اُن کا مجھ پر کچھ دعوٰی تھا" تو چاہیئے تھا کہ وُہ قیصریہ میں آ کر فیلکس سے "فریاد" کرتے۔

۲۴ : ۲۰، ۲۱ ۔ اَب پولس نے اُن یہودیوں کو جو وہاں حاضر تھے چیلنج کیا کہ جب وُہ "صدر عدالت

کے سامنے کھڑا تھا" یعنی یروشلیم میں سنہیڈرن کے سامنے پیش کیا گیا تھا تو اُس پر کون کون سے جُرم اور قصور ثابت ہوئے تھے۔ یہ لوگ کچھ بھی ثابت نہیں کر پائے تھے۔ یہ صرف اِتنا کہہ سکتے ہیں کہ پولُس نے بلند آواز سے کہا تھا کہ مُردوں کی قیامت کے بارے میں آج مجھ پر تمہارے سامنے مقدمہ ہو رہا ہے"۔

۲۴: ۲۲۔ "فیلکس" نے ساری باتیں سُنیں تو وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ وہ مسیحی ایمان کے متعلق اِتنا کچھ جانتا تھا کہ سمجھ گیا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اُس کے سامنے جو قیدی کھڑا تھا، صاف نظر آرہا تھا کہ وہ بے قصور ہے۔ یعنی اُس نے رُومی قانون کے خلاف کوئی جُرم نہیں کیا۔ لیکن اگر وہ پولُس کو بری کرتا تو یہودیوں کے غیض وغضب کا نشانہ بنتا۔ سیاسی نُقطۂ نگاہ سے اُن کی حمایت حاصل کئے رکھنا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ اُس نے اِسی میں مصلحت سمجھی کہ مقدمہ کو جاری رکھے۔ چنانچہ اُس نے اعلان کیا کہ "جب پلٹن کا سردار لُوسیاس آئے گا تو مَیں تمہارا مقدمہ فیصل کروں گا"۔ دراصل یہ ایک تاخیری حربہ تھا۔ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ "پلٹن کا سردار" کبھی قیصریہ آیا یا نہیں۔

۲۴: ۲۳۔ اِسی پیشی کو ختم کرتے ہوئے فیلکس نے حکم دیا کہ پولُس کو قید تو رکھا جائے مگر آرام کے ساتھ اور اُسے معقول حد تک "آزادی" بھی ہو۔ اور "اُس کے دوستوں" کو مُلاقات کرنے اور اُسے کھانا کپڑا فراہم کرنے کی اجازت ہو۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گورنر اُس کو قطعی مُجرم نہیں سمجھتا تھا۔

۲۴: ۲۴، ۲۵ا۔ مندرجۂ بالا پیشی کے "چند روز بعد" گورنر "فیلکس اور اُس کی بیوی درُوسِلّہ" نے پولُس رسُول کے ساتھ علیحدگی میں مُلاقات کا بندوبست کیا تاکہ "مسیح یسُوع کے دین" کے بارے میں مزید واقفیت حاصل کریں۔ اِس اُٹھائی اور مُسرف گورنر اور اُس کی زناکار بیوی کے سامنے "پولُس" نے بڑی بے خوفی اور جُرأت کے ساتھ گفتگو کی اور اُن کو "راستبازی اور پرہیزگاری اور آئندہ عدالت" کے بارے میں بتایا۔ وہ شخصی "راستبازی" یا ضبطِ نفس کے بارے میں اپنی ذاتی زندگی میں یا عوامی زندگی میں عملاً کچھ بھی نہیں جانتے تھے، جیسا کہ اُن کی موجودہ بے ضابطہ شادی سے بھی ثابت ہوتا تھا۔ اِسی طرح وہ "پرہیزگاری" کے تصور سے بھی ناآشنا تھے۔ ضرورت تھی کہ اُن کو "آئندہ عدالت" سے خبردار کیا جاتا کیونکہ جب تک یسُوع کے خُون کے وسیلے سے اُن کے گُناہ مُعاف نہ ہوتے وہ آگ کی جھیل میں ہلاک ہوتے۔

۲۴: ۲۵ب، ۲۶۔ لگتا ہے کہ درُوسِلّہ کی نسبت "فیلکس" پر زیادہ اثر ہوا۔ اگرچہ وہ "دہشت کھا" گیا مگر مُنجی پر ایمان نہ لایا۔ اُس نے مسیح کو قبول کرنے کے فیصلے کو التوا میں ڈال دیا اور کہنے لگا "اِس وقت تو جا۔ فُرصت پاکر تجھے پھر بُلاؤں گا"۔ افسوس کی بات ہے کہ اُس کو یہ "فُرصت" کبھی نہ ملی۔ تو بھی "فیلکس" کے سامنے یہ پولُس کی آخری گواہی نہ تھی۔ اگلے دو سال کے دوران جبکہ رسُول قیصریہ میں قید تھا گورنر نے اُسے کئی بار بُلایا۔

دراصل "فیلکس" کو اُمید تھی کہ پولُس کے دوست اُس کی رہائی کی خاطر اُسے خاصی بڑی رشوت دیں گے۔

۲۴: ۲۷- "دو برس" بعد ۶۰ء میں "پُرکِیُس فیستُس، فیلکس کی جگہ مقرر ہُوا اور فیلکس یہُودیوں کو اپنا احسان مند کرنے کی غرض سے پولُس کو قید ہی میں چھوڑ گیا"۔ پولُس کو قیصریہ میں ہتھکڑیاں ہی لگی رہیں!

۲۵: ۱- قیصر نیرو نے ۶۰ء کے موسمِ خزاں میں پرکیُس "فیستُس" کو یہُودیہ کے صُوبہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ "قیصریہ" سُوریہ کے رومی صُوبہ کا سیاسی صدر مقام تھا اور یہُودیہ اِس علاقے کا ایک حصّہ تھا۔ "تین روز کے بعد فیستُس قیصریہ سے یروشلیم کو گیا"۔ یروشلیم اُن کے زیرِحکم علاقہ کا مذہبی صدر مقام تھا۔

۲۵: ۲، ۳- اگرچہ پولُس کو "قیصریہ" میں قید ہُوئے دو برس گزر گئے تھے، مگر "یہُودی" اُسے نہیں بھولے تھے۔ نہ اُن کی قاتلانہ نفرت کم ہُوئی تھی۔ یہ سوچ کر کہ شاید نئے گورنر سے اُنہیں کچھ سیاسی "رعایت" مِل جائے "سردار کاہنوں اور یہُودیوں کے رئیسوں" نے پولُس کے خلاف اُس کے کان بھرے۔ اور درخواست کی کہ اُسے یروشلیم میں بُلا بھیج اور یہاں اُس پر مقدمہ چلا۔ شاید اُن کا مطلب یہ تھا کہ پولُس کو سنہیڈرن کے سامنے پیش کیا جائے۔ لیکن اُن کا اصل منصوبہ یہ تھا کہ "گھات" لگا کر "اُسے راہ میں مار ڈالیں"۔

۲۵: ۴، ۵- "مگر فیستُس" کو یقیناً اُن کے پہلے منصُوبے کی اطلاع تھی۔ اور یہ بھی پتہ تھا کہ پلٹن کے سردار نے پولُس کو یروشلیم سے قیصریہ پہنچانے کے لئے کیسے سخت اِنتظامات کئے تھے۔ اِس لئے اُس نے یہُودیوں کی درخواست منظور نہ کی بلکہ وعدہ کیا کہ اگر وہ "قیصریہ" آکر بات کریں تو "پولُس" کے خلاف اُن کے اِلزام سُنے گا۔

۲۵: ۶-۸- یروشلیم میں "آٹھ دس" دِن قیام کے بعد فیستُس واپس "قیصریہ" گیا اور دُوسرے دِن تختِ عدالت پر" بیٹھا یعنی عدالتی کارروائی شروع کی۔ یروشلیم سے یہُودی بھی وہاں پہنچے ہُوئے تھے۔ "وہ ... اُس پر بہتیرے سخت اِلزام لگانے لگے" لیکن ایک بھی اِلزام ثابت نہ کر سکے۔ پولُس نے دیکھ لیا کہ اُن کے مقدمہ میں کوئی جان نہیں۔ اِس لئے صِرف ہر قسم کے جُرم اور اِلزام سے اِنکار کرنے پر اِکتفا کیا اور صِرف اِتنا کہا کہ "مَیں نے نہ تو کچھ یہُودیوں کی شریعت کا گناہ کیا ہے، نہ ہیکل کا نہ قیصر کا"۔ اُس نے کوئی دلیل بازی نہیں کی۔

۲۵: ۹-۱۱- تھوڑی دیر کے لئے تو محسوس ہُوا کہ "فیستُس" "یہُودیوں" کی درخواست منظور کرے گا کہ پولُس کو سنہیڈرن کے سامنے پیش ہونے کے لئے "یروشلیم" بھیج دیا جائے۔ لیکن وہ قیدی کی رضامندی کے بغیر ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ "پولُس" کو احساس تھا کہ اگر مَیں مان گیا تو کبھی زندہ "یروشلیم" نہیں پہنچوں گا۔ چنانچہ اُس نے یہ کہہ کر یروشلیم جانے سے اِنکار کر دیا کہ قیصریہ کی عدالت ہی مقدمہ کی کارروائی کے لئے موزُوں جگہ ہے۔ اُس نے مزید کہا کہ اگر مَیں نے سلطنتِ روم کے خلاف کوئی جُرم کیا ہے تو مرنے کو تیار

ہُوں۔ لیکن اگر ایسا گُناہ نہیں کیا تو کون سی قانُونی بُنیاد پر مجھے "یہُودیوں کے حوالہ" کیا جائے گا؟ رُومی شہری کی حیثیت سے اپنے حقُوق کا پُورا پُورا فائدہ اُٹھاتے ہُوئے پَولُس رسُول نے یہ یادگار الفاظ کہے "مَیں قیصر کے ہاں اپیل کرتا ہُوں"۔

کیا پَولُس "قیصر کے ہاں اپیل" کرنے میں حق بجانب تھا؟ کیا اُسے نہیں چاہئے تھا کہ اپنا معاملہ کُلیتہً خُدا پر چھوڑ دیتا اور اپنی زمینی شہریت کے سامنے گُھٹنے نہ ٹیکتا؟ کیا یہ بھی پَولُس کی کوئی غلطی تھی؟ ہم حتمی طور پر کُچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہمیں صرف اِتنا پتہ ہے کہ اِس اپیل نے اُس موقع پر اُس کی رہائی میں رُکاوٹ ڈال دی۔ اور اگر وُہ اپیل نہ بھی کرتا تو کِسی اور طریقے سے ضرور رُوم پہنچ جاتا۔

۲۵: ۱۲۔ "فیستُس نے" اپنے قانُونی "صلاح کاروں سے" مُختصر سا مشورہ کیا کہ ایسے مُعاملات میں لائحہِ عمل کیا ہوتا ہے۔ پھر اُس نے غالباً غُصّے اور گُستاخی کے لہجے میں پَولُس سے کہا کہ "تُو نے قیصر کے ہاں اپیل کی ہے، تُو قیصر ہی کے پاس جائے گا"۔

۲۵: ۱۳۔ اِن باتوں کے "کُچھ دِن ... بعد"۔ "بادشاہ" ہیرودیس "اگرپا" دوم اور اُس کی بہن "برنیکے" نے "تقرر پر" "فیستُس" کو مُبارک باد دینے کے لئے "قیصریہ" آئے۔ یہ "اگرپا" ہیرودیس اگرپا اوّل کا بیٹا تھا جس نے یعقُوب کو قتل کرایا اور پطرس کو قید میں ڈالا تھا (اعمال باب ۱۲)۔ اُس کی بہن غیر معمُولی حُسن و جاذبیّت کی مالک تھی۔ اگرچہ تاریخ نویس اُس کی غیر معمُولی بدنامی اور اپنے سگے بھائی کے ساتھ ناجائز تعلقات کے بارے میں بہت کُچھ بیان کرتے ہیں مگر نیا عہدنامہ اِس عورت کے ذاتی کردار کے بارے میں خاموش ہے۔

۲۵: ۱۴۔ ۱۶۔ قیصریہ میں، اُنہوں نے خاصا طویل قیام کیا۔ اِسی دَوران "فیستُس" نے فیصلہ کیا کہ پَولُس نام قیدی کے مُقدمے کے سِلسلے میں جو مُشکل ہے وُہ اگرپا سے بیان کرے۔ پہلے تو اُس نے بتایا کہ یہُودی نامعقُول سا مطالبہ کرتے ہیں کہ مُقدّمہ کی باضابطہ کارروائی کے بغیر ہی اُسے سزا کا حُکم سُنایا جائے۔ اُس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وُہ مناسب قانُونی طریقۂ کار کا محافظ ہے اور بتایا کہ اُس نے کِس طرح باضابطہ پیشی پر اِصرار کیا تاکہ "مُدعا علیہ کو اپنے مُدعیوں کے رُوبرُو ہوکر دعویٰ کے جواب دینے کا موقع مِلے" تاکہ اپنا دِفاع کرسکے۔

۲۵: ۱۷۔ ۱۹۔ فیستُس نے مزید بتایا کہ جب پیشی ہُوئی تو مُجھے معلُوم ہُوا کہ قیدی حکُومت کے خِلاف کِسی قِسم کے جُرم میں ملوث نہیں۔ سارا مُقدّمہ یہُودیوں کے "اپنے دین اور کِسی شخص یسُوع کی بابت ... بحث" کے گِرد گُھوم رہا ہے۔ یہُودی کہتے ہیں کہ یہ یسُوع "مرگیا تھا اور پَولُس اُس کو زندہ بتاتا ہے"۔

۲۵: ۲۰-۲۲- فیستس نے یہ بھی بتایا کہ مَیں نے پولس کو "یروشلیم" بھیجنے کی پیشکش کی تھی، مگر اُس نے اپیل کی کہ "میرا مقدمہ شہنشاہ کی عدالت میں فیصل ہو"۔ اِس اپیل سے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا کہ قیدی کو روم بھیجا جائے تو اُس پر اِلزام کیا لگایا جائے۔ چونکہ "اگرپا" یہودی تھا اور یہودیت کے مسائل سے خُوب واقف تھا، اِس لئے فیستس کو اُمید تھی کہ وُہ کوئی موزُوں اِلزام تراشنے میں مددگار ثابت ہو گا۔

دُنیا کے نجات دہندہ کی بات کرتے ہُوئے فیستس نے "کسی شخص یسوع" کے الفاظ استعمال کئے۔

۲۵: ۲۳- "دُوسرے دِن" ایک باقاعدہ سماعت کا بندوبست کیا گیا۔ "اگرپا اور برنیکے بڑی شان و شوکت سے پلٹن کے سرداروں اور شہر کے رئیسوں کے ساتھ دیوان خانہ میں داخل ہُوئے"۔ اِس کے بعد "پولس حاضر کیا گیا"۔

۲۵: ۲۴-۲۷- "فیستس نے" ایک دفعہ پھر مقدمہ کی ساری تاریخ دُہرائی اور بتایا کہ یہودیوں کا سخت اِصرار ہے کہ پولس کو سزائے موت دی جائے۔ لیکن مجھے معلوم ہُوا کہ "اُس نے قتل کے لائق کچھ نہیں کیا"۔ علاوہ ازیں پولس نے قیصر کے ہاں اپیل کی ہے، لیکن مخمصہ یہ ہے۔ پولس کی اپیل نے اُسے مجبور کر دیا تھا کہ اُسے قیصر نیرو کے پاس بھیجے۔ لیکن مقدمہ کے لئے مناسب قانونی بنیاد موجود نہ تھی۔ فیستس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اُسے اُمید ہے کہ "اگرپا" اِس سلسلے میں مدد کر سکے گا کیونکہ یہ بات "خلافِ عقل" معلوم ہوتی ہے کہ قیدی کو تو بھیجا جائے مگر اُس کے اِلزامات کی وضاحت نہ کی جائے۔ یہ ساری باتیں مقدمہ کی کارروائی نہیں بلکہ زیادہ تر سماعت کی حیثیت سے کی گئیں۔ اِس وقت یہودی موجود نہ تھے کہ رسُول پر اِلزامات عائد کرتے۔ اور یہ توقع نہ تھی کہ "اگرپا" کوئی حتمی فیصلہ دے گا۔

۲۶: ۱-۳- کسی نے اِس منظر کی بڑی خوبصورت تصویر کھینچی ہے، "ایک قید و بند میں جکڑا ہُوا بادشاہ اور ایک تخت پر جلوہ افروز قیدی"۔ رُوحانی نقطۂ نظر سے "اگرپا" قابلِ رحم شخص تھا جبکہ پولس رسُول ایمان کے پَروں پر بُلند پروازی کر رہا تھا۔ وُہ اپنے ماحول اور حالات سے بے حد بُلند تھا۔

"اگرپا" سے اجازت ملنے پر "پولس ہاتھ بڑھا کر اپنا جواب یُوں پیش کرنے لگا"۔ اُس کا جواب مسیحی تجربے کا مؤثر اور ولولہ انگیز بیان تھا۔ پہلے تو اُس نے شکریہ ادا کیا کہ مجھے ایک ایسے شخص کے سامنے جوابدہی کا موقع مِلا ہے جو یہودی ہے اور اِس لئے "یہودیوں کی سب رسموں اور مسئلوں سے واقف ہے"۔ اگرپا کا یہ تعارف پولس کی طرف سے خوشامد نہیں بلکہ مسیحی ادب و اخلاق اور ایک حقیقت کا بیان تھا۔

۲۶: ۴، ۵- جہاں تک پولس کی "شروعِ جوانی" یا اِبتدائی زندگی کا تعلق ہے، وُہ ایک مثالی یہودی تھا۔ یہودی "اگر چاہیں تو گواہ ہو سکتے ہیں" کہ پولس نہایت کٹر اور راسخ العقیدہ راہ پر چلتا

رہا تھا، کیونکہ وُہ ایک وضع دار "فریسی" تھا اور یہ "سب سے زیادہ پابندِ مذہب فرقہ" تھا۔

۲۶: ۶۔ اور "اب" اُس پر صرف اِس وجہ سے مُقدمہ چل رہا تھا کہ وُہ "اُس وعدہ کی اُمید" پر قائم تھا "جو خُدا نے ... باپ دادا سے کیا تھا"۔ یعنی خُدا نے پُرانے عہدنامہ کے بزُرگوں سے جو وعدہ کیا تھا پولُس اُس کے پُورا ہونے کی اُمید پر قائم تھا۔ یہاں پولُس کی دلیل کا سِلسلہ یُوں چلتا ہے: ـــ پُرانے عہدنامہ میں خُدا نے اِسرائیلی قوم کے رہبروں مثلاً ابرہام، اضحاق، یعقوب، داؤد اور سلیمان سے کئی وعدے کئے تھے۔ سب سے بڑا وعدہ مسیحِ موعُود سے تعلق رکھتا تھا کہ وُہ اِسرائیلی قوم کو خلاصی دِلانے اور دُنیا پر حکومت کرنے کے لئے آئے گا۔ پُرانے عہدنامہ کے بزرگان اِس وعدہ کی تکمیل کو دیکھے بغیر مر گئے۔ کیا اِس کا مطلب ہے کہ خُدا اِن وعدوں کی شقوں کو پُورا نہیں کریگا؟ بے شک وُہ پُورا کرے گا۔ لیکن کیسے جبکہ بزرگان تو مر چکے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ خُدا اُن بزرگوں کو "مُردوں میں سے زندہ کر کے" اپنے وعدے پُورے کرے گا۔ اِس طرح پولُس نے پُرانے عہدنامہ کے مُقدسین کے ساتھ وعدوں کو مُردوں کی قیامت سے مُنسلک کیا ہے۔

۲۶: ۷۔ رسُول نے اِسرائیل کے "بارہ[۱۲] قبیلوں" کی تصویر اِس طرح پیش کی ہے کہ وہ "اِسی وعدہ کے پُورا ہونے کی اُمید پر ... دِل وجان سے رات دِن عبادت کیا کرتے ہیں"۔ "بارہ[۱۲] قبیلوں" کا یہ ذِکر اِس لئے خاص اہمیّت رکھتا ہے کہ آج کل یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اسیری کے بعد سے دس[۱۰] قبیلے "گم ہو چکے ہیں"۔ اگرچہ وُہ غیر قوموں کے درمیان تتر بتر تھے مگر پولُس اُن کو ایک علیحدہ قوم کے طور پر دیکھتا ہے جس کے افراد خُدا کی "عبادت کر رہے ہیں" اور موعُودہ مخلصی دینے والے کی راہ دیکھ رہے ہیں۔

۲۶: ۸-۱۱۔ پولُس دوبارہ اپنے حالاتِ زندگی کی طرف آتا ہے اور اُس وحشیانہ اور بے درد مُہم کا ذِکر کرتا ہے جو اُس نے مسیحی ایمان پر چلنے والوں کے خِلاف چلا رکھی تھی۔ وُہ اپنی پُوری قُوت سے "یسُوع ناصری" کی مُخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا اور "سردار کاہنوں کی طرف سے اِختیار پا کر بہت سے مُقدسوں کو قید میں ڈالا"۔ یہ تو تھا یروشلیم کا واقعہ۔ اور جب یروشلیم میں سنہیڈرن کے سامنے اُن کی پیشی ہوتی تو پولُس ہمیشہ اُن کے خِلاف ووٹ دیتا تھا۔ اور "ہر عبادت خانہ میں اُنہیں سزا دِلا دِلا کر زبردستی اُن سے کُفر کہلواتا تھا"۔ یعنی اُن کو مجبُور کرتا تھا کہ خُداوند کا اِنکار کریں۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ وُہ کامیاب ہوتا تھا مگر کوشش ضرور کرتا رہتا تھا۔ "یسُوع" کے شاگردوں کی یہ مُخالفت پولُس کو یروشلیم اور یہودیہ سے "غیر شہروں" میں بھی لے گئی۔

۲۶: ۱۲-۱۴۔ اور غیر شہروں کی ایک ایسی ہی مُہم کے دوران پولُس کو زندگی بدل دینے والا تجربہ ہُوا۔ وُہ "دمشق" جا رہا تھا۔ اُس کے پاس باضابطہ اختیارنامہ تھا کہ وہاں سے مسیحیوں کو باندھ کر یروشلیم

لائے اور سزا دلوائے۔ "دوپہر کے وقت" ایک جلالی رویا نے اُس کو چُندھیا دیا۔ "سُورج کے نُور سے زیادہ ایک نُور آسمان سے" اُس پر چمکا۔ وُہ زمین پر گر پڑا اور ایک "آواز سُنی" جس نے بہت گہرا سوال پُوچھا کہ "اَے ساؤل! اے ساؤل! تُو مُجھے کیوں ستاتا ہے؟" اِسی آواز نے یہ انکشاف کرنے والے الفاظ بھی کہے کہ "پینے کی آر پر لات مارنا تیرے لئے مُشکل ہے۔" "پینے کی آر" ایک نوکدار آلہ ہوتا ہے جو اڑیل جانوروں کو ہانکنے اور چلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ پَولُس اپنے ضمیر کے "پینے کی آر" پر لات مار رہا تھا۔ اور اِس سے بھی اہم بات یہ کہ وُہ اِلزام لگانے والی رُوحُ القُدس کی آواز کے خِلاف چل رہا تھا۔ وُہ اُس وقار اور شان کو نہیں بھُول سکا تھا جو اُس نے مرتے ہوئے ستِفنُس میں دیکھی تھی۔ وُہ خُود "خُدا" کے خِلاف نبرد آزما تھا۔

۲۶ : ۱۵۔ پَولُس نے پُوچھا "اے خُداوند، تُو کون ہے؟" آواز نے جواب دیا "مَیں یسُوع ہُوں، جِسے تُو ستاتا ہے۔" "یسُوع؟" یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا یسُوع مصلوب ہو کر مر نہیں گیا تھا؟ کیا اُس کے شاگرد اُس کی لاش چُرا نہیں لے گئے تھے اور کسی خُفیہ جگہ نہیں رکھ دی تھی؟ پھر کیسے ہُوا کہ یسُوع اب مُجھ سے مخاطب ہے؟ بہت جلد پَولُس کی رُوح پر سچائی اور حقیقت ظاہر ہو گئی۔ یسُوع کو واقعی دفن کیا گیا تھا مگر وُہ مُردوں میں سے "جی اُٹھا تھا" اور وُہ آسمان پر چڑھ گیا اور اب وہاں سے پَولُس سے مخاطب تھا۔ مسیحیوں کو ستانے میں وُہ اُن کے مالک کو "ستا رہا" تھا۔ اِس طرح وُہ اِسرائیل کے مسیحِ مَوعُود کو "ستا رہا" تھا جو دراصل خُدا کا بیٹا ہے۔

۲۶ : ۱۶۔ اِس کے بعد پَولُس اپنی اِس ذمّہ داری کا مختصر بیان کرتا ہے جو زِندہ خُداوند یسُوع مسیح نے اُسے سونپی تھی۔ خُداوند نے اُس سے کہا "اُٹھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو۔" اُس کو جلالی مسیح نے یہ خاص مُکاشفہ اِس لئے دِیا کہ اُسے مُقرر کیا گیا تھا کہ خُداوند کا خادم ہو اور اِن باتوں کی گواہی دے جو اُس نے اُس روز دیکھی تھیں اور مسیحی اِیمان کی اُن عظیم سچائیوں کا بھی گواہ ہو جو اُس پر ظاہر کی جائیں گی۔

۲۶ : ۱۷۔ خُداوند یسُوع نے وعدہ کیا کہ "مَیں تُجھے اِس اُمّت اور غیر قوموں سے بچاتا رہُوں گا۔" اِس سے مُراد ہے کہ جب تک اُس کا کام پُورا نہ ہو جائے خُداوند اُس کی جان کو محفوظ رکھے گا۔

۲۶ : ۱۸۔ پَولُس کو خاص طور سے غیر قوموں کے پاس بھیجا جائے گا تاکہ "اُن کی آنکھیں کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اِختیار سے خُدا کی طرف رُجُوع لائیں۔" مسیح پر اِیمان لانے کے وسیلے سے "گُناہوں کی مُعافی اور مُقدّسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں۔" اَیچ کے۔ ڈاؤنی بڑی عُمدگی سے بیان کرتا ہے کہ آیت ۱۸ اُن ساری باتوں کا انمول خاکہ ہے جو انجیل کسی کی زِندگی میں کرتی ہے۔

۱- اندھیرے سے چھڑاتی ہے۔

۲- شیطان کے اختیار سے آزاد کرتی ہے۔

۳- گناہ معاف کرتی ہے۔

۴- کھوئی ہُوئی میراث کو بحال کرتی ہے۔

۲۶: ۱۹-۲۳- پولس "اگرپا" کو بتاتا ہے کہ خداوند نے مجھے مقرر کر دیا "تو مَیں اُس آسمانی رویا کا نافرمان نہ ہُؤا۔ بلکہ پہلے دمشقیوں کو، پھر یروشلیم اور سارے مُلکِ یہودیہ کے باشندوں کو اور غیر قوموں کو سمجھاتا رہا کہ توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع لا کر توبہ کے موافق کام کریں"۔ اور اپنے کاموں سے اپنی توبہ کی سچائی کو ثابت کریں۔ مَیں یہی خدمت کر رہا تھا کہ "یہودیوں نے مجھے ہیکل میں پکڑ کر مار ڈالنے کی کوشش کی"۔ لیکن "خدا" نے میری حفاظت اور "مدد" کی۔ اور مَیں جس سے مِلتا رہا اُسی کو گواہی دیتا رہا۔ مَیں اُسی پیغام کی منادی کرتا ہُوں جس کی "پیشینگوئی نبیوں اور موسیٰ نے بھی کی ہے"۔ اور پیغام یہ ہے کہ مسیح موعود "کو دُکھ اُٹھانا ضرور ہے اور سب سے پہلے وُہی مُردوں میں سے زندہ ہو کر اِس اُمت کو اور غیر قوموں کو بھی نُور کا اِشتہار دے گا"۔

۲۶: ۲۴-۲۶- فیستُس غیر یہودی تھا اور غالباً پولس کی باتوں اور دلائل کو پُورے طور پہ نہیں سمجھتا تھا۔ پولس رُوح القدس سے بھرا ہُؤا تھا۔ فیستُس اُس کی باتوں سے اُلجھن محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے تُند مزاجی سے چِلّا کر کہا کہ "اے پولس! تُو دیوانہ ہے۔ بہت علم نے تجھے دیوانہ کر دیا ہے"۔ پولس بالکل خفا نہیں ہُؤا۔ اُسے قطعاً غصّہ نہیں آیا۔ اُس نے بڑی شائستگی کے ساتھ فیستُس کے اِلزام کی تردید کی اور زور دے کر کہا کہ مَیں "سچائی اور ہوشیاری کی باتیں کہتا ہُوں"۔ ساتھ ہی اُس نے اِعتماد کا اِظہار کیا کہ "بادشاہ" (اگرپا) اُس کی باتوں کی صداقت کو جانتا ہے۔ پولس کی زندگی اور گواہی کوئی ڈھکی چھُپی بات نہ تھی۔ یہودی اِس کے بارے میں سب کچھ جانتے تھے۔ اور بِلاشبہ اگرپا کو بھی ساری خبریں پہنچی ہوں گی۔

۲۶: ۲۷- اَب پولس نے براہِ راست بادشاہ کو مخاطب کیا: "اے اگرپا بادشاہ، کیا تُو نبیوں کا یقین کرتا ہے؟" پھر پولس نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا "مَیں جانتا ہُوں کہ تُو یقین کرتا ہے"۔ دلیل نہایت زوردار ہے۔ پولس کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ "مَیں اُن ساری باتوں کا یقین کرتا ہُوں جو نبیوں نے پُرانے عہدنامہ میں کی ہیں اور تُو بھی اُن کی گواہی کا یقین کرتا ہے کہ نہیں، اے اگرپا!؟ تو پھر یہودی مجھ پر کس طرح ایسا الزام لگا سکتے ہیں جس کی سزا موت ہو؟ یا تُو مجھے اِسی بات پر ایمان

رکھنے۔ بر کیسے سزا دے سکتا ہے جس پر تُو خود بھی ایمان رکھتا ہے؟

۲۶: ۲۸۔ "اگرپاؔ نے بھی پَولُس کی باتوں کا زبردست اثر لیا۔ ثبوت اُس کے الفاظ میں ہے کہ "تُو تو تھوڑی ہی سی نصیحت کر کے مُجھے مسیحی کر لینا چاہتا ہے"۔ البتہ اِس بات میں بہت اختلافِ رائے پایا جاتا ہے کہ اگرپاؔ کا اصل مطلب کیا تھا۔ بعض عُلما کا خیال ہے کہ اگرپاؔ بادشاہ مسیح کے حق میں فیصلہ کرنے کی دہلیز پر پہنچ گیا تھا۔ اُن کا خیال ہے کہ آیت ۲۹ میں پَولُس کا جواب اِس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ دُوسرے عُلما کا خیال ہے کہ اگرپاؔ طنز سے کہہ رہا تھا کہ "کیا خیال ہے کہ تھوڑی سی نصیحت سے تُو مجھے مسیحی کرے گا؟" گویا وہ پَولُس کی باتوں کو مذاق میں اُڑا رہا تھا۔

۲۶: ۲۹۔ اگرپاؔ خلوصِ نیّت سے بات کر رہا تھا یا مذاق میں اُڑا رہا تھا، مگر پَولُس کا جواب پوری دِل سوزی کا مظہر ہے۔ اُس نے دِلی خواہش کا اِظہار کیا کہ تھوڑی نصیحت سے یا بہت سے وہ اگرپاؔ ہی کو نہیں بلکہ جتنے وہاں حاضر تھے وہ سب کے سب مسیحی زندگی کی خوشیوں اور برکتوں میں داخل ہو جائیں تاکہ اُن کو بھی پَولُس جیسے سارے اِستحقاق اور اعزاز حاصل ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ سب "میری مانند ہو جائیں۔ سوا اِن زنجیروں کے"۔ مورگن رقم طراز ہے کہ

> "وہ اگرپاؔ کو بچانے کی خاطر مرنے کو بھی تیار تھا، لیکن نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی زنجیریں اگرپاؔ کو پڑیں۔ یہ ہے مسیحیّت ... وہ اخلاص جو ظُلم وستم ڈھاتا ہے مسیحیت نہیں ہے۔ وہ اخلاص جو چھٹکارا دینے کی خاطر مَوت کو گلے لگاتا ہے مگر زنجیر نہیں پہناتا، وہ مسیحیت ہے"۔

۲۶: ۳۰۔۳۲۔ "تب بادشاہ اور حاکم اور برنیکے" اور دُوسرے عُہدیدار اُٹھ کر کمرے سے نکل گئے اور الگ جا کر صلاح مشورہ کرنے لگے۔ وہ سب ماننے پر مجبور تھے کہ "یہ آدمی ایسا تو کچھ نہیں کرتا جو قتل یا قید کے لائق ہو"۔ شاید کسی قدر پچھتاوے کے ساتھ "اگرپاؔ نے فیستُس سے کہا کہ اگر یہ آدمی قیصر کے ہاں اپیل نہ کرتا تو چھوٹ سکتا تھا"۔

ہمیں قدرتی طور پر خیال آتا ہے کہ "قیصر کے ہاں اپیل" منسوخ کیوں نہ ہو سکتی تھی۔ یہ تبدیل ہو سکتی تھی کہ نہیں مگر ہم اِتنا ضرور جانتے ہیں کہ خُدا کی مرضی تھی کہ غیر قوم کا رسُول رُوم جائے اور شہنشاہ کے سامنے پیش ہو (۲۳: ۱۱) اور وہاں اُس کی یہ آرزو پُوری ہو کہ مَوت میں اپنے خُداوند کے مُشابہ ٹھہرے۔

ط۔ پولس کا سفرِ روم اور جہاز کی غرقابی (۲۷: ۱ — ۲۸: ۱۶)

یہ باب پولس کے سنسنی خیز سفر کا حال بیان کرتا ہے جو اُس نے روم جاتے ہوئے قیصریہ سے ملتے تک کیا۔ اگر پولس اِس جہاز کا مسافر نہ ہوتا تو ہمیں نہ اِس سفر کا حال معلوم ہوتا نہ جہاز کی تباہی کی خبر ہوتی۔ اِس حصے میں بحری زندگی کی کئی اصطلاحات اِستعمال ہوئی ہیں لہٰذا سمجھنے میں اکثر مشکل پیش آتی ہے۔

۲۷: ۱۔ اِس سفر کا آغاز قیصریہ سے ہوا۔ "پولس" کو شہنشاہی پلٹن کے ایک "صوبہ دار یولیس" کے سپرد کیا گیا۔ اِس صوبہ دار کا تعلق "اگستی پلٹن" سے تھا جو رومی فوج کی ایک اِمتیازی پلٹن تھی۔ نئے عہدنامہ میں مذکور دوسرے سارے صوبہ داروں کی طرح یولیس بھی مہربانی، اِنصاف پسندی اور دوسروں کا خیال رکھنے میں اعلیٰ کردار کا مالک تھا۔

۲۷: ۲۔ جہاز پر دوسرے قیدی بھی تھے۔ پولس کی طرح اُن کو بھی مقدمہ کے سلسلے میں روم لے جارہے تھے۔ مسافروں کی فہرست میں "ارسترخس" اور لوقا بھی شامل ہیں۔ یہ رسول کے پہلے سفروں میں بھی اُس کے ہمراہ رہے تھے۔ جس "جہاز" پر یہ لوگ سوار ہوئے اُس کا تعلق "ادرمتیم" سے تھا جو ایشیائے کوچک کے شمال مغربی کونے میں موسیہ کا ایک شہر تھا۔ جہاز کو شمال کی طرف اور مغرب کی طرف جانا اور رومی گورنر کے زیرِ عنان "آسیہ کے کنارے کی بندرگاہوں" پر لنگر انداز ہوتے ہوئے آگے جانا تھا۔ آسیہ ایشیائے کوچک کا مغربی صوبہ تھا۔

۲۷: ۳۔ جہاز فلستین کے ساحل کے ساتھ ساتھ شمال کو چلا اور قیصریہ سے ستر میل دور "صیدا میں ٹھہرا"۔ صوبہ دار "یولیس نے پولس پر مہربانی کرکے" اُسے ساحل پر "دوستوں کے پاس جانے کی اِجازت دی تاکہ اُس کی خاطرداری ہو"۔

۲۷: ۴، ۵۔ صیدا سے بحیرۂ روم کو شمال مشرقی رُخ پر کاٹتے ہوئے، اُنہوں نے "کپرس" کو بائیں ہاتھ پر چھوڑا اور جزیرے کی آڑ کا فائدہ اُٹھایا۔ اگرچہ "ہوا مخالف تھی" تو بھی جہاز سمندر کو عبور کرکے ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل پر پہنچا۔ پھر مغرب کا رُخ کرکے "کلکیہ اور پمفولیہ کے پاس سے گزرا اور لوکیہ کے شہر مورہ میں" لنگر انداز ہوا۔

۲۷: ۶۔ "وہاں صوبہ دار" نے قیدیوں کو ایک دوسرے جہاز پر "بٹھا دیا" کیونکہ پہلا جہاز "اطالیہ"

نہیں جارہا تھا۔ اُسے تو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرنا تھا۔

دُوسرا "جہاز" افریقہ کے شمالی ساحل پر واقع "اِسکندریہ" سے تعلق رکھتا تھا۔ مُسافر اور عملہ مِلا کر اُس میں ۲۷۶ افراد سُوار تھے۔ اُس پر گیہوں لدا ہُؤا تھا۔ اِسکندریہ سے یہ جہاز شمالی رُخ پر بُحیرۂ روم کو پار کرتا ہُؤا "مُورہ" کی بندرگاہ میں آیا تھا اور اَب مغرب میں "اطالیہ" کو جارہا تھا۔

۲۷: ۷، ۸۔ مُخالف ہواؤں کے باعث "بہت دِنوں تک" سفر کی رفتار بہت سُست رہی۔ عملہ "بڑی مُشکل" سے جہاز کو "کِندُس" کی بندرگاہ میں لایا۔ یہ بندرگاہ ایشیائے کوچک کے اِنتہائی جنوب مغربی کونے میں واقع تھی۔ چونکہ ہوا مُخالِف تھی اِس لئے اُنہوں نے جُنوب کا رُخ کِیا اور "کریتے" کے جزیرے کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ چلے اِس لئے کہ اُس طرف ہوا سے آڑ مِلتی تھی۔ "سلمونے" کے گِرد گھُوم کر وُہ مغرب کی طرف مُڑے۔ اب اُن کو تیز ہواؤں کا سامنا تھا۔ تاہم وُہ "حسین بندر" نام ایک مقام میں پُہنچ گئے۔ یہ بندرگاہ "لسیہ شہر" کی بندرگاہ تھی جو "کریتے" کے جنوبی ساحل کے وسط میں واقع تھا۔

۲۷: ۹-۱۰۔ اب تک ناموافق حالات میں کھینے کھینے "بہت عرصہ گُزر گیا" تھا۔ موسمِ سرما آرہا تھا۔ اِس لئے سفر کرنا اور بھی "خطرناک" تھا۔ "روزہ کا دِن گُزر چُکا تھا"۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ستمبر کا اخیر یا اکتوبر کا شروع ہوگا۔ "پَولُس" نے عملے کو خبردار کیا کہ اب جہاز رانی غیر محفوظ ہوگی۔ اگر اَب بھی "سفر" جاری رکھا تو "تکلیف اور بہت نُقصان ہوگا۔ نہ صِرف مال اور جہاز کا بلکہ ہماری جانوں کا بھی"۔

۲۷: ۱۱، ۱۲۔ تاہم "ناخدا اور جہاز کا مالک" آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ صُوبہ دار نے اُن کی بات زیادہ مانی، اِس لئے بھی کہ "وُہ بندر جاڑوں میں رہنے کے لئے اچھّا نہ تھا"۔ اِس لئے جہاز پر کے "اکثر لوگوں" نے بھی یہی صلاح دی کہ وہاں سے روانہ ہوجائیں "اور اگر ہو سکے تو فِینِکس میں پُہنچ کر جاڑا کاٹیں"۔ "فِینِکس" حسین بندر سے چالیس[۴۰] میل مغرب میں "کریتے" کی جنوب مغربی نوک پر واقع تھا اور اِس کا "رُخ شمال مشرق اور جُنوب مشرق کو" تھا۔

۲۷: ۱۳-۱۷۔ "جب کُچھ کُچھ دکّھنا ہوا چلنے لگی" تو جہاز رانوں نے سوچا کہ ہم فِینِکس تک کا چالیس[۴۰] میل کا اضافی فاصلہ طے کرلیں گے چنانچہ اُنہوں نے لنگر اُٹھایا اور ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کو چلے۔ اب شمال مشرق سے آنے والی طُوفانی ہوا "جو یُورکُلون کہلاتی ہے" ساحلی چٹانوں پر سے جہاز پر ٹکرانے لگی۔ وُہ جہاز کو مُتوقع راستے پر نہ رکھ سکے اور "لاچار ہوکر اُس کو بہنے دِیا"۔ طُوفانی ہوا اُن کو جنوب مغرب میں "کَودہ نام ایک چھوٹے جزیرہ" کے پاس لے گئی۔ یہ جزیرہ "کریتے" سے بیس[۲۰] سے تیئیس[۲۳] میل دُور ہے۔ وُہ "جزیرہ کی آڑ" میں پُہنچے تو بھی اُن کو "ڈونگی کو قابُو میں" لانے میں بڑی مُشکل پیش آئی۔ وُہ ڈونگی (چھوٹی کشتی) کو

جہاز کے پیچھے پیچھے کھینچے آ رہے تھے۔ لیکن بالآخر اُسے جہاز پر چڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد اُنہوں نے "جہاز کی مضبوطی کی تدبیریں کر کے اُس کو نیچے سے باندھا" یعنی جہاز کے پیٹے کو زنجیروں سے باندھ دیا تاکہ بھاری لہریں اُسے توڑ نہ دیں۔ اُن کو زبردست خوف اور خطرہ تھا کہ لہریں اُنہیں بہا کر "سُورتِس" کو لے جائیں گی۔ یہ جگہ افریقہ کے ساحل پر تھی اور خطرناک اور زیرِآب ریتوں کے لئے مشہور تھی۔ اِس خطرہ سے بچنے کے لئے اُنہوں نے "جہاز کا ساز و سامان (یعنی بادبان وغیرہ) اُتار لیا اور اُسی طرح بہتے چلے گئے"۔

۲۷: ۱۸، ۱۹۔ ایک پُورا دِن طُوفان کے رحم و کرم پر ہچکولے کھانے کے بعد وُہ "جہاز کا مال پھینکنے لگے"۔ تیسرے دِن اُنہوں نے "جہاز کے آلات و اسباب بھی پھینک دِئے"۔ بلاشبہ جہاز میں بہت پانی بھر رہا تھا اِس لئے لازم تھا کہ بوجھ ہلکا کیا جائے تاکہ جہاز ڈوبنے سے بچ جائے۔

۲۷: ۲۰۔ "بہت دِنوں تک" طُوفان اُن کو اِسی طرح ہچکولے دیتا اور سمندر پر اُچھالتا رہا۔ اُن کو "نہ سُورج نظر آیا نہ تارے"۔ وُہ معلوم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کہاں ہیں کیونکہ سمتی زاویہ معلوم نہیں کر سکتے تھے۔ طُوفان کی شِدت سے "آخر" اُن کو "بچنے کی اُمید بالکل نہ رہی"۔

۲۷: ۲۱۔ ۲۶۔ بھوک نے مایوسی کو اَور بڑھا دیا۔ آدمیوں نے بہت دِنوں سے کُچھ نہیں کھایا تھا۔ وُہ یقیناً جہاز کے بچاؤ کی تدبیروں اور پانی باہر نکالنے میں لگے رہتے تھے۔ شاید کھانا پکانے کی کوئی سہولیات باقی نہ رہی تھیں۔ بیماری، خوف اور بے حوصلگی نے اُن کی بھوک اُڑا دی تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کی کمی نہ تھی مگر کھانے کی رغبت ماری گئی تھی۔

آخر اُمید کا پیغام لے کر "پَولُس ... اُن کے بیچ میں کھڑا" ہُوا۔ پہلے تو اُس نے شائستگی سے اُن کو یاد دِلایا کہ "لازم تھا کہ ... تُم ... کریتے سے روانہ نہ ہوتے"۔ اِس کے بعد اُن کو یقین دِلایا کہ "کِسی کی جان کا نقصان نہ ہو گا مگر جہاز کا"۔ اُس کو کیسے معلوم ہُوا؟ "اِسی رات" خُداوند کا ایک "فرِشتہ" اُس پر ظاہر ہُوا تھا اور اُس کو یقین دِلایا تھا کہ "ضرُور ہے کہ تُو قَیصر کے سامنے حاضر ہو"۔ خُدا نے اپنے رسُول کی خاطر اُس کے ساتھ سفر کرنے والوں کی جان بھی بخش دی تھی۔ یہ تھا فرشتہ کا پیغام۔ چنانچہ پَولُس نے اُن سے کہا کہ اِس لئے "خاطر جمع رکھو"۔ پَولُس کو یقین تھا کہ سب کُچھ ٹھیک رہے گا۔ اگرچہ جہاز تباہ ہو جائے گا "لیکن یہ ضرُور ہے کہ ہم کِسی ٹاپُو میں جا پڑیں"۔

اے۔ ڈبلیو۔ ٹوزر بہت بصیرت افروز بات لکھتا ہے:

"جب کُچھ کُچھ دُکھنا ہوا چلنے لگی" تو جس جہاز پر پَولُس تھا وُہ خاصے آرام سے

چلنے لگا۔ جہاز پر کے لوگوں میں سے کسی کو خبر نہ تھی کہ پولُس کون ہے اور یہ شخص جو بظاہر سادہ سا نظر آتا ہے باطن میں کیسے مضبوط کردار کا مالک ہے۔ لیکن جب یُورکُلون نامی زبردست طُوفان اُن پر آپڑا، تو بہت جلد جہاز پر موجود ہر شخص پولُس کی عظمت کی باتیں کرنے لگا۔ رسُول اگرچہ خُود قیدی تھا مگر اُسی نے جہاز کی کمان سنبھال لی۔ وُہی فیصلے کرتا حکم صادر کرتا تھا۔ گویا اُن کی زندگی اور موت کا دارومدار اُسی پر تھا۔ میرا خیال ہے کہ اِس بحران نے پولُس کی وُہ خُوبی ظاہر کر دی جس کی شاید اُسے خُود بھی خبر نہ تھی۔ اور جب جہاز (ریت میں) پھنس گیا تو ایک خوبصورت نظریّہ نے ٹھوس اور بلور کی طرح شفاف حقیقت کا رُوپ دھار لیا۔"

۲۷: ۲۷-۲۹۔ حسینؔ بندر سے روانہ ہُوئے اُن کو چودہ[۱۴] دِن ہو چُکے تھے۔ اِس وقت وُہ بحیرۂ روم کے حِصّے بحیرۂ "ادریہ" میں بڑی لاچاری سے ہچکولے کھاتے پھر رہے تھے۔ یہ بحیرہ یُونان، اطالیہ اور افریقہ کے درمیان پھیلا ہُؤا ہے۔ "آدھی رات کے قریب ملّاحوں نے اٹکل سے معلوم کیا کہ کسی مُلک کے نزدیک پہنچ گئے" ہیں۔ شاید اُنہیں بڑی بڑی لہروں کے ساحل سے ٹکرانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اُنہوں نے پہلی دفعہ گہرائی ناپی تو "بیس[۲۰] پُرسہ" (تقریباً ۱۲۰ فٹ) پایا۔ تھوڑی دیر بعد پھر ناپی تو "پندرہ[۱۵] پُرسہ" پایا۔ جہاز کو چٹانوں پر چڑھ جانے سے بچانے کی خاطر اُنہوں نے "پیچھے سے چار[۴] لنگر ڈالے اور صُبح ہونے کے لئے دُعا کرتے رہے"۔

۲۷: ۳۰-۳۲۔ اپنی جانوں کے خطرہ کے پیشِ نظر "ملّاحوں" نے چھوٹی کشتی میں چڑھ کر "جہاز پر سے بھاگ" جانے کی سازش کی۔ وُہ اِس مقصد کے لئے بہانہ سے "گلہی سے لنگر ڈال رہے تھے کہ پولُس نے "صُوبہ دار" کو مطلع کر دیا کہ اگر یہ جہاز پر نہ رہیں گے تو تُم نہیں بچ سکتے۔ اِس پر سپاہیوں نے ڈونگی کی رسّیاں کاٹ کر اُسے چھوڑ دیا"۔ اِس طرح ملّاح مجبُور ہو گئے کہ جہاز ہی پر رہ کر اپنی اور دُوسروں کی جانیں بچانے کی کوشش کریں۔

۲۷: ۳۳-۳۴۔ فلپس آیات ۳۳ تا ۳۷ کو "پولُس کی مضبُوط عقلِ سلیم" کا نام دیتا ہے۔ اِس وقت کے ڈرامہ کو صحیح طور سے سمجھنے کے لئے ہمیں سمُندری طوفان کی شدت اور ہولناکی کا کچھ علم ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ پولُس جہاز کا کپتان نہیں صرف ایک قیدی مُسافر تھا۔

پَو پھٹنے سے ذرا پہلے "پولُس نے سب کی منّت کی" کہ کچھ کھا لیں کیونکہ اُنہیں "فاقہ" کرتے ہُوئے "چودہ[۱۴] دِن" ہو گئے تھے۔ اور اُن کی "بہتری" اِسی میں تھی۔ رسُول نے اُن کو یقین دِلایا کہ "تُم میں سے

کسی کے سر کا ایک بال بیکا نہ ہوگا"۔

۲۷: ۳۵۔ پھر اُس نے خود نمونہ پیش کیا۔ "اُس نے روٹی لی اور ... خدا کا شکر کیا اور ... کھانے لگا"۔ ہم کتنی دفعہ دُوسروں کے سامنے دُعا مانگنے سے ہچکچاتے ہیں۔ مگر ایسی دُعائیں ہماری منادی اور وعظوں سے بڑھ کر بلند ہوتی اور پیغام دیتی ہیں۔

۲۷: ۳۶-۳۷۔ اِس طرح اُن کی "خاطر جمع ہوئی" اور وُہ سب بھی "کھانا کھانے لگے"۔ "سب مِل کر جہاز میں دو سو چھہتر (۲۷۶) آدمی تھے"۔

۲۷: ۳۸-۴۱۔ کھانا کھا چکے تو "گیہوں کو سمندر میں پھینک کر جہاز کو ہلکا کرنے لگے"۔ خشکی یعنی زمین نزدیک ہی تھی۔ مگر وُہ اُس "مُلک کو" پہچان نہ سکے۔ فیصلہ کیا گیا کہ "اگر ہو سکے تو جہاز کو کھاڑی پر چڑھا لیں"۔ اُنہوں نے "لنگر کھول کر سمندر میں چھوڑ دِیئے"۔ اِس کے بعد اُنہوں نے پتوار کھولے جو پہلے اُٹھا دیئے گئے اور اُن کو نیچا کیا۔ پھر "اگلا پال ہَوا کے رُخ پر چڑھا کر کنارے کی طرف چلے"۔ مگر جہاز ایک ایسی جگہ جا پڑا "جس کی دونوں طرف سمندر کا زور تھا" غالباً کوئی ایسی تنگ خلیج تھی جس کے دونوں طرف جزیرے تھے۔ جہاز کی گلہی تو ریت میں "پھنس گئی" لیکن بہت جلد "دُنبالہ لہروں کے زور سے ٹوٹنے لگا"۔

۲۷: ۴۲-۴۴۔ "سپاہیوں کی یہ صلاح تھی کہ قیدیوں کو مار ڈالیں" مبادا وُہ فرار ہو جائیں۔ "لیکن صُوبہ دار نے پَولُس کو بچانے کی غرض سے" اُن کی صلاح ردّ کر دی اور "حکم دیا کہ جو تیر سکتے ہیں پہلے کُود کر کنارے پر چلے جائیں"۔ دُوسروں سے کہا گیا کہ جہاز کے "تختوں پر اور ... اور چیزوں کے سہارے" جانیں بچا لیں۔ اِس طرح عملہ اور مُسافر "سب کے سب خشکی پر سلامت پہنچ گئے"۔

۲۸: ۱-۲۔ جزیرے پر پہنچ کر پتہ چلا کہ یہ "مِلتے" کا جزیرہ ہے۔ جزیرے کے بعض باشندوں نے جہاز کو تباہ ہوتے اور طوفان کے شکار افراد کو ساحل پر آنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے دیکھا تھا۔ اُنہوں نے "خاص مہربانی کی" اور اُن کے لئے آگ جلائی تاکہ یہ بے چارے بھیگے ہوئے، بلکہ تر بتر افراد "مینہ کی جھڑی اور جاڑے" سے بچ سکیں۔

۲۸: ۳۔ "پَولُس" نے اُن کی مدد کرتے ہوئے "لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے آگ میں ڈالا تو ایک سانپ گرمی پا کر نکلا اور اُس کے ہاتھ پر لپٹ گیا"۔ مُراد یہ نہیں کہ وُہ صِرف لپٹ گیا تھا بلکہ ڈسا بھی تھا۔

۲۸: ۴-۶۔ مقامی لوگوں نے پہلے تو یہ نتیجہ نکالا کہ یہ آدمی "خُونی ہے"۔ اگرچہ طُوفان اور جہاز کی تباہی سے تو بچ گیا ہے مگر "عدل اُسے جینے نہیں دیتا"۔ وُہ مُنتظر تھے کہ اِس کا بدن سُوج جائے گا

یا یہ مرکر یکایک گر پڑے گا"۔ لیکن جب پولُس پر سانپ کے ڈسنے کا کوئی اثر ظاہر نہ ہُوا تو اُن کا خیال بدل گیا اور وُہ کہنے لگے کہ "یہ تو کوئی دیوتا ہے"۔ یہ ایک اَور مثال ہے کہ اِنسان کا دِل و دماغ کیسا متلوّن ہے۔ کتنی جلدی بدل جاتا ہے۔

۲۸: ۷۔ اُن دِنوں مِلِتےؔ کے جزیرہ کی سرکردہ شخصیت "پُبلیُس" تھا۔ جس جگہ تباہ شُدہ جہاز کے لوگ اُترے تھے اُس کے آس پاس پُبلیُس کی بڑی جاگیر تھی۔ اِس دولت مند رُومی افسر نے پولُس اور اُس کے ساتھیوں کی "بڑی مہربانی سے مہمانی کی" اور "تین دِن" تک اُن کو قیام وطعام مُہیّا کیا۔ اِتنی مُدّت میں اُن کے لئے مُستقل قیام گاہ کا اِنتظام ہوسکتا تھا تاکہ وُہ جاڑے کا موسم بسر کرسکیں۔

۲۸: ۸۔ اِس غیر یہُودی سردار کی مہربانی اور مہمانداری رائیگان نہیں گئی۔ اِس کا اجر جلدی مِل گیا۔ "اُس کا باپ بُخار اور پیچش کی وجہ سے بیمار پڑا تھا۔ پولُس نے اُس کے پاس جاکر دُعا کی اور اُس پر ہاتھ رکھ کر شِفا دی"۔

۲۸: ۹، ۱۰۔ شِفا دینے کے اِس معجزے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ اگلے تین مہینوں کے دَوران جزیرہ کے بیمار پولُس کے پاس لائے جاتے اور شِفا پاتے رہے۔ مِلِتے کے لوگ پولُس رسُول اور لُوقا کی عزّت وقدر کرتے تھے۔ وُہ اُن کے لئے بہت سے تحفے تحائف لائے اور روم کے سفر کیلئے اُن کو جو کچھ درکار تھا وُہ مِلِتے کے لوگوں نے "جہاز پر رکھ دیا"۔

۲۸: ۱۱۔ موسمِ سرما کے "تین مہینے" گُزر گئے۔ اب جہاز رانی محفوظ تھی۔ چنانچہ صُوبہ دار نے اپنے قیدیوں کو "اِسکندریہ کے ایک جہاز پر" سوار کرایا۔ یہ جہاز "جاڑے بھر اُس ٹاپُو میں رہا تھا"۔ اِس جہاز کا نشان "دیسکُوری" یعنی جڑواں بھائی تھا۔ اِن بھائیوں کے نام کیسٹر اور پولکس ہیں۔ بُت پرست ملّاح اِن بھائیوں کو اپنے سرپرست دیوتا مانتے تھے۔

۲۸: ۱۲-۱۴۔ مِلِتے سے جہاز میں یہ لوگ کوئی اَسّی میل دُور "سرکُوسہ" پہنچے جو سسلی کا دارالحکومت اور مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ جہاز وہاں "تین دِن" ٹھہرا۔ پھر "ریگیم" کی طرف روانہ ہُوا۔ یہ بندرگاہ اطالیہ کے جُنوب مغربی کونے پر واقع تھی۔ "ایک روز بعد" موافق "دکھنا" چلنے لگی جس کی مدد سے عملہ جہاز کو اطالیہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ ۱۸۰ میل دُور "پُتیلی" پہنچانے میں کامیاب رہا جو "رومہ" سے تقریباً ۱۵۰ میل جُنوب مشرق میں تھا۔ وہاں پولُس رسُول کو مسیحی "بھائی مِلے"۔ اُس کو اجازت مِل گئی اور وُہ "سات دِن" تک اُن کی رفاقت سے لُطف اندوز ہوتا رہا۔

۲۸: ۱۵۔ ہمیں بتایا نہیں گیا کہ پولُس کے پُتیلی پہنچنے کی خبر روم کیسے پہنچی۔ مگر وہاں سے

"بھائیوں" کے دو[2] گروہ پولُس کی مُلاقات کو آئے۔ ایک گروہ نے روم سے جنوب مشرق کو تینتالیس[43] میل کا سفر کر کے "اَپئیُس کے چوک" آ کر اُس کا اِستقبال کیا۔ دُوسرے گروہ نے تینتیس[33] میل جنوب مشرق میں "تین سرائے" پہنچ کر اُسے خوش آمدید کہا۔ "پولُس" روم کے اِن مُقدسین کی وَلولہ انگیز محبّت کے ایسے اِظہار سے بہت متاثر ہُوا اور اُس کی بے حد حوصلہ افزائی ہُوئی۔

۲۸: ۱۶۔ "روما" پہنچے تو پولُس کو "اِجازت ہُوئی" کہ الگ گھر میں "اکیلا اُس سپاہی کے ساتھ رہے جو اُس پر پہرہ دیتا تھا"۔

ی۔ پولُس کی نظر بندی اور روم کے یہودیوں کے سامنے گواہی (۲۸: ۱۷۔ ۳۱)

۲۸: ۱۷۔ ۱۹۔ پولُس کی پالیسی تھی کہ پہلے یہودیوں کو گواہی دیتا تھا۔ اِس پالیسی کے مُطابق اُس نے "یہودیوں کے رئیسوں کو بُلوایا"۔ "جب" وُہ پولُس کے کرایہ کے مکان میں "جمع ہو گئے" تو اُس نے اُن کو اپنے مُقدمہ کے بارے میں بتایا کہ "ہر چند مَیں نے اُمّت کے اور باپ دادا کی رسموں کے خِلاف کُچھ نہیں کیا" توبھی یروشلیم کے یہودیوں نے مُجھے "رومیوں کے ہاتھ حوالہ کیا" ہے تاکہ مُجھ پر مُقدمہ چلایا جائے۔ غیر قوم افسران اور مجاز حاکموں نے مُجھ میں کوئی قصُور نہ پایا تو مُجھے چھوڑ دینا چاہا۔ "مگر جب یہودیوں نے چِلّا چِلّا کر" مُخالفت کی تو مَیں نے لاچار ہو کر قیصر کے ہاں اپیل کی"۔ اِس اپیل کرنے کا مقصد ہرگز "اپنی قوم پر ... اِلزام" لگانا نہیں ہے بلکہ اپنی صفائی پیش کرنا ہے۔

۲۸: ۲۰۔ روم کے اِن مُعزز یہودیوں کو بُلانے کا مقصد یہ تھا کہ پولُس اُن کو بتانا چاہتا تھا کہ اُس نے یہودی اُمّت کے خِلاف کوئی جُرم نہیں کیا۔ دراصل وُہ "اِسرائیل کی اُمید کے سبب سے" زنجیروں میں جکڑا ہُوا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی واضح کیا گیا "اِسرائیل کی اُمید" اِشارہ ہے اُن وعدوں کی تکمیل کی طرف جو یہودی قوم کے آبا و اَجداد سے کئے گئے تھے۔ اِن میں مسیحِ موعُود کی آمد کا وعدہ خاص الخاص اہمیّت کا حامل ہے اور اِن وعدوں کی تکمیل میں مُردوں کی قیامت کی حقیقت بھی مُضمر تھی۔

۲۸: ۲۱۔ ۲۲۔ یہودی لیڈروں نے اِقرار کیا کہ ہم پولُس رسُول کے بارے میں کُچھ نہیں جانتے۔ اُنہوں نے کہا کہ "نہ ہمارے پاس یہودیہ سے تیرے بارے میں خط آئے، نہ بھائیوں میں سے کِسی نے آکر تیری کُچھ خبر دی"۔ "بھائیوں" سے یہاں مُراد اُن کے ساتھی یہودی ہیں۔ البتہ یہ یہودی سردار پولُس

کے بارے میں مزید جاننے کے خواہش مند تھے کیونکہ وُہ جانتے تھے کہ اُس کا تعلق مسیحی ایمان سے ہے اور ہر جگہ لوگ اِس ایمان کے خِلاف باتیں کرتے تھے۔

۲۸: ۲۳- چند دِنوں کے بعد یہ یہُودی "کثرت سے" پولُس کے گھر میں "جمع ہوئے" تاکہ اُس سے زیادہ باتیں سُنیں۔ پولُس نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے "خُدا کی بادشاہی کی گواہی" دی اور "یسوع کی بابت سمجھا سمجھا" کر بیان کیا۔ وُہ ساری باتوں کے لئے "توریت اور نبیوں کے صحیفوں سے" حوالے دیتا رہا۔ یہ سِلسلہ "صُبح سے شام تک" جاری رہا۔

۲۸: ۲۴- بعض اُس کے پیغام کا یقین کرکے مسیح پر ایمان لائے "بعض نے نہ مانا" (یہاں "نہ مانا" بہُت زوردار فعل ہے جس کا مفہوم پیغام کو قبول نہ کرنا نہیں بلکہ اِسے رَدّ کرنا ہے)۔

۲۸: ۲۵- ۲۸- جب "پولُس" نے دیکھا کہ مجمُوعی طور پر یہُودی قوم انجیل کو رَد کر رہی ہے تو اُس نے یسعیاہ نبی (۶: ۹- ۱۰) سے اِقتباس پیش کیا جہاں نبی کو مُقرر کیا گیا کہ ایک ایسی "اُمت" کو پیغام دے جن کے "دِل پر چربی چھا گئی ہے"۔ جن کے "کان" بہرے ہو گئے ہیں اور جن کی "آنکھیں" اندھی ہو گئی ہیں۔ پولُس کو اِحساس ہُوا کہ مَیں اُن لوگوں کو خوشخبری سُنانے کی کوشش کر رہا ہُوں جو سُننا نہیں چاہتے۔ اِس اِحساس سے رسُول کا دِل ٹُوٹ گیا۔ یہُودیوں کی طرف سے پیغام کے اِس طرح رَدّ کئے جانے کے بعد پولُس نے اِعلان کیا کہ اَب مَیں یہ پیغام "غیر قوموں کے" پاس لے جاؤں گا۔ اور اِس یقین کا اِظہار کیا کہ "وُہ اُسے سُن بھی لیں گی"۔

۲۸: ۲۹- ایمان نہ لانے والے "یہُودی آپس میں بحث کرتے چلے گئے"۔ کیلون کہتا ہے کہ پولُس نے ایک ایسی نبوّت کا اِقتباس کیا تھا جس سے ایمان نہ لانے والے اور مسیحِ موعُود کو رَدّ کرنے والے یہُودی ناراض ہو گئے۔ وُہ اِیمان لانے والے اپنے بھائیوں کے خِلاف بھڑک اُٹھے۔ کیلون مزید وضاحت کرتے ہُوئے لکھتا ہے کہ

> "اِس واقعہ سے یہ نتیجہ اَخذ کرنا ناجائز ہوگا کہ مسیح کی اِنجیل جھگڑے اور تکرار پیدا کرتی ہے جبکہ صاف نظر آتا ہے کہ اِن باتوں کا سرچشمہ اِنسان کی ہٹ دھرمی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خُدا کے ساتھ صُلح رکھنے کی خاطر ضرُوری ہے کہ ہم اُن لوگوں کے خِلاف جنگ کریں جو اُس کے ساتھ حقارت کا سلُوک کرتے ہیں"۔

۲۸: ۳۰- پولُس "پُورے دو برس" روم میں "اپنے کرایہ کے گھر میں رہا"۔ اُس کے پاس مُلاقاتیوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ غالباً اِسی عرصے کے دوران اُس نے اِفسیوں، فلپیّوں، کلسّیوں اور فلیمون کو خطُوط لکھے۔

۲۸: ۳۱- اُس کو بڑی حد تک آزادی حاصِل تھی کیونکہ "وُہ کمال دلیری سے بغیر روک ٹوک کے خُدا کی

بادشاہی کی منادی کرتا اور خداوند یسوع مسیح کی باتیں سکھاتا رہا"۔

اِن الفاظ کے ساتھ اعمال کی کتاب اختتام پذیر ہوتی ہے۔ بعض عُلما کا خیال ہے کہ کتاب ایک عجیب طور پر اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ بہر حال جس مقصد کا خاکہ شروع میں پیش کیا گیا تھا، وہ اب پورا ہو جاتا ہے۔ خوشخبری یروشلیم، یہودیہ اور سامریہ میں اور اب غیر قوم دُنیا میں پہنچ چکی ہے۔

اعمال کی کتاب کے خاتمے کے بعد پولُس کی زندگی میں جو واقعات وقوع پذیر ہوئے اور اُسے جن حالات میں سے گزرنا پڑا وہ صرف اُس کی بعد کی تحریروں سے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

مفسروں کا عام خیال ہے کہ روم میں مذکورہ دو برسوں کے بعد پولُس کا مقدمہ قیصر نیرو کے سامنے پیش ہُوا اور اُسے بَری کر دیا گیا۔

اِس کے بعد وہ اُس سفر پر روانہ ہُوا جس کو "پولُس کا چوتھا بشارتی دَورہ" کہا جاتا ہے۔ اِس دَورہ کے دَوران وہ غالباً مندرجہ ذیل مقامات پر گیا (لیکن ضروری نہیں کہ اِسی ترتیب سے گیا ہو)۔

۱۔ کُلسے اور اِفسُس (فلیمون ۲۲)۔

۲۔ مکدُنیہ (مقدونیہ) (۱۔تیمتھیس ۱:۳؛ فلپیوں ۱:۲۵؛ ۲:۲۴)۔

۳۔ اِفسُس (۱۔تیمتھیس ۳:۱۴)۔

۴۔ سپین (رومیوں ۱۵:۲۴)۔

۵۔ کریتے (طِطُس ۱:۵)۔

۶۔ کُرنتھُس (۲۔تیمتھیس ۴:۲۰)۔

۷۔ میلیتُس (۲۔تیمتھیس ۴:۲۰)۔

۸۔ نیکپُلِس۔ یہاں پولُس نے موسم سرما گزارا (طِطُس ۳:۱۲)

۹۔ تروآس۔ (۲۔تیمتھیس ۴:۱۳)۔

ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ اُس کو کیوں، کب اور کہاں گرفتار کیا گیا۔ لیکن اِتنا ضرور جانتے ہیں کہ اُسے دُوسری دفعہ قیدی بنا کر پھر روم لایا گیا۔ یہ قید پہلی قید سے بہت زیادہ سخت تھی (۲۔تیمتھیس ۲:۹)۔ اُس کے زیادہ تر دوست اُس کا ساتھ چھوڑ گئے (۲۔تیمتھیس ۴:۹-۱۱)۔ وہ جانتا تھا کہ میری موت کا وقت بالکل قریب ہے (۲۔تیمتھیس ۴:۶-۸)۔

روایت کہتی ہے کہ ۶۷ء یا ۶۸ء میں روم کے باہر اُس کا سر قلم کیا گیا۔ پولُس کا قصیدہ اُس کے اپنے الفاظ میں پڑھنے کے لئے دیکھئے (۲۔کرنتھیوں ۴:۸-۱۰؛ ۶:۴-۱۰ اور ۱۱:۲۳-۲۸)

(اِن ولولہ انگیز الفاظ کے ساتھ ساتھ ہماری تفسیر بھی پڑھیے)۔

اعمال کی کتاب کا پیغام

اعمال کی کتاب پڑھ لینے کے بعد ابتدائی دَور کے مسیحیوں کے اصُولوں اور دستُور و عمل پر نظر ڈالنا بہت مُفید رہے گا۔ ایمان داروں کی اِنفرادی خصُوصیات کیا تھیں اور جن مقامی کلیسیاؤں کے وُہ ممبر تھے اُن کے خصائص کیا تھے؟

اوّل ۔ صاف ظاہر ہے کہ پہلی صدی کے مسیحی سب سے پہلے خُداوند یسوع کے لئے زِندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کے تمام نقطۂ نظر کا مرکز مسیح تھا۔ اُن کے وجُود کا اوّلین مقصد نجات دِہندہ کی گواہی دینا تھا۔ اور وُہ تن مَن دھن سے اِس کام میں مگن رہتے تھے۔ دُنیا دِیوانہ وار اپنی بقا کی جدوجہد میں مصرُوف تھی ۔ ایسی دُنیا میں مسیحی شاگردوں کا پُرجوش اور سرگرم مضبُوط گروہ تھا جو پہلے خُدا کی بادشاہی اور اُس کی راستبازی کی تلاش کرتا تھا۔ اُن کے لئے باقی ہر چیز اِس جلالی بُلاہٹ کے تابع تھی۔

جوورٹ بڑی تعریف کرتے ہُوئے کہتا ہے

"شاگردوں کو ایک پاک اور دہکتے ہُوئے جوش و جذبہ سے بپتسمہ مِلا تھا جو کہ براہِ راست خُدا کی قُربان گاہ سے آیا تھا ۔ اُن کو وُہ مرکزی آگ حاصِل تھی جِس سے زِندگی کا باقی ہر مقصد اور جوہر قوّت پاتا ہے ۔ رسُولوں کی رُوحوں کے اَندر کی یہ آگ ایک بڑے دُخانی جہاز کی بھٹی کی آگ کی مانند تھی جو اُس کو طُوفانی سمُندر میں سے نِکال لے چلتی ہے ۔ کوئی چیز اُن آدمیوں کو روک نہ سکتی تھی! کوئی چیز اُن کے سدِ راہ نہیں ہوسکتی تھی ۔ اُن کے تمام کام اور کلام میں ایک قطعی اور زور دار گُونج تھی ۔ اُن میں گرمی تھی اور اُن میں روشنی تھی اِس لئے کہ وُہ رُوح القُدس کی قُدرت سے بپتِسمہ یافتہ تھے۔"

اُن کے پیغام کا مرکز اور محور خُداوند یسوع مسیح کی قیامت اور اُس کا جلال تھا ۔ وُہ ایک جی اُٹھے منجّی کے گواہ تھے ۔ لوگوں نے مسیح موعود کو قتل کر دیا مگر خُدا نے اُس کو مُردوں میں سے جِلایا اور آسمان میں اعلیٰ ترین مُعزز مقام پر سرفراز کیا ۔ وُہ جلالی آدم جو خُدا کے دہنے ہاتھ ہے، ضرُور ہے کہ ہر ایک گھُٹنا اُس کے آگے جھُکے ۔ نجات کا کوئی اَور وسیلہ، کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

نفرت، تلخی اور لالچ کے ماحول میں شاگرد سب کے لئے محبت کا مظہر تھے۔ وہ ظلم اور اذیت کا بدلہ مہربانی سے دیتے اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگتے تھے۔ دوسرے مسیحیوں کے لئے اُن کی محبت دشمنوں کو بھی کہنے پر مجبور کرتی تھی کہ "دیکھو، یہ لوگ ایک دوسرے سے کیسی محبت رکھتے ہیں!"

ہم کو یہ واضح تاثر ملتا ہے کہ وہ انجیل کو پھیلانے کی خاطر ایثار اور قربانی کی زندگی گزارتے تھے۔ وہ مادی اور دنیاوی مال و ملکیت کو اپنا نہیں سمجھتے تھے بلکہ خدا کی امانت گردانتے تھے۔ جہاں کہیں حقیقی ضرورت ہوتی اُسے پورا کرنے کے لئے بلا توقف چندے آنے شروع ہو جاتے تھے۔

اُن کے جنگ کے ہتھیار دنیاوی اور جسمانی نہیں تھے بلکہ خدا کی قدرت سے اتنے قوی تھے کہ بڑے بڑے قلعوں کو زمین بوس کر دیتے تھے۔ اُن کو احساس تھا کہ وہ مذہبی یا سیاسی لیڈروں کے خلاف نبرد آزما نہیں بلکہ شرارت کی اُن روحانی فوجوں سے لڑ رہے ہیں جو آسمانی مقاموں میں ہیں۔ اِس لئے وہ دعا اور خدا کے کلام سے مسلح ہو کر آگے بڑھتے تھے۔ مسیحیت طاقت اور تلوار کے بل بوتے پر نہیں پھیلی۔

ابتدائی دَور کے یہ مسیحی دنیا سے الگ ہو کر رہتے تھے۔ وہ دنیا میں ضرور تھے مگر دنیا کے نہیں تھے۔ جہاں تک گواہی کا تعلق ہے وہ غیر ایمان داروں کے ساتھ نہایت فعال تعلقات قائم رکھتے تھے مگر جہاں مسیح کے ساتھ وفاداری کی بات ہوتی وہ کبھی سمجھوتا کر کے دنیا کی گناہ آلود مسرتوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ وہ پردیسیوں کی طرح اجنبی ملک میں یوں سفر کرتے تھے کہ سب کے لئے برکت کا باعث ہوں، لیکن خود اُس کی نجاست اور ناپاکی سے بچے رہیں۔

کیا وہ سیاست میں حصہ لیتے اور اپنے زمانے کی سماجی برائیوں کا علاج کرنے کی کوشش کرتے تھے؟ اُن کا نظریہ یہ تھا کہ دنیا کی ساری برائیاں اور بے اعتدالیاں انسان کی گناہ آلودہ فطرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ برائیوں کا علاج کرنے کے لئے اُن کے اسباب تک پہنچنا چاہئے۔ سیاسی اور سماجی اصلاحات بیماری کی علامات کا علاج کرنے کی کوشش کرتی ہیں بیماری کی جڑ کو ہاتھ نہیں ڈالتی ہیں۔ صرف انجیل ہی معاملے کی تہ تک پہنچ سکتی ہے اور انسان کی شریر فطرت کو بدل سکتی ہے۔ چنانچہ وہ دوسرے درجے کے علاجوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ وہ وقت اور بے وقت انجیل کی منادی کرتے تھے۔ اور جہاں کہیں انجیل کا پیغام گیا سڑے ہوئے گھاؤ اور زخم اچھے ہو گئے یا کم ہو گئے۔

جب اُن پر ظلم ڈھائے جاتے تو وہ حیرت زدہ نہیں ہوتے تھے۔ اُن کو سکھایا گیا تھا کہ اِس کی توقع کریں۔ بدلہ لینے یا اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی بجائے وہ اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتے تھے

جو راستی سے اِنصاف کرتا ہے - آزمائشوں اور مُشکلوں سے فرار کی راہ ڈھونڈنے کی بجائے وُہ جُرأت اور حوصلہ کے لئے دُعا مانگتے تھے کہ جس کسی کے ساتھ رابطہ ہو اُس کے سامنے مسیح کی منادی کر سکیں۔

شاگردوں کا نصب العین اور مقصدِ زندگی عالمگیر بشارت تھا - ساری دُنیا اُن کا میدان تھی - وُہ صرف رُوحوں کو مسیح کے پاس لانے پر اِکتفا نہیں کرتے تھے کہ بس لے آئے ہیں ، اب خُود ہاتھ پیر مارتے رہو بلکہ نَو مُریدوں کو مقامی کلیسیاؤں میں اِکٹھا کیا جاتا تھا - یہاں اُن کو پاک کلام کی تعلیم دی جاتی تھی - دُعا مانگنے میں پرورش کی جاتی تھی اور ہر لحاظ سے ایمان میں پُختہ کیا جاتا تھا - پھر اُن کو چیلنج کیا جاتا تھا کہ اب انجیل کا پیغام دُوسروں تک پُہنچاؤ۔

مقامی کلیسیاؤں کے قیام سے بشارت کے کام کو دوام حاصل ہُوا اور آس پاس کے علاقوں تک پیغام پُہنچانے کا اِنتظام ہُوا - یہ جماعتیں مُلکی تھیں - اِنتظامی امُور میں خُود مُختار ، اپنی ترقی اور وُسعت کے معاملے میں خُود اِنحصار اور مالی اعتبار سے خُود کفیل تھیں - ہر جماعت اپنی اپنی جگہ آزاد اور خُود مُختار تھی - تاہم اُن کے درمیان رُوح کی یگانگی موجُود تھی - ہر جماعت مُلحقہ علاقوں میں اپنے جیسی اَور جماعتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتی تھی - اور ہر ایک جماعت اپنی مالیات خُود پیدا کرتی یا مُہیا کرتی تھی - کسی مادر تنظیم یا مرکزی خزانے کا کوئی وجُود نہ تھا -

بُنیادی طور پر یہ جماعتیں غیر نجات یافتہ لوگوں تک پُہنچنے کے مراکز نہیں بلکہ ایمان داروں کے لئے جائے سکُون اور ملجا و ماویٰ ہوتی تھیں - کلیسیا کی سرگرمیوں میں روٹی توڑنا ، عبادت کرنا ، دُعا مانگنا ، بائبل سٹڈی اور رفاقت وغیرہ شامل تھیں - بشارتی اجلاس اِس طرح نہیں ہوتے تھے جیسے آج کل ہوتے ہیں بلکہ جہاں بھی غیر نجات یافتہ لوگوں سے خطاب کرنے کا موقع مِلتا وہیں بشارت کا کام کیا جاتا تھا - مثلاً یہُودی عبادت خانوں میں ، چوک اور بازار میں ، قید خانہ میں اور گھر گھر -

کلیسیائیں خاص عمارتوں میں جو اِسی مقصد کے لئے تعمیر کی گئی ہوں فراہم نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایمان داروں کے گھروں میں یہ مقصد پُورا ہوتا تھا - اِس طرح اِیذا رسانی اَور ظُلم و ستم کے دَوران میں کلیسیا نسبتاً زیادہ نقل پذیر رہتی تھی ، اور ضرُورت پڑنے پر آسانی سے زیرِ زمین جا سکتی تھی -

اِبتدا میں یقیناً کوئی فرقے نہیں تھے - سارے ایمان داروں کو مسیح کے بدن کے اعضا تسلیم کیا جاتا تھا اور ہر مقامی کلیسیا عالمگیر کلیسیا کی نمائندہ تھی -

مزید برآں خادِمانِ دین اور عام اراکینِ کلیسیا میں بھی کوئی اِمتیاز نہیں ہوتا تھا - کسی جماعت میں کسی ایک فرد کو تعلیم دیتے ، منادی کرنے ، بپتسمہ دینے یا عشائے ربّانی کی رسم ادا کرنے کا خصُوصی

اختیار نہیں ہوتا تھا۔ اِس حقیقت کو تسلیم کیا جاتا تھا کہ ہر ایمان دار کو کوئی نہ کوئی نعمت حاصل ہے، اور اُس نعمت کو بروئے کار لانے کی آزادی ہوتی تھی۔

جن افراد کو رسُول، نبی، مبشّر، پاسبان اور مُعلّم ہونے کی نعمتیں حاصل تھیں، وُہ کلیسیا کے ناگزیر افسران یا عُہدے دار بننے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اُن کا کام یہ تھا کہ مُقدّسین کو ایمان میں پُختہ کریں تاکہ وُہ بھی ہر روز خُداوند کی خِدمت کر سکیں۔ نئے عہدنامہ کے زمانہ میں جن لوگوں کو رُوح کی نعمتیں حاصل تھیں، اُنہیں رُوح القدُس کا خاص مَسح حاصل ہوتا تھا۔ اِسی وجہ سے اَن پڑھ اور سادہ سے لوگوں نے اپنے دَور کے لوگوں پر اِتنا زبردست اثر کیا۔ وُہ کلیسیا کے عام (غیر مخصوص شُدہ) افراد ہوتے تھے جن پر اُوپر سے رحمت ہوتی تھی۔

اَعمال کی کتاب میں پیغام کی بشارت کے ساتھ اکثر مُعجزات —— نِشان اور عجائب اور رُوح القدُس کی مُختلف نعمتیں بھی ظاہر ہوتی تھیں۔ ابتدائی اَبواب میں اگرچہ یہ مُعجزات زیادہ نمایاں ہیں، تاہم کتاب کے آخر تک جاری رہتے ہیں۔

جب کوئی کلیسیا قائم ہو جاتی تھی تو رسُول یا اُن کے نمائندے "بزُرگوں" کو مُقرر کرتے تھے —— یہ بزُرگ رُوحانی نگہبان ہوتے تھے۔ یہ گلّہ کی گلہ بانی کرتے تھے۔ ہر کلیسیا میں کئی بزُرگ (ایلڈر) ہوتے تھے۔

ابتدائی دَور کے مسیحی غوطہ کے بپتسمہ پر عمل کرتے تھے۔ عام تاثر یہ ہے کہ ایمان لانے کے جلد از جلد بعد بپتسمہ دیا جاتا تھا۔ ہفتہ کے پہلے دِن شاگرد روٹی توڑ کر خُداوند کو یاد کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ غالباً یہ عبادت ایسی باضابطہ اور رسمی نہیں ہوتی تھی جیسی آج کل ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس عبادت کے ساتھ رفاقتی کھانا بھی ہوتا تھا (آج کل بعض کلیسیائیں اِس کو "پریم بھوجن" بھی کہتی ہیں)۔

ابتدائی کلیسیا دُعا مانگنے کی دیوانی تھی۔ اُن کے نزدیک خُدا کے ساتھ رفاقت کا دارومدار دُعا پر تھا۔ دُعاؤں میں دِلسوزی، ایمان اور جوش ہوتا تھا۔ شاگرد روزے بھی رکھتے تھے تاکہ اُن کے سارے قوائ رُوحانی مُعاملات پر مرتکز ہوں، دِھیان اِدھر اُدھر نہ جائے اور سُستی اور کاہلی کا شکار نہ ہوں۔ دُعا اور روزہ کے بعد ہی انطاکیہ کے نبیوں اور اُستادوں نے برنباس اور ساؤل کو خاص تبلیغی خِدمت کے لئے مخصُوص کیا تھا۔ اِس سے پہلے بھی یہ دونوں آدمی خُداوند کی خِدمت کرتے رہے تھے۔ اُن کا یہ تقرر باضابطہ مخصُوصیت (ordination) نہیں تھی بلکہ انطاکیہ کے لیڈروں نے تسلیم

کیا تھا کہ رُوح القدس نے اُن کو بُلایا ہے۔ مزید برآں یہ پُورے دِل سے رفاقت کا اظہار تھا کہ ساری جماعت اِس کام میں برنباس اور ساؤل کی شریک ہے۔

جو افراد بشارتی خِدمت کے لئے نکلتے تھے، اُن کی جماعت اُن کو کنٹرول نہیں کرتی تھی۔ وُہ آزاد تھے۔ رُوح القدس کی ہدایت کے مُطابق کام کرتے رہیں، لیکن وُہ اپنی مادر کلیسیا کو رپورٹ ضرور دیتے تھے کہ خُدا نے اُن کی محنت اور کوشش پر کیسے برکت دی ہے۔

کلیسیا کوئی پیچیدہ تنظیم یا ادارہ نہیں تھا بلکہ زندہ ہیئتِ اجتماعی ہوتی تھی جو خُداوند کی ہدایت اور راہنمائی کی مُسلسل فرمانبرداری کرتی اور اِس کے مُطابق چلتی تھی۔ کلیسیا کا سر مسیح خُود ارکان کی راہنمائی کرتا تھا۔ چنانچہ اعمال کی کتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ عبادت کسی غیر لچکدار نمونہ کے مُطابق نہیں ہوتی تھی۔ اِس لچک سے عبادت میں ایک تازگی ہوتی تھی۔ مثلاً کوئی قانون قاعدہ نہیں تھا کہ کوئی رسُول کتنا عرصہ کسی جگہ میں رہے گا۔ تھسلنیکے میں پولُس شاید تین ۳ مہینے رہا جبکہ افسُس میں تین ۳ برس تک قیام کیا۔ قیام کا انحصار اِس بات پر ہوتا تھا کہ کلیسیا کو قائم کرنے اور مُقدسین کو مضبُوط کرنے میں کتنا عرصہ لگتا ہے تاکہ وُہ مسیحی خِدمت کا کام اپنے آپ جاری رکھ سکیں۔

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ رسُول ساری توجہ بڑے شہروں پر مرکوز رکھتے تھے اور وہاں قائم شُدہ کلیسیاؤں پر انحصار کرتے تھے کہ وُہ اِردگرد کے علاقوں میں پھیلیں گی۔ لیکن کیا یہ بات دُرست ہے؟ کیا رسُول کسی ایسی مُقررہ اور حتمی حکمتِ عملی پر کاربند رہتے تھے؟ یا کیا وُہ روز بروز خُداوند سے ہدایات حاصل کرتے تھے کہ بڑے بڑے مراکز میں جائیں یا چھوٹے موٹے دیہات کی طرف مُتوجہ ہوں؟

اعمال کی کتاب سے ایک تاثر جو بہت نمایاں ہو کر اُبھرتا ہے یہ ہے کہ اِبتدائی دَور کے مسیحی خُداوند کی راہنمائی کی توقع کرتے اور اُس پر اِنحصار رکھتے تھے۔ اُنہوں نے مسیح کی خاطر اپنا سب کُچھ چھوڑ دیا تھا۔ اُن کے پاس سوائے خُداوند کے کُچھ نہ تھا۔ اِس لئے وُہ ہر روز کی ہدایت کے لئے اُس کی طرف دیکھتے تھے۔ اور خُداوند اُن کو کبھی مایُوس نہیں کرتا تھا۔

جو مسیحی گشت کر کے منادی کرتے تھے، لگتا ہے کہ اُن کا دستور تھا کہ دو دو ہو کر جائیں۔ ساتھی عمُوماً کوئی کم عُمر شخص ہوتا تھا۔ اِس طرح وُہ سیکھتا تھا۔ رسُول وفادار نوجوانوں کی مُسلسل تلاش میں رہتے تھے تاکہ اُن کی کلام کی خِدمت میں تربیت کریں۔

بعض اوقات خُداوند کے خادِم خُود کفیل ہوتے تھے یعنی اپنی ضرورِیات خُود پُوری کرتے تھے۔ پولُس خیمہ دوزی کرتا تھا۔ دیگر اوقات میں افراد یا کلیسیائیں اُن کی ضرُوریات پُوری کرتی تھیں۔

دُوسری قابلِ توجّہ بات یہ ہے کہ جو رُوحانی لیڈر تھے، اُن کے ساتھ کام کرنے والے مُقدّسین اُن کی اِس حیثیت اور مرتبہ کو تسلیم کرتے تھے۔ رُوح القُدس اُن کو اختیار کے ساتھ کلام کرنے کی توفیق دیتا تھا۔ اور یہی رُوح القُدس دُوسرے ایمان داروں کو رُوحانی جبلت عطا کرتا تھا کہ اِن لیڈروں کے اِختیار کو مانیں۔

شاگرد اِنسانی حکُومت کے ایک حد تک تابع رہتے تھے۔ یہ حد وہاں ختم ہو جاتی تھی جہاں اُن کو خُوشخبری کی منادی کرنے سے منع کیا جاتا تھا۔ پھر وہ اِنسان کی نسبت خُدا کا حُکم زیادہ مانتے تھے۔ جب سرکاری اہل کار اُن کو سزا دیتے تھے تو وہ بِلا مزاحمت برداشت کرتے تھے اور حکُومت کے خِلاف کبھی کوئی سازش نہیں کرتے تھے۔

انجیل کی خوشخبری پہلے یہُودیوں کو سُنائی گئی اور جب یہُودی قوم نے رَدّ کر دیا تو پھر یہ پیغام غیر قوموں کو سُنایا گیا۔ یہ حُکم کہ "پہلے یہودی کو" تاریخی طور پر اعمال کی کتاب میں پُورا ہُوا۔ آج یہُودی خُدا کے سامنے اُسی سطح پر ہیں جس پر غیر قومیں ہیں ـــــ "دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ سب نے گُناہ کیا اور خُدا کے جلال سے محرُوم ہیں۔"

اِبتدائی کلیسیا کی خِدمت میں زبردست زور اور قُوّت تھی۔ لوگ ڈرتے تھے کہ خُدا ناراض نہ ہو جائے۔ اِس لئے بِلا وجہ مسیحی ہونے کا اِقرار نہیں کرتے تھے۔ اگر کلیسیا میں گُناہ ہوتا تو بہُت جلد ظاہر ہو جاتا تھا۔ اور بعض حالات میں خُدا نے اِس کی نہایت سخت سزا دی، مثلاً حننیاہ اور سفیرہ کے مُعاملے میں۔

اعمال کی کتاب کے مُطالعہ سے ایک اَور پُختہ قائلیت حاصِل ہوتی ہے کہ اگر ہم ایمان، ایثار و قربانی، جاں نثاری اور اَن تھک خِدمت میں ابتدائی کلیسیا کی تقلید کریں تو ہمارے ہی زمانے میں ساری دُنیا میں بشارت پھیل جائے گی۔

رومیوں کے نام خط

تعارف

"مسیحی ایمان کا کیتھیڈرل" فریڈرک گوڈٹ

ا۔ کُتبِ مُسلّمہ میں بے مثال مقام

پَولُس رسُول کے خطُوط میں رُومیوں کے نام خط کو ہمیشہ اوّل درجہ حاصل رہا ہے۔ اور یہ ہے بھی بجا۔ چونکہ اعمال کی کتاب کا اِختتام پَولُس کی روم آمد پر ہوتا ہے، اِس لئے یہ منطقی بات ہے کہ نئے عہد نامہ کے خطُوط کے حِصّے کا آغاز رومیوں کی کلیسیا کے نام خط سے ہو جو اُس نے وہاں کے مسیحیوں سے مُلاقات سے پہلے لِکھا تھا۔ یہ تو مانی ہُوئی بات ہے کہ علمِ الٰہیات کی رُو سے بھی رومیوں کا خط پُورے نئے عہدنامہ میں اہم ترین کتاب ہے کیونکہ بائبل میں یہ کتاب علمِ الٰہیات کو سب سے زیادہ مُنظّم اور مُرتّب انداز میں پیش کرتی ہے۔

نیز کلامِ مُقدّس کی کتابوں میں سے اِس خط نے تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اگسطین رومیوں ۱۳: ۱۳-۱۴ پڑھ کر ایمان لایا (۳۸۰ء)۔ پروٹسٹنٹ اِصلاحِ کلیسیا اُس وقت شرُوع ہُوئی جب بالآخر مارٹن لُوتھر اِس خط کی معرفت خُدا کی راست بازی کا مطلب سمجھ گیا کہ "راست باز ایمان سے جیتا رہے گا" (۱۵۱۷ء)۔

جان ویزلی کو نجات کا یقین اُس وقت آیا جب اُس نے مارٹن لُوتھر کی تصنیف کردہ رومیوں کے خط کی تفسیر کا دِیباچہ سُنا۔ یہ دِیباچہ لندن کی آلڈرز گیٹ سٹریٹ کی ایک موروین گھریلُو کلیسیا (Home Church) میں پڑھا جا رہا تھا (۱۷۳۸ء)۔ جان کیلون لکھتا ہے کہ "جب بھی کوئی اِس خط کو سمجھ لیتا ہے، اُس کے لئے سارے صحائف کو سمجھنے کا راستہ کُھل جاتا ہے"۔

۲۔ مُصنّف

پہلا موقع ہے کہ بدعتی بلکہ اِنقلابی منفی نقاد ایک عالمگیر راسخ العقیدہ بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ غیر قوموں کا رسُول رومیوں کے خط کا مُصنّف ہے۔ درحقیقت بدعتی مرقیون پہلا معرُوف مُصنّف

ہے جو خصوصیت سے پولُس کو اِس خط کا مُصنّف قرار دیتا ہے ۔ اِس کتاب کا حوالہ دینے والوں اور اِقتباس کرنے والوں میں رومؔ کے کلیمینس، اِغناطسیُوس، یُوسطِین شہید، پولی کارپ، ہپالیت اور ایرینیئس جیسے راسخ العقیدہ مسیحیوں کے نام شامل ہیں ۔ مُرتوری کی مسلمہ فہرست میں بھی اِس خط کو پولُس کی تصنیف لکھا گیا ہے ۔

اِس خط کے پولُس کی تصنیف ہونے کے داخلی شواہد بھی بہُت مضبُوط ہیں ۔ اِس کا ذخیرۂ الفاظ، دینی تعلیم اور رُوح، سب کُچھ واضح طور پر پولُس کا ہے ۔ خط خُود کہتا ہے کہ "مَیں پولُس کی طرف سے (۱:۱) ہُوں ۔ مگر یہ حقیقت بھی شکی مزاج لوگوں کو قائل کرنے کے لئے کافی نہیں ۔ مگر دُوسرے حوالوں سے اِس کی تصدیق ہوتی ہے (۱۵: ۱۵- ۲۰) ۔ سب سے زیادہ قائل کرنے والی بات یہ ہے کہ بہُت سے واقعات اور بیانات اَعمال کی کتاب سے مُطابقت رکھتے ہیں اور کسی طرح محسُوس نہیں ہوتا کہ یہ وضع کئے گئے ہیں ۔ مثلاً مُقدّسین کے لئے خیرات جمع کرنے کا ذِکر، گیُس، اراستُس اور رُومؔ جانے کے دیرینہ منصُوبے کا بیان، اِن سب سے ثابت ہوتا ہے کہ پولُس ہی اِس خط کا مُصنّف ہے ۔ کاتب ترتیُس (۱۶: ۲۲) تھا ۔

۳- تاریخِ تصنیف

رومیوں کا خط کرنتھیوں کے پہلے اور دُوسرے خط کے بعد لکھا گیا کیونکہ اُن خُطُوط کے لکھتے وقت جو خیرات جمع کی جارہی تھی، اب تیار ہے ۔ اور یروشلیم کے مُقدّسین کو پُہنچائی جانے والی ہے ۔ خط میں کرِنتھس کی بندرگاہ کنخریہ کا ذِکر (۱۶: ۱) اور کئی اَور تفاصیل سے عُلما اِس نتیجے پر پُہنچتے ہیں کہ یہ خط کرِنتھس میں لکھا گیا ۔ چونکہ پولُس نے (اپنے تیسرے تبلیغی دَورہ کے اواخر میں) وہاں صرف تین مہینے قیام کیا تھا، اِس کے بعد سازِشوں نے اُسے وہاں سے نِکل جانے پر مجبُور کر دیا تھا، اِس لئے یہ خط اِسی مختصر عرصے کے دَوران قلم بند کیا گیا ۔ اِس طرح ۵۶ء سالِ تحریر قرار پاتا ہے ۔

۴- پس منظر اور مَوضُوعات

مسیحیّت پہلے پہل رومؔ کس طرح پُہنچی؟ اِس سُوال کا حتمی جواب نہیں دِیا جا سکتا ۔ زیادہ اِمکان یہ ہے کہ رومؔ کے یہُودی جو پنتکُست کے دِن اِیمان لائے تھے (دیکھئے اعمال ۲: ۱۰)، وہ واپس گئے تو خُوشخبری کو ساتھ لیتے گئے ۔ یہ واقعہ ۳۰ء کا ہے ۔

پولُس نے یہ خط مذکُورہ واقعہ کے تقریباً چھبیس ۲۶ برس بعد لکھا ۔ اُس وقت تک اُسے رومؔ

جانے کا کبھی اِتفاق نہیں ہُوا تھا۔ لیکن جیسا کہ باب ۱۶ سے معلُوم ہوتا ہے، وُہ رومؔ کے مُتعدد مسیحیوں کو جانتا تھا۔ اُس زمانے میں مسیحی اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے تھے۔ ایک تو ظُلم اور ایذا رسانی کی وجہ سے، دُوسرے اُن کو جگہ جگہ خُوشخبری پھیلانے کا شوق تھا۔ تیسرے عام کاروبار کے لئے بھی وُہ شہر بہ شہر جاتے تھے۔ رومؔ کے یہ مسیحی یہُودی اور غیر قوم دونوں پس منظر سے تعلق رکھتے تھے۔

آخرِ کار پَولُسؔ تقریباً ۶۰ء کے لگ بھگ رومؔ پُہنچا۔ مگر اُس طرح نہیں جیسے اُس کو توقع تھی۔ وُہ یسُوعؔ مسیح کی خاطر قیدی ہو کر وہاں پُہنچا۔

قدیم لاطینی اور یُونانی اَدب کی طرح رومیوں کا خط کلاسیک کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ خط غیر نجات یافتہ لوگوں پر اُن کی گُناہ آلُودہ اور کھوئی ہُوئی حالت کو بے نقاب کرتا اور اُن کو بچانے کے لئے خُدا کے راست منصُوبے کی وضاحت کرتا ہے۔ نئے ایمان دار مسیح کے ساتھ اپنی مشابہت اور رُوحُ القُدس کی قُدرت سے فتح پانے کے بارے میں سیکھتے ہیں۔ پُختہ ایمان داروں کو اِس خط میں مسیحی سچائی کی رنگا رنگ کرنیں نظر آتی ہیں جن سے عقیدہ، نبُوّت اور عمل کے پہلُو روشن ہوتے ہیں۔ اِن مناظر سے اُن کی خُوشی کا کُچھ ٹھکانا نہیں رہتا۔

رومیوں کے خط کو سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اِس کا مُطالعہ پَولُسؔ اور ایک مُعترض کے درمیان مکالمے کی صُورت میں کیا جائے۔ لگتا ہے کہ پَولُسؔ کو خط لکھتے ہُوئے سُنائی دے رہا ہے کہ مُعترض اُس کے خِلاف طرح طرح کے اِعتراض اُٹھائے چلا جا رہا ہے۔ رسُول مُعترض کے سُوالوں کا ایک ایک کر کے جواب دے رہا ہے۔ اِختتام تک پَولُسؔ اِنسان کے ہر اُس اِعتراض کا جواب دے چُکتا ہے جو وُہ خُدا کے فضل کی خوشخبری کے بارے میں کر سکتا ہے۔

بعض اوقات اعتراضات صاف صاف بیان کئے گئے ہیں۔ بعض اوقات اُن کی طرف صرف اِشارہ کیا گیا ہے۔ صُورتِ حال کُچھ بھی ہو، وُہ خُوشخبری کے گرد گھُومتے ہیں ——— یعنی خُداوند یسُوعؔ مسیح پر ایمان لانے سے فضل کے وسیلے سے نجات کی خوشخبری ——— اور اِس میں شریعت کے اعمال کا کُچھ عمل دخل نہیں۔

رومیوں کا خط گیارہ بڑے بڑے مسائل پر بحث کرتا ہے: ۱۔ اِس خط کا موضُوع کیا ہے؟ (۱:۱، ۹، ۱۵، ۱۶)۔ ۲۔ اِنجیل کی خُوشخبری کیا ہے؟ (۱:۱-۱۷)۔ ۳۔ اِنسان کو اِنجیل کی خُوشخبری کی ضرُورت کیوں ہے؟ (۱:۱۸-۳:۲۰)۔ ۴۔ اِنجیل کے مُطابق پاک خُدا بے خُدا گنہگاروں کو کس طرح راست ٹھہرا سکتا ہے؟ (۳:۲۱-۳۱)۔ ۵۔ کیا اِنجیل پُرانے عہد نامہ سے مُوافقت رکھتی ہے؟ (۴:۱-۲۵)۔

۶- راستباز ٹھہرائے جانے سے ایمان دار کی زندگی میں کیا فائدے ہوتے ہیں؟ (۵:۱-۲۱)- ۷- کیا ایمان کے وسیلہ فضل سے نجات سے گناہ آلودہ زندگی بسر کرنے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے؟ (۶:۱-۲۳)- ۸- مسیحی اور شریعت کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟ (۷:۱-۲۵)- ۹- مسیحی کو پاکیزہ زندگی گزارنے کی توفیق کیسے ملتی ہے؟ (۸:۱-۳۹)- ۱۰- انجیل یہودیوں اور غیر قوموں دونوں کے ساتھ نجات کا وعدہ کرتی ہے- کیا اس کا مطلب ہے کہ خدا نے اپنی اُمت یعنی یہودیوں سے اپنے وعدے توڑ لئے ہیں؟ (۹:۱-۱۱:۳۶)- ۱۱- جو لوگ فضل کے وسیلے سے راست باز ٹھہرائے گئے ہیں، روز مرّہ زندگی میں اُن کا رویّہ کیا ہونا چاہئے؟ (۱۲:۱-۱۶:۲۷)-

ان گیارہ سوالوں اور ان کے جوابوں سے واقفیت سے اس اہم خط کو سمجھنے کے لئے سمجھ بوجھ حاصل ہو سکتی ہے- پہلے سوال "رومیوں کے خط کا موضوع کیا ہے؟" کا جواب ہے "انجیل کی خوشخبری"- پولُس فوراً مطلب کی بات پر آجاتا ہے- پہلی سولہ آیات میں وہ چار دفعہ (۱، ۹، ۱۵، ۱۶) اس کا بیان کرتا ہے-

اس سے دوسرا سوال اُبھرتا ہے کہ "انجیل کی خوشخبری کیا ہے؟" سب پر واضح ہے کہ اس لفظ کا مطلب اچھی یا خوشی کی خبر ہے- آیات ۱-۱۷ میں پولُس اس خوشخبری کے بارے میں چھ اہم حقائق کا بیان کرتا ہے: ۱- اس کا منبع خدا ہے (آیت ۱)- ۲- اس کا وعدہ پرانے عہدنامہ کے انبیا کی معرفت کیا گیا تھا (آیت ۲)- ۳- یہ خوشخبری خدا کے بیٹے خداوند یسوع مسیح کے بارے میں ہے (آیت ۳)- ۴- یہ نجات کے لئے خدا کی قدرت ہے (آیت ۱۶)- ۵- یہ یہودیوں اور غیر قوموں یعنی سارے انسانوں کے لئے ہے (آیت ۱۶)- ۶- اس کا انحصار صرف ایمان پر ہے (آیت ۱۷)- اس تعارف کے ساتھ آیئے ہم ان آیات پر تفصیل سے غور کریں-

خاکہ

۱- عقیدہ ——— خدا کی خوشخبری - ابواب ۱-۸

ا- انجیل کا تعارف ۱:۱-۱۵

ب- انجیل کی خوشخبری کا مفہوم ۱:۱۶، ۱۷

ج- انجیل کے پیغام کی عالمگیر ضرورت ۱:۱۸-۳:۲۰

د۔ اِنجیل کی خُوشخبری کی بُنیاد اور شرائط ۳ : ۲۱–۳۱

ہ۔ اِنجیل کی خُوشخبری کی پُرانے عہدنامہ کے ساتھ ہم آہنگی باب ۴

و۔ اِنجیل کی خُوشخبری کے عملی فوائد ۵ : ۱–۱۱

ز۔ آدمؔ کے گُناہ پر مسیح کے کام کی فتح ۵ : ۱۲–۲۱

ح۔ پاکیزہ زِندگی بسر کرنے کے لئے اِنجیل کا راستہ باب ۶

ط۔ ایمان دار کی زِندگی میں شریعت کا مقام باب ۷

ی۔ رُوحُ القُدس، پاک زِندگی کے لئے قوّت باب ۸

۲۔ اِنتظامی اُمُور —— اِنجیل کی خُوشخبری اور اِسرائیل ابواب ۹–۱۱

ا۔ اسرائیل کا ماضی باب ۹

ب۔ اِسرائیل کا حال باب ۱۰

ج۔ اِسرائیل کا مُستقبل باب ۱۱

۳۔ فرائض —— فضل کی خُوشخبری کے مُطابق زِندگی گُزارنا ابواب ۱۲–۱۶

ا۔ شخصی پاکیزگی ۱۲ : ۱–۲

ب۔ رُوحانی نعمتوں کے ذریعے سے خِدمت کرنا ۱۲ : ۳–۸

ج۔ مُعاشرے کے ساتھ تعلق ۱۲ : ۹–۲۱

د۔ حکُومت کے ساتھ تعلق ۱۳ : ۱–۷

ہ۔ مُستقبل کے ساتھ تعلق ۱۳ : ۸–۱۴

و۔ دِیگر ایمان داروں کے ساتھ تعلق ۱۴ : ۱– ۱۵ : ۱۳

ز۔ پولُسؔ کے منصُوبے ۱۵ : ۱۴–۳۳

ح۔ دِیگر ایمان داروں کی قدر دانی اور سلام باب ۱۶

تفسیر

۱۔ عقیدہ ـــــ خدا کی خوشخبری (ابواب ۱۔۸)

۱۔ انجیل کا تعارف (۱:۱۔۱۵)

۱:۱۔ "پولس" اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنے آپ کو "خریدا ہوا غلام" ("یسوع مسیح کا بندہ" کے لقب میں یہ مفہوم مضمر ہے) اور "بلایا گیا" (اُس کو دمشق کی راہ پر "رسول ہونے کے لئے بلایا گیا" تھا) یعنی مُنجّی کا خاص ایلچی کہتا ہے، جس کو "مخصوص کیا گیا" ہے (غیر قوموں کو "خوشخبری" سنانے کے لئے الگ کیا گیا ہے ۔ دیکھئے اعمال ۹: ۱۵؛ ۱۳ : ۲) ۔ ہم بھی مسیح کے قیمتی خون سے خریدے گئے ہیں ۔ اُس کی نجات بخش قدرت کی گواہی دینے کے لئے بلائے گئے ہیں ۔ اور جہاں کہیں جائیں وہاں خوشخبری سنانے کے لئے مخصوص یا الگ کئے گئے ہیں ۔

۱: ۲۔ ہو سکتا ہے کہ پولس کے یہودی قارئین سوچیں کہ خوشخبری کوئی بالکل نئی چیز ہے اور ہمارے روحانی ورثہ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی، اِس لئے وہ بیان کرتا ہے کہ پرانے عہدنامہ کے "نبیوں" نے اِس کا "وعدہ کیا تھا" ۔ یہ وعدہ بالکل صاف اور واضح بیانات کی صورت میں بھی تھا (استثنا ۱۸: ۱۵؛ یسعیاہ ۷: ۱۴؛ حبقوق ۲: ۴) اور علامتوں اور مثیلوں کی صورت میں بھی (مثلاً نوح کی کشتی، پیتل کا سانپ، اور قربانیوں کا نظام) ۔

۱: ۳۔ یہ انجیل خدا کے "بیٹے ہمارے خداوند یسوع مسیح" کے بارے میں خوشخبری ہے ۔ وہ "جسم کے اعتبار سے (یعنی جہاں تک اُس کی بشریت کا تعلق ہے) داؤد کی نسل سے پیدا ہوا" ۔ "جسم کے اعتبار سے" اِن الفاظ کا مطلب ہے کہ وہ صرف انسان نہیں بلکہ اِس سے بڑھ کر ہے ۔ اور مطلب ہے کہ اپنی بشریت کے لحاظ سے وہ ... ۔ اگر مسیح صرف انسان ہوتا تو اُس کی ہستی کی اِس خصوصیت کو یوں الگ کر کے بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، کیونکہ پھر تو کوئی اَور خصوصیت ہوتی ہی نہ ۔ مگر وہ انسان سے بڑھ کر ہے جیسا کہ اگلی آیت میں بیان ہوتا ہے ۔

۱:۴ - خصوصیت سے بیان کیا گیا ہے کہ خداوند یسوع "قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا" ہے - رُوح القدس جس کو یہاں "پاکیزگی کی رُوح" کہا گیا ہے، یسوع کو بپتسمہ کے وقت اور معجزوں سے بھرپور خدمت کے دَوران ہمیشہ نمایاں کرتا رہا۔ نجات دہندہ کے زبردست معجزے رُوح القدس کی قدرت سے کئے جاتے تھے - اور وُہ اِس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ وُہ خدا کا بیٹا ہے - جب ہم پڑھتے ہیں کہ "مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب سے قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا" تو طبعی طور پر ہم اُس کے اپنے جی اُٹھنے پر دھیان دیتے ہیں، حالانکہ لفظی ترجمہ یُوں ہے کہ "مُردوں کے جی اُٹھنے کے سبب"۔ اور غالباً پَولُس اُن افراد کے بارے میں بھی سوچ رہا ہوگا جن کو مسیح نے مُردوں میں سے جِلایا، یعنی یائِر کی بیٹی، نائِن کی بیوہ کا بیٹا اور لعزر۔ مگر یہاں کوئی اَبہام نہیں کہ یہاں نظر بُنیادی طور پر خداوند کے اپنے جی اُٹھنے پر ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ یسوع "خدا کا بیٹا" ہے تو مطلب ہوتا ہے کہ وُہ ایسا بیٹا ہے جس کا مثیل کوئی نہیں - خدا کے بہت سے بیٹے ہیں - سارے ایمان دار اُس کے بیٹے ہیں (گلتیوں ۴: ۵-۷) یہاں تک کہ فرشتوں کو بھی "خدا کے بیٹے" کہا گیا ہے (ایوب ۱: ۶)۔ مگر یسوع بالکل الگ اور یکتا مفہوم میں خدا کا بیٹا ہے - جب ہمارا خداوند خدا کو اپنا باپ کہتا ہے تو یہودی بجا طور پر سمجھتے تھے کہ وُہ خدا کے برابر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے (یوحنّا ۵: ۱۸)۔

۱:۵ - ہمارے خداوند یسوع مسیح ہی کی "معرفت" پَولُس کو "فضل (نجات کے لئے وُہ مہربانی جس کا وُہ حق دار نہیں تھا) اور رسالت مِلی"- جب پَولُس رسول یہاں "ہم" کا لفظ استعمال کرتا ہے تو بے شک مقالہ کے انداز یا مُصنّفانہ اُسلوب میں اِستعمال کرتا ہے جبکہ اشارہ صِرف اُس کی اپنی طرف ہے - وُہ "رسالت" کو "قوموں" یعنی غیر یہودیوں کے ساتھ منسلِک کرتا ہے اور یہاں بھی اِشارہ دُوسرے رسُولوں کی طرف نہیں بلکہ اُس کی اپنی ہی طرف ہے - پَولُس کو مُقرر کیا گیا تھا کہ ساری قوموں کو "ایمان کے تابع" ہونے کے لئے بُلائے، یعنی خوشخبری کے پیغام کی تعمیل کر کے توبہ کریں اور خداوند یسوع مسیح پر ایمان لائیں (اعمال ۲۰: ۲۱) - ساری دُنیا میں اِس پیغام کے اِعلان کا مقصد و مُدعا یہ ہے کہ سب کچھ اُسی کے نام کی خاطر ہو، وُہ راضی ہو اور اُسی کو جلال مِلے۔

۱:۶ - جن لوگوں نے انجیل کے پیغام کا مثبت جواب دیا پَولُس رسُول "یسوع مسیح کے ... بُلائے گئے" کے خطاب سے اُن کی عزّت افزائی کرتا ہے - یہاں زور اِس نُکتہ پر ہے کہ اُن کی نجات کے لئے پہل خدا نے کی ہے۔

۱:۷۔ یہ خط "اُن سب" ایمان داروں کے نام ہے جو "رومہ" میں تھے۔ دُوسرے خطوط کی طرح یہ صِرف ایک کلیسیا کے نام نہیں۔ خط کے آخری باب سے معلُوم ہوتا ہے کہ اِس شہر میں مسیحیوں کے کئی گروہ تھے۔ یہ سلام اُن سب کا احیطہ کرتا ہے۔

"خُدا کے پیارے ہیں اور مُقدّس ہونے کے لئے بُلائے گئے ہیں"۔ یہ خوبصُورت الفاظ اُن سب کے لئے حقیقت ہیں یسوؔع مسیح کے قیمتی خُون سے جن کا فِدیہ دیا گیا ہے۔ اِن چہیتے لوگوں سے خُدا خاص انداز سے محبّت کرتا ہے۔ اِن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وُہ خُدا کی خاطر دُنیا سے الگ کئے گئے ہیں کیونکہ لفظ "مُقدّسین" کا اصل مفہُوم یہی ہے۔

پَولُسؔ کے مخصُوص سلام میں "فضل" اور "اِطمینان" اکٹھے ہوتے ہیں۔ "فضل" (خرِس - charis) یُونانی عُنصر کو پیش کرتا ہے اور "اِطمینان" (شالوم - shalom) یہُودی روایتی سلام ہے۔ اِن دونوں کو اِکٹھا کرنا نہایت موزُوں ہے کیونکہ پَولُسؔ کا پیغام بتاتا ہے کہ ایمان لانے والے یہُودی اور غیر قوم افراد کس طرح اَب مسیح میں ایک نیا اِنسان ہیں۔

جس "فضل" کا یہاں ذِکر ہے، یہ وُہ فضل نہیں جو نجات دیتا ہے (پَولُسؔ کے قارئین تو پہلے ہی نجات یافتہ تھے) بلکہ وُہ "فضل" ہے جو مسیحی زِندگی اور خِدمت کے لئے ہتھیار بند کرتا ہے۔ اور جس "اِطمینان" کا یہاں ذِکر ہے، اِس سے مُراد خُدا کے ساتھ صُلح یا میل مِلاپ نہیں (مُقدّسین کو تو پہلے ہی یہ صُلح/میل مِلاپ حاصِل تھی۔ کیونکہ وُہ ایمان سے راستباز ٹھہرائے جا چُکے تھے) بلکہ خُدا کا وُہ "اطمینان" ہے جو فسادی اور یورشوں سے بھرے ہُوئے مُعاشرے میں رہتے ہوئے بھی اُن کے دِلوں کو پُرسکون رکھتا تھا۔ پَولُسؔ رسُول کہتا ہے کہ "ہمارے باپ خُدا اور خُداوند یسوؔع مسیح کی طرف سے تُمہیں فضل اور اطمینان حاصِل ہوتا رہے"۔ یہاں یہ نُکتہ مُضمر ہے کہ باپ اور بیٹا ہم رُتبہ ہیں۔ اگر یسوؔع صِرف ایک اِنسان ہوتا تو "فضل اور اِطمینان" عطا کرنے میں اُس کو باپ کے برابر لِکھنا نامعقُول بات ہوتی۔ بالکُل ایسے ہی جیسے کوئی کہہ دے کہ "فضل اور اطمینان خُدا اور صدرِ مملکت کی طرف سے ....."

۱:۸۔ جہاں بھی مُمکن ہو پَولُسؔ رسُول خطُوط کے شرُوع میں اپنے قارئین کی قابلِ تحسین باتوں کی ضرُور تعریف کرتا ہے (یہ ہم سب کے لئے بہُت اچھا نمونہ ہے)۔ یہاں وُہ ہمارے درمیانی "یسوؔع مسیح کے وسیلہ سے خُدا کا شُکر" کرتا ہے کہ رومی مسیحیوں کے ایمان کا "تمام دُنیا میں شُہرہ ہو رہا ہے"۔ ساری رُومی سلطنت میں اُن کی مسیحی گواہی کا چرچا رہا تھا۔ اُس زمانے میں "تمام دُنیا" سے مُراد رُومی سلطنت ہی تھی۔

۱:۹- چونکہ رومی مسیحی اپنے نور کو آدمیوں کے سامنے چمکنے دیتے تھے اِس لئے پَولُس اُن کے لئے "بلاناغہ" دُعا مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ "خُدا" کو "اپنا گواہ" بنا کر اپنی "دُعاؤں" کے تواتر اور تسلسل کا بیان کرتا ہے کیونکہ کوئی دُوسرا اِس بات سے باخبر نہیں ہو سکتا۔ البتہ صِرف خُدا جانتا ہے ــــ وُہی خُدا جِس کی عبادت رسُول "اپنی رُوح سے اُس کے بیٹے کی خوشخبری دینے میں کرتا" ہے۔ وہ اِس عبادت کو مذہبی مُشقت اور مجبُوری نہیں سمجھتا جِس میں رسُومات اور شعائر کا ایک نہ ختم ہونے والا سِلسلہ ہوتا ہے، بے شُمار دُعائیں دُہرانی پڑتی ہیں اور دُعا کی کتاب سے رٹی رٹائی بہُت سی باتوں کو بھی دُہرانا پڑتا ہے۔ پَولُس کی عبادت پُرجوش اور ایمان پر مبنی دُعاؤں سے سرشار ہوتی ہے۔ یہ عبادت دلی، دِلسوز اور اَن تھک عبادت ہوتی ہے جو خُداوند یسوؔع کے ساتھ اِنتہائی محبّت سے اُبھرتی ہے۔ یہ عبادت خُدا کے بیٹے کی خُوشخبری کو پھیلانے کے جذبے سے شعلہ زن ہوتی ہے۔

۱:۱۰- روؔم کے مُقدّسین کے لئے شُکر گزاری کرنے کے ساتھ ساتھ وُہ دُعا مانگتا ہے کہ اُن کے ساتھ جلد مُلاقات کر سکے۔ اور زندگی میں ہر بات کی طرح وُہ چاہتا ہے کہ یہ سفر بھی "خُدا کی مرضی" کے مُطابق ہو۔

۱:۱۱- رسُول کی زبردست آرزُو تھی کہ مُقدّسین کی تقویت کرے تاکہ وُہ ایمان میں "مضبُوط" ہو جائیں۔ یہاں ہرگز یہ تصوّر نہیں کہ وُہ اُن کو کوئی "دُوسری نعمت" دینا چاہتا تھا۔ یا ہاتھ رکھنے سے کوئی رُوحانی نعمت دینے کا اِرادہ رکھتا تھا (اگرچہ اُس نے تیمتھیُس کے لئے ایسا کیا تھا۔ ۲-تیمتھیُس ۱:۶) بلکہ وُہ کلام اور پیغام کے وسیلہ سے اُن کی رُوحانی ترقی میں مدد دینا چاہتا تھا۔

۱:۱۲- وُہ بیان کرتا ہے کہ رُوحانی برکت "دونوں" کے لئے ہوگی۔ رسُول خُود اُن کے "ایمان کے باعث تسلی" پائے گا اور وُہ اُس کی آمد سے مضبُوط ہوں گے۔ ہر رُوحانی رفاقت میں ترقی ہوتی ہے۔ "جِس طرح لوہا لوہے کو تیز کرتا ہے اُسی طرح آدمی کے دوست کے چہرہ کی آب اُسی سے ہے" (امثال ۲۷: ۱۷)۔ پَولُس کی لطافت اور انکساری پر غور کریں۔ وُہ دُوسرے مُقدّسین سے مدد لینے میں کوئی عار نہیں سمجھتا۔

۱:۱۳- پَولُس نے کئی دفعہ روؔم جانے کا "اِرادہ کیا" مگر رُکاوٹ ہوتی رہی۔ شاید دُوسرے عِلاقوں کی ضرُوریات نے اُس کو روکے رکھا۔ یا رُوحُ القُدس نے اجازت نہ دی۔ مُمکن ہے شیطان نے بھی رُکاوٹ ڈالی ہو۔ اُس کی خواہش تھی کہ "جیسا مجھے اَور غیر قوموں میں پھل مِلا ویسا ہی" روؔم کے غیر قوم ایمان داروں میں بھی مِلے۔ اگلی دو آیات سے پتہ چلتا ہے کہ وُہ خوشخبری کے "پھل" کی بات کر رہا ہے۔ آیات ۱۱ اور ۱۲ میں وُہ رُومیوں کو ایمان میں ترقی کرتے اور مضبُوط ہوتے دیکھنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ یہاں یہ خواہش ہے کہ رُومی سلطنت کے دارالحکُومت میں مسیح کے لئے لوگ جیتے جائیں۔

۱:۱۴ - دُنیا کو ایک زبردست ضرورت لاحق ہے - اور جس کسی کے پاس مسیح ہے اُس کے پاس اِس ضرورت کا جواب ہے - اُس کے پاس گناہ کے مرض کا علاج ہے - جہنم کی ابدی دہشت اور ہولناکی سے بچ نکلنے کا راستہ ہے اور ضمانت ہے کہ خُدا کے ساتھ ابدی اور دائمی خوشی حاصل ہو گی - اِس وجہ سے اُس پر بہت سنجیدہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ ہر تہذیب و تمدّن کے لوگوں کو ــــ "غیر یُونانیوں" کو ــــ اور ہر تعلیم اور معاشرتی طبقے کو ــــ "داناؤں اور نادانوں" کو اِس خوشخبری میں شریک کرے - پولُس اِس ذمہ داری کو بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے - وُہ کہتا ہے کہ مَیں سب کا "قرضدار ہُوں" -

۱:۱۵ - اِس قرض کو اُتارنے کے لئے پولُس رسول خُدا کے عطا کردہ "مقدور" کے مطابق روم میں رہنے والوں کو "خوشخبری سُنانے کو ... تیار" ہے - بے شک اِس سے صرف روم میں رہنے والے ایمان دار ہی مُراد نہیں - اگرچہ بظاہر آیت کے الفاظ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے - وُہ تو پہلے ہی اِس خوشخبری کو سُن چکے اور قبول کر چکے تھے بلکہ وُہ اِس بڑے اور مرکزی شہر میں اُن غیر قوم لوگوں کو بھی خوشخبری سُنانا چاہتا ہے جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے -

ب - انجیل کی خوشخبری کا مفہوم (۱:۱۶، ۱۷)

۱:۱۶ - پولُس اِس تہذیب یافتہ شہر میں بھی "انجیل" سُنانے "سے شرماتا نہیں" - اگرچہ یہ پیغام یہودیوں کے لئے ٹھوکر کھانے کا پتھر اور یُونانیوں کے نزدیک بیوقوفی ثابت ہُوا تھا مگر پولُس جانتا ہے کہ یہ "نجات کے لئے خُدا کی قدرت ہے" - یعنی یہ پیغام بیان کرتا ہے کہ خُدا اپنی قدرت سے ہر اُس شخص کو نجات دیتا ہے جو اُس کے بیٹے پر ایمان لاتا ہے - اور یہ قدرت یہودیوں اور یُونانیوں دونوں میں یکساں طور پر کارفرما ہے -

"پہلے یہودی پھر یُونانی کے واسطے" - تاریخی لحاظ سے یہ ترتیب اعمال کی کتاب کے زمانے میں پُوری ہو گئی - اگرچہ ہم پر دائمی ذمّہ داری ہے کہ خُدا کی قدیم اُمت یعنی یہودیوں کو خوشخبری پہنچائیں لیکن ہمارے لئے یہ شرط نہیں کہ پہلے اُن کے پاس جائیں اور غیر قوموں کے پاس بعد میں ــــ آج خُدا یہودیوں اور غیر یہودیوں سے ایک ہی بُنیاد پر سلوک کرتا ہے - اور پیغام سبھوں کے لئے یکساں ہے -

۱:۱۷ - "راستبازی" - یہ لفظ خط میں یہاں پہلی دفعہ آیا ہے - چنانچہ ہم اِس پر خاص غور کریں گے - نئے عہد نامہ میں یہ لفظ کئی مختلف مفہوموں میں استعمال ہُوا ہے - ہم اِن میں سے تین[۳] پر غور کریں گے :

اوّل۔ اِس سے خُدا کی ذات کی وُہ خُصوصیت بیان ہوتی ہے جس سے وُہ ہمیشہ وُہی کچھ کرتا ہے جو درُست، مبنی بر انصاف، جائز اور اُس کی دُوسری خُصوصیات کے ساتھ مُوافقت رکھتا ہو۔ جب ہم کہتے ہیں کہ خدا صادِق یا راست باز ہے تو مطلب ہوتا ہے کہ اُس میں قطعاً کوئی غلطی، بد دیانتی یا بے اِنصافی نہیں ہے۔

دوم۔ خُدا کی راست بازی سے مُراد وُہ طریقہ بھی ہے جس سے وُہ بے دین گُنہگاروں کو راست باز ٹھہراتا ہے۔ وُہ ایسا کر سکتا اور پھر بھی راست باز رہ سکتا ہے کیونکہ یسُوع بے گُناہ "عوضی" ہے جس نے الٰہی عدل اور اِنصاف کے سارے تقاضے پُورے کر دِئے۔

سوم۔ خُدا کی راستبازی کا مطلب وُہ کامل حیثیت ہے جو وُہ اُن سب کو دیتا ہے جو اُس کے بیٹے پر ایمان لاتے ہیں (۲۔کرنتھیوں ۵ :۲۱)۔ جو خُود راست باز نہیں ہیں (یعنی جن میں اپنی کوئی راست بازی نہیں) اُن کو راست باز مانا جاتا ہے کیونکہ خُدا اُن کو مسیح کی پُوری کاملیت میں دیکھتا ہے یعنی اُن کے لئے راست بازی محسُوب ہوتی ہے۔

آیت ۱۷ میں کون سا مفہُوم ہے؟ تینوں میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ مگر زیادہ میلان دُوسرے مفہُوم کی طرف ہے، یعنی گُنہگاروں کو ایمان کے وسیلے سے راستباز ٹھہرانے کا طریقہ۔

اِنجیل میں خُدا کی راست بازی ظاہر کی گئی ہے۔ اوّل۔ انجیل بتاتی ہے کہ خُدا کی راست بازی تقاضا کرتی ہے کہ گُناہوں کی سزا دی جائے۔ اور سزا ابدی مَوت ہے۔ مگر پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خُدا کی محبّت نے وُہ سب کچھ مُہیا کر دیا جس کا تقاضا اُس کی راست بازی کرتی ہے۔ اُس نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ گنہگاروں کا "عوضی" ہو کر اپنی جان دے اور اِس طرح گُناہ کی سزا پُورے طور پر اُٹھائے۔ اور اب چونکہ گُناہ کے راست تقاضے کامل طور پر پُورے ہو چُکے ہیں اِس لئے خُدا پُوری راستی سے اُن سب کو نجات دے سکتا ہے جو مسیح کے قدموں میں آتے ہیں۔

"خُدا کی راست بازی ایمان سے اور ایمان کے لئے ظاہر ہوتی ہے"۔ خُدا کی راست بازی اعمال کی بنیاد پر محسُوب نہیں ہوتی۔ نہ اُن کو دستیاب ہوتی ہے جو اعمال سے اِسے حاصل کرنے کی یا اِس کا حق دار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ صِرف ایمان کے اُصول پر حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ بات حبقوق ۲: ۴ میں خُدا کے فرمان کے ساتھ کامل مُطابقت رکھتی ہے، جہاں فرمایا گیا ہے کہ "راست باز ایمان سے جیتا رہے گا" جس کا سلیس مطلب یہ ہے کہ 'جو ایمان سے راست باز ٹھہرائے گئے ہیں وُہ جیتے رہیں گے'۔

رومیوں کی پہلی سترہ [۱۷] آیات میں پَولُس نے اپنے مضمُون کا تعارُف کرایا اور اُس کے اہم نکات

کا مختصر ذکر کیا ہے۔ اب وہ تیسرے بڑے سوال کی طرف آتا ہے کہ "انسان کو خوشخبری کی ضرورت کیوں ہے"؟ مختصراً جواب یہ ہے۔ اِس لئے کہ انجیل کی خوشخبری کے بغیر انسان ہلاکت کا سزاوار ہے۔ مگر اس سے چار ضمنی سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) کیا وہ بے دین بھی جنہوں نے کبھی انجیل نہیں سنی، ہلاک ہوں گے (۱:۱۸-۳۲)؟ (۲) جو لوگ اپنا اونچا اخلاقی معیار قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، خواہ یہودی ہوں خواہ غیر قوم، کیا وہ بھی ہلاک ہوں گے (۲:۱-۱۶)؟ (۳) کیا خدا کی قدیم اُمت (یہودی) بھی ہلاکت کی سزاوار ہے (۲:۱۷-۳:۸)؟ (۴) کیا تمام بنی نوع انسان ہلاکت کے فرزند ہیں (۳:۹-۲۰)؟

ج۔ انجیل کے پیغام کی عالمگیر ضرورت (۱:۱۸-۳:۲۰)

۱:۱۸۔ یہاں اِس سوال کا جواب ملتا ہے کہ انسان کو انجیل کے پیغام کی ضرورت کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ اِس لئے کہ انجیل کی خوشخبری کے بغیر اُن کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ "خدا کا غضب اُن آدمیوں کی تمام بے دینی اور ناراستی پر آسمان سے ظاہر ہوتا ہے جو حق کو ناراستی سے دبائے رکھتے ہیں"۔ وہ اپنی ناراست زندگیوں اور ناراست طور طریقوں سے راستی کو دبائے رکھتے ہیں۔ لیکن خدا کا غضب کس طرح "ظاہر ہوتا ہے"؟ ایک جواب تو سیاق و سباق میں موجود ہے۔ خدا انسان کو ناپاکی (۱:۲۴) اور اُس کے دِل کی بُری خواہشوں (۱:۲۶) اور ناپسندیدہ عقل (۱:۲۸) کے حوالہ کر دیتا ہے۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ خدا اکثر انسانی تاریخ میں در آتا ہے تاکہ اُس کے گناہوں پر اپنی سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرے ــــــ مثلاً طوفانِ نوح (پیدائش باب ۷)، سدوم اور عمورہ کی بربادی (پیدائش باب ۱۹)، قورح، داتن اور ابیرام پر غضب نازل کرنا (گنتی ۱۶:۳۲)۔

۱:۱۹۔ "جن لوگوں نے کبھی انجیل کی خوشخبری نہیں سنی، کیا وہ بھی ہلاک ہوں گے"؟ پولس ثابت کرتا ہے کہ اُن پر بھی خدا کا غضب ہے۔ اپنی لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ جو تھوڑا بہت نور اُن کے پاس ہے، اُس کو بھی رد کرتے ہیں۔ کائنات میں جو کچھ "خدا کی نسبت معلوم ہو سکتا ہے" وہ اُن پر ظاہر کر دیا گیا ہے۔ خدا نے اُن کو اپنے ظہور کے بغیر نہیں چھوڑا۔

۱:۲۰۔ "دنیا کی پیدائش کے وقت سے" خدا کی دو "اَن دیکھی صفتیں" ظاہر کی گئی ہیں تاکہ سارے انسان دیکھ سکیں۔ اوّل۔ "اُس کی ازلی قدرت" اور دوم۔ "اُس کی الوہیت"۔ پولس نے جو لفظ استعمال کیا ہے اُس کا مطلب "الوہیت" یا "خدا کی ذات" ہے۔ اِس سے اُس کے وجود کا نہیں بلکہ اُس کے کردار یا سیرت کا اظہار زیادہ ہوتا ہے۔ اُس کی الوہیت کا کم اور جلالی صفات کا زیادہ اظہار ہوتا ہے۔ اُس کی ذات

کا تصور تو پہلے ہی موجود ہے۔

یہاں جو دلیل ہے وہ بالکل واضح ہے۔ تخلیق ہے تو خالق کا ہونا لازم ہے۔ کوئی منصوبہ یا نقش ہے تو منصوبہ ساز یا نقاش کا ہونا لازم ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں پر نظر ڈالنے سے کوئی بھی شخص جان سکتا ہے کہ خدا ہے۔

اِس سوال کا جواب کہ "بے دین لوگوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟" یہ ہے کہ "اُن کو کچھ عذر باقی نہیں"۔ خدا نے اپنی تخلیقات میں اپنے آپ کو اُن پر ظاہر کر دیا ہے۔ لیکن اُنہوں نے اِس ظہور یا مکاشفہ پر توجہ نہیں دی۔ اِس لئے لوگوں کو اُس "منجی" کو رد کرنے کے باعث مجرم نہیں ٹھہرایا جا رہا جس کا ذکر اُنہوں نے کبھی سنا ہی نہیں بلکہ اِس بات پر مجرم ٹھہرایا جا رہا ہے کہ جو کچھ وہ خدا کے بارے میں معلوم کر سکتے تھے، اُس میں بے وفا ثابت ہوئے ہیں۔

۱:۲۱۔ اگرچہ اُنہوں نے خدا کے کاموں کے وسیلے سے "خدا کو جان تو لیا مگر اُس کی خدائی کے لائق اُس کی تمجید اور شکر گزاری نہ کی"۔ اُنہوں نے یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ وہ کون ہے اور اُس نے ہمارے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ بلکہ اِس کے برعکس وہ غیر معبودوں (دیوی دیوتاؤں) کے بارے میں "باطل" فلسفوں اور نظریات میں پڑ گئے اور نتیجہ میں صاف طور سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔ نور کو رد کرنا نور کے وجود کا اِنکار کرنا ہے۔ جو دیکھنا نہیں چاہتے وہ دیکھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔

۱:۲۲۔ جوں جوں اِنسان اپنے گھڑے ہوئے علم پر بے جا فخر کرنے میں بڑھتا گیا وہ جہالت اور بیوقوفی کی پستیوں میں گرتا گیا۔ یہ دونوں باتیں ہمیشہ اُن لوگوں کی خصوصیت ہوتی ہیں جو خدا کے عرفان کو رد کرتے ہیں ——— وہ بیک وقت اِنتہائی "متکبر" اور جاہل بن جاتے ہیں۔

۱:۲۳۔ اِنسان نے ادنیٰ صورت سے ترقی نہیں کی بلکہ وہ شروع میں ایک اعلیٰ اخلاقی معیار سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن سچے، لامحدود اور "غیر فانی خدا" کو تسلیم کرنے کی بجائے وہ حماقت اور خباثت میں پڑ گیا جو بت پرستی کا خاصہ ہے۔ پاک کلام کا یہ سارا حصہ نظریۂ ارتقا کو باطل ٹھہراتا ہے۔

اِنسان جبلی طور پر مذہبی ہے۔ ضرور ہے کہ اُس کے پاس کچھ ہو جس کی وہ عبادت کرے۔ جب اُس نے زندہ خدا کی عبادت کرنے سے انکار کر دیا تو پھر لکڑی اور پتھر سے اپنے لئے خدا بنا لئے جو "اِنسان اور پرندوں اور چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی صورت" میں ہیں۔ غور کریں کہ ترتیب اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف چلتی ہے۔ پہلے اِنسان، پھر پرندے، اِس کے بعد چوپائے اور آخر میں کیڑے مکوڑے یعنی رینگنے والے جان دار۔ یاد رکھیں کہ انسان جس چیز کی پرستش کرتا ہے اُسی کی مانند بن جاتا ہے۔

جس طرح الٰہی ہستی کے بارے میں اُس کے تصوّر میں بگاڑ آتا جاتا ہے، اُس کا اخلاق بھی ویسے ہی بگڑتا جاتا ہے۔ اگر اُس کا معبُود کوئی کیڑا مکوڑا ہے تو پھر وُہ آزادی محسُوس کرتا ہے کہ جیسے چاہوں زندگی گزاروں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ عبادت گزار اپنے آپ کو اپنے معبُود سے کم تر سمجھتا ہے۔ اِنسان کو خُدا کی صُورت اور شبیہ پر پیدا کیا گیا تھا لیکن یہاں اِنسان سانپوں سے بھی ادنیٰ تر درجہ اِختیار کرتا ہے۔

اِنسانی بُتوں کی پرستش کرنا تو شیاطین کی پرستش کرنا ہے۔ پولُس بڑی صفائی سے بیان کرتا ہے کہ غیر قومیں جو قُربانیاں بُتوں کو چڑھاتی ہیں دراصل شیاطین کو چڑھاتی ہیں، خُدا کو نہیں چڑھاتیں (۱۔کرنتھیوں ۱۰:۲۰)۔

۱:۲۴۔ تین دفعہ کہا گیا ہے کہ "خُدا نے" اِنسان کو "چھوڑ دیا"۔ اُس نے اُن کو "ناپاکی میں چھوڑ دیا (۱:۲۴)، "گندی شہوتوں میں چھوڑ دیا" (۱:۲۶) اور "ناپسندیدہ عقل کے حوالہ کر دیا" (۱:۲۸)۔ دُوسرے لفظوں میں خُدا کا غضب اِنسان کی پُوری شخصیّت کے خِلاف مَوجزن ہُوا۔

اِنسان کے دِل کی "گندی شہوتوں" کے جواب میں خُدا نے اُن کو طرح طرح کی جنسی ناپاکی ——— مثلاً زناکاری، بدکاری، شہوت پرستی، لونڈے بازی اور عورتوں کا عورتوں کے ساتھ غیر فطری فعل وغیرہ ——— میں چھوڑ دیا۔ اُن کے لئے زندگی جنس پرستی بن کر رہ گئی تاکہ "اُن کے بدن آپس میں بے حُرمت کئے جائیں"۔

۱:۲۵۔ خُدا نے اُن کو اِس لئے چھوڑ دیا کیونکہ پہلے "اُنہوں نے خُدا کی سچائی کو بدل کر جھوٹ بنا ڈالا" تھا، یعنی سچے خُدا کو چھوڑ کر بُتوں کو خُدا ماننے لگے تھے۔ بُت ایک جھوٹ ہوتا ہے۔ خُدا کی جھوٹی نمائندگی ہوتا ہے۔ بُت پرست "مخلُوقات" کی شبیہ کی پرستش کرتا ہے اور اِس طرح اُس "خالِق" کی توہین کرتا ہے "جو ابد تک محمُود ہے" یعنی تمام عزت اور جلال کے لائق ہے۔

۱:۲۶۔ اِسی سبب سے خُدا نے لوگوں کو شہوانی حرکات کے حوالہ کر دیا کہ مرد مَردوں سے اور عورتیں عورتوں سے خِلافِ طبع فعل کریں۔ اُن کی شرم وحیا سب ہَوا ہو گئی۔

۱:۲۷۔ اُن کے آدمی ہم جنس پرست ہو گئے اور خُدا کے مقرر کردہ ازدواجی رشتہ سے مُنہ موڑ لیا۔ وُہ سب "آپس کی شہوت سے مست ہو گئے"۔ مگر اُن کے گناہ کی سزا اُن کو اپنے بدنوں اور رُوحوں کی تباہی کی صُورت میں ملی۔ بیماری اور احساسِ گناہ اُن کو بچھّو کے ڈنک کی طرح ڈسنے لگا۔ شخصیتیں مسخ ہو گئیں۔ یہاں اِس خیال کی نفی ہوتی ہے کہ اِنسان گناہ کر کے اِس کے مُضمرات اور بُرے نتائج سے بچ سکتا ہے۔

آج کل ہم جنس پرستی پر بڑی بحث چل رہی ہے۔ کچھ لوگ اِس کو ایک بیماری قرار دیتے ہیں جبکہ بعض لوگ یہ ثابت کرنے پر تُلے ہُوئے ہیں کہ یہ ایک جائز متبادل طرزِ زندگی ہے۔ مسیحیوں کو اِحتیاط کرنی چاہئے کہ دُنیا کے اخلاقی فیصلوں کو قبول نہ کریں بلکہ خدا کے کلام سے راہنمائی حاصل کریں۔ پُرانے عہدنامہ میں اِس گُناہ کی سزا مَوت ہے (احبار ۱۸: ۲۹؛ ۲۰: ۱۳) اور نئے عہدنامہ میں یہاں بھی کہا گیا ہے کہ ایسے لوگ "مَوت کی سزا کے لائق ہیں" (رومیوں ۱: ۳۲)۔ بائبل مُقدّس ہم جنس پرستی کو بہت سنجیدہ اور بڑا گُناہ قرار دیتی ہے۔ سدُوم اور عمُورہ کی بربادی اِس حقیقت کی شہادت اور ثبوت ہے کیونکہ وہاں ہم جنس پرست اِس گھنونے گُناہ کے لئے ہنگامہ اور فساد کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے (پیدائش ۱۹: ۴-۲۵)۔

بائبل مُقدّس جس طرح توبہ کرنے اور خُداوند یسُوع مسیح پر ایمان لانے والے سارے گُنہگاروں کو مُعافی کی پیش کش کرتی ہے اُسی طرح ہم جنس پرستوں کو بھی کرتی ہے۔ وُہ مسیحی جو اِس گھنونے گُناہ میں گر گئے ہیں وُہ اِس گُناہ کا اِقرار کر کے اور اِسے ترک کر کے مُعافی اور بحالی حاصل کر سکتے ہیں۔ جو لوگ خُدا کے کلام کی فرمانبرداری کرنے پر آمادہ ہیں اُن کے لئے ہم جنس پرستی سے مُکمّل رہائی موجُود ہے۔ ذیل کی سُطُور میں ہم صلاح کے طور پر کچھ باتیں درج کرتے ہیں جو اِس گُناہ سے چھٹکارے کے لئے بہت مُفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ بعض لوگ طبعی طور پر ہم جنس پرستی پر مائل ہوتے ہیں۔ یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں، کیونکہ اِنسان کی بگڑی ہُوئی فطرت ہر قسم کی بدی اور بگاڑ کر سکتی ہے۔ اِس گھنونی حرکت کی طرف مائل ہونا گُناہ نہیں، لیکن اِس خواہش سے مغلُوب ہونا اور اِس حرکت کا مُرتکب ہونا بڑا گُناہ ہے۔ رُوح القُدس آزمائش کی مزاحمت کرنے اور دائمی فتح پانے کی توفیق اور قُوّت دیتا ہے (۱-کرنتھیوں ۱۰: ۱۳)۔ کُرنتھس کے بعض مسیحی زندہ ثبوت ہیں کہ ہم جنس پرست افراد کو ہمیشہ تک اِس گُناہ کے غُلام رہنے کی ضرُورت نہیں (۱-کرنتھیوں ۶: ۹-۱۱)۔

۱: ۲۸- چونکہ اِنسانوں نے خُدا کو بطور خالق، پروردگار یا نجات دہندہ پہچاننے اور جاننے سے اِنکار کیا، اِس لئے "خُدا نے بھی اُن کو ناپسندیدہ عقل کے حوالہ کر دیا" کہ کئی اَور طرح کی بدی کا اِرتکاب کریں۔ اِس آیت سے یہ بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ اِنسان کیوں اِرتقا کے فلسفے کا اِس قدر دِلدادہ ہے۔ اِس کا سبب اُن کی عقل میں نہیں بلکہ اُن کے اِرادہ میں ہے۔ وُہ "خُدا کو پہچاننا" پسند نہیں کرتے یعنی وُہ خُدا کو پہچاننے کا اِرادہ ہی نہیں کرتے۔ وجہ یہ نہیں کہ عملِ اِرتقا کی شہادتیں اِتنی زیادہ ہیں کہ وُہ اِسے ماننے اور قبول کرنے پر مجبُور ہو جاتے ہیں بلکہ وُہ کائنات کے آغاز کی ایسی توجیہات چاہتے ہیں جن سے خُدا بالکُل خارِج ہو جائے۔ وُہ جانتے ہیں کہ اگر خُدا ہے تو ہم اخلاقی طور پر اُس کے سامنے جوابدِہ ہیں۔

۱: ۲۹- دیکھئے۔ یہاں گُناہوں کی ایک اضافی اور سیاہ فہرست ہے جو اُن اِنسانوں کی خاصیت کا

حصّہ ہیں جو خُدا سے دُور ہٹے رہتے ہیں ۔ غور کریں کہ وُہ اُن سے "بھر گئے" ہیں ۔ یعنی کبھی کبھی اِن گُناہوں کے مُرتکب نہیں ہوتے بلکہ اُن میں غرق رہتے ہیں ۔ وُہ اِن گُناہوں کے ماہر ہیں جو اِنسان کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں ۔ ذرا اِس فہرست کو دیکھئے ۔ "ناراستی" (نا اِنصافی) ۔ "بدی" (یُونانی = porneia اخلاقی بے راہروی یعنی زِنا ، بدکاری اور دیگر جنسی گُناہ وغیرہ اِس میں شامل ہیں) ۔ "لالچ" (زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی مُسلسل خواہش) ۔ "بدخواہی" (دُوسروں کو نقصان پہنچانے کی خواہش ، زہرناک نفرت) ۔ "حسد" (دُوسروں سے جلنا) ۔ "خُونریزی" (دُوسروں کا قتلِ عمد ، غُصّہ یا کسی دُوسرے جُرم کے اِرتکاب کے لئے دُوسرے کو غیر قانونی طور پر ہلاک کر دینا) ۔ "جھگڑے" (لڑنا ، تُوتُکار کرنا ، تکرار ، فساد) ۔ "مکّاری" (فریب ، دھوکا ، سازِش) ۔ "بُغض" (تلخی ، مخالفت ، دُشمنی) ۔ "غیبت" (خُفیہ طور پر کسی کی بدنامی کرنا ، پیٹھ پیچھے بُرائی کرنا) ۔

۱:۳۰ ۔ فہرست جاری ہے ——— "بدگو" (علانیہ بدنام کرنے والے ، دُوسروں کی بُرائیاں کرنے والے) ۔ "خدا کی نظر میں نفرتی" (یا خُدا سے نفرت کرنے والے) ۔ "اَوروں کو بے عزت کرنے والے" (کینہ ور ۔ دُوسروں کو حقیر سمجھنے والے) ۔ "مغرور" (گھمنڈی ۔ ہٹ دھرم) ۔ "شیخی باز" (خُودستائی کرنے والے ، اپنے مُنہ میاں مٹھو) ۔ "بدیوں کے بانی" (شرارت اور نئی نئی بُرائیاں اِیجاد کرنے والے) ۔ "ماں باپ کے نافرمان" (والدین کے خِلاف بغاوت کرنے والے) ۔

۱:۳۱ ۔ فہرست ابھی ختم نہیں ہُوئی ——— "بیوقوف" (اخلاقی اور رُوحانی اِمتیاز سے عاری ، بے ضمیر) ۔ "عہد شکن" (وعدہ خِلافی کرنے والے ، مُعاہدے توڑنے والے ، ناقابلِ اعتماد) ۔ "طبعی محبّت سے خالی" (طبعی رِشتوں اور بندھنوں سے قطعی بے پروا ، اپنے فرائض سے غافل) ۔ "بے رحم" (میل ملاپ نہ کرنے والے ، سنگدِل ، ظالم ، اِنتقام لینے والے) ۔

۱:۳۲ ۔ جو لوگ جنسی جبلّت کا غلط اِستعمال کرتے ہیں (۱:۲۴) اور اُسے بگاڑ دیتے ہیں (۱:۲۶، ۲۷) یا مُندرجہ بالا گُناہوں کے مُرتکب ہوتے ہیں (۱:۲۹ - ۳۱) ، اُن کو جبلّی طور پر علم ہے کہ یہ باتیں غلط ہیں ۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم "موت کی سزا کے لائق ہیں" ۔ وُہ جانتے ہیں کہ یہ خُدا کا عدالتی فیصلہ ہے اور کہ ہم اپنے گُناہوں کے حق میں کتنی بھی دلیلیں دیں ، کتنی بھی منطق جھاڑیں اور اِن کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کریں لیکن ہم بچ نہیں سکتے ۔ لیکن پھر بھی اِن میں ملوث ہونے سے باز نہیں آتے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وُہ دُوسروں کے ساتھ مِل جاتے ہیں اور اپنے گُناہ کے ساتھیوں کے ساتھ دوستانہ محسُوس کرتے ہیں ۔

وُہ لوگ جن تک انجیل کی خُوشخبری نہیں پہنچی

اَب دیکھنا یہ ہے کہ خدا اِس سُوال کا کیا جواب دیتا ہے کہ جن بے دِینوں نے کبھی خُوشخبری نہیں سُنی کیا وُہ ہلاک ہوں گے ؟۔ اُن لوگوں پر خدا کے غضب کا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے اُس روشنی کے مُطابق زِندگی نہیں گُزاری جو خُدا نے تخلیقِ کائنات میں اپنے اِظہار کے وسیلے سے اُن کو عطا کی تھی بلکہ وُہ بُت پرست بن گئے۔ جس کے نتیجہ میں اُنہوں نے خُود کو ہر طرح کی بُرائی کے حوالے کر دیا۔

لیکن فرض کریں کہ ایسا کوئی شخص اُس نُور کے مُطابق زِندگی بسر کرتا ہے جو خُدا نے اُسے عطا کیا ہے ۔ فرض کریں کہ وُہ اپنے بُت جلا دیتا اور حقیقی خُدا کا طالب ہوتا ہے تو پھر کیا ہوگا ؟

اِس مَوضُوع پر انجیلی مسیحیوں کے درمیان دو مکاتبِ فِکر پائے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جس تک نجات کا پیغام نہ پُہنچا ہو کائنات کے وسیلے سے خُدا کے عطا کردہ نُور کے مُطابق زِندگی گُزارتا ہے تو خُدا اُس کو انجیل کی روشنی بھیجے گا۔ اِس سِلسلے میں کُرنیلیس کی مِثال پیش کی جاتی ہے ۔ وُہ خُدا کا طالب تھا۔ اُس کی دُعاؤں اور خیرات کو خُدا کے حضُور یاد کیا گیا اور خُدا نے پطرس کو اُس کے پاس بھیجا تاکہ اُسے بتائے کہ نجات کِس طرح حاصِل ہوسکتی ہے (اعمال ۱۱:۱۴)۔

دُوسروں کا خیال ہے کہ اگر کوئی اِنسان سچّے اور زِندہ خُدا پر جیساکہ تخلیقِ کائنات اُس کو ظاہر کرتی ہے ، ایمان رکھتا ہے مگر انجیل کی خُوشخبری سُننے سے پہلے مَر جاتا ہے تو خُدا اُس کو کوہِ کلوری پر مسیح کے کام کی بُنیاد پر نجات دے گا۔ اگرچہ وُہ اِنسان مسیح کے کام کے بارے میں کُچھ نہیں جانتا تھا، خُدا اُس کام کا ثواب اُس آدمی کے لئے محسُوب کرتا ہے کیونکہ اُس نے اُس پر ظاہر کئے گئے نُور کے مُطابق خُدا پر ایمان رکھا۔ اِس نظریہ کے حامی اِس حقیقت کی طرف توجّہ دِلاتے ہیں کہ کلوری سے پہلے خُدا اِسی طرح نجات دیتا تھا۔ نیز وُہ ذہنی طور سے معذُور لوگوں اور اُن بچّوں کو جو ذمّہ داری اور جوابدہی کی عُمر تک پُہنچنے سے پہلے مَر جاتے ہیں اِسی طرح نجات دے گا۔

کُرنیلیس کا واقعہ پہلے نظریہ کی تائید کرتا ہے۔ مسیح کی مَوت اور قیامت کے بعد کے دَور (ہمارا مَوجُودہ دَور) کے لئے دُوسرے نظریہ کی پاک کلام سے حمایت نہیں ہوتی۔ مزید برآں اِس سے پُرزور تبلیغی سرگرمیوں کا جواز بھی کمزور پڑ جاتا ہے ۔

پَولُس ثابت کرتا ہے کہ جو مسیح پر اِیمان نہیں لائے اُن پر خُدا کا غضب ہے ۔ لِہٰذا انجیل کی خُوشخبری

کی ضرورت ہے۔ اب وہ دوسرے طبقے کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جن کی حتمی شناخت کے بارے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہاں رسول اُن لوگوں سے مخاطب ہے جو اپنے آپ کو راستباز اور اُونچے اخلاقی معیار کا مالک قرار دیتے ہیں۔ پولس رسول کو یہ غرض نہیں کہ وہ یہودی ہیں یا غیر قوم۔ پہلی آیت دکھاتی ہے کہ وہ دوسروں کے کردار پر نکتہ چینی کرتے اور اُن کو مجرم ٹھہراتے ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو راست باز اور بااخلاق جتاتے ہیں (حالانکہ خود بھی وہی گناہ کرتے ہیں)۔ آیات ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۴ اور ۱۵ سے پتہ چلتا ہے کہ پولس یہودیوں اور غیر قوم افراد دونوں سے ہمکلام ہے۔ چنانچہ عدالت کے سامنے سوال یہ ہے کہ خود کو راست باز ٹھہرانے والے، خواہ یہودی ہوں، خواہ غیر قوم کیا وہ ہلاک ہوں گے یا بچیں گے؟ ہم دیکھیں گے کہ جواب یہی ہے کہ ہلاک ہو جائیں گے۔

۲:۱ - یہ دوسرا طبقہ اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو بُت پرستوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اپنے آپ کو زیادہ مہذب، تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے سمجھتے ہیں۔ وہ بُت پرستوں کے بے ہودہ طرزِ زندگی پر اُن کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں، حالانکہ خود بھی ویسے ہی قصوروار ہوتے ہیں، البتہ وہ زیادہ مہذب طریقے سے وہی کام کرتے ہیں۔ گناہ میں گرا ہوا انسان اپنی نسبت دوسروں میں زیادہ آسانی سے خامیاں دیکھ سکتا ہے۔ جو باتیں دوسروں کی زندگی میں گھنونی اور ناپسندیدہ لگتی ہیں وہی اپنی زندگی میں پسندیدہ اور قابلِ تعریف معلوم ہوتی ہیں۔ مگر وہ دوسروں پر "الزام" لگا سکتا ہے۔ یہ حقیقت ثابت کرتی ہے کہ وہ نیکی اور بدی، اچھائی اور برائی، درست اور غلط کے درمیان امتیاز کرنا جانتا ہے۔ اگر وہ جانتا ہے کہ کسی دوسرے کا میری بیوی کو لے اُڑنا گناہ ہے تو یہ بھی جانتا ہے کہ میرا کسی دوسرے کی بیوی کو لے اُڑنا بھی گناہ ہے۔ اس لئے اگر کوئی دوسروں کو اُنہی گناہوں پر مجرم ٹھہراتا ہے جو وہ خود کرتا ہے تو اُس کے لئے کوئی عُذر باقی نہیں رہتا۔

مہذب لوگ بھی بُنیادی طور پر وہی گناہ کرتے ہیں جو غیر مہذب اور بُت پرست لوگ کرتے ہیں۔ اگرچہ کوئی اخلاق پرست اعتراض کر سکتا ہے کہ مَیں نے ہر وہ گناہ نہیں کیا جو کتاب میں لکھا ہے مگر اُس کو مندرجۂ ذیل حقائق یاد رکھنے چاہئیں:

۱- وہ اُن تمام طرح کے گناہوں کو کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۲- ایک حکم توڑنے سے انسان ساری شریعت توڑنے کا مجرم ٹھہرتا ہے (یعقوب ۲:۱۰)۔

۳- اُس نے خیال میں وہ گناہ کئے ہیں جو فعل واقعی میں نہیں کئے۔ اور پاک کلام نے اِن سے منع کیا ہے۔ یسوع نے سکھایا ہے کہ کسی عورت پر شہوانی نظر ڈالنا اُس کے ساتھ زِنا کرنے

کے برابر ہے (متی ۵: ۲۸)۔

۲: ۲۔ ایسے خود ستائی کرنے والے اخلاق پرست کو "خدا کی عدالت" کے بارے میں سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ آیات ۲۔ ۱۶ میں رسول یہی سبق سکھاتا ہے۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ "عدالت خدا کی طرف سے حق کے مطابق ہوتی ہے"۔ یہ عدالت ادھوری، غلط اور واتفاقی شہادتوں پر مبنی نہیں ہوتی، بلکہ صرف سچ پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد سوائے سچ کے اور کسی بات پر نہیں ہوتی۔

۲: ۳۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ وہ لوگ اِس عدالت سے ہرگز بچ نہیں سکتے جو دوسروں پر گناہوں کا "الزام" لگاتے ہیں مگر خود وہی گناہ کرتے ہیں۔ اُن کی اِلزام لگانے کی صلاحیت اُن کو قصور سے بری نہیں کرتی بلکہ اُن کو زیادہ مجرم ٹھہراتی ہے۔

خدا کی عدالت سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ توبہ کریں اور معافی حاصل کریں۔

۲: ۴۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ خدا عدالت کرنے میں کبھی دیر بھی کرتا ہے۔ یہ تاخیر ثبوت ہے کہ وہ "مہربانی اور تحمل اور صبر" سے کام لے رہا ہے۔ اُس کی "مہربانی" کا مطلب یہ ہے کہ وہ گنہگاروں پر رحم کر رہا ہے۔ اُس کے "تحمل" کا مطلب ہے کہ وہ انسان کی بُرائی اور بغاوت کی سزا کو التوا میں ڈال رہا ہے۔ اُس کے "صبر" کا مطلب ہے کہ اِنسان کے لگاتار اشتعال دِلانے کے باوجود وہ ضبط کر رہا ہے۔ پروردگاری، نگہبانی اور محافظت میں جو "خدا کی مہربانی" ہے، اِس کا مقصد اِنسان کو "توبہ کی طرف مائل" کرنا ہے۔ "خداوند ... کسی کی ہلاکت نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ سب کی توبہ تک نوبت پہنچے" (۲۔ پطرس ۳: ۹)۔

"توبہ" کا مطلب ہے مُڑنا۔ پورے طور پر رُخ بدل لینا۔ گناہ سے بالکل مُنہ موڑ لینا۔ گناہ کو ترک کر دینا۔ اِس سے مُراد ارادہ کی تبدیلی ہے جس سے رویّہ میں تبدیلی آتی ہے اور نتیجے میں عمل اور حرکت میں تبدیلی آتی ہے۔ اِس کی اہمیت یہ ہے کہ اِنسان خود اپنے اور اپنے گناہ کے خلاف خدا کی طرف ہو جاتا ہے۔ اِس سے مُراد صرف ذہنی طور پر اپنے گناہوں کی حقیقت کو تسلیم کرنا نہیں بلکہ اِس میں ضمیر بھی شامل ہوتا ہے۔ جان نیوٹن لکھتا ہے "میرے ضمیر نے میری خطا کو محسوس کیا اور مان لیا"۔

۲: ۵۔ خدا کی عدالت کے بارے میں چوتھا نکتہ یہ ہے کہ اِس کی درجہ بندی خطا کے ذخیرہ[1] کے مطابق ہوتی ہے۔ اُردو ترجمہ میں لفظ "غضب کما رہا ہے" اِستعمال ہوا ہے۔ گویا غیر تائب شخص خدا کے قہر اور غضب کو اِس طرح ذخیرہ کر رہا ہے جیسے سونے یا چاندی کو کیا جاتا ہے۔ لیکن جب بڑے سفید تخت کے

---

[1] دیکھئے ریفرنس بائبل کا حاشیہ۔

سامنے (مکاشفہ ۲۰: ۱۱-۱۵) "خدا کی سچی عدالت" بالآخر ظاہر ہوگی تو اُس وقت یہ ذخیرہ کیسا لگے گا۔ اُس دِن "خُدا کی عدالت" بالکل "سچی" ثابت ہوگی۔ اُس میں کسی کی طرف داری، رُو رعایت یا بے اِنصافی نہ ہوگی۔

۶:۲۔ اگلی پانچ آیات میں پولس رسول ہمیں یاد دلاتا ہے کہ خُدا کی عدالت ہر اِنسان کے "کاموں کے مُوافق" ہوگی۔ اِنسان اپنی نیکیوں کے بارے میں بہت بڑھ ہانک سکتا ہے۔ اُن پر فخر کر سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے وُہ اپنی نسلی یا قومی برتری کا سہارا لے۔ اور اِس حقیقت کی بنیاد پر اپنی وکالت کرے کہ میرے آبا و اجداد میں بڑے بڑے نیک افراد ہُوئے ہیں۔ لیکن اُس کی عدالت اُس کے اپنے کردار، اپنے کاموں کے موافق ہوگی۔ نسلی برتری کو کوئی نہیں پُوچھے گا۔ اُس کے کام ہی فیصلہ کُن عُنصر ہوں گے۔

اگر ہم آیات ۶-۱۱ کو بائبل مُقدّس کی باقی تعلیم سے الگ کر کے دیکھیں تو اِس نتیجے پر پہنچنے کا خطرہ ہے کہ یہاں اعمال سے نجات کی تعلیم دِی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات کہہ رہی ہیں کہ جو نیک اعمال کریں گے وُہ اِن سے ابدی زندگی کما لیں گے۔

لیکن اِن آیات کا مفہُوم یہ نہیں ہے کیونکہ اِس طرح بقیہ پاک کلام کی اِس تعلیم کی نفی ہوتی ہے کہ نجات اعمال سے نہیں بلکہ صرف خُدا کے فضل سے ایمان سے ہے کیونکہ پاک کلام شرُوع سے آخر تک "ایمان سے نجات" کی تعلیم دیتا ہے۔ بائبل مُقدّس میں تقریباً ۱۵۰ حوالے ہیں جو نجات کو ایمان یا یقین رکھنے کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ اگر صحیح طور سے سمجھا جائے تو کوئی ایک حوالہ بھی ایسی زبردست شہادت کی تردید نہیں کرسکتا۔

تو پھر ہم زیرِ نظر حوالہ سے کیا سمجھیں؟ پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہئے کہ نیک اعمال اُس وقت تک شرُوع نہیں ہو سکتے جب تک کوئی اِنسان نئے سِرے سے پیدا نہ ہُوا ہو۔ جب لوگوں نے یسوع سے پُوچھا کہ "ہم کیا کریں تاکہ خُدا کے کام انجام دیں؟" تو اُس نے جواب دیا کہ "خُدا کا کام یہ ہے کہ جسے اُس نے بھیجا ہے اُس پر ایمان لاؤ" (یُوحنّا ۶: ۲۸، ۲۹)۔ اِس لئے پہلا نیک کام جو کوئی شخص کرسکتا ہے یہ ہے کہ خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لائے۔ پھر ہمیں یہ بات بھی ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ ایمان ایسی کوئی نیکی نہیں جس سے کوئی شخص نجات کما لیتا ہے۔ اِس لئے جب غیر نجات یافتہ لوگوں کی عدالت اُن کے کاموں کے مُوافق ہوگی تو اُن کے پاس شہادت کے طور پر پیش کرنے کو کچھ نہیں ہوگا۔ جن کاموں کو وُہ نیکیاں سمجھتے ہیں، اُن کی قدر و قیمت گندی دھجیوں سے زیادہ نہیں ہوگی (یسعیاہ ۶۴: ۶)۔ عِلاوہ ازیں اُن کے اعمال اُن کی سزا کے درجہ کا تعیّن کریں گے (لُوقا ۱۲: ۴۷، ۴۸)

اگر ایمان داروں کی عدالت اُن کے کاموں کے موافق ہو تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یقیناً وُہ کوئی ایسے نیک

کام پیش نہیں کر سکتے جن سے وُہ نجات کما سکیں، یا نجات کے حق دار ثابت ہوں ۔ نجات پانے سے پہلے اُن کے سارے کام گُناہ آلُودہ تھے، مگر یسوع کے خُون نے ماضی کو دھو ڈالا اور بالکل صاف کر دیا ہے ۔ اب خُود خُدا بھی اُن کے خلاف کوئی الزام پیش نہیں کر سکتا جس کی بِنا پر اُن کو جہنم کی سزا کا حُکم دے سکے ۔ جب وُہ ایک دفعہ نجات پا لیتے ہیں تو نیک کام کرنا شروع کرتے ہیں ـــــ ضروری نہیں کہ وُہ سب دُنیا کی نظر میں بھی نیک کام ہوں تاہم خُدا کی نظر میں نیک ہوں گے ۔ اُن کے نیک اَعمال نجات کا نتیجہ ہوتے ہیں مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے اُن کے کاموں کا جائزہ لیا جائے گا اور اُن کی وفاداری اور دیانت داری کی خدمت کا صلہ دیا جائے گا ۔

مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ زیرِ نظر حوالے کا تعلق ایمان داروں سے نہیں صرف بے خُدا اور بُت پرست لوگوں سے ہے ۔

۲: ۷ ۔ اِس بات کی تشریح کرتے ہُوئے کہ عدالت کاموں کے موافق ہوگی پَولُس کہتا ہے کہ "جو نیکوکاری میں ثابت قدم رہ کر جلال اور عزّت اور بقا کے طالب ہوتے ہیں (خُدا) اُن کو ہمیشہ کی زندگی دے گا"۔ جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ چونکہ وُہ "نیکوکاری میں ثابت قدم" رہتے ہیں اِس لئے نجات پاتے ہیں ۔ یہ تو کوئی اَور ہی انجیل ہوگی ۔ طبعی طور پر کوئی بھی ایسی زندگی بسر نہیں کرے گا ۔ اور نہ کوئی خُدا کی قوّت کے بغیر ایسی زندگی بسر کر سکتا ہے ۔ اگر کوئی شخص اِس بیان کے مُطابق پایا جاتا ہے تو وُہی ہوگا جو ایمان کے وسیلے اور فضل سے نجات پا چُکا ہے ۔ یہ حقیقت کہ وُہ "جلال اور عزّت اور بقا" کا طالب ہوتا ہے ثابت کرتی ہے کہ وُہ نئی پیدائش حاصل کر چکا ہے ۔ اُس کی زندگی کا سارا سلسلہ ثابت کرتا ہے کہ وُہ مسیح پر ایمان لا چُکا ہے ۔

وُہ آسمان کے "جلال" اور خُدا سے مِلنے والی "عزّت" (یُوحنّا ۵: ۴۴) اور اُس "بقا" کا طالب رہتا ہے جو جی اُٹھنے کے بعد بدن کی خاصیّت ہے (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۵۳، ۵۴)۔ یہ ہے وُہ "غیر فانی اور بے داغ اور لازوال میراث" جس کا بیان پطرس (۱۔پطرس ۱: ۴) بھی کرتا ہے ۔

خُدا یہ "ہمیشہ کی زندگی" اُن سب کو دے گا جو ایمان لانے کا ثبوت ظاہر کرتے ہیں ۔ نئے عہد نامہ میں اِس "ہمیشہ کی زندگی" کا بیان کئی مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے ۔ یہ ہماری "موجُودہ میراث" ہے جو ایمان لاتے ہی ہمیں مِل جاتی ہے (یُوحنّا ۵: ۲۴) ۔ یہ "مستقبل کی میراث" ہے جو اُس وقت ہماری ہو جائے گی، جب ہمیں جلالی بدن مِلے گا (زیرِ نظر آیت اور رومیوں ۶: ۲۲) ۔ اگرچہ یہ ایک بخشش ہے جو ایمان لانے سے حاصل ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی اِس کو وفاداری کی زندگی کے صِلے کے تعلق سے بھی پیش کیا جاتا ہے

(مرقس ۱۰: ۳۰) - سارے ایمان داروں کو "ہمیشہ کی زندگی" ملے گی - لیکن بعض کو زیادہ لُطف اندوز ہونے کے لئے اَجر ملے گا اور دُوسروں کو کم - "ہمیشہ کی زندگی" کا مطلب صرف دائمی وجُود یا ہمیشہ تک جیتے رہنا ہی نہیں - یہ "زندگی" کی ایک کیفیت ہے - یہ وُہ کثرت کی زندگی ہے جس کا وعدہ مُنجّی نے یوحنّا ۱۰: ۱۰ میں کیا ہے - یہ خُود مسیح کی اپنی "زندگی" ہے (کلسّیوں ۱: ۲۷) -

۲: ۸ - "مگر جو تفرقہ انداز اور حق کے نہ ماننے والے بلکہ ناراستی کے ماننے والے ہیں اُن پر غضب اور قہر ہوگا" - وُہ "حق" یعنی سچائی کو نہیں مانتے - اُنہوں نے خوشخبری کی پُکار کو کبھی قبُول نہیں کیا بلکہ وُہ ناراستی کو اپنا مالک مان کر اُسی کی فرمانبرداری کرتے ہیں - لڑائی جھگڑا، دھڑے بندیاں، فساد اور نافرمانی اُن کی زندگی کا خاصّہ ہیں - اور یہ حتمی ثبُوت ہے کہ اُن کو کبھی نجات کا تجربہ نہیں ہُوا -

۲: ۹ - اب رسُول دونوں قِسم کے کاموں، اور کام کرنے والوں کے بارے میں خُدا کا حُکم دُہراتا ہے - فرق صِرف اِتنا ہے کہ ترتیب پہلے سے اُلٹ ہے -

خُدا کا عدالتی حُکم یہ ہے کہ "مُصیبت اور تنگی" ہر اُس اِنسان کے لئے ہوگی جو "بدکار" ہے یعنی بُرے کام کرتا ہے - یہاں ہمیں اِس پر زور دینا ہے کہ یہ بُرے کام اُس بُرے دِل کو ظاہر کرتے ہیں جو ایمان نہیں لاتا - کام یا اعمال خُداوند کے بارے میں اِنسان کے رویّہ یا سوچ کا ظاہری اظہار ہوتے ہیں -

"پہلے یہُودی کی پھر یُونانی کی" - اِن اَلفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خُدا کی عدالت اُس استحقاق اور نُور کے مُطابق ہوگی جو اِنسان کو عطا کیا گیا ہے - یہُودی دُنیا میں خُدا کی چُنی ہُوئی قوم ہونے کے باعث استحقاق میں پہلے ہیں - اِس لئے جوابدہی میں بھی وُہی "پہلے" ہوں گے - خُدا کی عدالت کے اِس پہلُو کی وضاحت آگے آیات ۱۲-۱۶ میں آئے گی -

۲: ۱۰ - حُکم یہ ہے کہ "جلال اور عزّت اور سلامتی ہر ایک نیکوکار کو ملے گی" - "نیکوکار" یہُودی ہو یا غیرقوم اِس میں کُچھ تخصیص نہیں - اور ہمیں نہیں بھُولنا چاہئے کہ جہاں تک خُدا کا تعلق ہے، کوئی شخص اُس وقت تک "نیکوکار" ہو نہیں سکتا جب تک وُہ خُداوند یسوع مسیح کا یقین نہ کرے اور اُس پر ایمان نہ لائے -

"پہلے یہُودی کو پھر یُونانی کو" - اِن الفاظ سے طرف داری ظاہر نہیں ہوتی، کیونکہ اگلی ہی آیت کہتی ہے کہ عدالت غیر جانب دارانہ ہوگی - اِس آیت سے وُہ تاریخی ترتیب ظاہر ہوتی ہے جس میں اِنجیل کی خوشخبری مُختلف قوموں کو پہنچی جیسا کہ ۱: ۱۶ میں بھی ہے - خوشخبری کی منادی پہلے یہُودیوں میں ہُوئی اور پہلے اِیمان لانے والے بھی یہُودی تھے -

۲: ۱۱ - خُدا کی عدالت کے بارے میں ایک اَور سچائی یہ ہے کہ خُدا اِنسانوں میں اِمتیاز نہیں کرتا -

اِنسانی عدالتوں میں دَولت مندوں، بارسُوخ افراد اور خُوبصُورت لوگوں کی طرف داری کی جاتی ہے۔ لیکن "خُدا" سختی سے غیر جانب دار ہے۔ وُہ نسل، حُسن اور مقام کا کوئی لحاظ نہیں کرتا۔ یہ باتیں اُس پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔

۱۲:۲۔ جیسا پہلے بیان ہُوا آیات ۱۲۔ ۱۶ اِس نُکتے کی وضاحت کرتی ہیں۔ خُدا کی عدالت اُس روشنی کے مُطابق ہوگی جو اِنسان کو عطا کی گئی ہے۔ یہاں نظر دو طبقوں پر ہے۔ اوّل جن کو شریعت نہیں ملی (غیر اقوام)، دُوسرے وُہ جو شریعت کے ماتحت ہیں (یہُودی)۔ اِن میں سب ہی شامل ہیں سوائے اُن لوگوں کے جو خُدا کی کلیسیا میں ہیں (ملاحظہ کریں ۱۔کرنتھیوں ۱۰: ۳۲ جہاں نسلِ اِنسانی کو اِن تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے):

"جنہوں نے بغیر شریعت پائے گُناہ کیا وہ بغیر شریعت کے ہلاک بھی ہوں گے"۔ یہ نہیں کہا گیا کہ "اُن کی عدالت بغیر شریعت کے ہوگی" بلکہ یہ کہ "بغیر شریعت کے ہلاک بھی ہوں گے"۔ عدالت اُس نُور یا مُکاشفہ کے مطابق ہوگی جو خُدا نے اُن کو عطا کیا ہے۔ اور اگر وُہ اُس مُکاشفہ کے مُطابق زندگی بسر کرنے سے قاصر رہے تو "ہلاک ہوں گے"۔

"اور جنہوں نے شریعت کے ماتحت ہو کر گُناہ کیا اُن کی سزا شریعت کے موافق ہوگی"۔ یعنی اگر اُنہوں نے شریعت کی فرمانبرداری نہیں کی، اُس کے مُطابق نہیں چلے تو وُہ بھی ہلاک ہوں گے۔ شریعت کامل فرمانبرداری کا تقاضا کرتی ہے۔

۱۳:۲۔ صِرف شریعت حاصِل کر لینا، یعنی صِرف شریعت کا مالِک ہونا کافی نہیں۔ شریعت کامل اور مُسلسل فرمانبرداری کا تقاضا کرتی ہے۔ کوئی اِنسان فقط اِس لئے راست باز شُمار نہیں ہوتا کہ جانتا ہے کہ شریعت کیا کہتی ہے۔ شریعت کے ماتحت راستبازی حاصِل کرنے کا صِرف ایک ہی طریقہ ہے کہ پُوری شریعت پر پُورا پُورا عمل کیا جائے۔ لیکن چونکہ تمام اِنسان گنہگار ہیں اُن کے لئے ایسا کرنا مُمکن ہی نہیں۔ چنانچہ یہ آیت کِسی ایک بات کا بیان نہیں کرتی جو اِنسان کے لئے قابلِ حصُول ہے بلکہ ایک مثالی صُورتِ حال کو پیش کرتی ہے۔

نیا عہد نامہ تاکیداً تعلیم دیتا ہے کہ اِنسان کے لئے شریعت کے وسیلے سے راستباز ٹھہرنا مُمکن نہیں (دیکھئے اعمال ۱۳: ۳۹؛ رومیوں ۳: ۲۰؛ گلتیوں ۲: ۱۶، ۲۱؛ ۳: ۱۱)۔ خُدا کا کبھی اِرادہ ہی نہیں تھا کہ اِنسان شریعت کے وسیلے سے نجات پائے۔ اگر کوئی اِنسان آج سے شرُوع کر کے آگے کو شریعت کی کامل پابندی کر بھی سکے، وُہ پھر بھی راست باز نہیں ٹھہرے گا کیونکہ خُدا گزشتہ کو بھی حساب میں

رکھتا ہے۔ جب آیت ۱۳ کہتی ہے کہ "شریعت پر عمل کرنے والے راستباز ٹھہرائے جائیں گے" تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت فرمانبرداری کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اگر کوئی اپنی پیدائش کے دن ہی سے فرمانبرداری ثابت کر سکے تو وُہ راست باز ٹھہرایا جائے گا۔ لیکن ٹھوس اور ناقابلِ تردید حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص بھی کامل فرمانبرداری کر نہیں سکتا۔

۱۴:۲۔ آیات ۱۴ اور ۱۵ جملۂ معترضہ ہیں۔ آیت ۱۲ الف کو دوبارہ دیکھیں جہاں بیان ہُؤا ہے کہ وُہ غیر قومیں جنہوں نے بغیر شریعت پائے گناہ کیا وُہ بغیر شریعت کے ہلاک بھی ہوں گی۔ یہاں پولُس وضاحت کرتا ہے کہ اگرچہ غیر قوموں کو شریعت نہ دی گئی مگر وُہ جبلّی طور پر غلط اور صحیح، نیکی اور بدی کی پہچان رکھتی ہیں۔ وُہ جبلّی طور پر جانتی ہیں کہ جھوٹ بولنا، چوری کرنا، زنا کرنا غلط ہے۔ صرف ایک حکم ہے جس کو وہ جبلّی یا وجدانی طور پر نہیں جان سکتیں اور وُہ ہے سبت کے بارے میں حکم۔ لیکن یہ حکم اخلاقی نہیں رسُوماتی ہے۔

چُنانچہ ساری بات کا لُبِ لُباب یہ ہے کہ غیر قومیں "باوجُود شریعت نہ رکھنے کے وُہ اپنے لئے خُود ایک شریعت ہیں"۔ وُہ اپنی اخلاقی جبلّت سے نیکی اور بدی کا ضابطہ وضع کر لیتی ہیں۔

۱۵:۲۔ "وُہ شریعت کی باتیں اپنے دِلوں پر لکھی ہُوئی دِکھاتی ہیں"۔ غور کریں کہ "شریعت" نہیں بلکہ "شریعت کی باتیں" یعنی شریعت کے کام اُن کے دِلوں پر لکھے ہُوئے ہیں۔ وہی کام جسے شریعت کو اسرائیلیوں کی زندگی میں پیدا کرنا تھا، وُہی کام کسی حد تک غیر قوموں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ مثلاً وُہ جانتے ہیں کہ اپنے ماں باپ کی عزّت کرنا درست بات ہے۔ یہ حقیقت ثابت کرتی ہے کہ "شریعت کی باتیں" اُن کے دِلوں پر لکھی ہُوئی ہیں۔ وُہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بعض باتیں بُنیادی طور پر غلط ہیں۔ اُن کے "دِل" یعنی ضمیر ایک صلاح کار یا مُصلح کی طرح اُن کے جبلّی علم کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اُن کے خیالات بھی مُسلسل فیصلہ کرتے رہتے ہیں کہ اُن کے اعمال درست ہیں یا غلط۔ اُن پر "اِلزام لگاتے ہیں یا اُن کو معذور رکھتے ہیں"۔ منع کرتے ہیں یا اجازت دیتے ہیں۔

۱۶:۲۔ یہ آیت ۱۲ کے خیال کا تسلسل ہے۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ جن کو شریعت نہیں ملی اور جو شریعت کے ماتحت ہیں اُن کی عدالت کب ہوگی۔ اِس کے ساتھ ہی یہ آیت خُدا کی عدالت کے بارے میں ایک آخری سچائی بھی پیش کرتی ہے ــــ یعنی لوگوں کے صِرف علانیہ گناہوں ہی کا نہیں بلکہ "پوشیدہ باتوں" کا بھی حساب کیا جائے گا۔ جو گُناہ آج پوشیدہ ہے، وُہ خُدا کے تختِ عدالت کے سامنے بے نقاب رُسوائی بن جائے گا۔ اُس سنجیدہ موقع پر مُنصِف یسوع مسیح ہوگا۔ اِس

لئے کہ باپ نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کر دیا ہے (یوحنا ۵: ۲۲) - جب پولس کہتا ہے کہ "میری خوشخبری کے مطابق" تو مطلب ہے کہ "میری خوشخبری کی تعلیم کے مطابق"۔ "میری خوشخبری" کا مطلب ہے وہ خوشخبری جس کی منادی پولس کرتا ہے - اور یہ وہی خوشخبری ہے جس کی منادی دوسرے رسول بھی کرتے ہیں -

۲: ۱۷ - رسول کو تیسری قسم کے لوگوں کا معاملہ بھی طے کرنا ہے - چنانچہ وہ اِس سوال کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ "یہودی جن کو شریعت دی گئی ہے کیا اُن پر بھی خدا کا غضب ہے؟" اور بے شک جواب یہی ہے کہ "ہاں، وہ بھی مسیح کے بغیر ہلاک ہوں گے"۔

اِس میں شک نہیں کہ بہت سے یہودی اپنے آپ کو خدا کی عدالت سے مبرا سمجھتے تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ خدا کسی "یہودی" کو کبھی دوزخ میں نہیں ڈالے گا - اور دوسری طرف سمجھتے تھے کہ غیر اقوام جہنم کی آگ کا ایندھن ہیں - اب ضروری ہے کہ پولس اس کھوکھلے دعوے کو غلط ثابت کرے۔ اِس مقصد کے لئے وہ ثابت کرتا ہے کہ بعض حالات میں یہودیوں کی نسبت غیر قوم خدا کے زیادہ قریب ہوتے ہیں -

پہلے پولس اُن باتوں پر نظرِ ثانی کرتا ہے جن کی بنا پر یہودی فخر کرتے تھے کہ ہم خدا کے "حلقہ یاراں" میں ہیں - اول تو وہ "یہودی" کہلانے پر فخر کرتے تھے کہ اِس طرح ہم زمین پر خدا کی چنی ہوئی اُمت کے رکن ہیں - دوسرے وہ "شریعت پر تکیہ" کرنے پر فخر کرتے تھے - حالانکہ شریعت اِس مقصد سے نہیں دی گئی کہ اِس "پر تکیہ" کیا جائے - بلکہ اِس لئے کہ ضمیر کو بیدار کرے اور گناہ کا احساس دلائے۔ یہودی سچے اور واحد "خدا پر فخر" کرتے ہیں کیونکہ اُس نے اسرائیلی قوم سے ایک بے مثال عہد باندھا اور اِس قوم کے ساتھ ایک یکتا رشتہ قائم کیا تھا۔

۲: ۱۸ - یہودی "خدا کی مرضی" کو جانتا ہے کیونکہ صحائف میں اُس کی مرضی کا ایک عمومی خاکہ دیا گیا ہے - وہ "عمدہ باتیں پسند کرتا ہے"۔ اِس لئے کہ "شریعت" نے اُس کو اخلاقی اقدار کی تشخیص کرنا سکھایا ہے -

۲: ۱۹ - ایک یہودی اِس بات پر بھی فخر کرتا تھا کہ مَیں اخلاقی اور روحانی طور پر "اندھوں کا راہنما اور اندھیرے میں پڑے ہوؤں کے لئے روشنی" ہوں -

۲: ۲۰ - وہ سمجھتے تھے کہ ہم "نادانوں کی تربیت کرنے" کے اہل اور "بچوں" کے "اُستاد" ہیں یعنی جو ناواقف اور جاہل ہیں اُن کو تعلیم دے سکتے ہیں - اِس لئے کہ "شریعت" نے اُن کو "علم اور حق" کا نمونہ دے رکھا تھا -

۲: ۲۱ - یہُودی اِن باتوں پر فخر تو کرتے تھے مگر اِن باتوں نے اُن کی زندگی کبھی تبدیل نہیں کی تھی - یہ صِرف نسل، مذہب اور علمیت پر فخر تھا - اِن کے مُطابق اُن میں کوئی اخلاقی اِصلاح یا تبدیلی نہیں آتی تھی - وُہ دُوسروں کو تو سِکھاتے تھے، مگر یہ سبق اُن کے اپنے دِلوں میں نہیں اُترے تھے - وُہ چوری کرنے کے خلاف منادی تو کرتے تھے مگر اِس تعلیم پر خُود عمل نہیں کرتے تھے -

۲: ۲۲ - جب ایک یہُودی "زِنا" کرنے سے منع کرتا تھا تو مُعاملہ یہ ہوتا تھا "جیسا مَیں کہتا ہُوں، کرو، جیسا مَیں کرتا ہُوں نہ کرو"۔ وُہ "بُتوں سے نفرت رکھتا" تھا مگر "مندروں کو لُوٹنے" میں تامل نہیں کرتا تھا - غالباً یہُودی غیر قوم مندروں اور زیارتوں کو واقعی لُوٹ لیتے تھے -

۲: ۲۳ - یہُودی اِس بات پر فخر کرتا ہے کہ میرے پاس "شریعت" ہے - لیکن شریعت کے پاک حُکموں کے "عدُول سے" وُہ "خُدا کی بے عزّتی کرتا ہے" -

۲: ۲۴ - یہُودیوں کی اِس اُونچی دُکان اور پھیکے پکوان کو دیکھ کر "غیر قوموں میں خُدا کے نام پر کُفر بکا جاتا ہے"- وُہ بھی عام اِنسانوں کی طرح خُداوند کو اُس کے پَیروؤں کے اعمال و کردار سے پرکھتے ہیں - یہ بات یسعیاہ کے زمانے (یسعیاہ ۵۲ : ۵) میں سچ تھی اور آج بھی سچ ہے - ہم میں سے ایک ایک کو پُوچھنا چاہئے کہ

یسُوع مسیح کے مُتعلق لوگوں کا اندازہ اگر اُسی قدر ہے
جِتنا وُہ اُس کو آپ میں دیکھتے ہیں
تو وُہ کیا دیکھتے ہیں ؟

۲: ۲۵ - شریعت کے علاوہ یہُودی اپنے "خَتنہ" کی رسم پر بھی فخر کرتے تھے - یہ رسم خُدا نے ابرہام کے ساتھ اپنے عہد کے نشان کے طور پر مُقرر کی تھی (پیدائش ۱۷ : ۹-۱۴) - اِس سے اِظہار ہوتا تھا کہ یہ قوم خُدا کے لئے دُنیا سے الگ کی گئی ہے - کُچھ عرصہ بعد یہُودی اِس پر اِتنا فخر کرتے لگے کہ حقارت سے غیر قوموں کو "نامختون" کے نام سے پُکارنے لگے -

یہاں پَولُس رسُول "خَتنہ" کو مُوسیٰ کی "شریعت" کے ساتھ مِلاتا ہے اور توجہ دِلاتا ہے کہ ختنہ ایک نشان کے طور پر اُس وقت تک جواز رکھتا تھا جب تک اُس کے ساتھ فرمانبرداری کی زِندگی تھی - خُدا کوئی رسم پرست ہستی نہیں - وُہ ظاہری شعائر اور رسومات سے اُس وقت تک مُطمئن نہیں ہوتا جب تک اُن کے ساتھ باطنی پاکیزگی نہ ہو - چنانچہ ایک مختون یہُودی جو شریعت کی نافرمانی کرتا ہے حقیقت میں نامختون ہے -

اِس حوالہ میں رسُول جب شریعت پر عمل کرنے والوں کی بات کرتا ہے تو ہمیں الفاظ کو اُن کے مُطلق مفہوم میں نہیں لینا چاہئے۔

۲: ۲۶۔ اِسی طرح اگر ایک غیر قوم شخص "شریعت" میں بیان کردہ اخلاق پر عمل پیرا رہتا ہے، حالانکہ وُہ شریعت کے ماتحت نہیں تو اُس کی "نامختُونی" نافرمان یہُودی کے "ختنہ" سے زیادہ مقبول ہو گی ۔ اِس صُورت میں اُس غیر قوم فرد کا دِل مختُون ہے۔ اور اہمیت اِسی بات کو ہے۔

۲: ۲۷۔ غیر قوم فرد کا اعلیٰ کردار اور اخلاق یہُودی کو مجرم ٹھہراتا ہے کیونکہ یہُودی "کلام اور ختنہ" تو رکھتا ہے مگر "شریعت سے عدُول کرتا ہے" یعنی مختُون زِندگی نہیں گزارتا ۔ وُہ مخصُوص کی ہُوئی یا تقدیس کی ہُوئی اور الگ کی ہُوئی زِندگی نہیں گزارتا ۔

۲: ۲۸۔ خُدا کے حِساب میں سچا "یہُودی" وُہ شخص نہیں جس کی رگوں میں ابرہام کا خُون دَوڑتا ہے یا جس کے بدن میں ختنہ کا نشان مَوجُود ہے۔ ممکن ہے کہ کسی شخص میں یہ دونوں باتیں موجُود ہوں مگر اخلاقی لحاظ سے وُہ دُنیا "کا گند" ہو۔ خُداوند نسل یا مذہب کی ظاہری باتوں سے مُتاثر نہیں ہوتا۔ وُہ باطن کی سچائی اور پاکیزگی کو دیکھتا ہے ۔

۲: ۲۹۔ حقیقی "یہُودی" وُہ نہیں جو ابرہام کی نسل سے ہے بلکہ وُہ ہے جو خُدا پرستی کے کام بھی کرتا ہے ۔ یہ حوالہ یہ تعلیم نہیں دیتا کہ سارے ایمان دار یہُودی ہیں، یا کلیسیا خُدا کا اِسرائیل ہے۔ پَولُس رسُول اُن لوگوں کی بات کر رہا ہے جو یہُودی والدین سے پَیدا ہُوئے ہیں اور اِس نُکتے پر زور دے رہا ہے کہ صرف پَیدائش اور ختنہ کے حُکم کی پابندی ہی کافی نہیں بلکہ باطنی سچائی اور حقیقت بھی ہونی ضرُوری ہے ۔

حقیقی "ختنہ وُہی ہے جو دِل کا اور رُوحانی ہے" یعنی جِسم کے ایک حِصّہ کو تھوڑا سا کاٹ ڈالنا حقیقی ختنہ نہیں بلکہ پُرانی اور بگڑی ہُوئی فِطرت کو کاٹ پھینکنا حقیقی ختنہ ہے۔

جو لوگ اِس ظاہری نشان اور باطنی حقیقت کو باہم مِلا دیتے ہیں، لوگ اُن کی تعریف کریں، نہ کریں مگر خُدا ضرُور اُن کی تعریف کرتا ہے ۔ اصل زبان میں یہاں رعایتِ لفظی ہے جو اُردو ترجمہ میں منتقل کرنا ممکن نہیں ۔ لفظ 'یہُودی' "یہُوداہ" سے مُشتق ہے جس کا مطلب ہے 'تعریف'۔ حقیقی یہُودی وُہ ہے جِس کا کِردار ایسا ہو کہ اُس کی "تعریف ... خُدا کی طرف سے" ہو۔

۳: ۱۔ اِس باب کی پہلی آٹھ آیات میں پَولُس رسُول یہُودیوں کی خطا کے مضمون کو جاری رکھتا ہے ۔ یہاں ایک یہُودی مُعترض نمُودار ہوتا اور پَولُس سے جِرح کرنے لگتا ہے ۔ ملاحظہ کیجیے۔

مُعترض: جو کُچھ آپ نے ۲: ۱۷-۲۹ میں کہا ہے، اگر وُہ سب کُچھ درست ہے تو "یہُودی" ہونے میں کیا "فوقیت" ہے اور "ختنہ سے کیا فائدہ" ہے؟

۳: ۲- پَولُس: یہُودیوں کو بہُت سے خاص اِستحقاق حاصِل رہے ہیں۔ سب سے اہم استحقاق یہ تھا کہ "خُدا کا کلام اُن کے سپُرد ہُؤا" تھا۔ پُرانے عہد نامہ کے صحائف یہُودیوں کے سپُرد ہُوئے کہ اُن کو لکھیں اور محفُوظ رکھیں۔ لیکن اُس اُمّت نے اِتنی بڑی ذِمّہ داری اور اِتنے بڑے اعزاز کا کیا جواب دیا؟ مجمُوعی طور پر ایمان کی زبردست کمی کا اِظہار کیا۔

۳: ۳- مُعترض: خیر، مان لیا کہ سارے یہُودی ایمان نہیں لائے، تو کیا اِس کا مطلب ہے کہ خُدا اپنے وعدوں سے پھر جائے گا؟ آخر اُس نے اِسرائیل کو اپنی اُمّت ہونے کے لئے چُن لیا تھا اور اُن کے ساتھ پکّے وعدے بھی کئے تھے۔ کیا بعض کی "بے ایمانی" کے باعث "خُدا" اپنی بات سے پھر جائے گا؟

۳: ۴- پَولُس: "ہرگز نہیں"۔ جب کبھی یہ سُوال اُٹھتا ہے کہ خُدا درستی پر ہے یا اِنسان تو بات ہمیشہ اِس دُنیا دسے شرُوع کرنی چاہیئے کہ "خُدا سچّا" ہے۔ اور "ہر ایک آدمی جُھوٹا"۔ دراصل زبور ۵۱: ۴ میں داؤد نے بھی یہی بات کہی ہے۔ "تاکہ تُو اپنی باتوں میں راست ٹھہرے اور اپنی عدالت میں بے عَیب رہے"۔ یعنی جب بھی گُنہگار اِنسان خُدا کی صداقت پر اِعتراض کرتا ہے تو ضرُور ہے کہ اُس (خُدا) کا دِفاع کیا جائے اور وُہ ہر بات میں سچّا ٹھہرے۔ ہمارے گُناہ خُدا کی باتوں کی سچائی کی توثیق کرتے ہیں۔

۳: ۵- مُعترض: اگر یہی بات ہے تو پھر خُدا ہمیں مُجرم کیوں ٹھہراتا ہے؟ اگر "ہماری ناراستی خُدا کی راست بازی کی خُوبی کو ظاہر کرتی ہے" تو خُدا ہم پر اپنا "غضب" کیوں نازِل کرتا ہے؟ (پَولُس محسُوس کرتا ہے کہ اِن الفاظ سے وُہ ایک اِنسانی دلیل پیش کر رہا ہے)۔

۳: ۶- پَولُس: یہ دلیل اِس لائق نہیں کہ اِس پر سنجیدگی سے غَور کیا جائے۔ اگر خُدا کے ناراست ہونے کا اِمکان ہوتا تو پھر وُہ "دُنیا کا اِنصاف" کرنے کا اہل نہ ہوتا۔ لیکن ہم سب مانتے اور اِقرار کرتے ہیں کہ وُہ دُنیا کی عدالت کرے گا۔

۳: ۷- مُعترض: لیکن اگر میرے گُناہ سے خُدا کا جلال ظاہر ہوتا ہے، اگر میرا "جُھوٹ" خُدا کی "سچّائی" کو ثابت کرتا ہے، اگر اِنسان کے غُصّے سے خُدا کی تعریف ہوتی ہے "تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مُجھ پر حُکم دیا جاتا ہے؟"

۸:۳- پَولُس: مَیں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہُوں کہ "بعض" لوگ ہم مسیحیوں پر یہ اِلزام لگاتے ہیں کہ ہم یہ دلیل اِستعمال کرتے ہیں، مگر یہ محض تُہمت ہے۔

مُعترِض: یہ کہنا کیوں معقُول نہیں کہ چلو "ہم بُرائی ... کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو"؟

پَولُس: مَیں صِرف اِتنا کہہ سکتا ہُوں کہ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں "ایسوں کا مُجرم ٹھہرنا اِنصاف ہے"۔

(دراصل یہ آخری دلیل حالانکہ بالکل نامعقُول ہے، مگر پھر بھی خُدا کے فضل کی خُوشخبری کے خِلاف مُسلسل اِستعمال کی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تُم مسیح پر صِرف ایمان لانے سے نجات پا سکتے ہو تو پھر گُناہ میں زِندگی بسر کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ چونکہ خُدا کا فضل اِنسان کے گُناہ سے بے حِساب زیادہ ہے، اِس لئے تُم جِتنا زیادہ گُناہ کرو گے خُدا کا فضل اُتنا ہی زیادہ ہو گا۔ پَولُس رسُول اِس اِعتراض کا جواب باب ۶ میں دیتا ہے)۔

۹:۳- مُعترِض: تو گویا آپ کہہ رہے ہیں کہ ہم "یہُودی" اُن گنہگاروں پر "فضیلت" رکھتے ہیں؟ یا بعض تراجم کے مُطابق سُوال یُوں بھی ہو سکتا ہے کہ "کیا ہم یہُودی غیر قوموں سے بدتر ہیں"؟ دونوں صُورتوں میں جواب یہی ہے کہ یہُودی نہ تو کُچھ فضیلت رکھتے ہیں اور نہ بدتر ہیں۔ سب کے سب گنہگار ہیں۔

یہ ہمیں پَولُس رسُول کی بحث میں اِسی بات کی طرح کے اگلے سُوال تک لے آتا ہے۔ اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ بے خُدا ہلاکت کے فرزند ہیں۔ اپنے آپ کو راستباز ٹھہرانے والے اخلاق پرست، خواہ یہُودی ہوں خواہ غیر قوم سب پر خُدا کا غضب ہے۔ اب وہ اِس سُوال پر آتا ہے کہ "کیا سب اِنسانوں پر خُدا کا غضب ہے؟"

جواب ہے کہ "ہاں"۔ "ہم ... پیشتر ہی یہ اِلزام لگا چُکے ہیں کہ وہ (سارے اِنسان) سب کے سب گُناہ کے ماتحت ہیں"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِس لحاظ سے یہُودی کسی طرح بھی یُونانیوں سے مُختلف نہیں۔

۱۰:۳- اگر مزید ثبوت چاہیئے تو وہ ثبوت پُرانے عہدنامہ میں موجُود ہے۔ پہلے تو ہم دیکھتے ہیں کہ گُناہ ہر اُس شخص کو متاثر کر چُکا ہے جو اِنسانی والدین سے پیدا ہُوا ہے (۳:۱۰-۱۲)۔ پھر یہ بھی دیکھتے ہیں کہ گُناہ اِنسان کے ہر حِصّے میں گُھس چُکا ہے (۳:۱۳-۱۸)۔ ہم اِسی بات کو سلیس انداز میں یُوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک بھی شخص "راستباز نہیں" (زبُور ۱۴:۱)۔

۳ : ۱۱ - ایک بھی شخص نہیں جسے خُدا کی صحیح پہچان ہو۔ "کوئی خُدا کا طالب نہیں" (زبور ۱۴ : ۲) - اگر انسان کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ گرا ہوا انسان کبھی خُدا کا طالب نہ ہو گا - صرف رُوح القدس کے کام کے باعث انسان اِس طرف مائل ہوتا ہے -

۳ : ۱۲ - سب کے "سب" خُدا سے "گمراہ ہیں" - کُل بنی نوع اِنسان بگڑ گئے ہیں - ایک بھی خُدا کو پسندیدہ زندگی بسر نہیں کرتا - "کوئی بھلائی کرنے والا نہیں ایک بھی نہیں" (زبور ۱۴ : ۳) -

۳ : ۱۳ - ہر انسان "کا گلا کھُلی ہوئی قبر ہے" - اُن کی باتیں مُسلسل "فریب" ہیں (زبور ۵ : ۹) - اُن کی گفتگو، اُن کی باتیں "سانپوں کا زہر" ہیں (زبور ۱۴۰ : ۳) -

۳ : ۱۴ - اُن کا مُنہ لعنت اور کڑواہٹ سے بھرا ہے" (زبور ۱۰ : ۷) -

۳ : ۱۵ - وُہ قتل کرنے کو نکلتے ہیں تو اُن کے "قدم تیز رَو" ہوتے ہیں (زبور ۵۹ : ۷) -

۳ : ۱۶ - وُہ جدھر جاتے ہیں پیچھے "تباہی اور بدحالی" کے نشان چھوڑ جاتے ہیں (زبور ۵۹ : ۷) -

۳ : ۱۷ - اُن کو کبھی علم نہیں ہوا کہ "سلامتی" اور صُلح کس طرح قائم کی جاتی ہے (زبور ۵۹ : ۸) -

۳ : ۱۸ - اُن کے دِلوں میں نہ "خُدا کا خوف" ہے نہ اُس کی عزّت (زبور ۳۶ : ۱) -

جان لیجئے کہ یہ خُدا کی طرف سے نسلِ انسانی کا ایکسرے ہے - وُہ عالمگیر ناراستی کو ظاہر کرتا ہے (۳ : ۱۰) - خُدا کے بارے میں لاعلمی، جہالت اور لاتعلقی ظاہر کرتا ہے (۳ : ۱۱) - نیکی اور بھلائی کے فقدان، اور سرکشی اور ضرر رسانی کو ظاہر کرتا ہے (۳ : ۱۲) - اِنسان کا گلا سڑاندھ سے، زبان فریب کاری سے اور ہونٹ مُہلک زہر سے بھرے ہیں (۳ : ۱۳) - اُن کا مُنہ لعنت اُگلتا رہتا ہے (۳ : ۱۴) - اُس کے پاؤں خُون بہانے کو دَوڑتے ہیں (۳ : ۱۵) - اِنسان اپنے پیچھے مُصیبت، فساد اور تباہی چھوڑتا جاتا ہے (۳ : ۱۶) - وُہ صُلح کرنے سے ناواقف ہے (۳ : ۱۷) اور اُس کو خُدا کا کچھ لحاظ نہیں (۳ : ۱۸) - یہاں اِنسان کا کامل انحطاط اور کامل برگشتگی نظر آتی ہے - مطلب یہ ہے کہ گُناہ تمام بنی نوع اِنسان میں اور اِنسان کے ایک ایک حصّے میں گھُس چُکا ہے - یہ تو ظاہر ہے کہ ہر اِنسان نے ہر گُناہ کا ارتکاب نہیں کیا - مگر اُس کی فطرت ایسی ہے کہ سارے کے سارے گُناہ کرنے کے قابل ہے -

اگر پَولُس گُناہوں کی ایک مکمّل فہرست پیش کرنا چاہتا تو وُہ کئی اَور گُناہوں کا ذِکر کر سکتا تھا - مثلاً جنسی گُناہ، جن میں زِنا، ہم جنس پرستی (عورتوں اور مَردوں، دونوں کی)، شہوت پرستی، حیوانوں کے ساتھ صُحبت کرنا، رنڈی بازی، فحاشی، زِنا بالجبر اور کئی اَور خرافات شامل ہیں - وُہ اُن گُناہوں کا ذِکر کر سکتا تھا جن کا تعلق جنگ کے ساتھ ہوتا ہے - مثلاً بے گُناہوں کی ہلاکت، ظُلم و تشدد، گیس چیمبر،

بھٹیاں (جن میں اِنسانوں کو زِندہ جلا دیتے ہیں)، مُشقّت اور بیگار کیمپ، تشدد کرنے کے طریقے وغیرہ۔ وُہ اُن گُناہوں کو شامِل کرسکتا تھا جو گھروں میں کِئے جاتے ہیں۔ مثلاً بے وفائی، طلاق، بیویوں کو پِیٹنا، ذہنی اذیت، بچّوں سے بدسلوکی۔ اِن کے ساتھ اور گُناہوں کو بھی شامِل کریں۔ مثلاً قتل، اعضا بریدگی، چوری، ڈاکے، غبن، غُنڈہ گردی، رِشوت، عِلاوہ ازیں بول چال کے گُناہ، مثلاً گُستاخی، گندے مذاق، شہوانی گفتگو، گالیاں دینا، کُفر بکنا، جھُوٹے بولنا، غیبت، بدگوئی، کردار کُشی کرنا، بڑبڑانا، گلہ شِکوہ کرنا۔ اور پھر شراب نوشی، منشیات کا اِستعمال، غرور، حسد، حرص، ناشُکرا پن، گندے خیالات، عداوت اور تلخی وغیرہ۔ لگتا ہے یہ فہرست کبھی مکمل نہیں ہو سکتی، نجاست، آلودگی، نسل پرستی، اِستحصال، فریب کاری، بے وفائی، عہد شِکنی وغیرہ وغیرہ۔ اِنسان کی برگشتگی کا اور کیا ثبُوت چاہیئے؟

۳ : ۱۹- جب خُدا نے بنی اِسرائیل کو شریعت دی تو وُہ اِس قوم کو کُل نسلِ اِنسانی کے ایک نمُونے کے طور پر اِستعمال کر رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اِسرائیل ناکام ثابت ہُوا ہے۔ چنانچہ اُس نے بجا طور پر اِس کا اِطلاق کُل نسلِ اِنسانی پر کیا۔ یہ بات اَیسے ہی ہے کہ ایک اِنسپکٹر کِسی کُنویں سے ایک ٹیسٹ ٹیوب میں پانی بھرتا ہے۔ اِس نمُونے کو ٹیسٹ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ٹیسٹ ٹیوب کا پانی آلُودہ ہے۔ تو وُہ اِعلان کرتا ہے کہ پُورا کنواں آلُودہ ہے۔

اِس لئے پَولُس وضاحت کرتا ہے کہ "شریعت جو کُچھ کہتی ہے اُن سے کہتی ہے جو شریعت کے ماتحت ہیں" یعنی اِسرائیلی قوم سے۔ "تاکہ ہر ایک کا مُنہ بند ہو جائے" یعنی یہُودی ہو یا غیر قوم کوئی کُچھ نہ بول سکے۔ "اور ساری دُنیا خُدا کے نزدیک سزا کے لائق ٹھہرے"۔

۳ : ۲۰- "شریعت" کی پابندی سے "کوئی بشر" خُدا کے حضُور "راستباز نہیں" ٹھہر سکتا۔ شریعت لوگوں کو راستباز ٹھہرانے کی غرض سے نہیں دی گئی تھی کیونکہ "شریعت کے وسیلہ سے تو گُناہ کی پہچان ہی ہوتی ہے"۔ اِس سے نجات کی پہچان نہیں ہوتی، صِرف "گُناہ کی پہچان" ہوتی ہے۔ جب تک ہم کو سیدھی لکیر کی پہچان نہ ہو، ہم ٹیڑھی لکیر کی پہچان نہیں کرسکتے۔ شریعت سیدھی لکیر کی مانند ہے۔ جب اِنسان اپنے آپ کو اِس پر پرکھتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ ہم کتنے ٹیڑھے ہیں۔

ہم آئینہ اِستعمال کرکے دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارا چہرہ کِس قدر گندہ ہے۔ مگر آئینہ گندے چہرے کو دھو نہیں سکتا۔ وُہ چہرہ دھونے کے لئے بنایا ہی نہیں گیا۔ تھرمامیٹر بتا سکتا ہے کہ کِسی شخص کو بُخار ہے یا نہیں۔ لیکن اگر وُہ تھرمامیٹر کو نِگل بھی لے، تو بھی اُس کے بُخار کا عِلاج نہیں ہو سکتا۔

شریعت اُس وقت تک فائدہ مند ہے جب تک اِسے گناہ کی قائلیت پیدا کرنے کے لئے اِستعمال کیا جائے۔ لیکن گناہ سے نجات دِلانے کے لئے بالکل بے کار ہے۔ لُوتھر نے کیا خُوب کہا ہے کہ شریعت کا کام راست باز ٹھہرانا نہیں بلکہ دہشت زدہ کرنا ہے۔

د۔ انجیل کی خُوشخبری کی بُنیاد اور شرائط (۳: ۲۱-۳۱)

۳: ۲۱- اب ہم رومیوں کے خط کے اہم ترین حِصّے پر پہنچتے ہیں۔ یہاں پَولُس اِس سُوال کا جواب دیتا ہے کہ پاک خُدا بے خدا (بے دِین) گنہگاروں کو کس طرح راستباز ٹھہرا سکتا ہے؟

۳: ۲۱- پَولُس ایک اہم نکتے سے بات شروع کرتا ہے کہ "اب شریعت کے بغیر خُدا کی ایک راست بازی ظاہر ہُوئی ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ ایک پروگرام یا منصُوبہ "ظاہر" ہُوا ہے جس سے خُدا ناراست گنہگاروں کو راستی سے نجات دے سکتا ہے۔ اور اِس منصُوبے میں یہ شرط نہیں کہ شریعت کو پُورا کیا جائے۔ چونکہ خُدا پاک ہے، وُہ گناہ کو مُعاف نہیں کرسکتا، اور نہ اِس سے چشم پوشی کرسکتا ہے۔ لازم ہے کہ وُہ گناہ کی سزا دے، اور گناہ کی سزا مَوت ہے۔ لیکن خُدا گنہگار سے محبّت رکھتا اور اُسے بچانا چاہتا ہے۔ یہاں ایک مخمصہ آن پڑتا ہے۔ خُدا کی راستبازی گنہگار کی مَوت کا مُطالبہ کرتی ہے، مگر اُس کی محبّت گنہگار کو ابدی شادمانی عطا کرنا چاہتی ہے۔ انجیل کا پیغام اِس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ کس طرح خُدا اپنی راست بازی سے ٹکر کھائے بغیر گنہگاروں کو نجات دے سکتا ہے۔

اِس راست منصُوبے کی "گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے"۔ اِس کا پیشگی بیان اُن مثیلوں اور عکسوں کے وسیلے سے کیا گیا جن میں قربانیوں کا نظام شامِل تھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ کفّارہ کے لئے خُون بہانا ضرُوری ہے۔ علاوہ ازیں براہِ راست نبوّت سے بھی اِس کا پیشگی بیان کیا گیا (دیکھئے یسعیاہ ۵۱: ۵، ۶، ۸؛ ۵۶: ۱؛ دانی ایل ۹: ۲۴)۔

۳: ۲۲- گزشتہ آیت میں بتایا گیا کہ نجات شریعت کی پابندی کی بُنیاد پر نہیں مِلتی۔ اب رسُول بتاتا ہے کہ یہ نجات مِلتی کس طرح ہے — "یسُوعؔ مسیح پر ایمان لانے سے" — یہاں ایمان کا مطلب ہے زِندہ خُداوند یسُوعؔ مسیح پر کامِل اعتقاد اور یقین کہ صِرف وُہی میرا واحد مُنجّی اور آسمان پر جانے کے لئے واحد اُمید ہے۔ اِس ایمان کی بُنیاد مسیح کی ذات اور کام کے اُس مُکاشفہ پر ہے جو بائبل مُقدّس میں دیا گیا ہے۔

ایمان اندھیرے میں چھلانگ کا نام نہیں۔ یہ یقینی اور پکّی شہادت کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور خُدا

کے لازوال اور لاتبدیل کلام میں اسے یہ شہادت ملتی ہے۔ ایمان کوئی غیر منطقی یا غیر معقول بات نہیں۔ اس سے زیادہ منطقی اور معقول بات کیا ہوسکتی ہے کہ مخلوق اپنے خالق پر ایمان اور بھروسا رکھے۔

ایمان کوئی ثواب کا کام نہیں جس سے انسان اپنی نجات کا حق دار بنتا ہے۔ انسان اس لئے فخر نہیں کرسکتا کہ مَیں خداوند پر ایمان لایا ہوں۔ اگر انسان اُس پر ایمان نہ لاتا تو احمق ٹھہرتا۔ ایمان نجات کما لینے کی کوشش نہیں بلکہ اُس نجات کو قبول کرنے کا نام ہے جو خدا مُفت بخشش کے طور پر پیش کرتا ہے۔

پولس مزید بتاتا ہے کہ یہ نجات "ایمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتی ہے"۔ مُراد یہ ہے کہ یہ نجات سب انسانوں کے لئے دستیاب ہے، سب کو پیش کی گئی ہے اور سبھوں کی رُوحانی ضرورت پوری کرتی ہے۔ لیکن حاصل صرف "ایمان لانے والوں کو" ہوتی ہے۔ اُن کو جو ایمان کی رُو سے خداوند یسوع کو قبول کرتے ہیں۔ مُعافی سبھوں کے لئے ہے۔ مگر ایک فرد کو اُس وقت ہی ملتی ہے جب وُہ اِسے قبول کرتا ہے۔

۳: ۲۳۔ نجات کی ضرورت عالمگیر ہے تو انجیل کی خوشخبری بھی ویسی ہی عالمگیر ہے۔ ضرورت اس لئے عالمگیر ہے کہ "سب نے گناہ کیا اور خدا کے جلال سے محروم ہیں"۔ ہر ایک نے آدم میں "گناہ کیا"۔ جب آدم نے گناہ کیا تو اپنی ساری نسل کے نمائندہ کے طور پر کیا۔ لیکن انسان صرف طبعی طور پر ہی گنہگار نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی گنہگار ہیں اور اپنے آپ میں "خدا کے جلال سے محروم ہیں"۔

گُناہ کی مزید تشریح

ہر وُہ خیال، قول اور فعل گُناہ ہے جو خُدا کے پاکیزگی اور کاملیت کے معیار سے کم تر ہوتا ہے۔ نشانے تک نہ پہنچنا، گُناہ ہے۔ ایک ہندوستانی کا تیر نشانے تک نہ پہنچ سکا۔ اُس نے کہا "اوہ! مَیں نے گُناہ کیا ہے"۔ اُس کی زبان میں وُہی لفظ استعمال ہُوا جس کا ذکر ہم نے اُوپر کیا ہے، یعنی معیار یا نشانے تک نہ پہنچ سکنا۔ اُردو میں یہی محاورہ مُستعمل ہے۔ جب تیر نشانے تک نہ پہنچ پائے تو کہتے ہیں کہ نشانہ خطا (گُناہ) ہوگیا۔

لاقانونیت یعنی شرع کی مُخالفت گُناہ ہے (۱۔یوحنا ۳: ۴)۔ مخلوق کا اپنے خالق کی مرضی کے خلاف بغاوت کرنا گُناہ ہے۔ صرف غلط کام کرنا ہی گُناہ نہیں بلکہ اگر کوئی نیک کام (درست کام) کرنا جانتا ہے اور نہیں کرتا تو وُہ بھی گُناہ ہے (یعقوب ۴: ۱۷)۔ جو کچھ ایمان اور اعتقاد کے ساتھ

نہیں وُہ بھی گُناہ ہے (رومیوں ۱۴: ۲۳)۔ اِس کا مطلب ہے اِنسان کے لئے وُہ کام کرنا گُناہ ہے جس کے بارے میں اُسے معقُول شک ہو۔ اگر کسی کام کے بارے میں اِنسان کا ضمیر صاف نہیں، مگر وُہ اُس کو پھر بھی کر گُزرتا ہے تو وُہ گُناہ کرتا ہے۔ "ہر طرح کی ناراستی گُناہ ہے" (۱۔یُوحنّا ۵: ۱۷)۔ "حماقت کا منصُوبہ بھی گُناہ ہے" (امثال ۲۴: ۹)۔ گُناہ اِنسان کے دماغ میں شرُوع ہوتا ہے۔ جب اِس کی حوصلہ افزائی اور خاطرداری کی جاتی ہے تو عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور یہ عمل ہلاکت کو پُہنچاتا ہے۔ جب شرُوع شرُوع میں اِنسان گُناہ کے بارے میں سوچتا ہے تو اسے بہُت دلفریب اور دِلکش معلُوم ہوتا ہے۔ لیکن جب کرنے کے بعد اِسے دیکھتے ہیں تو نہایت گھنونا ہوتا ہے۔

بعض اَوقات پَولُس گُناہوں اور گُناہ میں فرق کرتا ہے۔ گُناہوں سے مُراد وُہ غلط کام ہیں جو ہم نے کئے ہیں اور گُناہ ہماری بُری فطرت کا بیان کرتا ہے، یعنی جو کُچھ ہم ہیں۔ اِنسان جو کُچھ ہے (ہماری سرشت) اُن کاموں سے بدرجہا بدتر ہے جو وُہ کرتا ہے یا جو کر چُکا ہے۔ لیکن مسیح نہ صِرف ہمارے بُرے افعال کی خاطر بلکہ ہماری بُری اور شریر فطرت اور سرشت کی خاطر بھی مُؤا۔ خُدا ہمارے "گُناہوں" کو مُعاف کرتا ہے۔ مگر بائبل مُقدّس کہیں نہیں کہتی کہ وُہ ہمارا "گُناہ" مُعاف کرتا ہے بلکہ وُہ "جسم میں گُناہ کی سزا کا حُکم دیتا ہے" (رومیوں ۸: ۳)۔

علاوہ ازیں گُناہ اور جُرم میں بھی فرق ہے۔ کسی قانُون کے خِلاف کام، جُرم ہے۔ چوری کرنا بُنیادی طور پر گُناہ ہے۔ یہ کام اپنی ذات میں بُرا اور غلط ہے۔ لیکن چوری کرنا ایک جُرم بھی ہے کیونکہ یہ ایک قانُون کو توڑنے کا عمل ہے۔ "جہاں شریعت نہیں وہاں عدُول حُکمی بھی نہیں" (رومیوں ۴: ۱۵)۔

پَولُس نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام اِنسانوں نے گُناہ کیا ہے اور خُدا کے جلال سے مُسلسل محرُوم رہتے ہیں۔ اِس کے بعد وُہ علاج پیش کرتا ہے۔

۳: ۲۴۔ "مگر اُس کے فضل کے سبب سے ... مُفت راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں"۔ اِنجیل بتاتی ہے کہ خُدا مُفت بخشش اور ایسی مہربانی کے وسیلے سے جس کے ہم حق دار نہیں گنہگاروں کو کِس طرح راست باز ٹھہراتا ہے۔ لیکن راست باز ٹھہرنے کے عمل سے ہمارا مطلب کیا ہے؟

راست باز ٹھہرانے کا لفظی مطلب ہے راست قرار دینا۔ مثال کے طور پر خُدا کسی گنہگار کو اُس وقت راست باز قرار دیتا ہے جب وُہ گنہگار خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لاتا ہے۔ نئے عہدنامہ میں یہ لفظ اِسی مفہُوم میں اِستعمال ہُؤا ہے۔

البتہ اِنسان بھی خُدا کو راست باز مان لیتا ہے (لُوقا ۷: ۲۹)۔ جب اِنسان خُدا کے کلام پر ایمان

لے آتا اور اُس کی فرمانبرداری کرتا ہے تو خُدا کو راست باز مان لیتا ہے۔ دُوسرے لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ خُدا اپنی ساری باتوں اور کاموں میں راستباز ہے۔

بے شک اِنسان اپنے آپ کو بھی راست باز ٹھہرا سکتا ہے یعنی اِحتجاج کر سکتا ہے کہ مَیں راست باز ہُوں (لُوقا ۱۰: ۲۹)۔ لیکن یہ بات سِوائے خُود فریبی کے کُچھ نہیں۔

راست باز ٹھہرانے کا مُطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کو واقعی راستباز بنا دیا گیا ہے۔ ہم خُدا کو راست باز "بنا" نہیں سکتے۔ وُہ تو پہلے ہی راستباز ہے۔ البتہ ہم اِقرار کر سکتے ہیں کہ وُہ راست باز ہے۔ خُدا ایمان دار کو اُس کی ذات میں بے گُناہ یا راست باز نہیں بناتا بلکہ خُدا راست بازی اُس کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔ اے۔ ٹی۔ پیئرسن نے اِس کا یُوں بیان کیا ہے کہ "خُدا گُنہگاروں کو اِس طرح راست باز ٹھہراتا ہے کہ جب وُہ راست باز نہیں ہوتے تو اُن کو راستباز کہتا ہے — جہاں گُناہ موجُود ہے وہاں خُدا گُناہ کو محسُوب یا شمار نہیں کرتا۔ اور جہاں راست بازی موجُود نہیں وہاں راست بازی محسُوب کرتا ہے"۔

راستباز ٹھہرائے جانے کا ایک عام بیان یہ ہے "جیسے مَیں نے کبھی گُناہ کیا ہی نہیں"۔ لیکن یہ بیان کافی نہیں۔ جب خُدا ایمان لانے والے گُنہگار کو راست باز ٹھہراتا ہے تو نہ صِرف اُسے خطا اور جُرم سے بَری قرار دیتا ہے بلکہ اُس کو اپنی راست بازی سے مُلبّس بھی کرتا ہے۔ اور اِس طرح اُس کو کامل طور پر آسمان کے لائق بنا دیتا ہے۔ "راست باز ٹھہرایا جانا گُناہ کی سزا سے بریت سے بڑھ کر ہے۔ یہ منظُور کیا جانا ہے"۔ بریت (براءت) کا مطلب ہوتا ہے کہ ایک شخص کو جُرم سے بَری کر دیا گیا ہے۔ راست باز ٹھہرائے جانے کا مطلب ہے کہ کسی کو راست بازی محسُوب کی گئی ہے۔

کس بِنا پر خُدا گُنہگاروں کو راست باز قرار دے سکتا ہے؟ اِس وجہ سے کہ خُداوند یسُوع مسیح نے اپنی جان دینے اور جی اُٹھنے کے وسیلے سے اُن کے گُناہوں کا قرض پُورے طور پر ادا کر دیا ہے — جب گُنہگار ایمان سے مسیح کو قبول کرتے ہیں تو راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں۔

جب یعقُوب (۲: ۲۴) کہتا ہے کہ "اِنسان اعمال سے راست باز ٹھہرتا ہے" تو اُس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے نیک اعمال کی بنیاد پر نجات پاتے ہیں یا ایمان کے ساتھ نیک اعمال کے وسیلے سے نجات پاتے ہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ اُس ایمان کے وسیلے سے نجات پاتے ہیں جس کا نتیجہ نیک اعمال ہوتا ہے۔

یہ بات سمجھنا بہت ضرُوری ہے کہ راست باز ٹھہرایا جانا، محسُوب کرنے کا وُہ عمل ہے جو خُدا کے ہاں ہوتا ہے۔ ایماندار اِس کو محسُوس نہیں کر سکتا۔ وُہ جانتا ہے کہ یہ عمل ہو چُکا ہے کیونکہ بائبل مُقدّس کہتی ہے۔ سی۔ آئی۔ سکوفیلڈ اِس بات کو یُوں بیان کرتا ہے کہ "راست باز ٹھہرانا خُدا کا وُہ فعل ہے

جس سے وُہ اُن سب کو راست باز قرار دیتا ہے جو یسوع پر ایمان لاتے ہیں ۔ یہ ایسی بات ہے جو خُدا کے دِل میں واقع ہوتی ہے ۔ ایمان دار کے جذبات یا اعصابی نظام میں وقوع پذیر نہیں ہوتی ۔"

یہاں رومیوں ۳ : ۲۴ میں پَولُس سِکھا رہا ہے کہ ہم "مُفت راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں" ۔ یہ کوئی اَیسی چیز نہیں جِسے ہم کما سکتے یا خرید سکتے ہیں بلکہ ہم کو مُفت بخشش کے طور پر پیش کی جاتی ہے ۔

پھر ہم یہ بھی سیکھتے ہیں کہ ہم "خُدا کے فضل کے سبب سے ... راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں" ۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِس میں ہماری کسی خُوبی کا کوئی دخل نہیں ہوتا ۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اِس کے بالکل لائق نہیں، نہ اِس کے طالب ہوتے ہیں اور نہ اِسے خرید سکتے ہیں ۔

آگے چل کر کسی اُلجھن سے بچنے کے لئے ہم یہاں ذرا رُک کر یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ نئے عہدنامہ میں راست باز ٹھہرائے جانے کے چھ مختلف پہلو ہیں ۔ کہا گیا ہے کہ ہم فضل سے، ایمان سے، خُون سے، قُدرت سے، خُدا سے اور اعمال سے راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں ۔ تو بھی اِن میں کہیں بھی کوئی تضاد نہیں ہے ۔

ہم فضل سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں ——— یعنی ہم اِس کے اہل یا حق دار نہیں ۔

ہم ایمان سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۵ : ۱) ——— یعنی ہمیں خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے کے وسیلہ اِس کو قبول کرنا ہوتا ہے ۔

ہم خُون سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۵ : ۹) ——— اِس سے مُراد وُہ قیمت ہے جو مُنجّی نے ادا کی تاکہ ہم راست باز ٹھہرائے جائیں ۔

ہم قُدرت سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۴ : ۲۴، ۲۵) ——— یہ وُہی قُدرت ہے جس سے خُداوند یسوع کو مُردوں میں سے جِلایا گیا ۔

ہم خُدا سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۸ : ۳۳) ——— خُدا وہ ہستی ہے جو ہمیں راست باز قرار دیتی ہے ۔

ہم اعمال سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (یعقوب ۲ : ۲۴) ——— مطلب یہ نہیں کہ نیک اعمال سے راست بازی کمائی جا سکتی ہے بلکہ نیک اعمال اِس بات کی شہادت ہیں کہ ہم راست باز ٹھہرائے گئے ہیں ۔

ہم دوبارہ ۳: ۲۴ پر آتے ہیں ۔ لکھا ہے کہ ہم "اُس مخلصی کے وسیلہ سے جو مسیح یسوع میں ہے مُفت راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں"۔ "مخلصی" کا مطلب ہے فدیہ کی قیمت ادا کر کے واپس خرید لینا ۔ خُداوند یسوع نے گناہ کے غُلاموں کی منڈی سے ہمیں دوبارہ خرید لیا ۔ اُس کا قیمتی خُون فدیہ کی قیمت تھا جو کہ پاک اور صادق خُدا کے تقاضوں کو پُورا کرنے کے لئے ادا کی گئی ۔ اگر کوئی پُوچھے "یہ فدیہ کس کو ادا کیا گیا" تو اِس فدیہ کا اصل مطلب نہ سمجھا ۔ بائبل مُقدّس کہیں بھی بیان نہیں کرتی کہ کوئی مخصُوص قیمت خُدا کو یا شیطان کو ادا کی گئی ۔ فدیہ کی قیمت کسی کو ادا نہیں کی گئی بلکہ اُس نے وُہ راست بُنیاد فراہم کر دی جس سے خُدا ہم بے دِینوں کو نجات دے سکا ۔

۳: ۲۵ ۔ "خُدا نے" یسوع مسیح کو "ایک ایسا کفّارہ ٹھہرایا" ۔ "کفّارہ" وُہ ذریعہ ہوتا ہے جس سے اِنصاف کے تقاضے پُورے ہوتے ہیں، خُدا کا قہر ٹل جاتا ہے اور ایک قابلِ قبول قُربانی کی بُنیاد پر رحم کیا جا سکتا ہے ۔

نئے عہدنامہ میں تین دفعہ مسیح کو "کفّارہ" کہا گیا ہے ۔ یہاں رومیوں ۳: ۲۵ میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو مسیح پر ایمان لاتے ہیں "اُس کے (بہائے گئے) خُون کے باعث" اُن پر رحم ہوتا ہے ۔ ۱۔یُوحنّا ۲: ۲ میں بیان ہوُا ہے کہ مسیح ہمارے گُناہوں کا کفّارہ ہے بلکہ تمام دُنیا کے گناہوں کا بھی کفّارہ ہے ۔ اُس کا کام ساری دُنیا کے لئے کافی اور وافی ہے، لیکن فائدہ صِرف اُن کو ہوتا ہے جو اُس پر ایمان لاتے ہیں ۔ ۱۔یُوحنّا ۴: ۱۰ میں کہا گیا ہے کہ خُدا نے اپنی محبّت یُوں ظاہر کی کہ ہمارے گُناہوں کے کفّارہ کے لئے اپنے بیٹے کو بھیجا ۔

لُوقا ۱۸: ۱۳ میں محصُول لینے والے نے جو دُعا مانگی وُہ لفظی طور پر یُوں تھی کہ "اے خُدا، مُجھ گنہگار کا کفّارہ ہو"۔ وُہ خُدا سے درخواست کرتا ہے کہ "میری بے نہایت خطا کی سزا طلب نہ کر اور یُوں مُجھ پر رحم کر" ۔

یہی لفظ "کفّارہ" عبرانیوں ۲: ۱۷ میں بھی آیا ہے "اُس کو سب باتوں میں اپنے بھائیوں کی مانند بننا لازم ہُوا تاکہ اُمّت کے گُناہوں کا کفّارہ دینے کے واسطے اُن باتوں میں جو خُدا سے علاقہ رکھتی ہیں ایک رحم دِل اور دیانت دار سردار کاہن بنے"۔ یہاں "کفّارہ دینے" کا مطلب ہے کہ سزا ادا کر کے سامنے سے ہٹا دینا ۔

پُرانے عہدنامہ میں "کفّارہ" کا مُترادف "کفّارہ گاہ" یا "رحم گاہ" ہے ۔ یہ رحم گاہ، عہد کے صندُوق کا سرپوش (ڈھکنا) تھی ۔ کفّارہ کے دِن سردار کاہن قُربانی کے جانور کا خُون اِس رحم گاہ

(پروٹسٹنٹ ترجمہ ۔ کفّارہ گاہ) پر چھڑکتا تھا ۔ اِس طرح سے سردار کاہن اور اُمّت کی خطاؤں کا کفّارہ ہو جاتا تھا، یعنی اُن کو ڈھانک دیا جاتا تھا ۔

جب مسیح نے ہمارے گناہوں کا کفّارہ دیا تو اُس نے اُن کو صرف ڈھانکا ہی نہیں بلکہ اُن کو بالکل مٹا دیا ۔

یہاں ۳: ۲۵ میں پَولُس ہم کو بتاتا ہے کہ "خدا نے" مسیح کو اُس کے خون کے باعث ایک ایسا کفّارہ ٹھہرایا جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو" ۔ ہمیں یہ نہیں کہا گیا کہ اُس کے خون پر ایمان لائیں ۔ ہرگز نہیں بلکہ خود مسیح ہمارے ایمان کا مرکز ہے ۔ صرف جی اُٹھا اور زندہ مسیح یسوع ہی نجات دے سکتا ہے ۔ کفّارہ وہی ہے ۔ اُس پر "ایمان" وہ شرط ہے جس سے ہم "کفّارہ" سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں ۔ "اُس کا خون" وہ قیمت ہے جو اُس نے ادا کی ۔

مسیح نے جو نجات کا کام مکمّل کر دیا اُس سے خدا کی "راست بازی" اُن "گناہوں" کی مُعافی کے لئے ظاہر ہوتی ہے جو بیشتر ہو چکے تھے ۔ اِن سے مُراد وہ گناہ ہیں جو مسیح کی موت سے پہلے ہو چکے تھے ۔ آدم سے لے کر مسیح تک خدا اُن کو نجات دیتا رہا جو دیئے گئے مکاشفہ کے مطابق اُس پر ایمان لاتے تھے ۔ مثال کے طور پر "ابرہام خدا پر ایمان لایا اور یہ اُس کے لئے راستبازی گنا گیا" (پیدائش ۱۵: ۶) ۔ مگر خدا یہ کام کس طرح کر سکتا تھا؟ کوئی بے گناہ عوضی تو ابھی تک قربان نہیں کیا گیا تھا ۔ کسی کامل قربانی کا خون تو بہایا نہیں گیا تھا ۔ مختصراً یہ کہ مسیح ابھی تک مُوا نہیں تھا ۔ قرض ادا نہیں ہُوا تھا ۔ خدا کے راست مُطالبے پُورے نہیں ہُوئے تھے ۔ تو پُرانے عہدنامہ کے دَور میں ایمان لانے والے گنہگاروں کو خدا کیسے نجات دے سکتا تھا؟

جواب یہ ہے کہ اگرچہ مسیح ابھی تک نہیں مُوا تھا، خدا جانتا تھا کہ وہ اپنی جان دے گا ۔ چنانچہ وہ لوگوں کو مسیح کے اُس کام کی بُنیاد پر نجات دیتا تھا جو ابھی مستقبل میں ہونے والا تھا ۔ اگرچہ پُرانے عہدنامہ کے مُقدّسین کلوری کو نہیں جانتے تھے مگر خدا تو جانتا تھا ۔ اِس لئے جب وہ خدا پر ایمان لاتے تھے تو خدا مسیح کے کام کی ساری قیمت اُن کے کھاتے میں ڈالتا تھا ۔ یُوں پُرانے عہدنامہ کے مُقدّسین گویا "اُدھار" پر نجات پاتے تھے ۔ اُس قیمت پر نجات پاتے تھے جو ابھی ادا ہونی تھی ۔ کلوری اُن کے آگے تھی، جبکہ ہمارے پیچھے (ماضی) ہے ۔

یہ سب کچھ پَولُس رسُول اِن الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ مسیح کو "خدا نے ... ایسا کفّارہ ٹھہرایا ... تاکہ جو گناہ بیشتر ہو چکے تھے اور جن سے خدا نے ... طرح دی تھی اُن کے بارے میں وہ اپنی راست بازی ظاہر کرے" ۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں مُراد اُن گناہوں سے ہے جو کسی انسان نے ایمان لانے سے

پیشتر کئے تھے۔ یہ سوچ بالکل غلط ہے کیونکہ اِس سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ مسیح کا کام نئی پیدائش سے پہلے کے گناہوں کا حساب تو چکا دیتا ہے لیکن نئی پیدائش کے بعد اِنسان کو صرف اپنے ہی سہارے جینا ہوتا ہے۔ بات یہ نہیں بلکہ یہاں پولُس اُن لوگوں کے گناہوں کی بات کر رہا ہے جنہوں نے صلیب سے پہلے نجات پائی۔ خدا اُن کے گناہوں سے طرح دیتا رہا ہے۔ شاید ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اُن گناہوں کو یونہی بخش دیا۔ یا اُن سے چشم پوشی کی۔ پولُس کہتا ہے کہ ہرگز ایسا نہیں۔ خداوند جانتا تھا کہ مسیح پورا اور کامل کفّارہ ادا کرے گا۔ اِس لئے اُس نے اُن کو اِس بنیاد پر نجات دی۔

چنانچہ پُرانے عہدنامہ کا زمانہ خدا کے "تحمّل" کا زمانہ تھا۔ تقریباً چار ہزار برس تک اُس نے گناہ پر اپنے قہر کو اِلتوا میں رکھا۔ پھر جب وقت پورا ہو گیا تو اُس نے اپنے بیٹے کو بھیجا تاکہ گناہ کو اُٹھا لے۔ جب خداوند یسوع نے ہمارے گناہ اپنے اُوپر اُٹھا لئے تو خدا نے اپنے عزیز بیٹے پر اپنے پاک قہر اور غضب کو پوری شدت کے ساتھ نازل کیا۔

۳: ۲۶۔ اب مسیح کی موت خدا کی "راست بازی" کو ظاہر کرتی ہے۔ خدا "عادِل" ہے کیونکہ اُس نے گناہ کی پوری سزا کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ چونکہ کامل عوضی مر گیا اور مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے اِس لئے خدا بے دینوں کے گناہوں سے چشم پوشی کئے بغیر اور اپنی راست بازی کو مجروح کئے بغیر اُن کو راست باز ٹھہرا سکتا ہے۔

۳: ۲۷۔ نجات کے اِس عجیب و غریب منصوبے میں "فخر کہاں رہا"؟ "اِس کی گنجائش ہی نہیں"۔ یہ خارج ہو گیا۔ اِس کی ممانعت ہو گئی۔ کس اصُول کے تحت "فخر کی گنجائش ہی نہیں"؟ کیا "اعمال" کے اصُول سے؟ "نہیں"۔ اگر نجات اعمال سے ہوتی تو اِنسان کو ہر طرح سے خودستائی کی گنجائش ہوتی۔ مگر نجات تو "ایمان" کے اصُول سے ہے۔ اِس لئے "فخر" کا کوئی موقع، کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔ راست باز ٹھہرایا گیا شخص کہتا ہے "مَیں نے گناہ کرنے میں اِنتہا کر دی۔ یسوع نے نجات دینے میں اِنتہا کر دی"۔ حقیقی ایمان صرف مسیح کو نجات دہندہ مانتا ہے اور یہ کہنے کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ مَیں نے خود اپنی مدد کی، اپنی اصلاح کی اور اپنے آپ کو نجات دی۔ وہ تو صرف یہ کہتا ہے کہ

خالی ہاتھ مَیں آتا ہوں — تیری کروس کو تھامتا ہوں
مَیں ہوں ننگا اور لاچار — تیرا فضل ہے درکار
دھو دے شافی چشمہ سے

۳: ۲۸۔ اِس بات پر تاکیدی زور دینے کے لئے کہ نجات کے سلسلے میں فخر کی گنجائش

ہی نہیں پولس کہتا ہے کہ "اِنسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہرتا ہے"۔

۲۹:۳ - انجیل خُدا کو کیسے پیش کرتی ہے؟ کیا وُہ بلا شرکتِ غیرے "صرف یہودیوں ہی کا ہے؟" نہیں۔ "بے شک غیر قوموں کا بھی ہے"۔ خُداوند یسوع مسیح اِنسانوں کی صِرف ایک نسل کے لئے نہیں بلکہ ساری دُنیا کے گنہگاروں کے لئے مُؤا۔ اور پُوری اور مُفت نجات کی پیشکش یہودیوں اور غیر قوموں سبھوں کے لئے ہے۔

۳۰:۳ - دو[۲] خُدا نہیں ہیں کہ ایک یہودیوں کا خُدا ہو اور دُوسرا غیر قوموں کا خُدا ہو۔ "ایک ہی خُدا ہے"۔ اور تمام بنی نوعِ اِنسان کے لئے نجات کا وسیلہ بھی ایک ہی ہے۔ خُدا "مختونوں کو بھی ایمان سے اور نامختونوں کو بھی ایمان ہی کے وسیلہ سے راستباز" ٹھہراتا ہے۔ یہاں کوئی بھی لفظ (سے، کے وسیلہ سے) اِستعمال ہو راست باز ٹھہرائے جانے کی بُنیاد میں کُچھ فرق نہیں۔ دونوں صُورت میں یہ "ایمان" ہی ہے۔

۳۱:۳ - ایک اہم سُوال ابھی باقی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ نجات شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ ایمان سے ہے تو کیا ہمارا مطلب ہوتا ہے کہ شریعت بے مقصد ہے اور اِس کو ترک کر دینا چاہیئے؟ کیا انجیل شریعت کو برطرف کر دیتی ہے گویا اِس کا کوئی مقام ہی نہیں ہے؟ "ہرگز نہیں" بلکہ انجیل "شریعت کو قائم" رکھتی ہے۔ اِس کی وضاحت ذیل میں دی جاتی ہے۔

شریعت کامل فرمانبرداری کا تقاضا کرتی ہے۔ شریعت کی حُکم عدُولی کی سزا لازم ہے۔ اور سزا "موت" ہے۔ اگر شریعت کی حُکم عدُولی کرنے والا یہ سزا اُٹھاتا ہے تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جاتا ہے۔ انجیل بتاتی ہے کہ شریعت کی اِس عدُول حُکمی کی سزا برداشت کرنے کے لئے مسیح نے اپنی جان دی۔ اُس نے اِسے کوئی ایسی چیز نہیں سمجھا جس سے درگزر کیا جا سکتا ہے۔ اُس نے قرض پُورا پُورا ادا کر دیا۔ اب شریعت کو توڑنے والا ہر شخص اِس حقیقت سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے کہ مسیح نے میری خاطر سزا برداشت کر لی ہے۔ اِس طرح ایمان کے وسیلے سے نجات کی خُوشخبری شریعت کو قائم رکھتی ہے کیونکہ اِصرار کرتی ہے کہ لازم ہے کہ شریعت کے سارے مُطالبے پُورے ہو جائیں اور کہ یہ مُطالبے پُورے کر دیئے گئے ہیں۔

۵۔ انجیل کی خُوشخبری کی پُرانے عہدنامہ کے ساتھ ہم آہنگی

(باب ۴)

پانچواں اہم سُوال جس پر پولس بحث کرتا ہے یہ ہے کہ کیا فضل کی خُوشخبری پُرانے عہدنامہ کی تعلیمات سے موافقت رکھتی ہے؟ اِس سُوال کا جواب یہُودی قوم کے لئے خصُوصی اہمیّت رکھتا ہے۔

چنانچہ رسُول ثابت کرتا ہے کہ پُرانے عہد نامہ اور نئے عہد نامہ میں خُدا کے فضل کے سلسلے میں مکمل ہم آہنگی ہے ۔ راست باز ٹھہرایا جانا ہمیشہ ایمان کی بُنیاد پر ہوتا رہا ہے ۔

۴: ۱ ۔ پَولُس اپنی بات کے ثبُوت میں بنی اسرائیل کی تاریخ کی دو سب سے عظیم ہستیوں کو پیش کرتا ہے ۔ یہ ہستیاں ہیں ابرہام اور داؤد ۔ خُدا نے اِن دونوں سے بڑے بڑے وعدے کئے تھے ۔ ابرہام تو شریعت کے دِئے جانے سے صدیوں پہلے ہؤا جبکہ داؤد شریعت دِئے جانے کے بہُت برسوں بعد ہؤا ۔ ایک ختنہ کروانے سے پہلے اور دوسرا ختنہ کروانے کے بعد راستباز ٹھہرایا گیا ۔

آیئے پہلے ابرہام پر غور کریں ۔ سارے یہوُدی اُس کو اپنا جدِ اَمجد مانتے ہیں ۔ جسمانی لحاظ سے اُس کو کیا تجربہ ہُؤا؟ راست باز ٹھہرائے جانے کے طریقے کے بارے میں اُس کو کیا معلوم ہُؤا ؟

۴: ۲ ۔ "اگر ابرہام اَعمال سے راست باز ٹھہرایا جاتا" تو اُس کو فخر کرنے کی گنجائش ہوتی ۔ وُہ اپنے آپ کو شاباش اور تھپکی دیتا کہ مَیں نے "خُدا کے نزدیک" درُست مقام حاصل کر لیا ہے ۔ لیکن یہ قطعی ناممکن ہے ۔ کوئی شخص بھی خُدا کے سامنے کبھی فخر نہیں کر سکتا (افسیوں ۲: ۹) ۔ پاک کلام میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ ابرہام کے پاس کوئی ایسی بُنیاد تھی جس پر وُہ فخر کر سکتا کہ وُہ اَعمال کے وسیلے سے راستباز ٹھہرایا گیا ہے ۔

لیکن کوئی یہ دلیل دے سکتا ہے کہ کیا یعقوب ۲: ۲۱ میں نہیں لِکھا کہ ابرہام اعمال سے راستباز ٹھہرا؟ ہاں ، لکھا ہے ۔ مگر وہاں مطلب بالکُل فرق ہے ۔ پیدائش ۱۵: ۶ میں ابرہام اُس وقت ایمان سے راست باز ٹھہرا جب اُس نے لاتعداد اَولاد کے بارے میں خُدا کے وعدے کا یقین کیا ۔ اَعمال سے راست باز تو وُہ کوئی تیس (۳۰) یا اِس سے بھی زائد برسوں کے بعد ٹھہرا جب وُہ اضحاق کو خُدا کے لئے سوختنی قُربانی کے طور پر چڑھانے لگا تھا (پیدائش باب ۲۲) — فرمانبرداری کے اِس فعل نے اُس کے ایمان کی اصلیت کو ثابت کر دیا ۔ یہ اِس بات کا ظاہر نشان تھا کہ وُہ ایمان سے واقعی راست باز ٹھہرایا جا چُکا ہے ۔

۴: ۳ ۔ ابرہام کے راست باز ٹھہرائے جانے کے بارے میں "کتاب مُقدس کیا کہتی ہے؟" "وُہ (ابرہام) خُداوند پر ایمان لایا اور اِسے اُس (خُدا) نے اُس (ابرہام) کے حق میں راست بازی شمار کیا" (پیدائش ۱۵: ۶) ۔ خُدا نے اپنے آپ کو ابرہام پر ظاہر کیا اور اُس سے وعدہ کیا کہ تیری اولاد (نسل) بے شمار ہو گی ۔ قوم کے بزُرگ نے خُداوند کا یقین کیا اور خُدا نے اِس بات کو "اُس کے

لئے راست بازی گنا"۔ دُوسرے لفظوں میں ابرہام ایمان سے راست باز ٹھہرایا گیا۔ بس اتنی سی بات ہے۔ اعمال کا تو اِس بات سے کوئی تعلق نہیں۔ اِن کا تو ذِکر بھی نہیں کیا گیا۔

۴:۴۔ یہ پُوری بحث ہمیں بائبل مُقدّس کے ایک شاندار بیان تک لے آتی ہے۔ اِس بیان کا تعلق نجات کے حوالہ سے اعمال اور ایمان کے تقابُل سے ہے۔

اِس بات کو یُوں سمجھئے کہ ایک شخص روزی کمانے کے لئے "کام" کرتا ہے۔ وقتِ مُقررہ پر اُس کو تنخواہ ملتی ہے۔ یہ تنخواہ یا "مزدُوری" اُس کا "حق" ہے۔ اُس نے اِسے کمایا ہے۔ وُہ کام کروانے والے کے سامنے جُھکتا نہیں یا کورنش نہیں بجالاتا اور شکریہ ادا نہیں کرتا کہ آپ نے مُجھ پر بڑی مہربانی کی ہے۔ نہ وُہ اِحتجاج ہی کرتا ہے کہ مَیں تو اِس رقم (تنخواہ) کا حق دار نہیں۔ ہرگز نہیں۔ وُہ پیسے جیب میں ڈال کر اِس احساس کے ساتھ اپنے گھر کو چل دیتا ہے کہ میرے وقت اور میری محنت کا مُعاوضہ مِلا ہے۔

لیکن راست باز ٹھہرائے جانے کے مُعاملے میں بات یُوں نہیں ہے۔

۵:۴۔ یہ بات بہت چونکا دینے والی معلُوم ہو گی کہ سب سے پہلے، راست باز ٹھہرایا گیا شخص وُہ ہے "جو شخص کام نہیں کرتا"۔ وُہ نجات کمانے کے ہر امکان سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ وُہ کِسی ذاتی نیکی یا ثواب کا دعویٰ نہیں کرتا۔ وُہ تسلیم کرتا ہے کہ میری سخت سے سخت محنت بھی خُدا کے راست مُطالبات کو پُورا نہیں کر سکتی۔

اِس کے برعکس وُہ "بے دین کے راست باز ٹھہرانے والے پر ایمان لاتا ہے"۔ وُہ خُداوند پر ایمان اور یقین رکھتا ہے۔ وُہ خُدا کی بات کا یقین کرتا ہے۔ ہم دیکھ چُکے ہیں کہ یہ کوئی ثواب کا فعل نہیں ہے۔ ثواب اُس کے ایمان میں نہیں، بلکہ جِس پر ایمان لاتا ہے اُس میں ہے۔

غور کریں کہ وُہ "بے دین کے راست باز ٹھہرانے والے پر ایمان لاتا ہے"۔ وُہ یہ دعویٰ یا عُذر لے کر نہیں آتا کہ مَیں نے حد درجہ کوشش کر لی ہے، کہ مَیں "سُنہری اُصُول" کے مُطابق زِندگی بسر کرتا رہا ہُوں، کہ مَیں دُوسروں کے مُقابلے میں اچھا ہُوں۔ نہیں، بلکہ وُہ "بے دین" کی حیثیت سے آتا ہے۔ خطا کار، گنہگار کی حیثیت سے آتا ہے۔ اور خود کو خُدا کے رحم پر چھوڑ دیتا ہے۔

اور نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ "اُس کا ایمان اُس کے لئے راست بازی گنا جاتا ہے"۔ چونکہ وُہ اعمال کے ساتھ نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ آتا ہے، خُدا اُس کے کھاتے میں "راستبازی" شمار کرتا ہے۔ زِندہ مُنجی کے نجات کے کام کے باعث خُدا اُس کو "راست بازی" سے ملبّس کرتا اور آسمان کے لائق بنا دیتا ہے۔

اب سے لے کر خُدا اُس کو مسیح میں دیکھتا اور اِسی بنیاد پر قبُول کرتا ہے۔

مختصراً یہ کہ راست بازی بے دینوں کے لئے ہے ــــــ نیک لوگوں کے لئے نہیں ۔ یہ فضل کا معاملہ ہے، قرض کا معاملہ نہیں ــ اور اعمال سے نہیں، ایمان سے حاصل ہوتی ہے ۔

۴ : ۶ ۔ اپنے نکتے کے ثبوت کے لئے پولس اب "داؤد" کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔ داؤد کا تجربہ بھی ابرہام کا سا تھا ۔ اسرائیل کا یہ خوش الحان نغمہ نواز کہتا ہے کہ وہ گنہگار مبارک ہے جس کو خدا "بغیر اعمال کے" راست باز شمار کرتا ہے ۔ پولس رسول نے یہ بات زبور ۳۲ : ۱، ۲ سے لی ہے اور اگلی دو آیات میں اقتباس کی ہے ۔

۴ : ۷ ۔ "مبارک وہ ہیں جن کی بدکاریاں معاف ہوئیں
اور جن کے گناہ ڈھانکے گئے ۔
مبارک وہ شخص ہے جس کے گناہ خداوند محسوب نہ کرے گا" ۔

۴ : ۸ ۔ پولس کو ان آیات میں کیا نظر آیا؟ پہلی بات یہ کہ وہ دیکھتا ہے کہ داؤد اعمال کے بارے میں کچھ نہیں کہتا ۔ معافی کا تعلق خدا کے فضل سے ہے ۔ اِس میں اِنسان کی کوششوں کا کچھ دخل نہیں ۔ دوسرے، وہ دیکھتا ہے کہ اگر خدا اِنسان کے "گناہ محسوب نہ" کرے تو پھر وہ شخص خدا کے حضور راست مقام پا لیتا ہے ۔ اور تیسرے، وہ دیکھتا ہے کہ خدا بے دینوں کو راستباز ٹھہراتا ہے ۔ داؤد زنا اور قتل کرنے کا مجرم تھا ۔ لیکن اِن آیات میں وہ مفت اور پوری معافی کی مٹھاس کا لطف اٹھا رہا ہے ۔

۴ : ۹ ۔ لیکن کسی یہودی کے ذہن میں یہ خیال بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ اسرائیلی خدا کی چنی ہوئی قوم ہیں اِس لئے خدا کی راستبازی کا کوئی گوشہ اُن کا حق بھی ہے کہ صرف مختون ہی راست باز ٹھہرائے جا سکتے ہیں ۔ پولس پھر "ابرہام" کے تجربے کی طرف توجہ دلاتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ بات یوں نہیں ہے ۔ وہ یہ سوال پیش کرتا ہے کہ "کیا راست بازی صرف ایمان لانے والے یہودیوں ہی کے لئے محسوب ہوتی ہے ۔ یا ایمان لانے والے غیر قوم افراد کے لئے بھی؟" یہ حقیقت کہ ابرہام کی مثال پیش کی گئی اِس سے یہ خیال اُبھر سکتا ہے کہ یہ صرف یہودیوں کے لئے ہے ۔

۴ : ۱۰ ۔ یہاں پولس ایک تاریخی حقیقت کو پیش کرتا ہے ۔ شاید ہم میں سے اکثر اِس حقیقت کو دیکھ بھی نہ پاتے ۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ ابرہام اُس وقت راست باز ٹھہرایا گیا (پیدائش ۱۵ : ۶) جبکہ اُس کا ابھی "ختنہ" نہیں ہوا تھا (پیدائش ۱۷ : ۲۴) ۔ اگر قوم کے باپ کو "نامختونی ... کی حالت" میں راست باز ٹھہرایا گیا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "پھر دوسرے نامختون لوگ کیوں راست باز نہیں ٹھہرائے جا سکتے؟" ابرہام اُس وقت راستباز ٹھہرایا گیا جبکہ ابھی وہ غیر قوم بنیاد پر کھڑا تھا ۔ اِس

طرح باقی غیر قوم والوں کے لئے بھی بغیر ختنہ کے راست باز ٹھہرائے جانے کا دروازہ کھُلا ہے۔

۴: ۱۱- چنانچہ "ختنہ" ابرہام کے راست باز ٹھہرائے جانے کا وسیلہ اور سبب نہیں تھا بلکہ یہ بدن میں ایک خارجی اور ظاہری "نشان" تھا کہ وُہ ایمان سے راست باز ٹھہرایا گیا ہے۔ بُنیادی طور پر ختنہ ظاہری نشان تھا خُدا اور اسرائیلی قوم کے درمیان عہد کا۔ لیکن یہاں اِس کے معنوں میں وُسعت پیدا کی گئی ہے کہ یہ اُس راستبازی کو ظاہر کرتا ہے جو خُدا نے ایمان کے وسیلے سے ابرہام کے لئے محسُوب کی۔

نِشان ہونے کے ساتھ ساتھ ختنہ "مُہر" بھی تھا۔ "ختنہ ... اُس ایمان کی راست بازی پر مُہر ہو جائے جو اُسے نامختُونی کی حالت میں حاصل تھا"۔ "نشان" اُس چیز کی موجُودگی کی طرف اِشارہ کرتا ہے جس کی وُہ نِشاندہی کرتا ہے۔ اور "مُہر" اُس چیز کی اصلیت اور خالصیت کی تصدیق و توثیق کرتی ہے اُس چیز کے درست ہونے کی سند اور ضمانت ہوتی ہے جس کی وُہ نِشاندہی کرتی ہے۔ ختنہ نے ابرہام کے لئے اِس بات کی تصدیق کر دی کہ خُدا اُس کو ایمان کے وسیلے سے راست باز سمجھتا اور شمار کرتا ہے۔

"ختنہ" ابرہام کے "ایمان کی راست بازی پر مُہر" تھا۔ اِس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اُس کا ایمان راست بازی تھا۔ یا اُس نے "ایمان" سے راست بازی حاصل کی۔ مؤخر الذکر مطلب زیادہ درست ہے۔ "ختنہ" اُس "راست بازی پر مُہر" تھا جو اُس کا "ایمان" تھی یا جو اُس نے "ایمان" کی بُنیاد پر حاصل کی تھی۔

چونکہ ابرہام کو ختنہ کرانے سے پہلے راستباز ٹھہرایا گیا اِس لئے وُہ "اُن سب کا باپ" ہے "جو باوجود نامختُون ہونے کے ایمان لاتے ہیں"۔ مُراد ہے کہ وُہ ایمان لانے والے غیر قوم لوگوں کا بھی باپ ہے۔ وُہ بھی اُسی کی مانند ـــــ یعنی ایمان سے ـــــ راست باز ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ ابرہام ایمان لانے والے غیر قوم لوگوں کا "باپ" ہے تو اِس میں جسمانی نسل کا کوئی تصوّر یقیناً موجود نہیں۔ مطلب صِرف اِتنا ہے کہ یہ ایمان دار اِس لئے اُس کے فرزند ہیں کہ ایمان میں اُس کی تقلید کرتے ہیں۔ وُہ پیدائش کے اِعتبار سے اُس کے فرزند نہیں بلکہ اِس لئے کہ اُس کے نمُونہ یا مثال کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ حوالہ یہ تعلیم بھی نہیں دیتا کہ ایمان لانے والے غیر قوم خُدا کا اسرائیل بن جاتے ہیں۔ خُدا کا اسرائیل اُن "یہودیوں" پر مشتمل ہے جو یسوع کو مسیح موعُود اور اپنا خُداوند اور نجات دہندہ قبُول کر لیتے ہیں۔

۴: ۱۲- ابرہام کو "ختنہ" کا نشان ایک اَور وجہ سے بھی مِلا، یعنی کہ وُہ نہ صرف اُن یہودیوں کا "باپ" ہو جو نہ صِرف "مختُون" ہیں بلکہ "ایمان" میں بھی اُس کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، یعنی وُہ "ایمان ... جو اُسے نامختُونی کی حالت میں حاصل تھا"۔

ابرہام کی نسل اور ابرہام کے فرزند ہونے میں فرق ہے۔ یسوع نے فریسیوں سے کہا تھا کہ "مَیں جانتا ہوں کہ تم ابرہام کی نسل سے ہو" (یوحنا ۸: ۳۷)۔ پھر اُس نے یہ بھی کہا کہ "اگر تم ابرہام کے فرزند ہوتے تو ابرہام کے سے کام کرتے" (یوحنا ۸: ۳۹)۔ چنانچہ یہاں پولس زور دیتا ہے کہ جسمانی ختنہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اصل چیز زندہ خدا پر "ایمان" ہے۔ "مختونوں" میں سے جتنے خداوند یسوع پر ایمان لاتے ہیں وہ سب خدا کا حقیقی اسرائیل ہیں۔

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ابرہام کی زندگی میں ایک وقت تھا کہ اُس کو "ایمان" حاصل تھا مگر تاحال وہ "نامختون" تھا۔ پھر وہ وقت آیا کہ وہ "ایمان" بھی رکھتا تھا اور اُس کا ختنہ بھی ہوا۔ پولس اِس حقیقت کو دیکھتا ہے کہ ایمان لانے والے غیرقوم اور یہودی دونوں دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ابرہام ہمارا باپ ہے اور ہم اُس کے فرزند ہیں۔

۴: ۱۳۔ پولس رسول ہر ممکنہ معترض کو منطق اور کلام پاک کے ہر ممکنہ گوشے میں لے جاتا ہے۔ اور یوں بحث جاری رہتی ہے۔ اب پولس اِس سوال کا جواب دیتا ہے کہ برکت شریعت کے وسیلے سے آئی اور اِس لئے غیرقومیں جو شریعت سے واقف نہ تھیں لعنتی ہیں (دیکھئے یوحنا ۷: ۴۹)۔

جب خدا نے "ابرہام" اور "اُس کی نسل" سے وعدہ کیا کہ "وہ دُنیا کا وارث ہوگا" تو اُس نے اِس وعدہ کو کسی قانونی ضابطے کے ساتھ مشروط نہیں کیا تھا (خود شریعت بھی اِس کے ۴۳۰ برس بعد دی گئی تھی — گلتیوں ۳: ۱۷)۔ یہ فضل کا غیرمشروط "وعدہ" تھا۔ اور "ایمان ... کے وسیلہ سے" تھا۔ یہ وہی "ایمان" ہے جس سے آج بھی خدا کی "راست بازی" حاصل ہوتی ہے۔

"دُنیا کا وارث" —— اِس ترکیب کا مطلب ہے کہ ابرہام ایمان لانے والے یہودیوں اور غیرقوموں کا باپ ہوگا (۴: ۱۱، ۱۲) اور کہ وہ "بہت سی قوموں کا باپ" ہوگا (۴: ۱۷، ۱۸)۔ صرف یہودی قوم کا باپ نہیں ہوگا۔ اپنے مکمل معنوں میں یہ وعدہ اُس وقت پورا ہوگا جب خداوند یسوع جو ابرہام کی نسل سے ہے، عالمگیر سلطنت کا تخت سنبھالے گا اور بادشاہوں کے بادشاہ اور خداوندوں کے خداوند کی حیثیت سے بادشاہی کرے گا۔

۴: ۱۴۔ جو لوگ خدا کی برکت اور خصوصاً راستباز ٹھہرائے جانے کی برکت کے طالب ہیں، اگر وہ شریعت پر عمل کی بنیاد پر اِس کے وارث ہوں تو "ایمان بے فائدہ رہا اور وعدہ لاحاصل ٹھہرا"۔ ایمان اِس لئے بے فائدہ ٹھہرا کیونکہ یہ وہ اصول ہے جو شریعت کے بالکل اُلٹ یا مخالف ہے۔ "ایمان" کا مطلب ہے یقین کرنا۔ جبکہ شریعت کا مطلب ہے "کرنا" یعنی اعمال۔ اور وعدہ اِس لئے لاحاصل ٹھہرا کہ

پھر اس کی بُنیاد ایسی شرائط پر ہو گی جن کو کوئی بھی پُورا نہیں کر سکتا۔

۴: ۱۵۔ "شریعت تو خُدا کا غضب پیدا کرتی ہے" اُس کی برکت پیدا نہیں کرتی۔ جو لوگ اُس کے حکموں کو کامل طور سے اور مسلسل پُورا نہیں کر پاتے، شریعت اُن کو مُجرم ٹھہراتی ہے۔ اور چونکہ کوئی بھی شریعت کو پُورا نہیں کر سکتا اِس لئے جتنے بھی شریعت کے ماتحت ہیں اُن پر موت کا حکم ہو چُکا۔ ناممکن ہے کہ اِنسان شریعت کے ماتحت ہو اور لعنت کے ماتحت نہ ہو۔

لیکن "جہاں شریعت نہیں وہاں عدولِ حکمی بھی نہیں"۔ "عدولِ حکمی" کا مطلب ہے معلومہ "شریعت" کی خلاف ورزی کرنا۔ پَولُس یہ نہیں کہتا کہ جہاں شریعت نہیں، وہاں گناہ بھی نہیں۔ کوئی عمل یا فعل اپنی ذات میں ہی غلط ہو سکتا ہے، اگر اُس کے خلاف کوئی قانون (شریعت) موجود نہ ہو تو۔ لیکن اُس وقت "عدولِ حکمی" بن جاتا ہے جب یہ بورڈ لگا ہو کہ "حدِ رفتار ۲۰ کلومیٹر"۔

یہودی سوچتے تھے کہ چونکہ ہمارے پاس شریعت ہے اِس لئے ہم برکت کے وارث ہیں۔ لیکن وہ صرف "عدولِ حکمی" کے وارث تھے۔ خُدا نے شریعت اِس لئے دی کہ گناہ ـــــ "عدولِ حکمی" نظر آئے۔ یا دُوسرے لفظوں میں گناہ کی ساری آلودگی اور گھنونا پن ظاہر ہو جائے۔ خُدا کا کبھی اِرادہ یا نیت نہیں تھی کہ شریعت گنہگار نافرمانوں کے لئے نجات کا وسیلہ بنے۔

۴: ۱۶۔ چونکہ شریعت سے خُدا کی راستبازی نہیں بلکہ اُس کا غضب پیدا ہوتا ہے، اِس لئے خُدا نے فیصلہ کیا کہ مَیں اِنسانوں کو ایمان کے وسیلے فضل سے نجات دُوں گا۔ مَیں حق نہ رکھنے والے بے دین گنہگاروں کو صرف "ایمان" کے وسیلے سے ابدی زندگی مُفت بخشش کے طور پر دُوں گا۔

اِس طرح "وُہ وعدہ کُل نسل کے لئے قائم رہے"۔ یہاں ہمیں دو لفظوں کا خاص ذکر کرنا ہے۔ ایک "کُل" دُوسرا "قائم"۔ خُدا چاہتا ہے کہ وُہ وعدہ یقینی ہو یعنی "قائم رہے"۔ اگر راستباز ٹھہرائے جانے کا انحصار شریعت کے اعمال پر ہوتا تو اِنسان کو کبھی اپنی نجات کی تسلی نہ ہو سکتی کیونکہ وُہ کبھی جان نہ سکتا کہ مَیں نے کافی نیک کام، یا درست قسم کے نیک کام کر لئے ہیں کہ نہیں۔ جو شخص بھی نجات 'کمانے' کی کوشش کرتا ہے، اُس کو کبھی بھی اپنی نجات کے بارے میں یقینِ کامل نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب نجات ایک بخشش کے طور پر پیش کی جاتی ہے، جس کو ایمان سے قبول کرنا ہوتا ہے، تو اِنسان کو یقین ہو سکتا ہے کہ خُدا کے کلام کے اِختیار اور سند سے مجھے نجات مل چُکی ہے۔

دُوسری بات ـــــ خُدا چاہتا ہے کہ "وُہ وعدہ کُل نسل کے لئے قائم رہے" یعنی صرف یہودیوں کے لئے نہیں جن کو شریعت دی گئی تھی بلکہ غیر یہودیوں کے لئے بھی ہو جو "ابرہام" کی طرح خُداوند پر

ایمان لاتے ہیں۔ "ابرہام ہم سب کا باپ ہے" یعنی تمام "ایمان لانے والے یہودیوں اور غیر قوم والوں کا۔

۴: ۱۷۔ ابرہام کے تمام ایمانداروں کے باپ ہونے کی تصدیق کرنے کے لئے پولس رسول جملۂ معترضہ کے طور پر پیدائش ۱۷: ۵ کا حوالہ دیتا ہے کہ "مَیں نے تجھے بہت سی قوموں کا باپ بنایا"۔ خدا نے اسرائیل کو زمین پر اپنی برگزیدہ قوم ہونے کے لئے چن لیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اُس کا فضل اور رحم صرف اُنہی تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔ رسول بڑی مہارت سے پرانے عہدنامہ میں سے آیت پر آیت کا اقتباس پیش کرتا اور ثابت کرتا ہے کہ خدا کا ارادہ ہمیشہ یہی تھا کہ جہاں بھی ایمان ملے اُس کا لحاظ کرے۔

"اُس خدا کے سامنے جس پر وہ ایمان لایا"۔ یہاں ۴: ۱۶ کے خیال کا تسلسل ہے جہاں لکھا ہے "ابرہام ... وہی ہم سب کا باپ ہے"۔ تعلق یہ ہے کہ ابرہام خدا کی نظر میں ہم سب کا باپ ہے جس پر وہ (ابرہام) ایمان لایا وہ ایسا خدا ہے "جو مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور جو چیزیں نہیں ہیں اُن کو اس طرح بلا لیتا ہے کہ گویا وہ ہیں"۔ خدا کے بارے میں اِس بیان کو سمجھنے کے لئے ہمیں اگلی آیات کو دیکھنا ہوگا۔ "خدا جو مُردوں کو زندہ کرتا ہے" یعنی اُس نے ابرہام اور سارہ کو زندہ کیا۔ اگرچہ وہ جسمانی لحاظ سے مَر نہیں گئے تھے۔ اُن کے اولاد نہیں تھی اور اتنے عمر رسیدہ ہو چکے تھے کہ اولاد ہو بھی نہیں سکتی تھی (دیکھئے ۴: ۱۹)۔ خدا "جو چیزیں نہیں ہیں اُن کو اس طرح بلا لیتا ہے کہ گویا وہ ہیں"۔ مُراد ہے وہ بے شمار اولاد یا نسل جس میں بہت سی قومیں شامل ہیں (دیکھئے ۴: ۱۸)۔

۴: ۱۸۔ گزشتہ آیات میں پولس نے اِس بات کی وضاحت کی ہے کہ ابرہام کو وعدہ شریعت سے نہیں بلکہ ایمان سے ملا تاکہ فضل سے ہو اور کُل نسل کے لئے یقینی ہو۔ اِس بات سے فطری طور پر توجہ ابرہام کے ایمان کی طرف جاتی ہے کہ وہ اُس خدا پر ایمان رکھتا ہے جو قیامت کا ـــــ یعنی مُردوں کو زندہ کرنے والا ـــــ خدا ہے۔ خدا نے ابرہام سے وعدہ کیا تھا کہ تیری نسل ستاروں اور ریت کی مانند بے شمار ہوگی۔ انسانی لحاظ سے اِس کی کوئی اُمید نہ تھی۔ لیکن انسانی "نا اُمیدی" کے برخلاف ابرہام "ایمان لایا" اور اِس "اُمید کے ساتھ ایمان لایا" کہ مَیں "بہت سی قوموں کا باپ" ہوں گا، جیسا کہ پیدائش ۱۵: ۵ میں خدا نے وعدہ کیا تھا کہ "تیری نسل ایسی ہی ہوگی"۔

۴: ۱۹۔ جب ابرہام سے بے شمار نسل کا وعدہ پہلی دفعہ کیا گیا تو اُس کی عمر پچھتر برس تھی (پیدائش ۱۲: ۲-۴)۔ اُس وقت ابھی وہ جسمانی لحاظ سے باپ بننے کے قابل تھا کیونکہ اس کے بعد اُس سے اسماعیل پیدا ہوا (پیدائش ۱۶: ۱-۱۱)۔ لیکن اِس آیت میں جس وقت کا ذکر پولس کر رہا ہے، اُس وقت ابرہام کی عمر تقریباً سَو (۱۰۰) برس تھی۔ اب وعدے کو دُہرایا گیا (پیدائش ۱۷: ۱۵-۲۱)۔ اِس وقت یہ اُمید نہ رہی

تھی کہ خُدا کے مُعجزے کے علاوہ کِسی طرح نئی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔ تاہم خُدا نے اُس کو ایک بیٹا دینے کا وعدہ کیا اور ابرہام خُدا کے وعدہ پر ایمان رکھتا تھا۔

اور ابرہام "باوجُود اپنے مُردہ سے بدن اور سارہ کے رحم کی مُردگی پر لحاظ کرنے کے ایمان میں ضعیف نہ ہُوا"۔ اِنسانی لحاظ سے یہ بات قطعی ناممکن تھی لیکن ابرہام نے ایمان رکھا۔

۴: ۲۰۔ لگتا تھا کہ یہ "وعدہ" کبھی پُورا نہیں ہو گا۔ مگر اِس سے ابرہام کا ایمان ڈگمگایا نہیں۔ خُدا نے کہا تھا۔ ابرہام اُس کا یقین کرتا تھا۔ گویا مُعاملہ طے تھا۔ قوم کے اِس بزرگ کے سامنے دو باتیں تھیں ——— یا تو خُدا اپنا وعدہ پُورا کرے گا یا وُہ جھُوٹ بول رہا ہے۔ ابرہام کا ایمان کِتنا مضبُوط تھا! اُس نے "خُدا کی تمجید کی" کہ خُدا وُہ ہستی ہے جو تمام اِنسانی ضابطوں کے خِلاف اپنا وعدہ پُورا کر سکتا ہے۔ وہ ناممکنات کا خُدا ہے۔ ابرہام اُس پر اعتماد اور بھروسا رکھتا تھا۔

۴: ۲۱۔ ابرہام نہیں جانتا تھا کہ خُدا اپنا وعدہ کِس طرح پُورا کرے گا۔ لیکن اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وُہ خُدا کو جانتا تھا۔ اور اُسے پُورا یقین تھا کہ "جو کُچھ اُس نے وعدہ کیا ہے وُہ اُسے پُورا کرنے پر بھی قادِر ہے"۔ ایک لحاظ سے یہ عجیب اور حیرت ناک ایمان ہے، مگر دُوسرے لحاظ سے یہی نہایت معقُول بات ہے کیونکہ خُدا کی بات ساری کائنات میں سب سے یقینی بات ہوتی ہے۔ اور ابرہام کو اُس کا یقین کرنے میں کِسی نُقصان کا خطرہ نظر نہ آیا۔

۴: ۲۲۔ خُدا کو ایسا اِنسان مِلنے کی بہُت خُوشی ہے جو اُس کی بات کا یقین کرتا ہے۔ چنانچہ اُس نے اِس بات کو ابرہام کے لئے "راست بازی گِنا"۔ جِس کھاتے میں پہلے گُناہ اور قصُور تھے، اب اُس میں سِوائے راست بازی کے کُچھ نہ رہا۔ پاک خُدا نے ابرہام کو ایمان کے وسیلے سے گُناہ کی سزا سے بَری کر کے اُسے راست باز ٹھہرایا۔

۴: ۲۳۔ اُس کے راست باز ٹھہرائے جانے کا تاریخی بیان "نہ صِرف اُس کے لئے" لِکھا گیا تھا۔ ایک لحاظ سے تو یہ اُس کے لئے لِکھا گیا تھا۔ یہ اُس کی بریت اور خُدا کے سامنے کامِلیّت کا رُتبہ پانے کا دائمی ریکارڈ ہے۔

۴: ۲۴۔ "بلکہ" یہ بات "ہمارے لئے بھی" لِکھی گئی۔ ابرہام کی طرح ہمارا ایمان بھی ہمارے لئے راست بازی گِنا جائے گا کیونکہ ہم بھی اُس خُدا پر "ایمان لائے ہیں جِس نے ہمارے خُداوند یسُوع کو مُردوں میں سے جِلایا"۔ صِرف ایک فرق ہے۔ ابرہام ایمان لایا کہ خُدا مُردوں کو (یعنی اُس کے کمزور بدن اور سارہ کے مُردہ سے رحم کو) زِندہ کرے گا۔ اور ہم ایمان لائے ہیں کہ خُدا نے خُداوند یسُوع مسیح کو جِلانے

کے وسیلے سے مُردوں کو زندگی دی ہے۔ سی۔ایچ۔ میکنٹاش وضاحت کرتا ہے کہ

"ابرہام کو بُلاہٹ ہُوئی کہ ایک وعدہ پر ایمان لائے، جبکہ ہمیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ ایک پُورے کئے گئے کام پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُس کی بُلاہٹ یہ تھی کہ اُس بات کی طرف دیکھے جو ابھی وقُوع میں آنی تھی۔ ہم پیچھے کو اُس بات کی طرف دیکھتے ہیں جو ہو چُکی ہے، یعنی مخلصی جو پُوری ہو چُکی ہے اور جس کی تصدیق اِس حقیقت سے ہوتی ہے کہ جی اُٹھا نجات دہندہ خُدا کے دہنے ہاتھ جلوہ افروز ہے۔"

۴: ۲۵۔ خُداوند یسوع "ہمارے قصُوروں کے لئے حوالہ کر دیا گیا اور ہمارے راست باز ٹھہرانے کے لئے جِلایا گیا"۔ وُہ نہ صِرف ہمارے "قصُوروں کے لئے" یعنی اُن کی وجہ سے "حوالہ کیا گیا" بلکہ اِس لئے بھی کہ اُن کو دُور کر دے۔ "وُہ ہمارے راست باز ٹھہرانے کے لئے جِلایا گیا"۔ یعنی اِس بات کی تصدیق کرنے کے لئے کہ مسیح کے نجات کے کام نے خُدا کے سارے تقاضے پُورے کر دِئے ہیں۔ اور اِسی کام کی بُنیاد پر خُدا ہمیں راستباز ٹھہراتا ہے۔ پہلی صُورتِ حال میں "ہمارے قصُوروں" کا مسئلہ حل کرنا ضرور تھا۔ دُوسری صُورتِ حال میں "ہمارا راست باز ٹھہرایا جانا" وُہ نتیجہ ہے جس کی یقین دہانی مسیح کے جی اُٹھنے سے ہوتی ہے۔ اگر مسیح قبر میں رہتا تو کوئی "راست باز ٹھہرایا جانا" نہ ہوتا۔ لیکن یہ حقیقت کہ وُہ زندہ ہُوا تصدیق کرتی ہے کہ مخلصی کا کام مُکمل ہو چُکا ہے، قیمت ادا ہو چُکی ہے، اور خُدا مُنجی کے گُناہ کے کفارہ کے کام سے پُورے طور پر مُطمئن ہے یعنی اُس کے سارے تقاضے پُورے ہو چُکے ہیں۔

و۔ انجیل کی خُوشخبری کے عملی فوائد (۵: ۱-۱۱)

پولُس رسُول راست باز ٹھہرانے کے موضُوع کو ایک قدم اَور آگے بڑھاتا ہے۔ اِس سِلسلے میں یہ سوال اُٹھاتا ہے کہ "ایمان دار کی زندگی میں راست باز ٹھہرائے جانے کے کیا فوائد ہیں؟ دُوسرے الفاظ میں کیا راست باز ٹھہرائے جانے کا کوئی فائدہ بھی ہے؟ اِس کا جواب زوردار 'ہاں' ہے۔ وُہ سات برکات گِنواتا ہے جو ہر ایمان دار کو حاصِل ہوتی ہیں۔ یہ برکات ایمان دار کو مسیح کی معرفت مِلتی ہیں۔ وُہ خُدا اور اِنسان کے بیچ درمیانی ہے اور خُدا کی ساری بخششیں اُسی کی معرفت اِنسان کو پہنچتی ہیں۔

۵: ۱۔ ہم میں سے جتنے "ایمان سے راست باز" ٹھہرائے گئے ہیں، اُن کے لئے پہلا بڑا فائدہ "خُدا کے ساتھ اپنے خُداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے صُلح" ہے۔ جنگ ختم ہو چُکی ہے۔ دُشمنی ختم ہو گئی ہے۔ مسیح کے کام کے وسیلے سے ہمارے اور خُدا کے درمیان دُشمنی کی تمام وجُوہات مِٹ گئی ہیں۔ فضل

کے ایک معجزے نے ہم کو دشمن سے دوست بنا دیا ہے ۔

۵ : ۲ ۔ اس کے ساتھ خدا کے لئے بیان "فضل تک ہماری رسائی بھی ہوئی"۔ یعنی ہمیں خدا کے نزدیک بہت بڑی نوازش کا مقام حاصل ہوا ۔ ہم اُس کے پیارے بیٹے میں قبول کئے گئے ۔ اِس لئے ہم بھی خدا کے اُتنے ہی قریب اور عزیز ہیں جتنا اُس کا اپنا پیارا بیٹا ہے ۔ باپ ہمیں غیروں کی طرح نہیں بلکہ فرزندوں کی طرح قبول کرتا ہے ۔ یہ "فضل" یا خصوصی مرتبہ خدا کے حضور ہمارے مقام کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا تھا ۔ یہ رُتبہ یا حیثیت ویسی ہی کامل اور مستقل ہے جیسی مسیح کی کیونکہ ہم اُس میں ہیں ۔

جیسے کہ اِتنا ہی کافی نہ ہو، ہم "خدا کے جلال کی اُمید پر فخر بھی کرتے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم خوشی کے ساتھ اُس وقت کا اِنتظار کرتے ہیں جب ہم خدا کی شان و شوکت کو غور سے دیکھیں گے بلکہ خود بھی جلالی صورت میں ظاہر ہوں گے (دیکھئے یوحنا ۱ ۱ : ۲ ؛ کلسیوں ۳ : ۴) ۔ اِس دُنیا میں رہتے ہوئے ہم اِس اُمید کی پوری اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور نہ ابدیت میں اِس پر ہماری حیرت کبھی ختم ہوگی ۔

۵ : ۳ ۔ راست باز ٹھہرائے جانے سے جو تیسری برکت حاصل ہوتی ہے یہ ہے کہ ہم "مصیبتوں پر بھی فخر" کرتے ہیں ۔ یعنی اُن کی موجودہ تکلیف پر نہیں بلکہ آخر میں اُن کا جو نتیجہ ہوگا اُس پر فخر کرتے ہیں (دیکھئے عبرانیوں ۱۲ : ۱۱) ۔ یہ مسیحی ایمان کا ایک مسرت بخش عجوبہ ہے کہ خوشی اور مصیبت ایک ساتھ ہو سکتی ہیں ۔ خوشی کی ضد دُکھ یا مصیبت نہیں بلکہ گناہ ہے ۔ "مصیبت" کا ایک ضمنی حاصل یہ ہے کہ اِس سے "صبر" یعنی ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے ۔ اگر کوئی مصیبت نہ ہو تو ہم میں صبر اور ثابت قدمی کبھی پیدا نہیں ہو سکتی ۔

۵ : ۴ ۔ اَب پولُس یہ بیان کرتا ہے کہ "صبر سے پختگی ... پیدا ہوتی ہے" ۔ جب خدا دیکھتا ہے کہ ہم اپنی مصیبتوں اور آزمائشوں کو برداشت کر رہے ہیں اور اُس کی طرف دیکھتے ہیں کہ اِن مصیبتوں کے ذریعے سے اپنے مقاصد اور ارادے پورے کرے تو وہ ہمیں سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے کہ یہ بہت اچھے صبر اور برداشت کرنے والے ہیں ۔ ہمیں آزمایا گیا اور ہم کامیاب نکلے اور منظور کئے گئے ۔ اور اُس کی طرف سے اِس منظوری کے احساس سے ہم میں "اُمید پیدا ہوتی ہے" ۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا ہماری زندگیوں میں کام کرتے ہوئے ہمارے کردار کو پختہ کر رہا ہے ۔ اِس سے ہمیں اعتماد حاصل ہوتا ہے کہ اُس نے ہمارے اندر جو کام شروع کیا ہے اُسے پورا بھی کرے گا (فلپیوں ۱ : ۶) ۔

۵ : ۵ ۔ "اُمید سے شرمندگی حاصل نہیں ہوتی" ۔ اگر ہم کسی چیز کی اُمید کریں مگر بعد میں معلوم ہو کہ وہ چیز ہمیں کبھی حاصل نہیں ہوگی تو ہماری اُمید شرمندگی یا نااُمیدی میں بدل جائے گی ۔ لیکن

ہماری نجات کی اُمید سے کبھی شرمندگی حاصل نہ ہوگی - ہمیں کبھی نااُمیدی یا مایوسی نہیں ہوگی - اور معلوم ہوگا کہ ہم نے جھوٹے بھروسے پر تکیہ نہیں کیا تھا - ہمیں اتنا یقین کیسے ہوسکتا ہے؟ "کیونکہ ... خدا کی محبت ہمارے دلوں میں ڈالی گئی ہے" - "خدا کی محبت" کا مطلب خدا کے لئے ہماری محبت یا ہمارے لئے خدا کی محبت ہوسکتا ہے - یہاں اِس کا مطلب ہے ہمارے لئے خدا کی محبت، کیونکہ آیات ۶-۲۰ میں خدا کی ہمارے لئے محبت کے متعدد ثبوت دیئے گئے ہیں - "روح القدس جو ہم کو" اُس لمحہ "بخشا گیا" جب ایمان لائے تھے ہمارے دلوں کو خدا کی ازلی وابدی محبت سے معمور کر دیتا ہے - اِسی محبت کے اظہار سے ہمیں یقین حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہمیں بحفاظت آسمانی گھر تک پہنچائے گا - جب آپ کو روح القدس ملتا ہے تو آپ کو احساس ہوتا ہے کہ خدا آپ سے محبت رکھتا ہے - یہ کوئی مُبہم اور پُراسرار احساس نہیں ہوتا کہ اُوپر آسمان میں کوئی ہے جو بنی نوع انسان کی فکر کرتا ہے - بلکہ یہ گہری اور دل کے اندر بیٹھی ہوئی قائلیت ہوتی ہے کہ خدا مجھے پیار کرتا ہے -

۵: ۶ - آیات ۶ تا ۲۰ میں پولس رسول ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف کے اصول کے مطابق بحث کرتا ہے - اُس کی منطق یہ ہے کہ جب خدا نے ہم سے اُس وقت محبت رکھی جب ہم بے دین اور خدا کے دشمن تھے تو اب جبکہ ہم اُس کے ہیں وہ کس قدر زیادہ ہماری محافظت نہ کرے گا؟ اِس طرح ہم راستباز ٹھہرائے جانے کے پانچویں فائدہ تک پہنچتے ہیں کہ "مسیح میں ہم ہمیشہ تک حفاظت کئے جاتے ہیں"۔ اِس موضوع کی وضاحت کے لئے رسول پانچ "ضرور ہی" پیش کرتا ہے :

۱- غضبِ الٰہی سے "ضرور ہی" بچیں گے (۵ : ۹)

۲- اُس کی (جی اُٹھی) زندگی کے سبب سے "ضرور ہی" بچیں گے (۵ : ۱۰)

۳- خدا کی بخشش آدمیوں پر "ضرور ہی" افراط سے نازل ہوئی (۵ : ۱۵)

۴- ایمان دار لوگ ہمیشہ کی زندگی میں "ضرور ہی" بادشاہی کریں گے (۵ : ۱۷)

۵- فضل ... "نہایت" (ضرور ہی) زیادہ ہوا (۵ : ۲۰)

آیات ۶ تا ۸ میں پولس زور دے کر کہتا ہے کہ ہم کیا تھے (کمزور - بے دین - گنہگار) جب "مسیح" ہماری "خاطر موا" - اور آیات ۹ اور ۱۰ میں بیان کرتا ہے کہ اب ہم کیا ہیں (مسیح کے خون سے راستباز ٹھہرائے گئے، اُس کی موت کے باعث خدا سے میل ہوگیا) - اِس کے نتیجے میں اُن باتوں کا یقین حاصل ہوتا ہے جو نجات دہندہ ہمارے لئے کرے گا (غضبِ الٰہی سے بچائے گا، اپنی زندگی کے وسیلے سے ہمیں محفوظ رکھے گا) -

سب سے پہلے ہمیں یاد دِلایا گیا ہے کہ ہم "کمزور"، بے بس اور لاچار تھے۔ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے تھے۔ لیکن "عین وقت پر" (یعنی جو وقت پہلے سے مُقرر تھا) خُداوند یسوع اِس کرۂ ارضی پر آیا اور اِنسانوں کے لئے مُؤا۔ کچھ لوگ خیال کر سکتے ہیں کہ مسیح اچھے اور نیک لوگوں کی خاطر ہی مُؤا، ہرگز نہیں، بلکہ وُہ "بے دِینوں کی خاطر مُؤا"۔ ہم میں کوئی خُوبی، کوئی اچھی بات نہ تھی جس سے خُدا کے سامنے ہماری سفارش ہوتی۔ ہم قطعی طور پر نالائق تھے، تو بھی "مسیح" ہماری خاطر "مُؤا"۔

۵: ۷۔ اِلٰہی محبّت کا یہ فعل بالکل بے مثال ہے۔ اِنسانی تجربے میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں آئی تھی۔ عام آدمی کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اپنی جان کسی نالائق شخص کے لئے ضائع کر دے۔ مثال کے طور پر وُہ کبھی کسی خُونی، یا کسی زانی، یا کسی فسادی آدمی کی خاطر مرنے کو تیار نہیں ہو گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وُہ کسی "راست باز کی خاطر" بھی جان دینے سے ہچکچائے گا۔ اگرچہ اِنتہائی صُورتِ حال میں ایسا مُمکن بھی ہے کہ کوئی آدمی کسی "نیک آدمی" کے لئے اپنی جان دے دے۔ "نیک آدمی" سے یہاں مُراد ہے مہربان، دوست دار، محبّت کرنے والا اور قابلِ محبّت شخص۔

۵: ۸۔ "خُدا" کی "محبّت" کسی دُوسری دُنیا کی چیز ہے۔ اُس نے اپنی یہ محبّت ہم پر نہایت تعجّب خیز انداز میں ظاہر کی کہ "جب ہم گنہگار ہی تھے" تو اُس نے اپنے پیارے بیٹے کو بھیجا تاکہ ہماری خاطر اپنی جان دے۔ اگر ہم پُوچھیں کہ اُس نے ایسا کیوں کیا تو ہمیں اِس کا جواب خُدا کی آزاد مرضی میں مِلے گا۔ ہم میں کوئی خُوبی نہ تھی جو ایسی محبّت کو اُبھار سکتی۔

۵: ۹۔ یہاں کچھ نئی شرائط عائد ہوتی ہیں۔ اب ہم مُجرم یا گنہگار شُمار نہیں ہوتے۔ مُنجی نے کلوری پر اپنا بیش بہا "خُون" بہایا۔ اِس خُون کے باعث خُدا ہمیں راست باز شُمار کرتا ہے۔ جب ہم گنہگار ہی تھے تو اُس نے ہماری خاطر اِتنی بڑی قیمت ادا کرنے کا بندوبست کیا تاکہ ہمیں راست باز ٹھہرائے۔ تو کیا وُہ اُسی مسیح کے وسیلہ ہمیں اپنے "غضب" سے نہ بچائے گا؟ پولُس کہتا ہے "ضرور ہی" بچائے گا۔ اگر اُس نے ہم کو اپنے حضُور میں مقبُول ٹھہرانے کے لئے اِتنی بڑی قیمت ادا کر دی ہے تو کیا یہ مُمکن ہے کہ بالآخر وُہ ہمیں ہلاک ہونے دے گا؟

"غضبِ اِلٰہی سے ضرور ہی بچیں گے"۔ اِس کا مطلب ہے کہ غضب میں سے بچیں گے یا غضب کا شکار یا نشانہ بننے سے بچیں گے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہاں جو حرفِ جار (یُونانی apo) اِستعمال ہُؤا ہے، وُہ موخرالذکر مفہوم کی تائید کرتا ہے کہ غضبِ اِلٰہی ہمارے نزدیک بھی نہیں آئے گا، نہ اِس زمانے میں نہ ابدیت میں۔

۵: ۱۰ - مقابلہ کریں کہ ہم کیا تھے اور اب کیا ہیں - غور کریں کہ "باوجود دشمن ہونے کے خدا سے اُس کے بیٹے کی موت کے وسیلہ سے ہمارا میل ہو گیا" - ہم خداوند سے دشمنی رکھتے تھے اور اِس بات پر مطمئن تھے - اگر ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ہم خدا کے ساتھ میل ملاپ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے - ذرا سوچیں ——— خدا کے دشمن!

اِس معاملے میں خدا نے ہمارا جیسا رویّہ نہیں رکھا - اُس نے مداخلت کی اور اپنے فضل کا اظہار کیا - مسیح کی عوضی موت نے خدا کے ساتھ ہماری دشمنی کی وجہ کو دُور کر دیا ——— یعنی ہمارے گناہوں کو دُور کر دیا - اور مسیح پر ایمان کے وسیلے سے ہمارا "خدا سے ... میل ہو گیا"۔

اگر خدا نے ہمارے ساتھ میل کی اتنی بھاری قیمت ادا کی تو کیا وہ ہمیں یُونہی چھوڑ دے گا؟ اگر "اُس کے بیٹے کی موت کے وسیلہ سے ہمارا میل ہو گیا" ہے جو کہ انتہائی کمزوری کی علامت ہے تو کیا ہم مسیح کی موجودہ زندگی کے وسیلے سے آخر تک محفوظ نہ رکھے جائیں؟ کیونکہ اب تو مسیح خدا کے دہنے ہاتھ ہے اور یہ زندگی لامحدود قدرت کی حامل ہے - اگر اُس کی "موت" میں ہمیں بچانے کی اِتنی زیادہ قدرت تھی تو ہمیں بچائے رکھنے کے لئے "اُس کی زندگی" میں کتنی زیادہ قدرت نہ ہو گی!

۵: ۱۱ - اب ہم راست باز ٹھہرائے جانے کے چھٹے فائدہ تک پہنچتے ہیں - ہم "اپنے خداوند یسوع مسیح کے طفیل سے ... خدا پر فخر بھی کرتے ہیں" - ہم صرف اُس کی نعمتوں اور بخششوں پر فخر نہیں کرتے بلکہ خود دینے والے پر فخر کرتے ہیں - بچائے جانے سے پہلے ہم نہ جانے کن دُوسری باتوں پر فخر کرتے تھے - اب ہم جب بھی اُس یاد کرتے ہیں تو بے حد خوشی مناتے ہیں - مگر جب اُس کو بھول جاتے ہیں تو افسردہ ہو جاتے ہیں - کس بات نے اِتنی حیرت افزا تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ اب ہم خدا میں خوش ہوتے اور اُس پر فخر کرتے ہیں؟ یہ "خداوند یسوع مسیح" کا کام ہے - ہماری باقی ساری برکتوں کی طرح ہمیں یہ "فخر" (اور خوشی) مسیح کے "وسیلہ سے" حاصل ہوتا ہے -

راست باز ٹھہرائے جانے والے جس ساتویں فائدہ سے لُطف اندوز ہوتے ہیں، اُس کا ذکر اِن الفاظ میں کیا گیا ہے کہ "اب ہمارا خدا کے ساتھ میل ہو گیا ہے" - اِس سے مُراد منجی کے کام کے وسیلے سے جو کافی اور وافی ہے خدا اور انسان کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو گئی ہے - گناہ داخل ہوا تو خدا اور انسان کے درمیان اجنبیّت، جُدائی اور دشمنی آ گئی تھی - اور گناہ کو جس نے یہ غیریت پیدا کی تھی دُور ہٹا دینے سے خداوند یسوع نے اُن سب کو جو اُس پر ایمان لاتے ہیں خدا کے ساتھ میل ملاپ میں بحال کر دیا - چلتے چلتے ہم یہ بھی بتا دیں کہ خدا کو اِس میل کی کوئی ضرورت نہ تھی - ضرورت تو اِنسان کو تھی، کیونکہ وہ خدا سے دشمنی رکھتا تھا -

ز- آدم کے گناہ پر مسیح کے کام کی فتح (۵: ۱۲-۲۱)

۵: ۱۲- باب ۵ کا باقی حصہ خط کے پہلے حصے اور اگلے تین ابواب کے درمیان پُل کا کام دیتا ہے۔ پہلے حصے سے اِس کا تعلق اِس لئے ہے کہ یہاں اُسی حصے کے موضوعات پر بحث جاری رکھی گئی ہے۔ مثلاً آدم کے وسیلے سے خدا کے غضب کا حق دار بننا اور مسیح کے وسیلے سے اِس غضب سے بَری قرار دیا جانا۔ اور یہ ثابت کرنا کہ مسیح کا کام اپنی برکت میں اُس کام پر نہایت بھاری ہے جو آدم نے کیا جس سے اُس کا نقصان ہُوا اور بدحالی آئی۔ اور ابواب ۶- ۸ سے تعلق اِس طرح ہے کہ بات راست باز ٹھہرائے جانے سے آگے مُقدّس ٹھہرائے جانے تک اور گناہ کے اعمال سے آگے اِنسان کی سرشت میں گناہ تک بڑھائی گئی ہے۔

اِن آیات میں آدم کو اُن سب کا نمائندہ دِکھایا گیا ہے جو ابھی تک پُرانے مخلوق ہیں۔ اور مسیح کو اُن سب کا سر دِکھایا گیا ہے جو نئے مخلوق ہیں۔ سر (سردار) اُن سب کے لئے اِقدام کرتا ہے جو اُس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب کسی مُلک کا صدر کسی بِل پر دستخط کر کے اُس کو قانون بنا دیتا ہے تو وُہ اُس مُلک کے سارے شہریوں کے لئے اِقدام کرتا ہے یعنی اُس کا اِقدام سارے شہریوں کا اِقدام مانا جاتا ہے۔

آدم کے مُعاملے میں بھی یہی کُچھ ہُوا۔ اُس کے "گناہ" کے نتیجے میں اِنسانی "مَوت" اِس "دُنیا میں" داخِل ہُوئی اور یہ مَوت آدم کی کُل نسل کا مشترکہ حصہ بن گئی کیونکہ آدم میں "سب نے گناہ کیا" تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ سبھوں نے اِنفرادی طور پر بھی گناہ کئے مگر یہاں اِس خیال کا اِظہار نہیں کیا گیا۔ پَولُس کا نُکتہ یہ ہے کہ آدم کا گناہ "نمائندہ فعل" ہے اور محسُوب یہ کیا جاتا ہے کہ اُس میں اُس کی کُل نسل نے گناہ کیا ہے۔

کوئی شخص اِعتراض اُٹھا سکتا ہے کہ پہلا گناہ آدم نے نہیں حوّا نے کیا تھا۔ بالکُل دُرست۔ لیکن چونکہ آدم کو پہلے خلق کیا گیا تھا، اِس لئے سرداری اُس کو دی گئی تھی۔ چُنانچہ مانا جاتا ہے کہ اُسی نے اپنی کُل نسل کے لئے فعل کیا۔

جب یہاں پَولُس رسُول کہتا ہے کہ "مَوت سب آدمیوں میں پھیل گئی" تو اُس کی مُراد "جسمانی مَوت" سے ہے حالانکہ آدم کا گناہ رُوحانی مَوت بھی لایا (آیات ۱۳، ۱۴ اظاہر کرتی ہیں کہ یہاں جسمانی مَوت مُراد ہے)۔

کلام کے اِس حصے کو پڑھتے ہُوئے کئی سُوال اُبھرتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے کہ آدم کے گناہ

کرنے کے باعث اُس کی کُل نسل کو گنہگار قرار دیا جائے؟ کیا خُدا اِنسانوں کو اِس لئے مُجرم ٹھہراتا ہے کہ وُہ گنہگار پیدا ہُوئے یا صِرف اُن گناہوں کی وجہ سے جو اُنھوں نے واقعی خُود کئے؟ اگر اِنسان گناہ آلُودہ فطرت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور وُہ اِس لئے گناہ کرتے ہیں کہ گنہگار پیدا ہوتے ہیں تو خُدا اُن کو اُن کے اعمال کا کِس طرح ذِمّہ دار ٹھہرا سکتا ہے؟

بائبل مُقدّس کے عُلما اِن سوالوں اور اِن کے عِلاوہ اسی قِسم کے کئی مسائل پر زبردست غور و خوض کرتے رہے ہیں اور وُہ مُتعدد حیرت افزا نتائج پر پہنچے ہیں۔ تاہم کچھ ایسے حقائق ہیں جن کے بارے میں ہم یقینی بات کر سکتے ہیں۔

اوّل۔ بائبل مُقدّس واقعی یہ تعلیم دیتی ہے کہ سارے اِنسان فطرتاً اور فعلاً گنہگار ہیں۔ اِنسانی والدین سے پیدا ہونے والے ہر فرد کو آدمؔ کا گناہ وِرثے میں مِلا اور وُہ اپنے اِرادہ سے بھی گناہ کرتا ہے۔

دوم۔ ہم جانتے ہیں کہ گناہ کی مزدُوری مَوت ہے۔ ایک تو جسمانی مَوت ہے، دُوسری خُدا سے ابدی جُدائی ہے۔

لیکن کِسی فرد کو گناہ کی سزا بُھگتنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ خُدا نے بہت بڑی قیمت ادا کی۔ اُس نے اپنے بیٹے کو بھیجا تاکہ گنہگاروں کے عِوضی کے طور پر مَرے۔ گناہ اور اُس کی مزدُوری سے نجات خُداوند یسُوعؔ مسیح پر ایمان لانے سے مُفت بخشش کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

آدمی کو تِین بُنیادوں پر مُجرم ٹھہرایا جاتا ہے۔(۱) وُہ گناہ آلُودہ فِطرت رکھتا ہے، (۲) آدمؔ کا گناہ اُس کا گناہ شمار کیا جاتا ہے (۳) اور وُہ فعلاً گنہگار ہے۔ لیکن اُس کا سب سے بڑا قصُور یہ ہے کہ وُہ اُس اِنتظام کو ردّ کرتا ہے جو خُدا نے اُس کی نجات کے لئے مُہیّا کیا ہے (یُوحنّا ۳: ۱۸، ۱۹، ۳۶)۔

لیکن کوئی پُوچھ سکتا ہے کہ "اُن لوگوں کا کیا بنے گا جنھوں نے اِنجیل کی خوشخبری کبھی سُنی ہی نہیں"؟ اِس سُوال کا جُزوی جواب تو باب ۱ میں دیا گیا ہے۔ اِس سے آگے ہم یقین رکھ سکتے ہیں کہ دُنیا کا اِنصاف کرنے والا اِنصاف کرے گا (پیدائش ۱۸: ۲۵)۔ وُہ کبھی بے اِنصافی نہیں کر سکتا۔ اُس کے فیصلے اِنصاف اور راست بازی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض صُورتِ حال ہماری ناقص عقلوں کے لئے مسائل نظر آتی ہیں لیکن خُدا کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہوتیں۔ جب آخری مُقدمہ سُنایا جا چُکے گا اور کمرۂ عدالت کے دروازے بند ہو جائیں گے تو کِسی کے پاس کوئی قانُونی بُنیاد نہیں ہو گی کہ فیصلے کے خلاف اپیل کر سکے۔

۵: ۱۳- اَب پَولُسؔ ثابت کرے گا کہ آدمؔ کے گناہ نے ساری نسلِ اِنسانی پر تاثیر کی ہے۔ پہلے تو رسُول یہ وضاحت کرتا ہے کہ آدمؔ کے زمانے سے لے کر کوہِ سِینا پر "شریعت" کے دِئے جانے کے

زمانے تک گناہ دُنیا میں موجود تھا۔لیکن اِس سارے زمانے میں خُدا کا کوئی واضح قانون (شریعت) موجود نہ تھا۔آدم کو خُدا سے بالکل واضح زبانی حکم مِلا تھا۔اور کئی صدیوں بعد دس حکم خُدا کی شریعت کا واضح تحریری مکاشفہ تھے۔ لیکن درمیانی عرصے میں انسان کے پاس خُدا کا کوئی قانونی ضابطہ نہیں تھا۔اس لئے اگرچہ اِس عرصے کے دوران میں "گناہ" موجود تو تھا لیکن عدولِ حکمی نہیں تھی کیونکہ عدولِ حکمی تو معلومہ حکم کی خلاف ورزی سے ہوتی ہے ۔لیکن "جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا"۔ یعنی جب تک منع کرنے اور روکنے کے لئے شریعت (حکم) موجود نہ ہو تب تک گناہ "عدولِ حکمی" شمار نہیں ہوتا۔

۵: ۱۴ - لیکن جس زمانے کے دوران شریعت موجود نہ تھی "موت" معطل تو نہیں رہی ۔سوائے ایک شخص حنوک کے "موت" ساری نسل کو اپنی لپیٹ میں لئے رہی ۔آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ لوگ اِس لئے مَرے کہ آدم کی طرح اُنہوں نے خُدا کے واضح حکم کی نافرمانی کی تھی ۔ پھر وہ کیوں مَرے ؟ جواب اس بات میں مضمر ہے۔ وہ اِس لئے مَرے کہ اُنہوں نے آدم میں گناہ کیا تھا۔ اگر یہ بات ناواجب لگتی ہے تو یاد رکھیں کہ اِس کا نجات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ۔جتنے خُداوند پر ایمان لائے انہوں نے اَبدی نجات پائی ۔لیکن جسمانی موت تو وہ بھی مر گئے۔ اور وجہ یہ تھی کہ اُنہوں نے اپنے سردار آدم میں گناہ کیا تھا ۔ آدم "آنے والے کا مثیل تھا"۔ اور آنے والا تھا خُداوند یسوع مسیح ۔ اگلی آیات میں پولس اِن دو "سرداروں" کے موضوع پر مفصل بحث کرے گا ۔لیکن یہ بیان مشابہات کی بُنیاد پر نہیں بلکہ تقابل کی بُنیاد پر ہو گا۔ وہ ثابت کرے گا کہ آدم کی نسل نے آدم میں کھویا کم اور مسیح میں پایا زیادہ ہے۔

۵: ۱۵ - پہلا تقابل یہ ہے کہ آدم نے "قصور" کیا اور مسیح میں "بخشش" پیدا ہوئی ۔ پہلے آدم کے قصور یا عدولِ حکمی سے "بہت سے آدمی مَر گئے"۔ مُراد ہے پوری نسلِ انسانی ۔یہاں موت سے مُراد جسمانی اور رُوحانی دونوں موتیں ہیں "بخشش ۔۔۔ بہت سے آدمیوں پر ۔۔۔ اِفراط سے نازل ہوئی"۔ بخشش یہ ہے کہ "خُدا کا فضل" گنہگاروں کی نسل پر اِفراط سے ہوا ۔ اور یہ "ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے" ممکن ہوا۔ یہ اُس کا حیرت افزا فضل ہے کہ وہ اپنی باغی مخلوق کے لئے ہوا ۔ اُس کی قربانی کی موت کے وسیلے سے بہتوں کو اَبدی زندگی کی نعمت پیش کی جاتی ہے۔

اِس آیت میں "بہت سے" دو دفعہ اِستعمال ہوا ۔ مگر اِن کا تعلق الگ الگ لوگوں سے ہے۔ پہلے "بہت سے" میں وہ سب شامل ہیں جو آدم کی عدولِ حکمی یا قصور کے نتیجہ میں "مَر گئے"۔ دُوسرے "بہت سے" سے مُراد وہ سب ہیں جو نئی مخلوق بنے اور اُن کا سر (سردار) مسیح ہے ۔اِن میں صرف وہی شامل ہیں جن پر خُدا کا فضل "اِفراط سے" نازل ہوا ، یعنی سچے ایمان دار لوگ ۔ خُدا کا رحم تو سب پر برستا

ہے لیکن اُس کا فضل صرف اُن کے حصّے میں آتا ہے جو مُنجّی کا یقین کرتے ہیں۔

۵:۱۶- آدم کے گُناہ اور مسیح کی "بخشش" میں ایک اَور اہم تقابُل بھی پایا جاتا ہے۔ آدم کے ایک "گُناہ" کے سبب سے اٹل "غضب" نازل ہُوا "جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا"۔ دُوسری طرف مسیح کی "بخشش" نے صرف ایک نہیں بلکہ "بہتیرے قصُوروں" کا مُعاملہ صاف کر دیا جس کا نتیجہ بریت کا حُکم تھا۔ پولُس رسُول آدم کے گناہ اور مسیح کی بخشش میں جو فرق ہیں اُن کو نمایاں کرتا ہے۔ ایک گناہ نے ہولناک تباہی مچا دی، اور بہت سے گناہوں سے زبردست خلاصی پیدا ہُوئی۔ اِن دونوں باتوں کے فرق کو بھی واضح کرتا ہے۔ اور آخر میں "سزا" کے حکم اور "راستباز" ٹھہرائے جانے کے حُکم کے فرق کو بھی واضح کرتا ہے۔

۵:۱۷- "ایک شخص کے قصُور کے سبب سے مَوت نے" ایک بے رحم ظالم کی طرح "بادشاہی کی"۔ لیکن فضل سے بھرپُور "راست بازی کی بخشش" سے جو کہ بے اِنتہا فضل سے عطا ہُوئی، سارے ایمان دار "ایک شخص یعنی یسُوع مسیح کے وسیلہ سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرُور ہی بادشاہی کریں گے"۔

یہ کیسا فضل ہے! موت ہم پر کیسی بے رحم بادشاہ کی طرح بادشاہت کر رہی تھی، اِس فضل سے ہم کو نہ صرف مَوت کی اِس حُکمرانی سے خلاصی مِلی ہے بلکہ ہم بادشاہوں کی طرح بادشاہی کرتے ہیں۔ اب اور اَبد تک زندگی سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ کیا ہم اِس بات کو واقعی سمجھتے اور اِس کی قدر کرتے ہیں؟ کیا ہم آسمان کے شاہی افراد کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں یا کیا ہم دُنیا کے گندگی کے ڈھیروں پر رینگتے پھرتے ہیں؟

۵:۱۸- آدم کے "قصُور" کے سبب سے "سب آدمیوں کی سزا کا حُکم" ہُوا۔ لیکن مسیح کے "راست بازی کے ... کام" کے نتیجہ میں "سب آدمیوں کو زندگی پانے کے لئے "راست باز ٹھہرایا گیا"۔ یہ "راست بازی کا کام" نہ تو مُنجّی کی زندگی تھی نہ یہ حقیقت کہ اُس نے شریعت کو پُورا کیا بلکہ یہ کہ وہ کلوری پر عِوضی موت مرا۔ اور اِس کام سے زندگی پانے کے لئے راست باز ٹھہرائے جانے کی نعمت پیدا ہُوئی اور یہ نعمت "سب آدمیوں" کو مِلی۔

یہاں دو "سب" اِستعمال ہُوئے ہیں۔ لیکن اِن کا تعلق ایک ہی لوگوں سے نہیں ہے۔ پہلے "سب" کا مطلب ہے وہ "سب" جو آدم میں ہیں۔ دُوسرے "سب" کا مطلب ہے وہ "سب" جو مسیح میں ہیں۔ یہ بات گزشتہ آیت کے الفاظ سے بھی واضح ہوتی ہے جہاں اُن "آدمیوں" کا ذکر ہے جن کو "فضل اور راستبازی کی بخشش افراط سے حاصل" ہُوئی۔ "زندگی پانے کے لئے راستباز ٹھہرایا جانا" صرف اُن کے لئے ہے جو خُداوند پر ایمان لاتے ہیں۔

۵:۱۹- خُداوند نے ایک حُکم دیا تھا مگر آدم نے اُس حکم کی نافرمانی کی۔ "جس طرح" آدم کی "نافرمانی

سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے، اُسی طرح" مسیح کی" فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہریں گے"۔

یہاں "بہت سے" سے مُراد وُہ سب ہیں جو اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسیح کی فرمانبرداری اُس کو صلیب تک لے گئی جہاں اُس نے ہمارے گناہ اُٹھا لئے۔

نجاتِ عامہ کے[۱] عقیدہ کے حامی لوگ اِن آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آخر کار تمام اِنسان نجات پا جائیں گے۔ لیکن ایسی کوشش کرنا عبث اور لاحاصل ہے۔ کلام کا یہ حِصّہ دُو سرداریوں پر بحث کرتا ہے۔ اور یہ بات بالکل صاف ہے کہ جس طرح آدم کا گناہ اُن سب پر اثر کرتا ہے جو "اُس میں" ہیں اُسی طرح مسیح کا راستبازی کا کام صِرف اُن کو فائدہ پہنچاتا ہے جو "مسیح میں" ہیں۔

۵: ۲۰۔ جو کُچھ پَولُس کہہ رہا ہے اُس سے یہودی مُعترض کو سخت دھچکا لگا کیونکہ یہودی سمجھتے ہیں کہ سب کُچھ شریعت کے گرد گھومتا ہے۔ اب اِس مُعترض کو بتایا جاتا ہے کہ گناہ اور نجات کا مرکز شریعت نہیں بلکہ دُو شخصیات ہیں۔ اِس صُورتِ حال میں یہ مُعترض یہ سُوال اُٹھاتا ہے کہ "پھر شریعت کیوں دی گئی؟" رسُول جواب دیتا ہے کہ "بیچ میں شریعت آموجُود ہُوئی تاکہ قصُور زیادہ ہو جائے"۔ شریعت نے گناہ کو شرُوع نہیں کیا بلکہ ظاہر کیا کہ گناہ خُدا کے خِلاف "قصُور" یا حُکم عدُولی ہے۔ شریعت گناہ سے بچاتی نہیں بلکہ گناہ اور اِس کے گھنونے پن اور ہولناکی کو ظاہر کرتی ہے۔

لیکن خُدا کا فضل اِنسان کے سارے گناہ سے زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ "جہاں گناہ زیادہ ہُوا وہاں" کلوری پر خُدا "کا فضل اِس سے بھی نہایت زیادہ ہُوا"۔

۵: ۲۱۔ چونکہ اب گناہ کا راج اور نتیجہ" سارے اِنسانوں پر مَوت وارِد کرنا ختم ہو چُکا ہے اِس لئے "فضل ... ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کے وسیلہ سے ہمیشہ کی زندگی کے لئے راستبازی کے ذریعہ سے بادشاہی" کرتا ہے۔ غور کریں کہ فضل "راستبازی کے ذریعہ سے بادشاہی" کرتا ہے۔ خُدا کی پاکیزگی کے تمام تقاضوں کی تسکین ہو چُکی ہے۔ اور شریعت کی سزا (جرمانہ) ادا ہو چُکی ہے۔ اِس لئے اب خُدا اُن سب کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر سکتا ہے جو اپنے عوضی "مسیح" کا سہارا لے کر اُس کے پاس آتے ہیں۔

یہ سُوال اکثر پُوچھا جاتا ہے کہ "خُدا نے گناہ کو دُنیا میں کیوں داخِل ہونے دیا؟" مندرجۂ بالا آیات میں اِس سُوال کا جُزوی جواب مِلتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اگر گناہ دُنیا میں داخِل نہ ہوتا تو خُدا کو اِتنا جلال نہ مِلتا اور اِنسان کو اِتنی برکت نہ مِلتی جو مسیح کی قُربانی کے وسیلہ سے مِلی ہے۔ مسیح میں ہماری حیثیت اُس حالت سے کہیں بہتر

---

[۱] یہ تعلیم کہ بِالآخر سارے اِنسان نجات پا جائیں گے۔

ہے جو اُس صُورت میں ہوتی اگر آدمؔ گناہ میں نہ گرِتا۔ اگر آدمؔ گناہ نہ کرتا تو اِس زمین پر باغِ عدن میں مُسلسل زندگی کا لُطف اُٹھاتا رہتا۔ مگر کوئی موقع نہ ہوتا کہ وُہ خدا کا مخلصی یافتہ فرزند، خُدا کا وارِث اور مسیح یسوعؔ کا ہم میراث بن سکتا۔ اُس کو کوئی اُمید نہ ہوتی کہ آسمان میں گھر ملے گا، یا مسیح کے مشابہ ہوگا اور ہمیشہ اُس کے ساتھ رہے گا۔ یہ برکات صرف "ہمارے خُداوند یسوعؔ مسیح" کے کفّارہ کے "وسیلہ" سے ملتی ہیں۔

ح۔ پاکیزہ زِندگی بسر کرنے کے لئے انجیل کا راستہ (باب ۶)

باب ۵ کے اِختتام پر پَولُسؔ نے بیان کیا کہ فضل اِنسان کے تمام گُناہوں سے بھی زیادہ ہُوا۔ پَولُسؔ کا یہ بیان ایک اَور سُوال پیدا کرتا ہے۔ اور یہ سُوال ہے بھی بہُت اہم۔ "کیا ایمان کے وسیلہ فضل سے نجات کی تعلیم گُناہ آلُودہ زِندگی بسر کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی"؟

اِس کا جواب واضح اِنکار کی صُورت میں ہے جو باب ۶ تا ۸ پر پھیلا ہُوا ہے۔ باب ۶ میں یہ جواب تین کلیدی الفاظ کے گِرد گھومتا ہے (۱) جاننا۔ ہم جانتے ہیں (آیات ۳، ۶) ۔ (۲) سمجھنا۔ شُمار کرنا (آیت ۱۱) اور (۳) حوالہ کرنا (آیت ۱۳)۔

اگر ہم ایمان دار کے مقام (حیثیت) اور اُس کے عملی کِردار کے درمیان فرق کو سمجھ لیں تو اِس باب میں پَولُسؔ کے دلائل کو سمجھنا بہُت آسان ہو جائے گا۔ ایماندار کا "مقام" مسیح میں اُس کی حیثیت ہے۔ اور عملی کردار سے مُراد وُہ اعمال یا کام ہیں جو وُہ روزمرّہ کی زِندگی میں کرتا ہے۔

فضل ہم کو وُہ مقام عطا کرتا ہے اور پھر ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ اِس کے لائق چال چلیں۔ ہمارا مقام (حیثیت) بالکل کامل ہے کیونکہ ہم "مسیح میں" ہیں۔ چاہیئے کہ ہمارا عملی کردار بھی روز افزوں اِس مقام کے مُطابق ہوتا جائے۔ یہ کامل طور سے تو اِس کے مُطابق نہیں ہوگا تاوقتیکہ ہم آسمان میں مُنجّی کو نہ دیکھیں گے لیکن ضرُور ہے کہ اِس دَوران میں ہم زیادہ سے زیادہ اُس کے قد کے پُورے اندازہ تک پُہنچتے جائیں یعنی مسیح کی مانند بنتے جائیں۔

پَولُسؔ رسُول پہلے تو یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ ہم مَوت اور جی اُٹھنے میں مسیح کے مشابہ ہیں۔ پھر نصیحت کرتا ہے کہ ہم اِس عظیم سچّائی کی روشنی میں زِندگی گُزاریں۔

۶: ۱۔ اب یہُودی مُعترض اپنے خیال میں ایک بہُت ہی زور دار دلیل پیش کرتا ہے۔ اگر فضل کی خُوشخبری یہ تعلیم دیتی ہے کہ اِنسان کا گُناہ خُدا کے زیادہ سے زیادہ فضل کے مظاہرے کا موقع فراہم کرتا ہے تو کیا اِس طرح یہ حوصلہ افزائی نہیں ملتی کہ ہم "گُناہ کرتے رہیں تاکہ فضل زیادہ ہو"؟

اِس دلیل کی ایک جدید شکل یُوں ہوگی "آپ کہتے ہیں کہ لوگوں کو شریعت کے بغیر ایمان کے وسیلے سے فضل سے نجات ملتی ہے - اگر نجات پانے کے لئے آپ کو صرف ایمان ہی لانا ہے تو آپ جا کر گُناہ میں زندگی گزار سکتے ہیں"- اِس دلیل کے مُطابق پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے فضل کافی تحریک نہیں ہے - ضرور ہے کہ آپ لوگوں کو شریعت کی قیود میں رکھیں -

اِس باب میں اِس بُنیادی سوال کے چار جواب موجود ہیں کہ "کیا گُناہ کرتے رہیں؟"

۱- آپ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ آپ مسیح کے ساتھ جُڑے ہُوئے (ایک) ہیں (آیات ۱-۱۱)-

۲- آپ کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ فضل نے گُناہ کی بالادستی یا گُناہ کا اِختیار توڑ دیا ہے (آیات ۱۲-۱۴)-

۳- آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اِس طرح گُناہ دوبارہ آپ کی زندگی میں آ کر آقا بن جائے گا (آیات ۱۵-۱۹)-

۴- بہتر ہے کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ اِس کا انجام تباہی ہوگا (آیات ۲۰-۲۳)-

۶: ۲- پَولُس کا پہلا جواب یہ ہے کہ نامُمکن ہے کہ ہم گُناہ کرتے رہیں کیونکہ "ہم گُناہ کے اعتبار سے مَر گئے" ہیں - یہ ہماری حیثیت کی سچائی ہے - جب مسیح گُناہ کے اِعتبار سے مَر گیا تو وُہ ہمارے نمائندہ کی حیثیت میں مُؤا- وُہ صِرف ہمارا عوضی ہونے کی حیثیت میں نہیں مُؤا- یعنی صِرف ہماری "خاطر" یا ہماری "جگہ" نہیں مُؤا بلکہ ہمارا "نمائندہ" ہونے کی حیثیت میں بھی مُؤا- گویا ہم مَر گئے- اِس لئے جب وُہ مُؤا تو ہم مَر گئے- وہ گُناہ کے سارے سُوال کے جواب میں مُؤا اور اِس مسئلے کا ایک ہی دفعہ ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا- وُہ سب جو مسیح میں ہیں، خُدا اُن کو ایسے دیکھتا ہے کہ وُہ گُناہ کے اعتبار سے مَر گئے ہیں -اِس کا مطلب یہ نہیں کہ اِیمان دار بے گُناہ ہے - اِس کا مطلب ہے کہ وُہ مَوت میں مسیح کے مُشابہ ٹھہرتا ہے اور اُن ساری باتوں میں بھی مسیح کے مُشابہ ہے جو اُس کی مَوت سے عِلاقہ رکھتی ہیں -

۶: ۳- پَولُس کے بیان میں پہلا کلیدی لفظ "جاننا" ہے -یہاں وُہ ثابت کرتا ہے کہ ایمان داروں کے لئے گُناہ کرتے رہنا اُن کی حیثیت کے خِلاف ہے -اِس مقصد کے لئے وُہ بپتسمہ کا موضوع مُتعارف کراتا ہے -لیکن فوراً یہ سُوال پیدا ہوتا ہے کہ "وُہ کون سے بپتسمہ کی بات کر رہا ہے؟" چنانچہ چند وضاحتی الفاظ ضروری ہیں-

جب کوئی شخص نجات پاتا ہے وُہ "مسیح یسُوع میں شامِل ہونے کا بپتسمہ" لیتا ہے - مُراد یہ ہے کہ وُہ مسیح کی "مَوت" اور جی اُٹھنے میں اُس کے مُشابہ ٹھہرتا ہے - یہ بپتسمہ رُوح کے (یا رُوح میں)

بپتسمہ سے بالکل فرق ہے۔ مؤخر الذکر بپتسمہ ایمان دار کو مسیح کے بدن میں شامل کرتا ہے (۱۔کرنتھیوں ۱۲: ۱۳)۔ یہ "موت" میں "شامل ہونے کا بپتسمہ نہیں ہے۔ "مسیح یسوع میں شامل" ہونے کے بپتسمہ کا مطلب ہے کہ خدا کے حساب میں ایمان دار مسیح کے ساتھ مر گیا اور اُس کے ساتھ جی اُٹھا ہے۔

جب یہاں پولس بپتسمہ کی بات کرتا ہے تو دو باتوں کا تصور پیش کرتا ہے یعنی مسیح کے ساتھ رُوحانی مشابہت اور پانی کے بپتسمہ سے اِس کا اِظہار کرنا۔ لیکن دلیل آگے بڑھتی ہے تو لگتا ہے کہ پولس ایک خاص انداز میں پانی کے بپتسمہ پر زیادہ زور دے رہا ہے کیونکہ وہ اپنے قارئین کو یاد دِلاتا ہے کہ مسیح کی موت کی مُشابہت کے بپتسمہ میں شامل ہونے کے وسیلہ سے وہ کِس طرح "دفن ہوئے" اور "پیوستہ ہوئے"۔

نیا عہدنامہ کسی غیر بپتسمہ یافتہ ایمان دار کی غیر معمولی حالت پر کبھی غور نہیں کرتا۔ وہ فرض کر لیتا ہے کہ جتنے ایمان لاتے ہیں وہ فوراً بپتسمہ لیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا خداوند ایک سانس میں ایمان اور بپتسمہ کی بات کر سکتا تھا۔ "جو ایمان لائے اور بپتسمہ لے وہ نجات پائے گا" (مرقس ۱۶: ۱۶)۔ اگرچہ بپتسمہ نجات کی شرط نہیں ہے، لیکن اِس کا ہمیشہ اور غیر متبدل علانیہ نشان ضرور ہے۔

۶: ۴۔ پانی کا "بپتسمہ" مسیح میں "بپتسمہ" کا دیدنی منظر ہے۔ یہ تصویر پیش کرتا ہے کہ ایمان دار موت کے تاریک پانیوں میں (خداوند یسوع کی شخصیت میں) ڈوب گیا ہے۔ اور پھر تصویر پیش کرتا ہے کہ مسیح میں نیا اِنسان (نیا مخلوق) جی اُٹھا ہے تاکہ نئی زِندگی میں چلے۔ ایک مفہوم میں بپتسمہ کے وقت ایمان دار اپنی پُرانی اِنسانیت کے جنازہ میں شریک ہوتا ہے۔ پانی کے اندر جاتے ہُوئے وہ کہتا ہے "آدم کا گناہ آلودہ فرزند ہونے کی حیثیت میں مَیں جو کچھ بھی تھا وہ صلیب پر مر گیا" اور پانی سے باہر آتے ہُوئے وہ کہتا ہے "اب مَیں زِندہ نہ رہا بلکہ مسیح مجھ میں زِندہ ہے" (گلتیوں ۲: ۲۰)۔

اِس حوالہ کو اُس وقت تک صحیح طور سے سمجھا نہیں جا سکتا جب تک یہ بات ذہن میں نہ رکھیں کہ اِبتدائی بپتسمہ غوطہ سے ہوتا تھا۔

اب رسُول یہ بیان کرتا ہے کہ مسیح کی قیامت نے ممکن کر دیا ہے کہ "ہم نئی زِندگی میں چلیں"۔ وہ کہتا ہے کہ "مسیح باپ کے جلال کے وسیلہ سے مُردوں میں سے جلایا گیا"۔ اِس کا مطلب صِرف یہ ہے کہ خُدا کی ہر کاملیت مثلاً راست بازی، محبت، عدل وغیرہ ——— مطالبہ کرتی تھی کہ وہ مسیح کو جلائے۔ نجات دہندہ کی ذات کی فضیلت کے پیشِ نظر یہ بات خدا کی سرشت کے خِلاف ہوتی کہ مُنجی قبر میں رہے۔ خُدا نے اُسے جلایا۔ اور چونکہ ہم مسیح کی قیامت میں اُس کے مُشابہ ہیں اِس لئے ضرور ہے کہ ہم "نئی زِندگی میں چلیں"۔ اور چل سکتے ہیں۔

۶: ۵ - جس طرح ہم "مسیح کی موت کی مشابہت سے اُس کے ساتھ پیوستہ ہو گئے" ہیں تو یہ بات یقینی ہے کہ اُسی طرح "اُس کے جی اُٹھنے کی مشابہت سے بھی اُس کے ساتھ پیوستہ ہوں گے"۔ یہ الفاظ کہ "موت کی مشابہت" ایمان دار کے پانی کے نیچے جانے کا بیان کرتے ہیں۔ موت میں مسیح کے ساتھ پیوستہ ہوتے کا عمل واقعی تو تقریباً دو ہزار سال بیشتر ہوا تھا۔ لیکن بپتسمہ اُس عمل کی "مشابہت" ہے جو اُس وقت ہوا تھا۔

ہم پانی میں اُتر ہی نہیں جاتے، بلکہ پانی سے نکل کر اُوپر بھی آتے ہیں۔ یہ "اُس کے جی اُٹھنے کی مشابہت" ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ آیت کے دوسرے حصے میں "مشابہت" کا لفظ اصل متن کا حصہ نہیں ہے۔ مگر مطلب کو واضح کرنے کے لئے اِس کا اضافہ ضروری ہے (ترجمہ کرتے ہوئے کبھی کبھی ایسا کرنا پڑتا ہے)۔

جس طرح ہم "مسیح کی موت کی مشابہت" (پانی میں اُتر جانا) "سے اُس کے ساتھ پیوستہ ہو گئے" ہیں، اُسی طرح "اُس کے جی اُٹھنے کی مشابہت" (پانی سے باہر نکالا جانا) "میں بھی اُس کے ساتھ پیوستہ" ہیں۔ "ہوں گے" کے الفاظ صرف مستقبل ہی کو ظاہر نہیں کرتے۔ ہوج کہتا ہے کہ

> "ذکر اِس بات کا نہیں جو ابھی بعد میں ہونی ہے، بلکہ ایک تواتر کا یقین ہے۔ اگر ایک بات ہوتی ہے، تو دوسری یقیناً ہو گی"۔

۶: ۶ - بپتسمہ میں ہم اقرار کرتے ہیں کہ "ہماری پُرانی اِنسانیت اُس (مسیح) کے ساتھ مصلوب" ہو گئی۔ "پُرانی اِنسانیت" میں وہ سب کچھ شامل ہے جو ہم آدم کے فرزند ہونے کی حیثیت سے تھے۔ شریر، نئی پیدائش سے بے بہرہ، اپنی پُرانی عادات اور حریص خواہشات کے بندے —— تبدیلی کے وقت یعنی ایمان لاتے وقت ہم اپنی "پُرانی اِنسانیت" کو اُتار ڈالتے اور نئی اِنسانیت کو پہن لیتے ہیں۔ بالکل جیسے گندے کپڑوں کی جگہ بے داغ پوشاک پہنی جاتی ہے (کلسیوں ۳: ۹، ۱۰)۔

"پُرانی اِنسانیت" کے کلوری پر مصلوب ہونے کا مطلب ہے کہ "گناہ کا بدن" اپنی قدرت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ "گناہ کا بدن" سے مراد گوشت پوست کا بدن نہیں بلکہ وہ گناہ ہے جو ہمارے اندر سکونت کرتا ہے اور جس کو ایک ظالم حاکم کہا گیا ہے جو ہم پر حکمرانی کرتا ہے۔ اب یہ گناہ کا بدن "بے کار" ہو گیا۔ یعنی رد یا منسوخ ہو گیا۔ اب وہ کنٹرول کرنے والی قوت کے طور پر کام نہیں کر سکتا۔ آخری جملہ اِسی مفہوم کو واضح کرتا ہے کہ "تاکہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں"۔ ہم پر گناہ کا ظلم و جبر توڑ دیا گیا ہے، یعنی ناکارہ کر دیا گیا ہے۔

۶: ۷ - "کیونکہ جو مؤا وہ گناہ سے بری ہوا"۔ مثال کے طور پر کوئی شخص ہے جس کو ایک پولیس

افسر کے قتل کرنے کے جرم میں سزائے موت ہو چکی ہے۔ جونہی وہ مرجاتا ہے وہ اِس گناہ سے بری (لغوی معنی۔ راست باز ٹھہرایا گیا) ہو جاتا ہے۔ سزا ادا ہو چکی ہے اور مقدمہ ختم ہو گیا ہے۔

اب ہم مسیح کے ساتھ کلوری کی صلیب پر مر گئے ہیں۔ نہ صرف ہماری سزا ادا ہو چکی ہے بلکہ ہماری زندگیوں پر گناہ کا جو پھندا تھا، وہ بھی ٹوٹ گیا ہے۔ اب ہم گناہ کے بے بس اور لاچار غلام نہیں رہے۔

۶: ۸- "ہم مسیح کے ساتھ موئے"۔ یہ سچائی کا صرف ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ "اُس کے ساتھ جئیں گے بھی"۔ ہم گناہ کے اعتبار سے مر گئے۔ راست بازی کے اعتبار سے جیتے ہیں۔ ہم پر گناہ کا جو اختیار، جو حکومت تھی، وہ پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ ہم ابھی اور اسی جگہ مسیح کی جی اُٹھی زندگی میں شریک ہیں اور تا ابد شریک رہیں گے۔ اُس کی حمد ہو!

۶: ۹- ہمارے یقین کی بنیاد اِس حقیقت پر ہے کہ جی اُٹھا مسیح دوبارہ نہیں مرنے کا۔ "موت کا پھر اُس پر اختیار نہیں ہونے کا"۔ تین[۳] دن اور رات تک موت کا اُس پر اختیار رہا، مگر اب وہ اختیار ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے۔ مسیح دوبارہ ہرگز نہیں مر سکتا!

۶: ۱۰- "کیونکہ مسیح جو مؤا، گناہ کے اعتبار سے ایک بار مؤا"۔ مسیح یسوع گناہ کا تقاضا پورا کرنے کے لئے، گناہ کی مزدوری ادا کرنے کے لئے، گناہ کا دعویٰ پورا کرنے کے لئے "مؤا"۔ اُس نے کام پورا کیا اور حساب کو ایسے پورے طور پر چکا دیا کہ اب کچھ باقی نہ رہا۔ اور "اب جو جیتا ہے تو خدا کے اعتبار سے جیتا ہے"۔ ایک مفہوم میں تو وہ ہمیشہ خدا کے اعتبار سے جیتا تھا۔ مگر اب وہ ایک نئے رشتہ میں "خدا کے اعتبار سے جیتا ہے"۔ یہ رشتہ جی اُٹھی ہستی کا رشتہ ہے۔ اور ایک نئے حلقے یا علاقے میں جیتا ہے جہاں گناہ کا کبھی گزر نہیں ہو سکتا۔ آگے بڑھنے سے پہلے آیئے ہم پہلی دس[۱۰] آیات پر دوبارہ نظر ڈالیں۔

اِس حوالہ کا عام موضوع ہے "تقدیس" یا مقدس/ پاک ٹھہرایا جانا۔ یہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے خدا کا راستہ ہے۔ جہاں تک خدا کے حضور ہمارے مقام (مرتبہ/ حیثیت) کا تعلق ہے تو ہم مسیح کے ساتھ مر گئے اور اُس کے ساتھ جِلائے گئے۔ بپتسمہ اِس حقیقت کی تصویر پیش کرتا ہے۔ مسیح میں ہماری موت سے ہماری وہ تاریخ ختم ہو جاتی ہے جو ہمارے آدم میں ہونے کے باعث ہے۔ ہماری پرانی انسانیت کے لئے خدا کا حکم موت تھا، اصلاح نہیں تھا۔ جب ہم مسیح میں مر گئے تو یہ حکم پورا ہو گیا، یعنی اِس پر عمل درآمد ہو گیا۔ اب ہم مسیح میں جی اُٹھے ہیں تاکہ نئی زندگی میں چلیں (لفظی ترجمہ۔ زندگی کے نئے پن میں چلیں)۔ ہم پر گناہ کے جبر اور ظلم کا خاتمہ کر دیا گیا ہے کیونکہ گناہ کسی مردہ شخص کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب ہم آزاد ہیں کہ خدا کے اعتبار سے جئیں۔

۶: ۱۱ - پولُس نے وُہ بات بیان کر دی ہے جو ہماری حیثیت (مرتبہ/مقام) کے لحاظ سے دُرست اور سچ ہے - اب وُہ ہماری زندگی میں اِس سچائی کے اعلیٰ اور عملی کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے - ہم کو "اپنے آپ کو گُناہ کے اعتبار سے مُردہ مگر خُدا کے اعتبار سے مسیح یسوع میں زندہ" سمجھنا ہے یا "شمار کرنا" ہے -

یہاں "سمجھو" کا مطلب ہے کہ جو کچھ خُدا ہمارے بارے میں کہتا ہے اُس کو سچ ماننا اور اِس سچائی کی روشنی میں زندگی گزارنا - یا اِس روشنی کے مُطابق جینا -

اپنے آپ کو "گُناہ کے اعتبار سے مُردہ" اُس وقت سمجھتے ہیں جب آزمائش کو وُہی جواب دیتے ہیں جو ایک مُردہ شخص دیتا ہے - ایک دن اوگسطین سے ایک عورت مُخاطب ہُوئی - وُہ اوگسطین کی تبدیلی سے پہلے اُس کی داشتہ تھی - وُہ مڑا اور تیزی سے دُوسری طرف کو ہو لیا - اُس عورت نے پیچھے سے پُکارا "اوگسطین یہ مَیں ہُوں، مَیں ہُوں" - اوگسطین نے رفتار تیز کر دی اور گردن گُھما کر زور سے کہنے لگا "ہاں مَیں پہچانتا ہُوں - لیکن اَب مَیں 'مَیں' نہیں رہا" - اُس کا مطلب یہ تھا کہ اَب مَیں "گُناہ کے اعتبار سے مُردہ" اور "خُدا کے اعتبار سے زندہ" ہُوں - مُردہ شخص کا بداخلاقی، جُھوٹ، فریب، بدگوئی اور کسی دُوسرے گُناہ سے کُچھ واسطہ نہیں ہوتا -

اَب ہم "خُدا کے اعتبار سے مسیح یسوع میں زندہ" ہیں - اِس کا مطلب ہے اَب ہم پاکیزگی، پرستش، دُعا، خدمت اور پھل لانے کے لئے بُلائے گئے ہیں -

۶: ۱۲ - ہم نے ۶:۶ میں دیکھا کہ ہماری "پُرانی اِنسانیت" مصلوب ہُوئی تاکہ گُناہ ایک ظالم اور جابر حاکم کے طور پر ہم پر اِختیار نہ رکھے - اِس کو بالکل ختم کر دیا گیا تاکہ آگے کو ہم گُناہ کے بے بس غُلام نہ رہیں - جو بات ہماری حیثیت کے اعتبار سے سچ ہے، اب اُس کی بُنیاد پر عملی نصیحت پیش کی جاتی ہے کہ ہم "گُناہ" کو اپنے "فانی بدن میں بادشاہی نہ" کرنے دیں - یعنی اُس کی بُری خواہشات کو نہ مانیں - کلوری پر مَوت کے وسیلے سے گُناہ کی بادشاہی کا خاتمہ ہو گیا - اب ہم کو عملی طور سے بھی اِس بات کو دِکھانا ہے - ہمارے تعاوُن کی ضرُورت ہے - صِرف خُدا ہم کو پاک کر سکتا ہے - لیکن جب تک ہم بہ رضا و رغبت تعاوُن نہیں کریں گے وُہ ہمیں، پاک نہیں کر سکتا -

۶: ۱۳ - اب ہم اِس باب میں تیسرے کلیدی لفظ پر پہنچتے ہیں اور وُہ ہے "پیش کرنا"، "حوالہ کرنا" - ہم "اپنے اعضا ... گُناہ کے حوالہ نہ" کیا کریں تاکہ گُناہ اُن کو شرارت یا بدی کے ہتھیاروں کے طور پر استعمال نہ کرنے پائے - ہماری ذمّہ داری ہے کہ اپنے اَعضا "خُدا" کے کنٹرول میں دے دیں تاکہ یہ "راست بازی" کے لئے اِستعمال ہوں - آخر ہمیں مَوت سے نِکال کر زندگی میں داخل کیا گیا ہے اور جیسا

ہمیں ۶: ۴ میں یاد دِلایا گیا ہے، ضرور ہے کہ ہم نئی زندگی میں چلیں۔

۶: ۱۴- اب ایک اور سبب بتایا گیا ہے کہ کیوں ایمان دار پر "گناہ کا ... اِختیار" نہیں ہوگا۔ پہلا سبب یہ ہے کہ ہماری پرانی انسانیت مسیح کے ساتھ مصلوب ہو چکی ہے (۶: ۶)۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ہم "شریعت کے ماتحت نہیں بلکہ فضل کے ماتحت" ہیں۔

جو شخص شریعت کے ماتحت ہوتا ہے گناہ کا اُس پر ضرور اِختیار ہوتا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ شریعت اُس کو یہ تو بتاتی ہے کہ کیا کرنا ہے لیکن کرنے کی طاقت نہیں دیتی۔ اِنسان کی بگڑی ہوئی فطرت میں جو خواہشیں سوئی پڑی ہوتی ہیں شریعت اُن کو جھنجھوڑتی ہے کہ ممنوعہ کام کریں۔ یہ وہی پرانی کہاوت ہے کہ "ممنوعہ پھل میٹھا ہوتا ہے"۔

جو شخص فضل کے ماتحت ہے، "گناہ" کا اُس پر "اِختیار" نہیں ہوتا۔ ایمان دار گناہ کے اِعتبار سے مُردہ ہوتا ہے۔ اُس کے پاس پاک رُوح ہوتا ہے جو اُس کے اندر سکونت کرتا اور پاک زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ "مُنجی" کے لئے اُس کی محبت اُسے تحریک دیتی ہے۔ وہ سزا کے خوف سے نیکی نہیں کرتا بلکہ "مُنجی" کی محبت کے باعث کرتا ہے۔ "فضل" ہی وہ واحد چیز ہے جو واقعی پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ کوہِ سینا نہیں بلکہ کوہِ کلوری مُقدّسین پیدا کرتا ہے۔

۶: ۱۵- جو لوگ "فضل" سے خوف کھاتے ہیں، وہ اِصرار کرتے ہیں کہ فضل گناہ کرنے کا لائسنس دے دیتا ہے۔ پولس اِس غلطی کی سرکوبی کر دیتا ہے۔ پہلے تو وہ سوال پوچھتا ہے، پھر اُس کا جواب دیتا ہے۔ اُس کی بحث کا لُبِ لُباب یہ ہے کہ ہم شریعت سے آزاد تو ہیں لیکن بے شرع یعنی بے لگام نہیں۔ "فضل" کا مطلب ہے خُداوند کی خدمت کے لئے آزادی ——— اُس کے خِلاف گناہ کرنے کی آزادی نہیں۔

۶: ۱ میں سوال کیا گیا تھا کہ "کیا ہم گناہ کرتے رہیں؟" یہاں سوال یہ ہے کہ کیا ہم تھوڑا بہت "گناہ کریں؟" دونوں صورتوں میں دہشت آمیز جواب ہے کہ "ہرگز نہیں!" خُدا کسی گناہ سے ہرگز چشم پوشی نہیں کر سکتا۔

۶: ۱۶- یہ زندگی کی سیدھی سادی حقیقت ہے کہ جب ہم کسی شخص کو اپنا مالک مان لیتے ہیں اور اُس کے ماتحت ہو جاتے ہیں تو ہم اُس کے غلام بن جاتے ہیں۔ اِس طرح اگر ہم گناہ کی ماتحتی قبول کر لیتے ہیں تو گناہ کے "غلام" بن جاتے ہیں۔ اور اِس راہ کے اِختتام پر "موت" ہماری مُنتظر ہوتی ہے۔ دوسری طرف اگر ہم خُدا کی تابع داری کرنے پر کمربستہ ہوتے ہیں تو نتیجہ پاکیزہ زندگی ہوتا ہے ——— گناہ کے غلام احساسِ جُرم، خوف اور خواری کے بندھنوں میں جکڑے رہتے ہیں۔ لیکن خُدا کے بندے

آزاد ہوتے ہیں کہ جو کچھ نئی فطرت چاہتی ہے وہ کریں۔ چنانچہ جب آپ آزاد ہو سکتے ہیں تو غلام کیوں رہیں؟

۱۷:۶ "خدا کا شکر کرو کہ تم جو کسی وقت گناہ کے غلام تھے، تم نے مسیح کی تعلیم کے اثر کو دیانت داری سے قبول کر لیا جب اس سے روشناس ہوئے"۔ پولس زیرِ نظر خط میں روم کے مسیحیوں کو ساری باتوں کی "تعلیم" دیتا ہے۔ وہ "دل سے اُس تعلیم کے فرمانبردار ہو گئے"۔ اور یہی شکرگزاری کی بات ہے۔

۱۸:۶۔ صحیح تعلیم صحیح عمل تک لے جاتی ہے۔ روم کے مسیحی "گناہ سے آزاد ہو کر راست بازی کے غلام ہو گئے"۔ وہ اِس حقیقت کو پہچان گئے کہ گناہ ہمارا مالک نہیں رہا۔ "گناہ سے آزاد" کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کی فطرت گناہ آلودہ نہیں رہی۔ نہ یہ مطلب ہے کہ اب اُن سے بالکل گناہ نہیں ہوتے تھے۔ سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے کہ اب اُن کی زندگی میں گناہ کی قوت اور اختیار کا عمل دخل نہیں رہا۔ اور اِن ہی معنوں میں وہ "گناہ سے آزاد" ہیں۔

۱۹:۶۔ آیت ۱۸ میں رسول نے "راست بازی کے غلام" کی اِصطلاح استعمال کی ہے۔ مگر وہ محسوس کرتا ہے کہ جو راست بازی کی زندگی بسر کرتے ہیں دراصل وہ کسی بندھن میں نہیں ہوتے۔ "عملی راست بازی غلامی نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ اِنسانی لحاظ سے بات کریں (تو ایسا کہنا پڑتا ہے)"۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ گناہ کے غلام ہوتے ہیں۔ لیکن جن کو بیٹا آزاد کرتا ہے وہ واقعی آزاد ہوتے ہیں (یوحنا ۸: ۳۴، ۳۶)۔

پولس تشریح کرتا ہے کہ "غلام" اور مالک کی تشبیہ استعمال کرنے میں مَیں "اِنسانی طور پر کہتا ہوں"۔ یعنی وہ روزمرّہ زندگی سے ایک مانوس مثال پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے قارئین کی "اِنسانی کمزوری کے سبب سے" اِس انداز میں بات کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ سچائی کو عام الفاظ میں اِس لئے بیان کرتا ہے کہ اُن کو ذہنی اور روحانی طور سے سمجھنا مشکل لگتا ہے۔ سچائی کو سمجھانے کے لئے اکثر مثالیں دینی پڑتی ہیں۔

اِیمان لانے سے پہلے قارئین نے اپنے بدن ہر طرح کی "ناپاکی اور بدکاری کی غلامی" میں دے رکھے تھے۔ اب چاہئے کہ وہ اِن بدنوں کو "راستبازی کی غلامی کے حوالہ کریں" تاکہ اُن کی زندگیاں واقعی پاک ہوں۔

۲۰:۶۔ "جب" وہ "گناہ کے غلام تھے تو صرف ایک ہی آزادی سے واقف تھے یعنی "راست بازی کے اعتبار سے آزاد تھے"۔ کیسی مایوس کُن حالت تھی —— ہر بدی سے بندھے جکڑے ہوئے اور ہر نیکی سے "آزاد"!

۲۱:۶۔ پولس اُن کو (اور ہم کو) چیلنج کرتا ہے کہ ایک غیر نجات یافتہ زندگی کے پھلوں پر نظر کریں — اُن سرگرمیوں کے "پھل" جن سے اب ایمان دار "شرمندہ" ہیں۔ مارکس رینز فورڈ نے اِن پھلوں کی ایک مختصر فہرست مرتب کی ہے:

۱۔صلاحیتوں کا غلط اِستعمال ۲۔محبت اور اُلفت کو خاک میں ملانا ۳۔وقت کا ضیاع ۴۔اثر و رسوخ کا غلط اِستعمال ۵۔دِلی دوستوں سے بدسلوکی ۶۔اپنے بہترین مفادات کی خلاف ورزی ۷۔محبت خصوصاً خُدا کی محبت کی خلاف ورزی۔

"اُن کا انجام موت ہے"۔ اے۔ ٹی۔ پیئرسن لکھتا ہے کہ "ہر گناہ موت کی طرف مائل ہوتا ہے اور اگر گناہ میں ثابت قدم رہیں تو اپنے پھل اور نصب العین یعنی موت پر ختم ہوتا ہے"۔

۶: ۲۲۔ ایمان لانا انسان کے مقام کو بالکل بدل دیتا ہے۔ اب گناہ مالک نہیں۔ ایمان دار گناہ سے "آزاد" ہو جاتا ہے اور بہ رضا و رغبت "خُدا کا" غلام بن جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِس وقت پاک زندگی، اور سفر کے "انجام" پر "ہمیشہ کی زندگی" حاصل ہوتی ہے۔ بے شک ایمان دار کو اِس وقت بھی ابدی "زندگی" حاصل ہے، لیکن یہ آیت اِس زندگی کی "بھرپوری" کی طرف اِشارہ کرتی ہے جس میں جی اُٹھا جلالی بدن بھی شامل ہے۔

۶: ۲۳۔ رسول اِس سارے مضمون کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے واضح تقابل سامنے لاتا ہے۔

دو۲ مالک (آقا) "گناہ" اور "خُدا"۔

دو۲ طریقے "مزدوری" اور "بخشش"۔

دو۲ انجام "موت" اور "ہمیشہ کی زندگی"

غور کریں کہ ہمیشہ کی زندگی ایک شخص میں ہے۔ اور وہ شخص ہے "ہمارا خُداوند مسیح یسوع"۔ جتنے "یسوع میں" ہیں وہ سب "ہمیشہ کی زندگی" رکھتے ہیں۔ بس اِتنی بات ہے!

ط۔ ایمان دار کی زندگی میں شریعت کا مقام (باب ۷)

اب پولس ایک ایسے سوال کی پیش بندی کرتا ہے جو وہ جانتا ہے کہ ضرور اُٹھے گا۔ "ایک مسیحی کا شریعت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟" اِس سوال کا جواب دیتے ہوئے شاید پولس کے ذہن میں خصوصی طور پر اُس کے یہودی قارئین تھے۔ اِس لئے کہ شریعت بنی اِسرائیل کو دی گئی تھی۔ لیکن اِن اصولوں کا اِطلاق غیر قوم ایمان داروں پر بھی اُسی طرح ہوتا ہے۔ وہ راست باز ٹھہرائے جانے کے بعد بھی اپنے آپ کو شریعت کے ماتحت رکھنا اور اُسے زندگی کا ضابطہ ماننا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہ ہے حماقت۔

باب ۶ میں ہم نے دیکھا تھا کہ موت نے خُدا کے فرزند کی زندگی سے گناہ کی فطرت کے جَور و ستم کو ختم کر دیا۔ اِسی طرح اب یہاں دیکھیں گے کہ موت اُن پر سے شریعت کا اِختیار ختم کر دیتی ہے جو اُس کے ماتحت تھے۔

۷: ۱- یہ آیت ۶: ۱۴ سے مُنسلک ہوتی ہے۔ "تم شریعت کے ماتحت نہیں بلکہ فضل کے ماتحت ہو"۔ تعلق یہ ہے۔ "تم کو جاننا چاہئے کہ تم شریعت کے ماتحت نہیں ـــ یا کیا تم اِس حقیقت سے ناواقف ہو کہ "شریعت" کسی اِنسان پر اُسی وقت تک اِختیار رکھتی ہے" جب تک وُہ "جیتا ہے"؟ پَولُس اُن لوگوں سے مخاطب ہے جو شریعت کے بنیادی اُصُولوں کو جانتے ہیں اور جن کو جاننا چاہئے کہ "شریعت" کسی مُردہ اِنسان کو کُچھ نہیں کہہ سکتی۔

۷: ۲- اِس بات کی تشریح کرنے کے لئے پَولُس رسُول شادی کے بندھن کی مثال دیتا ہے۔ "عورت ... شریعت کے مُوافق اپنے شوہر کی زِندگی تک اُس کے بندمیں ہے۔ لیکن اگر شوہر مَر گیا تو وُہ شوہر کی شریعت سے چُھوٹ گئی"۔

۷: ۳- "اگر کوئی عورت اپنے "شوہر کے جیتے جی" کسی دُوسرے مَرد سے بیاہ کر لیتی ہے تو وُہ زِنا کی مُجرم ہے۔ "لیکن اگر شوہر مَر جائے تو وُہ ... آزاد ہے" کہ دوبارہ بیاہ کرے۔ اَب اُس کے فعل میں قُصُور کا سایہ تک نہ ہوگا۔

۷: ۴- اِس مثال کا اِطلاق کرتے ہُوئے ہم کو ایک ایک تفصیل کی لَفظی معنوں میں تشریح نہیں کرنی چاہیے کیونکہ نہ خاوند اور نہ بیوی شریعت کی نمائندگی کرتی ہے۔ اِس مثال میں نکتہ یہ ہے کہ جس طرح مَوت بیاہ کے تعلق کو توڑ دیتی ہے، اُسی طرح مسیح کے ساتھ ایمان دار کی مَوت اُس پر سے شریعت کے اِختیار اور عملداری کو توڑ دیتی ہے۔

غور کریں کہ پَولُس یہ نہیں کہتا کہ شریعت مر گئی ہے۔ شریعت ابھی بھی پُورے اِختیار سے اپنی خِدمت سرانجام دیتی ہے، یعنی گُناہ کا مُجرم ٹھہراتی ہے۔ وُہ گُناہ کی قائلیت پَیدا کرتی ہے۔ اور یاد رکھیں کہ جب پَولُس کہتا ہے "ہم" تو اُس کے ذہن میں وُہ لوگ ہیں جو مسیح کے پاس آنے سے پہلے یہُودی مذہب کے پَیرو تھے۔

"ہم مسیح کے بدن کے وسیلہ سے شریعت کے اِعتبار سے اِس لئے مُردہ بن گئے"۔ یہاں "بدن" اِس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ مسیح مَوت کے اِعتبار سے اپنے "بدن" سے دستبردار ہو گیا تھا۔ اب ہم جی اُٹھے مسیح کے ساتھ پَیوستہ ہیں۔ بیاہ کے ایک بند کو موت نے توڑ دیا۔ اَب نیا بیاہ ہُوا ہے۔ اور اب جبکہ ہم "شریعت سے" آزاد ہو گئے ہیں تو "خُدا کے لئے پھل پیدا" کر سکتے ہیں۔

۷: ۵- پھل کا یہ ذِکر پھل کی اُس قسم کی یاد دِلاتا ہے جو ہم اُس وقت پَیدا کرتے تھے جب "جسمانی تھے"۔ لَفظ "جسمانی" کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ "بدن میں"۔ بلکہ اِس اِصطلاح سے ہماری اُس حَیثیت کا

بیان ہوتا ہے جو نجات پانے سے پیشتر تھی۔ اُس وقت خُدا کے حضور ہمارا جو مقام تھا اُس کی بُنیاد جسم تھا۔ خُدا کی نظر میں مقبُول ہونے کے لئے ہم اِس بات پر انحصار کرتے تھے کہ ہم اپنے میں کیا کچھ ہیں یا اپنا طاقت سے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

ایمان لانے سے پہلے "گُناہ کی رغبتیں جو شریعت کے باعث پیدا ہوتی تھیں" ہم پر حکمرانی کرتی تھیں۔ یہ نہیں کہ شریعت نے اُن کو پیدا کیا تھا بلکہ شریعت نے اُن کی نشاندہی کی، پھر اُن کو کرنے سے منع کیا۔ اِس طرح اُنہیں کرنے کی زبردست خواہش یا رغبت کو تحریک ملتی تھی۔

اِن "گُناہ کی رغبتوں" کا اِظہار ہمارے جسمانی اعضا سے ہوتا تھا۔ اور جب ہم آزمائشوں سے شکست کھا جاتے تھے تو وُہ زہریلا پھل پیدا ہوتا تھا جس کا نتیجہ "موت" ہے۔ ایک اَور مقام پر پَولُس اِس پھل کو جسم کے پھل کہتا ہے اور بتاتا ہے کہ "اب جسم کے کام تو ظاہر ہیں یعنی حرامکاری، ناپاکی، شہوت پرستی، بُت پرستی، جادُوگری، عداوتیں، جھگڑا، حسد، غصّہ، تفرقے، جُدائیاں، بدعتیں، بُغض، نشہ بازی، ناچ رنگ اور اَور اِن کی مانند" (گلتیوں ۵: ۱۹-۲۱)۔

۶:۷- جب ہم ایمان لاتے ہیں تو بہت سی اچھی اچھی باتیں واقع ہوتی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ "ہم شریعت سے ... چھوٹ" جاتے ہیں۔ یہ ہمارے مسیح کے ساتھ مر جانے کا نتیجہ ہے۔ چونکہ وُہ ہمارے نمائندہ کی حیثیت میں مُوا اِس لئے ہم اُس میں "مر گئے"۔ اپنی موت کے وسیلے سے اُس نے ہولناک سزا اُٹھائی اور شریعت کے سارے تقاضے پُورے کر دِئے۔ اِس لئے ہم "شریعت سے ... چھوٹ گئے ... ہیں" یعنی شریعت سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اور اِس کی ناگزیر لعنت سے بھی آزاد ہو گئے ہیں۔

ہم اِس لئے آزاد کِئے گئے ہیں "کہ رُوح کے نئے طور پر نہ کہ لفظوں کے پُرانے طور پر خدمت" کریں۔ ہماری خدمت خوف سے نہیں بلکہ محبّت سے تحریک پاتی ہے۔ یہ غُلامی کی نہیں آزادی کی خدمت ہے۔ اب سوال یہ نہیں رہا کہ شعائر اور رسُوم کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کو بھی پُورا کرتے رہیں بلکہ ہم کمال خُوشی کے ساتھ اپنے آپ کو خُدا کے حوالے کر دیتے ہیں تاکہ خُدا کا جلال ہو اور دُوسروں کو برکت مِلے۔

۷:۷- مندرجہ بالا ساری باتوں سے یُوں معلُوم ہوتا ہے کہ پَولُس شریعت پر سخت تنقید کر رہا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ ایمان دار گُناہ اور شریعت کے اِعتبار سے مر گئے۔ اِس بات سے یہ تاثر پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید شریعت بُری چیز ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔

۷:۷-۱۳ میں پَولُس بیان کرتا ہے کہ میرے ایمان لانے اور نجات پانے سے پہلے شریعت نے میری زِندگی میں کیا اہم کردار ادا کیا۔ وُہ زور دے کر بیان کرتا ہے کہ شریعت گُناہ نہیں، بلکہ اِنسان کے

اندر جو گناہ ہے اُس کو ظاہر کرتی ہے۔ شریعت ہی نے اُس کو اپنے باطن (دِل) کی ہولناک برگشتگی سے آگاہ اور قائل کیا۔ جب وُہ اپنا مقابلہ دُوسرے لوگوں کے ساتھ کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ مَیں بہت نیک ہُوں۔ لیکن جُونہی خُدا کی شریعت کے تقاضے اُس کی سمجھ میں آجاتے ہیں اور شریعت کی مجرم ٹھہرانے کی قوت اثر کرتی ہے، تو اُس کا مُنہ بند ہو جاتا ہے۔ وُہ جان لیتا ہے کہ مَیں مجرم ہُوں۔

خاص حکم جس نے گناہ کو اُس پر ظاہر کیا وہ دَسواں حکم ہے، "تُو لالچ نہ کر"۔ لالچ دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ پَولُس نے زیادہ شرمناک اور باغیانہ گناہ شاید نہ کئے ہوں۔ لیکن اُس کو احساس ہوتا ہے کہ میری سوچوں اور خیالات کی زِندگی بگڑی ہُوئی اور گناہ آلُودہ تھی۔ وُہ جان گیا کہ بُرے خیالات بھی وَیسے ہی گناہ ہیں جیسے بُرے کام۔ اُس کا دِل خراب اور گھنونے خیالات سے بھرا ہُوا تھا۔ اُس کی ظاہری یا خارجی زندگی مُقابلتاً بے داغ تھی لیکن اُس کی باطنی زِندگی خوف ناک تھی۔

۷: ۸۔ "مگر گناہ نے موقع پا کر حُکم کے ذریعہ سے مُجھ میں ہر طرح کا لالچ پَیدا کر دیا"۔ جب شریعت "ہر طرح کے (بُرے) لالچ" سے منع کرتی ہے تو اِنسان کی بگڑی ہُوئی سرِشت کی آگ پر تیل کا کام کرتی ہے۔ بُرائی کرنے کی خواہش اَور تیز ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر شریعت کہتی ہے کہ اپنے ذہن میں ناجائز جِنسی سرگرمیوں کے تانے بانے نہ بُنو۔ شہوانیت کے ہوائی قلعوں میں آباد نہ رہو۔ شریعت کہتی ہے کہ اپنے دِل میں گندے، ذلیل اور اَیسے خیالات نہ بساؤ جو شہوت پرستی کی ترغیب دیں۔ شریعت اَیسی باتوں سے منع تو کرتی ہے لیکن بدقسمتی سے اِن پر غالب آنے کی طاقت نہیں دیتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے ماتحت لوگ شہوت پرستی کے ناپاک خوابوں کی دُنیا میں پہلے سے بھی زیادہ ملوث ہو جاتے ہیں۔ اُن کو احساس ہو جاتا ہے کہ جب بھی کسی کام سے منع کیا جاتا ہے بِگڑی ہُوئی فِطرت اُسے کرنے کو اَور زیادہ مچلتی ہے۔ "چوری کا پانی میٹھا ہے اور پوشیدگی کی روٹی لذیذ" (امثال ۹: ۱۷)۔

"کیونکہ شریعت کے بغیر گناہ مُردہ ہے"۔ یہ اِضافی بات ہے۔ گناہ آلُودہ فِطرت سوئے ہُوئے کُتّے کی مانند ہے۔ جب شریعت آ کر کہتی ہے کہ "مَت کر" تو کُتّا جاگ اُٹھتا اور طُوفان اُٹھا کھڑا کرتا ہے اور ہر ممانعت کو توڑ ڈالتا ہے۔

۷: ۹۔ شریعت کی طرف سے مُجرم ٹھہرائے جانے سے پیشتر پَولُس "زِندہ تھا"۔ یعنی اُس کی گناہ آلُودہ فِطرت نسبتاً سوئی تھی اور وُہ خوش قسمتی سے اِس بات سے ناواقف تھا کہ میرے دِل میں بَدی کا کِتنا گہرا گڑھا موجُود ہے۔

"مگر جب حُکم آیا"۔ یعنی جب حُکم نے زبردست قائلیت پَیدا کی یا زبردست مُجرم ٹھہرایا تو اُس

کی گناہ آلودہ فطرت پورے طور پر بھڑک اُٹھی۔ جتنا زیادہ شریعت پر عمل کرنے کی کوشش کرتا اُتنا ہی بُری طرح سے ناکام ہوتا تھا۔ جہاں تک اپنے کردار یا اپنی کوشش سے نجات حاصل کرنے کی اُمید کا تعلق ہے وُہ "مَر گیا"۔ وُہ اِس خیال کے اعتبار سے بھی "مَر گیا" کہ میرے باطن میں کوئی نیکی ہے۔ وُہ اِس خواب کے اعتبار سے بھی "مَر گیا" کہ مَیں شریعت پر عمل کر کے راست باز ٹھہر سکتا ہُوں۔

۷: ۱۰۔ اُس نے جان لیا کہ "جس حکم کا منشا زندگی تھا وُہی میرے حق میں موت کا باعث بن گیا"۔ یعنی وُہ زندگی دینے کی بجائے حقیقت میں "موت" کا باعث ثابت ہُوا۔ "جس حکم کا منشا زندگی تھا"۔ اِس کا مطلب کیا ہے؟ غالباً یہاں پولُس احبار ۱۸: ۵ کو یاد کرتا ہے جہاں خدا کہتا ہے "سو تم میرے آئین اور احکام ماننا جن پر اگر کوئی عمل کرے تو وُہ اُن ہی کی بدولت جیتا رہے گا۔ مَیں خداوند ہُوں"۔ یہ ایک مثالی صورتِ حال تھی۔ شریعت اُن کے لئے زندگی کا وعدہ کرتی ہے جو اُس پر عمل کرے۔ شیر کے پنجرے کے باہر انتباہ لکھا ہوتا ہے "سلاخوں سے دُور رہیں"۔ اگر عمل کیا جائے تو یہ حکم زندگی لاتا ہے۔ لیکن جس بچے نے حکم نہ مانا اور آگے بڑھ کر شیر کو تھپکی دینے کی کوشش کی اُس کے لئے موت لاتا ہے۔

۷: ۱۱۔ پولُس ایک دفعہ پھر زور دیتا ہے کہ قصوروار شریعت نہیں بلکہ میرے اندر بسنے والے "گناہ" نے مجھے بہکایا کہ وُہ کام کروں جس سے شریعت منع کرتی ہے۔ گناہ نے فریب دے کر اُس کو یہ بات سکھائی کہ آخر ممنوعہ پھل اِتنا بُرا تو نہیں، بلکہ یہ تو خوشی لائے گا اور مَیں بچ بھی جاؤں گا۔ یہ سمجھایا کہ خدا مجھ سے خوشیاں دُور رکھ رہا ہے جبکہ وُہ میرے لئے اچھی ہیں۔ اِس طرح گناہ نے اُس کو "مار ڈالا" یعنی نجات کمانے اور اُس کا حق دار بننے کی ساری اُمیدوں کو "مار ڈالا"۔

۷: ۱۲۔ "شریعت پاک ہے اور حکم بھی پاک اور راست اور اچھا ہے"۔ سوچتے اور غور کرتے وقت ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت میں کوئی خرابی نہیں۔ شریعت خدا نے دی، اِس لئے وُہ اُس کے لوگوں پر اُس کی مرضی کے اظہار میں کامل ہے۔ شریعت کی کمزوری دراصل اُس "خام مال" میں ہے جس سے اُس کو واسطہ ہے۔ یہ اُن لوگوں کو دی گئی جو پہلے ہی گنہگار تھے۔ اُن کو گناہ کی واقفیت دِلانے کے لئے شریعت دینے کی ضرورت تھی۔ لیکن اِس سے بڑھ کر اُن کو ایک مُنجی کی ضرورت تھی جو اُن کو گناہ کی سزا اور قدرت سے خلاصی دِلاتا۔

۷: ۱۳۔ "جو چیز اچھی ہے"۔ یہ چیز شریعت ہے جیسا کہ گزشتہ آیت میں صفائی سے بتایا گیا ہے۔ پولُس یہ سوال اُٹھاتا ہے کہ کیا شریعت "میرے لئے موت ٹھہری؟" مطلب یہ ہے کہ کیا یہ شریعت ہے جس نے پولُس کو (اور ہم سب کو) موت کے مُنہ میں دھکیل دیا؟ بے شک جواب ہے "ہرگز نہیں"۔ سبب تو گناہ ہے۔ شریعت نے گناہ شروع یا جاری نہیں کیا بلکہ اِس نے گناہ اور اُس کے سارے گھنونے پن کو ظاہر کیا۔ "شریعت کے وسیلہ

سے تو گناہ کی پہچان ہی ہوتی ہے" (۳: ۲۰ ب)۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ جب خدا کا پاک حکم کسی بات سے منع کرتا ہے تو انسان کی گناہ آلودہ فطرت کا ردِّ عمل کیا ہوتا ہے؟ جواب سب کو معلوم ہے۔ جو پہلے خوابیدہ خواہش تھی، اب زبردست ولولہ بن جاتی ہے۔ اِس طرح حکم کے ذریعہ سے گناہ حد سے زیادہ مکروہ معلوم ہوتا ہے۔

یوں لگتا ہے کہ جو کچھ پولس یہاں کہہ رہا ہے اور ۷: ۱۰ میں تضاد پایا جاتا ہے۔ وہاں کہتا ہے کہ شریعت موت کا باعث ہوئی، یہاں اِس بات سے اِنکار کرتا ہے کہ شریعت میرے لئے موت کا باعث ہوئی۔ اِس کا حل یہ ہے۔ ایک طرف تو شریعت پرانی فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتی، دوسری طرف نہ اِس سے گناہ کرا سکتی ہے۔ شریعت صرف گناہ کو ظاہر کر سکتی ہے جس طرح کہ تھرما میٹر درجۂ حرارت کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن شریعت گناہ کو کنٹرول نہیں کر سکتی جس طرح کہ تھرموسٹیٹ حرارت کو کنٹرول کرتا ہے۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ انسان کی بگڑی ہوئی فطرت جبلّی طور پر وُہی کرنا چاہتی ہے جس کی ممانعت ہو۔ چنانچہ وُہ شریعت کو اِستعمال کر کے گنہگار کی زندگی کی شہوتوں کو جگا دیتی ہے، ورنہ وُہ خوابیدہ ہوتی ہیں۔ اِنسان جتنی کوشش کرتا ہے حالت اُتنی ہی بدتر ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اِنسان ہر اُمید سے ہاتھ اُٹھا لیتا ہے۔ اِس طرح گناہ شریعت کو اِستعمال کر کے انسان کے اندر ترقی کرنے اور بہتری کی ہر اُمّید کو مار ڈالتا ہے۔ اور اِنسان کو اپنی پرانی فطرت کی گناہ آلودگی بالکل صاف نظر آنے لگتی ہے جو کہ پہلے اِس طرح نظر نہیں آتی تھی۔

۷: ۱۴۔ اَب تک پولس اپنی زندگی کا وُہ تجربہ بیان کر رہا تھا جس کا تعلق ماضی سے ہے یعنی وُہ دردناک بُحران جو اُس وقت پیش آیا جب شریعت کی خدمت کے نتیجے میں اُس کو اپنے مجرم یا زبردست گنہگار ہونے کی پہچان ہوئی۔

اب پولس رسول فعل حال کا اِستعمال کرتا اور اُس تجربے کا بیان کرتا ہے جو اُس کو نئی پیدائش کے وقت سے ہو رہا ہے۔ یعنی دو فطرتوں کے درمیان کشمکش اور جنگ، اور اپنی طاقت سے اپنے اندر بسنے والے گناہ سے چھٹکارا پانے کا اِمکان نہ ہونا۔ پولس تسلیم کرتا ہے کہ "شریعت تو رُوحانی ہے"، یعنی پاک ہے۔ اور اِنسان کے رُوحانی فائدہ کے لئے اُس کے مناسبِ حال ہے۔ لیکن وُہ محسوس کرتا ہے کہ مَیں "جسمانی" ہوں۔ کیونکہ اُس کو اپنے اندر بسنے والے گناہ کی قدرت پر فتح پانے کا تجربہ نہیں ہو رہا۔ وُہ کہتا ہے کہ "مَیں ... گناہ کے ہاتھ بِکا ہُوا ہوں" یعنی مَیں غلام ہُوں اور گناہ میرا مالک ہے۔

۷: ۱۵۔ اَب رسول اُس ایمان دار کی کوشش اور جدوجہد کا بیان کرتا ہے جو اِس حقیقت کو نہیں جانتا کہ مَیں موت اور جی اُٹھنے میں مسیح کے ساتھ مشابہت رکھتا ہوں۔ یہ اُس شخص کی دو فطرتوں

یں کشمکش ہے جو پاکیزگی کی تلاش میں کوہِ سینا پر چڑھتا ہے یعنی شریعت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ہیری فوسٹر اِس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ

"یہ آدمی ذاتی محنت کے بل بوتے پر پاکیزگی حاصل کرنے کی کوشش میں تھا۔ اور پوری طاقت سے جدوجہد کر رہا تھا کہ خدا کے "پاک اور راست اور اچھے" حکموں (آیت ۱۲) کو پورا کرے۔ لیکن اُس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مَیں جتنی زیادہ کوشش کرتا ہوں میری حالت اُتنی ہی بدتر ہو جاتی ہے۔ اِنسان کی بگڑی ہوئی فطرت کے بس ہی میں نہیں کہ گناہ پر فتح پائے اور پاکیزگی میں جئے۔"

غور کریں کہ یہاں متکلم اِسمِ ضمیر "مَیں، مجھ، میرے" نمایاں ہے۔ آیات ۹- ۲۵ میں یہ اسمائے ضمیر چالیس سے زیادہ دفعہ اِستعمال ہوئے ہیں۔ جو لوگ رومیوں ۷ کے تجربہ میں سے گزرتے ہیں وہ اِسی "مَیں" کا شکار رہتے ہیں۔ وہ حد سے زیادہ دروں بین ہیں۔ وہ اپنے اندر جھانکتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے "مَیں" میں فتح تلاش کرتے ہیں، جبکہ "مَیں" کو کبھی فتح حاصل ہو نہیں سکتی۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ دَورِ جدید کی نفسیاتی مسیحی صلاح کاری صلاح لینے والے کی توجہ "اپنے آپ" پر مرکوز کرتی ہے۔ اور یوں مسئلے کو حل کرنے کی بجائے اُسے اَور مشکل بنا دیتی ہے۔ لوگوں کو یہ سمجھنے اور جاننے کی ضرورت ہے کہ ہم مسیح کے ساتھ مر گئے اور اُس کے ساتھ جی اُٹھے ہیں تاکہ نئی زندگی میں چلیں۔ پھر جسم کو ترقی دینے کی بجائے وہ اُس کو یسوع کی قبر میں اُتار دیں گے۔

دو فطرتوں کے درمیان جنگ کا بیان کرتے ہوئے پولس کہتا ہے کہ "جو مَیں کرتا ہوں اُس کو نہیں جانتا"۔ اُس کی شخصیت بٹی ہوئی ہے۔ وہ خود کو اُن کاموں میں مصروف پاتا ہے جو وہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ جن سے نفرت کرتا ہے۔

۷: ۱۶۔ وہ کام کرنے میں جن کو اُس کی عقلِ سلیم ردّ کرتی ہے وہ "شریعت" کی طرف داری کرتا ہے۔ شریعت کو "خوب" اور اپنے آپ کو "برا" ٹھہراتا ہے۔ اِس لئے کہ شریعت بھی اُن باتوں کو برا قرار دیتی ہے۔ چنانچہ وہ دل سے قبول کرتا ہے کہ "شریعت خوب ہے"۔

۷: ۱۷۔ اِن باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سبب "نیا اِنسان" نہیں جو مسیح میں ہے، بلکہ وہ بگڑی ہوئی اور گناہ آلود فطرت ہے جو اِنسان کے اندر بسی ہوئی ہے۔ لیکن یہاں احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہمیں "گناہ" کو ذمہ دار ٹھہرا کر خود کو گناہ کرنے سے معذور رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں اُس کے ذمہ دار ہیں۔ اور لازم ہے کہ ہم اِس آیت کو ذمہ داری کسی دوسرے پر ڈالنے کے لئے اِستعمال نہ کریں۔ پولس

یہاں صِرف یہ کر رہا ہے کہ اپنے گُناہ آلودہ کِردار کے سرچشمہ کی نِشاندہی کر رہا ہے، اپنے آپ کو معذُور نہیں ٹھہرا رہا۔

۷: ۱۸- پاکیزگی میں اُس وقت تک ترقی نہیں ہو سکتی جب تک ہم وُہ بات نہ سیکھ لیں جو پولُس نے سیکھی تھی کہ "مجھ میں یعنی میرے جسم میں کوئی نیکی بسی ہُوئی نہیں"۔ یہاں "جسم" کا مطلب ہے وُہ بگڑی ہُوئی بُری فِطرت جو آدم سے وِرثہ میں مِلی ہے اور ہر ایماندار میں اب تک مَوجُود ہے۔ یہی ہر بُرے فعل کا سرچشمہ ہے جو کہ اِنسان کرتا ہے۔ اِس میں کوئی نیکی، کوئی بھلائی ہے نہیں۔

جب ہم یہ بات جان لیتے ہیں تو ہم پُرانی فِطرت میں نیکی اور بھلائی تلاش کرنے سے آزاد ہو جاتے ہیں، باز آ جاتے ہیں۔ جب اس میں نیکی یا اچھی بات نہیں ملتی تو مایُوس اور نااُمید ہونے سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں، اور اپنے آپ سے واسطہ رکھنے سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں۔ دروُں بینی (اپنے آپ کو دیکھتے رہنا) میں کوئی فتح نہیں۔ ہم ایک نظر جو اپنے آپ پر ڈالتے ہیں اُس کے مُقابلے میں دس نظریں مسیح پر ڈالنی چاہئیں۔

جسم کی بے بسی کی تصدیق کرنے کے لئے پولُس نہایت افسوس بلکہ ماتم کرتا ہے کہ اگرچہ مجھ میں نیک کام کرنے کی خواہش تو ہے لیکن میرے اندر وُہ وسائل نہیں ہیں جن سے اِس خواہش کو عمل کا جامہ پہنا سکوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ وُہ اپنے لنگر کو کشتی ہی کے اندر ڈال رہا ہے۔

۷: ۱۹- یوُں دونوں فطرتوں کے درمیان کشمکش زور پکڑتی جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ "جو نیکی" مَیں کرنا چاہتا ہُوں اُس کے کرنے میں ناکام رہتا ہُوں، اِس کی بجائے وُہ "بدی" کر لیتا ہُوں جس سے نفرت کرتا ہوں۔ وُہ تضادات کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔

۷: ۲۰- ہم سلیس زُبان میں اِس آیت کو یُوں بیان کر سکتے ہیں کہ "پس اگر مَیں (پُرانی فِطرت) وُہ کرتا ہُوں جس کا مَیں (نئی فِطرت) اِرادہ نہیں کرتا (کرنا نہیں چاہتا) تو اُس کا کرنے والا مَیں (شخص) نہ رہا بلکہ گُناہ ہے جو مجھ میں (میرے اندر) بسا ہُوا ہے"۔ ہم یہ بات پھر سے واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ پولُس رسُول خود کو معذُور نہیں ٹھہرا رہا۔ وُہ اپنے کئے کی ذِمّہ داری سے پہلوتہی نہیں کر رہا۔ وُہ صِرف یہ بیان کر رہا ہے کہ مجھے اپنے اندر بسنے والے گُناہ کی قُدرت سے چھٹکارا حاصل نہیں ہُوا۔ اور جب مَیں گُناہ کرتا ہُوں تو نئے اِنسان کی خواہش سے نہیں کرتا۔

۷: ۲۱- وُہ اپنی زِندگی میں ایک اُصول یا "شریعت" (قانُون) کو کام کرتے ہُوئے پاتا ہے جو اُس کے سارے اچھے اِرادوں اور نیّت کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ جب بھی وُہ ایسا کام کرنا چاہتا ہے جو دُرست ہے، تو نتیجے میں گُناہ کر لیتا ہے۔

۷: ۲۲- جہاں تک اُس کی نئی فطرت کا تعلق ہے، وہ "خدا کی شریعت کو بہت پسند کرتا" ہے۔ وہ جانتا ہے کہ شریعت پاک ہے، کہ شریعت خدا کی مرضی کا اظہار ہے۔ وہ خدا کی مرضی پوری کرنا چاہتا ہے۔

۷: ۲۳- لیکن وہ اپنی زندگی میں ایک متضاد اصول کو کارفرما دیکھتا ہے جو اُس کی نئی فطرت کے خلاف زور مارتا ہے اور اُسے اپنے اندر بسنے والے "گناہ کی ۔۔۔ قید میں" لے آتا ہے۔ جارج کٹنگ لکھتا ہے کہ

"اگرچہ باطنی انسانیت کے مطابق اُس کو شریعت بہت پسند ہے، مگر شریعت اُس کو کچھ قوت (توفیق) نہیں دیتی۔ دوسرے لفظوں میں وہ اُس کام کو کرنے کی کوشش کر رہا ہے جس کو خدا نے قطعاً ناممکن قرار دیا ہوا ہے، یعنی جسم کو خدا کی پاک شریعت کے تابع کرنا۔ وہ جان لیتا ہے کہ جسم جسمانی باتوں کا خیال کرتا ہے اور خدا کی شریعت، بلکہ خود خدا کا دشمن ہے"۔

۷: ۲۴- اب پولس اپنی مشہور اور پُرمعنی "ہائے" کہتا ہے۔ اُس کو محسوس ہوتا ہے جیسے ایک گلتی سڑتی ہوئی لاش میری پیٹھ پر بندھی ہوئی ہے۔ رسول اِس کو "موت کا بدن" کہتا ہے جس سے مُراد پُرانی انسانیت مع اپنے سارے بگاڑ اور خرابی کے ہے۔ اپنی کم بختی اور بدحالی میں وہ تسلیم کرتا ہے کہ مَیں خود کو اِس ناگوار اور کریہہ بندھن اور قید سے چھُڑا نہیں سکتا۔

۷: ۲۵- اِس آیت کا آغاز بے ساختہ شکرگزاری سے ہوتا ہے۔ اِس شکرگزاری کو دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اوّل، "مَیں خدا کا شکر کرتا ہوں" کہ رہائی اور چھٹکارا ہمارے "خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے" ہے۔ دوم، پولس خداوند "یسوع مسیح کے وسیلہ سے خدا کا شکر" کرتا ہے کہ اب مَیں گزشتہ آیت والا کم بخت آدمی نہیں رہا۔

آیت کا باقی حصہ چھٹکارا حاصل ہونے سے پہلے تک دونوں فطرتوں کی آپس میں لڑائی یا کشمکش کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔ اپنی نئی "عقل" یا نئی فطرت سے تو ایمان دار "خدا کی شریعت کا محکوم" ہے "لیکن جسم (پُرانی فطرت) سے وہ گناہ کی شریعت کا محکوم" ہے۔ اگلے باب میں چھٹکارے کی راہ کا بیان ہے۔

ی- رُوح القدس، پاک زندگی کے لئے قوت (باب ۸)

پاکیزہ زندگی گزارنے کا موضوع جاری ہے۔ باب ۶ میں پولس نے اِس سوال کا جواب دیا تھا کہ "کیا انجیل کی خوشخبری کی تعلیم (صرف ایمان کے وسیلے سے نجات) گناہ آلودہ زندگی کی اجازت دیتی بلکہ اِس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے؟" باب ۷ میں اُس نے اِس سوال پر بحث کی کہ "کیا انجیل کی خوشخبری مسیحیوں کو کہتی ہے

کہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی خاطر شریعت کی پابندی کریں؟" زیرِ نظر باب میں یہ سوال پیشِ نظر ہے کہ "مسیحی کو پاکیزہ زندگی گزارنے کے لئے توفیق کیسے ملتی ہے؟"

ہمیں شروع ہی میں نظر آجاتا ہے کہ باب ۷ میں جو اسمائے ضمیر بہت نمایاں تھے، وہ آٹھویں باب میں بڑی حد تک غائب ہوجاتے ہیں۔ اور اب رُوح القدس غالب ہے۔ یہ بات کلام کے اِس حِصّے کو سمجھنے کی بڑی کلید ہے۔ فتح ہم میں نہیں بلکہ رُوح القدس میں ہے جو ہمارے اندر سکونت کرتا ہے۔ اے۔ جے۔ گورڈن رُوح القدس کی طرف سے سات 'مددوں' کا بیان کرتا ہے۔ ۱۔ خدمت میں آزادی (آیت ۲)۔ ۲۔ خدمت کے لئے تقویت (آیت ۱۱)۔ ۳۔ گناہ پر فتح (آیت ۱۳)۔ ۴۔ خدمت میں راہنمائی (آیت ۱۴)۔ ۵۔ فرزندیت کی گواہی (آیت ۱۶)۔ ۶۔ خدمت میں معاونت (آیت ۲۶)۔ ۷۔ دعا میں معاونت (آیت ۲۶)۔

۸:۱۔ ناامیدی اور شکست کی وادی سے اب پولس فتح کی للکار کے ساتھ بلندیوں پر چڑھتا ہے۔ "پس اب جو مسیح یسوع میں ہیں اُن پر سزا کا حکم نہیں"۔ اِس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

اوّل، جہاں تک ہمارے گناہ کا تعلق ہے اب خدا کی طرف سے اِس کی "سزا کا حکم نہیں" اس لئے کہ ہم مسیح میں ہیں۔ جب تک ہم اپنے پہلے سردار یعنی آدم میں تھے، تب تک سزا کا حکم تھا۔ لیکن اب ہم مسیح میں ہیں اِس لئے سزا کے حکم سے ویسے ہی آزاد ہیں جیسے مسیح ہے۔ چنانچہ ہم یہ چیلنج دے سکتے ہیں کہ

پہلے میرے مبارک منجّی پر ہاتھ ڈالو۔
اُس کو خدا کی نظروں سے گراؤ۔
ثابت کرو کہ یسوع پر گناہ کا ایک (بھی) داغ ہے۔
پھر مجھے کہو کہ تو ناپاک ہے۔ ڈبلیو۔ این۔ ٹا مکن

دوم، اِس کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ اب اپنے آپ کو اُس طرح مجرم اور قصوروار ٹھہرانے کی ضرورت نہیں جس کا بیان پولس نے باب ۷ میں کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم رومیوں باب ۷ کے تجربے سے گزریں، اپنی کوششوں سے شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام ثابت ہوں، مگر ضروری نہیں کہ ہم وہیں (اُسی مقام پر) رہیں۔ آیت ۲ واضح کرتی ہے کہ اب کیوں "سزا کا حکم نہیں"۔

۸:۲۔ "زندگی کے رُوح کی شریعت نے مسیح یسوع میں مجھے گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کردیا"۔
یہ دو مخالف شریعتیں یا دو مخالف اصول ہیں۔ رُوح القدس کے اصول کی خاصیت پاکیزہ زندگی کے لئے ایمان داروں کو طاقت (توفیق) دینا ہے۔ اندر بسنے والے گناہ کے اصول کی خاصیت انسان کو نیچے موت کی طرف کھینچنا ہے۔ یہ کششِ ثقل کے اصول کی مانند ہے۔ جب آپ ایک گیند ہوا میں اُچھالتے ہیں

تو وُہ نیچے آجاتی ہے۔ کیونکہ جس ہَوا کو جگہ سے ہٹاتی ہے اُس سے بھاری ہوتی ہے۔ ایک زندہ پرندہ بھی اُس ہَوا سے وزنی ہوتا ہے جس کو جگہ سے ہٹاتا ہے۔ لیکن جب آپ اُس کو ہَوا میں اُچھالتے ہیں تو وُہ اُڑ جاتا ہے۔ پرندے میں "زندگی" کا اصُول کششِ ثقل پر غالب آتا ہے۔ چنانچہ رُوح القدس خداوند یسُوع کی جی اُٹھی زندگی فراہم کرتا اور ایمان دار کو "گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کر" دیتا ہے۔

۸: ۳۔ شریعت کے تقاضے مُقدّس ہیں۔ مگر شریعت انسانوں سے اِن کو پُورا نہیں کرا سکتی۔ لیکن جہاں شریعت ناکام رہی وہاں فضل کامیاب رہا۔ آئیے دیکھتے ہیں کس طرح۔

"شریعت جسم کے سبب سے کمزور" ہونے کے باعث پاکیزہ زندگی پیدا نہ کر سکی۔ مُشکل شریعت کی نہیں تھی، بلکہ اِنسان کی بگڑی ہوئی فِطرت کی تھی۔ شریعت نے اُن لوگوں سے کلام کیا جو پہلے ہی گنہگار تھے، جن میں فرمانبرداری کرنے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن خُدا نے مداخلت کی۔ "اُس نے اپنے بیٹے کو گناہ آلُودہ جسم کی صورت میں" بھیجا۔ غور کریں اور یاد رکھیں کہ خُداوند یسوع گناہ آلودہ جسم میں نہیں بلکہ "گناہ آلودہ جسم کی صُورت میں" آیا۔ اُس نے کبھی گُناہ نہ کیا (۱۔ پطرس ۲: ۲۲)۔ وُہ گناہ سے واقف نہ تھا (۲۔ کرنتھیوں ۵: ۲۱) اور اُس میں گناہ نہیں تھا (۱۔ یوحنا ۳: ۵)۔ لیکن اِنسانی صُورت میں دُنیا میں آنے سے وُہ گناہ آلُودہ انسانیت کے مُشابہ ہو گیا۔ مسیح گُناہ کی قُربانی تھا۔ خُدا نے "جسم میں گُناہ کی سزا کا حُکم دیا"۔ وُہ صِرف اُن گُناہوں کے لئے نہیں مُؤا جو ہم کرتے ہیں (۱۔ پطرس ۳: ۱۸) بلکہ ہماری گُناہ کی فِطرت کے لئے بھی مُؤا۔ دُوسرے لفظوں میں، وُہ اُس کے لئے مُؤا جو کُچھ ہم ہیں، اور جو کُچھ ہم نے کِیا ہے۔ اور مسیح کے ایسا کرنے میں خُدا نے "جسم میں گُناہ کی سزا کا حُکم دیا"۔ یہ کبھی نہیں کہا گیا کہ ہماری گناہ کی فِطرت کو مُعاف کر دیا گیا ہے۔ اِس کو "سزا کا حُکم" ہے۔ مُعافی اُن گناہوں کی ہوتی ہے جو ہم نے کئے ہیں۔

۸: ۴۔ اب "شریعت کا تقاضا ہم میں پُورا" ہو چُکا ہے "جو جسم کے مُطابق نہیں بلکہ رُوح کے مُطابق چلتے ہیں"۔ جب ہم اپنی زندگیوں کا کنٹرول رُوح القُدس کو دے دیتے ہیں وُہ ہمیں خُدا سے محبّت کرنے، اور اپنے پڑوسی سے محبّت رکھنے کی طاقت اور توفیق دیتا ہے۔ اور آخر شریعت کا تقاضا بھی تو یہی ہے۔

اِن پہلی چار آیات میں رسُول نے ۵: ۱۲ سے ۷: ۲۵ تک کی دلیلوں کے رِشتے جوڑے ہیں۔ ۵: ۱۲۔ ۱۶ تک اُس نے آدم اور مسیح سر (سردار) ہونے پر بحث کی تھی۔ ۸: ۱ میں وُہ دِکھاتا ہے کہ آدم کے مُشابہ ہونے کے باعث ہم کو جو لعنت وِرثہ میں مِلی تھی، وُہ مسیح کے ساتھ مُشابہ ہونے کے باعث دُور ہو گئی ہے۔ ابواب ۶ اور ۷ میں پولُس نے ہماری فِطرت میں گُناہ کے ہولناک مسئلے پر بحث کی ہے۔

اب وہ فاتحانہ اعلان کرتا ہے کہ مسیح یسوع میں زندگی کے رُوح کی شریعت نے ہم کو گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کر دیا ہے۔ باب ۷ میں شریعت کے سارے مضمون پر بات ہوئی۔ اب ہم سیکھتے ہیں کہ شریعت کے تقاضے وہ زندگی پورے کرتی ہے جو رُوح القدس کے کنٹرول میں ہو۔

۸: ۵۔ "جو جسمانی ہیں" ـــــ یعنی جن کی نئی پیدائش نہیں ہوئی "وہ جسمانی باتوں کے خیال میں رہتے ہیں"۔ وہ جسم کی ترنگوں (اچانک اُبھرنے والی خواہشوں) کے تابع ہوتے ہیں۔ وہ بگڑی ہوئی فطرت کی خواہش پوری کرتے ہیں۔ وہ جسم کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ اور جسم چند سالوں بعد خاک میں مل جائے گا۔

"لیکن جو رُوحانی ہیں" ـــــ یعنی سچے ایمان دار ـــــ وہ جسم اور خون سے بالاتر ہو کر ان چیزوں (باتوں) کے لئے جیتے ہیں جو ابدی ہیں۔ وہ خدا کے کلام، دُعا، عبادت اور مسیحی خدمت میں دل لگائے رکھتے ہیں۔

۸: ۶۔ "جسمانی نیت" ـــــ یعنی گری ہوئی فطرت کا ذہنی میلان یا رُجحان ـــــ "موت ہے"۔ یہ حال کی لُطف اندوزی اور مستقبل میں آخری انجام دونوں کے اعتبار سے "موت ہے"۔ اِس میں موت کا احتمال وامکان اُتنا ہی ہوتا ہے جتنا زہر کی ایک بہت بڑی خوراک میں ہوتا ہے۔

لیکن "رُوحانی نیت زندگی اور اطمینان ہے"۔ خدا کا رُوح اِس زندگی کی ضمانت ہے جو حقیقت میں زندگی ہے۔ جس میں خدا کے ساتھ میل ملاپ اور خُدا کا سکون ہے۔

۸: ۷۔ جسمانی نیت اِس لئے موت ہے کہ "خُدا کی دُشمنی ہے"۔ گنہگار خدا کا باغی ہوتا ہے اور اُس کے خلاف سرگرمیوں میں تیز ہوتا ہے۔ اگر اِس کا ثبوت چاہئے تو خُداوند یسوع کی تصلیب میں واضح ثبوت موجود ہے۔ جسمانی نیت "نہ تو خُدا کی شریعت کے تابع ہے، نہ ہو سکتی ہے"۔ وہ خُدا کے حکم کے سامنے جُھکنا گوارا نہیں کرتی۔ اپنی مالک آپ رہنا چاہتی ہے۔ اُس کی سرشت ہی ایسی ہے کہ خدا کی شریعت کے تابع ہو ہی نہیں سکتی۔ صرف یہ نہیں کہ خدا کے تابع ہونے کا میلان نہیں رکھتی بلکہ اِس کی توفیق اور طاقت سے بھی عاری ہے۔ خُدا کے اعتبار سے جسم مُردہ ہے۔

۸: ۸۔ چنانچہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ "جو جسمانی ہیں وہ خدا کو خوش نہیں کر سکتے"۔ ذرا دیکھیں! غور کریں!! غیر نجات یافتہ انسان میں کوئی ایسی بات ہے نہیں جس سے وہ "خدا کو خوش کر" سکے۔ نہ نیک اعمال، نہ مذہبی رسُومات کی پابندی، نہ قربانی کی کوئی عبادت۔ قطعاً کچھ نہیں۔ پہلے ضرور ہے کہ وہ خطاکار، قصوروار، گنہگار کی جگہ لے، یعنی تسلیم کرے کہ میں گنہگار ہوں، اور ایمان سے مسیح کو قبول کرے۔ اِس کے بعد ہی خدا اُس سے خوش ہوگا۔

۹:۸ - جب کوئی شخص نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے تو وہ "جسمانی نہیں" رہتا، بلکہ "رُوحانی ہو" جاتا ہے۔ اب اُس کی زندگی ایک نئے حلقے میں آجاتی ہے۔ جس طرح مچھلی پانی میں اور انسان ہوا میں جیتا ہے بالکل اسی طرح ایمان دار رُوح القدس میں جیتا ہے۔ نہ صرف وہ رُوح القدس میں جیتا ہے، بلکہ رُوح اُس میں بستا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مسیح کا رُوح اُس میں نہ بسے تو وہ مسیح کا نہیں۔ یہاں ایک سوال بھی اُٹھایا جاتا ہے کہ کیا یہاں "مسیح کا رُوح" اور رُوح القدس ایک ہی ہیں۔ سیاق و سباق کے مطابق اِن دونوں کو ایک ہی سمجھنا بالکل موزوں اور مناسب ہے۔

۱۰:۸ - رُوح کی خدمت کے وسیلے سے "مسیح" حقیقتاً ایمان دار "میں" ہوتا ہے۔ یہ خیال بہت حیرت افزا ہے کہ زندگی اور جلال کا خداوند ہمارے جسموں میں سکونت کرتا ہے۔ خصوصاً جب ہم یہ یاد کرتے ہیں کہ ہمارے یہ جسم "گناہ کے سبب سے مُردہ" یعنی موت کے تابع ہیں۔ کوئی یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ ابھی تک تو یہ مرے نہیں جیسا کہ آیت بظاہر کہہ رہی ہے۔ نہیں، لیکن موت کی قوتیں پہلے ہی اِن پر کام کر رہی ہیں۔ اور اگر خداوند جلدی نہ آگیا، تو بالآخر یہ جسم مر جائیں گے۔

جسم کے بالمقابل "رُوح[ا] راست بازی کے سبب سے زندہ ہے"۔ اگرچہ ایک وقت تھا کہ خدا کے اعتبار سے رُوح مُردہ تھی۔ لیکن خداوند یسوع مسیح کے مرنے اور جی اُٹھنے کے راست کام کے وسیلے سے اب زندہ کی گئی ہے۔ اور اِس لئے بھی کہ خدا کی راستبازی ہمارے نام محسوب کی گئی ہے۔

۱۱:۸ - لیکن اِس یاددہانی سے ہمیں خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے کہ جسم ابھی تک موت کے ماتحت ہے۔ یہ حقیقت کہ پاک "رُوح" ہمارے جسموں میں سکونت کرتا ہے۔ ضمانت ہے کہ جس طرح خدا نے "مسیح یسوع کو مُردوں میں سے جلایا" اُسی طرح ہمارے "فانی بدنوں کو بھی ... زندہ کرے گا"۔ یہ ہماری مخلصی کا آخری عمل ہوگا — یعنی جب ہمارے بدن مُنجی کے جلالی بدن کی طرح جلالی بنا دِئے جائیں گے۔

۱۲:۸ - اب جبکہ ہم نے جسم اور رُوح میں واضح فرق دیکھ لیا ہے تو کس نتیجے پر پہنچتے ہیں؟ ہم پر "جسم" کا کچھ "قرض" نہیں ہے جس کے باعث ہم جسم کے حکم کے مطابق زندگی گزاریں۔ پرانی بُری اور بگڑی ہوئی فطرت فقط ایک بوجھ تھی جس کو ہم اپنے ساتھ گھسیٹے پھرتے تھے۔ اُس نے ہمیں کبھی رتی بھر فائدہ نہیں پہنچایا۔ اگر مسیح ہمیں نہ بچاتا تو "جسم" ہمیں گھسیٹ کر جہنم میں لے جاتا۔ ہم ایسے دشمن کے

[ا] بعض علما نے اصل زبان میں pneuma کا مطلب رُوح القدس سمجھا۔ ہمارے خیال کے مطابق اِس سے مُراد ایمان دار کی رُوح ہے۔

اِحسان مند کیوں ہوں ؟

۸ : ۱۳ - جو "جسم کے مُطابق زندگی گزارتے ہیں" وُہ "ضرور" مریں گے ۔ وُہ نہ صرف جسمانی بلکہ رُوحانی موت بھی مریں گے ۔ "جسم کے مُطابق زندگی" کا مطلب ہے نجات کے بغیر رہنا ۔ یہ بات ۸ : ۴ اور ۵ میں بھی واضح کی گئی ہے ۔ لیکن پَولُس یہ بات اُن لوگوں کو مُخاطب کر کے کیوں کہتا ہے جو پہلے ہی نجات یافتہ تھے ؟ کیا اُس کا مطلب ہے کہ بالآخر اُن میں سے کُچھ لوگ ہلاک ہو جائیں گے ؟ نہیں ۔ لیکن پَولُس اپنے خطُوط میں اکثر خبردار کرتا ہے ، اور اِنتباہ اور محاسبۂ نفس کے لفظ استعمال کرتا ہے کیونکہ اُس کو احساس ہے کہ ہر کلیسیا میں کُچھ ایسے لوگ ضرُور ہوں گے جو حقیقت میں نئے سِرے سے پَیدا نہیں ہُوئے ۔

آیت کے باقی حِصّے میں وُہی بیان ہے جو سچّے ایمان داروں کی خاصیّت ہے ۔ پاک "رُوح" کی توفیق سے وُہ "بدن کے کاموں کو نیست و نابُود" کرتے ہیں ۔ اُن کو اسی وقت ابدی زِندگی حاصِل ہے ، مگر جب اِس دُنیا سے رُخصت ہوں گے تو زِندگی کی بھرپُوری میں داخِل ہوں گے ۔

۸ : ۱۴ - سچّے ایمان داروں کے بیان کرنے کا ایک اَور طریقہ یہ ہے کہ کہا جائے کہ وُہ "خُدا کے رُوح کی ہدایت سے چلتے ہیں" ۔ یہاں پَولُس اِس بات کی طرف اِشارہ نہیں کر رہا کہ نامور مسیحیوں کی زندگی میں خُدا کی ہدایت اور راہنمائی کے نمایاں اور شان دار واقعات رُونما ہوتے ہیں بلکہ جو بات وہ کہہ رہا ہے وُہ خُدا کے سچّے فرزندوں پر صادِق آتی ہے کہ وُہ "خُدا کے رُوح کی ہدایت سے چلتے ہیں" ۔ یہاں سُوال یہ نہیں کہ وُہ کس قدر یا کِس درجے تک رُوح القدس کے تابع فرمان ہوتے ہیں ، بلکہ بیان اُس باہمی تعلق کا ہے جو ایمان لانے وقت قائم ہو جاتا ہے ۔

فرزندیت کا مطلب ہے خُدا کے خاندان میں قبُول کیا جانا اور بالغ بیٹوں کے تمام حقُوق و فرائض حاصِل کرنا ۔ ایک نئے یا تازہ ایمان لانے والے کو رُوحانی میراث میں داخِل ہونے کے لئے کِسی مُعیّنہ عرصے تک اِنتظار نہیں کرنا پڑتا بلکہ جُونہی نجات پاتا ہے اُس کو یہ سب کُچھ مِل جاتا ہے ۔ اور اِس بات کا اِطلاق سارے ایمان داروں پر ہوتا ہے ، مرد ، عورت ، لڑکا ، لڑکی کا کُچھ اِمتیاز نہیں ۔

۸ : ۱۵ - جو شریعت کے ماتحت ہیں وُہ نابالغ بچّوں کی مانند ہیں ۔ اُن پر یُوں حُکم چلایا جاتا ہے جَیسے وُہ نوکر ہوں اور اُن پر سزا کا سایہ منڈلاتا رہتا ہے ۔ لیکن جب کوئی شخص نئے سِرے سے پیدا ہو جاتا ہے تو وُہ نوکر کی حیثیّت میں پیدا نہیں ہوتا ۔ اُس کو خُدا کے گھرانے میں غُلام کی حیثیت سے شامِل نہیں کیا جاتا بلکہ اُس کو "لے پالک ہونے کی رُوح" مِل جاتی ہے ۔ یعنی خُدا کے خاندان میں اُس کو ایک بالغ بیٹے کا رُتبہ دیا جاتا ہے ۔ ایک حقیقی رُوحانی جِبلّت کے تحت وُہ خُدا کی طرف نظر اُٹھاتا اور اُس کو

"ابّا"، یعنی اے باپ!" کہہ کر پکارتا ہے ۔ ارامی زبان کے لفظ "ابّا" میں رشتے کی نہایت قربت اور بے تکلفی پائی جاتی ہے ۔ (ہماری خوش قسمتی ہے کہ اردو میں بھی لفظ "ابّا" ارامی زبان ہی کی طرح استعمال ہوتا ہے ۔ مترجم)۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بلندی اور عظمت میں لامحدود ہے، وہ قربت اور اپنائیت میں بھی لامحدود ہے ۔

"لے پالک ہونے کی روح"[1] ۔ یہ روح القدس کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کیونکہ روح القدس ایمان دار کو فرزند ہونے کے مخصوص رتبے اور شان کا شعور دلاتا ہے ۔ یا اس کا مفہوم لے پالک ہونے کا احساس یا رویہ ہے جو "غلامی کی روح" کے بالکل الٹ ہوتا ہے ۔

رومیوں کے خط میں "لے پالک" تین مختلف انداز میں استعمال ہوا ہے ۔ یہاں یہ فرزندیت کے اُس شعور کا بیان کرتا ہے جو روح القدس ایمان دار کی زندگی میں پیدا کرتا ہے ۔ ۸ : ۲۳ میں نظر آگے کی طرف اُس وقت پر لگی ہے جب ایمان دار کا بدن مخلصی پائے گا یعنی جلالی بنا دیا جائے گا ۔ اور ۹ : ۴ میں نظر ماضی میں اُس وقت پر ہے جب خدا نے اسرائیل کو اپنا بیٹا نامزد کیا تھا (خروج ۴ : ۲۲)۔

گلتیوں ۴ : ۵ اور افسیوں ۱ : ۵ میں اس لفظ کا مطلب ہے "بیٹے کا مقام دینا" — یعنی سارے ایمان داروں کو بالغ بیٹوں کا رتبہ اور فرزندیت کے سارے استحقاق اور فرائض دینے کا عمل ۔ ہر ایماندار خدا کا فرزند ہے ۔ اس لئے کہ وہ اُس گھر میں پیدا ہوا ہے جس کا باپ خدا ہے ۔ لیکن ہر ایمان دار اس لحاظ سے بھی بیٹا ہے کہ یہ ایک خاص رشتہ یا تعلق ہے ، جو اُن استحقاق کا حامل ہے جو بلوغت کی پختگی تک پہنچنے والے کو حاصل ہوتے ہیں ۔

نئے عہدنامہ میں "لے پالک" / متبنّا کا ہرگز وہ مطلب نہیں جو ہمارے معاشرہ میں مستعمل ہے یعنی دوسرے والدین کے بچے کو گود لینا، "اپنا بچہ" بنا لینا ۔

۸ : ۱۶ ۔ نئے پیدا ہونے والے ایمان دار میں ایک روحانی جبلّت ہوتی ہے کہ میں خدا کا بیٹا ہوں ۔ اور "روح" القدس اُسے بتاتا ہے کہ یہ بات درست ہے ۔ "روح خود ہماری روح کے ساتھ مل کر گواہی دیتا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں" ۔ "ہماری روح" یعنی ایمان دار کی روح ۔ پاک روح یہ کام بنیادی طور پر خدا کے کلام کے وسیلے سے کرتا ہے ۔ جب ایک مسیحی بائبل مقدس پڑھتا ہے تو روح اس سچائی کی تصدیق کرتا ہے کہ چونکہ تو مسیح پر ایمان لایا ہے اس لئے تو خدا کا فرزند ہے ۔

---

[1] ۸ : ۱۰ کے حاشیہ کو بھی ذہن میں رکھئے ۔ یہاں "روح" کا متبادل مفہوم انسانی روح نہیں بلکہ وہ رویہ ہے جو غلامی کا متضاد ہے ۔

۸ : ۱۷ - خدا کے خاندان کی رُکنیت سے وُہ اِستحقاق حاصل ہوتے ہیں کہ اِنسانی ذہن اُن کا اندازہ لگاتے لگاتے چکرانے لگتا ہے۔ خدا کے تمام "فرزند" "خدا کے وارث" ہیں۔ وارِث بالآخر اپنے باپ کی جائیداد میراث میں لیتا ہے۔ اور یہاں بالکل یہی مطلب ہے۔ جو کچھ باپ کا ہے وُہ سب ہمارا ہے۔ ابھی تک یہ ہماری ملکیت میں نہیں آیا۔ ہم اِس سے لُطف اندوز نہیں ہو رہے۔ مگر مُستقبل میں ایسا ہونے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ اور ہم "مسیح کے ہم میراث" ہیں۔ جب وُہ ساری دُنیا کی بادشاہی کے تخت کو سنبھالنے کو آئے گا تو ہم مسیح کے ساتھ باپ کی پُوری دولت میں شریک ہوں گے۔

جب پَولُس اِن الفاظ کا اِضافہ کرتا ہے کہ "بشرطیکہ ہم اُس کے ساتھ دُکھ اُٹھائیں تاکہ اُس کے ساتھ جلال بھی پائیں" تو وُہ دُکھوں کو مردانہ وار برداشت کرنے کو نجات کی ایک شرط قرار نہیں دیتا۔ نہ وُہ کسی ایسے پیچیدہ اندرُونی حلقے ہی کا بیان کر رہا ہے جنہوں نے بڑے بڑے دُکھ اور مُصیبتیں برداشت کی ہیں بلکہ وُہ سارے مسیحیوں کو مسیح کے ساتھ دُکھ اُٹھانے والوں اور مسیح کے ساتھ جلال پانے والوں کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ بے شک کُچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مسیح کی خاطر دُوسروں کی نسبت زیادہ دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ اَجر اور جلال میں فرق درجوں کی صُورت میں ظاہر ہوگا۔ لیکن وُہ سب جو یسوع کو خداوند اور مُنجی مانتے ہیں، دُنیا اُن سب کی مُخالِف اور دُشمن ہو جاتی ہے۔ اُن کو دُنیا کی ساری ملامت اور شرمندگی برداشت کرنی پڑتی ہے۔

۸ : ۱۸ - مگر جب مسیح ہم کو آسمان پر بُلائے گا اور آسمان کے لشکروں کے سامنے علانیہ ہم کو اپنا قرار دے گا، تو ہم جانیں گے کہ اُس دُنیا کی بڑی سے بڑی شرمندگی جو ہم نے مسیح کی خاطر برداشت کی، وُہ اِس جلال کے مُقابلے میں نہایت حقیر اور معمُولی تھی۔ یہاں تک کہ جب مُنجی شہیدوں کے سَروں پر زِندگی کے تاج سجائے گا تو اُن کو اپنی جاں کنی کا درد کانٹے کی چُبھن معلُوم ہوگا۔ ۲- کرِنتھیوں ۴ : ۱۷ میں پَولُس اِس جہان کے دُکھوں کو "دم بھر کی ہلکی سی مُصیبت" قرار دیتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ اِس کے مقابلے میں "ازحد بھاری[۱] اور اَبدی جلال" حاصل ہوتا ہے۔ پَولُس جب بھی آنے والے جلال کا بیان کرتا ہے تو اُس کے الفاظ گہرے مفہوم کے بوجھ تلے خم کھاتے ہُوئے نظر آتے ہیں۔ کاش ہم اُس "جلال" کا اندازہ لگا سکتے جو ہمیں مِلنے والا ہے تو اُس کی راہ میں آنے والے دُکھ ہم کو بالکل ادنیٰ اور ہیچ نظر آتے۔

۸ : ۱۹ - یہاں پَولُس ایک زوردار ادبی صَنعت اِستعمال کرتا ہے جسے متشخص کرنا کہتے ہیں۔ وُہ ساری "مخلُوقات" کو ایک شخص کی صُورت میں پیش کرتا ہے کہ ساری "مخلُوقات کمال آرزو سے اُس دِن کی راہ دیکھتی ہے" جب ساری دُنیا پر ظاہر ہو جائے گا کہ ہم "خدا کے بیٹے" ہیں۔ اُس وقت ساری دُنیا

---

۱ "جلال" کے لئے عِبرانی لفظ ایک فعل سے مشتق ہے جس کا مطلب "بھاری ہونا" ہے۔

انگشت بدنداں رہ جائے گی ۔ یہ اُس وقت ہوگا جب خداوند یسوع بادشاہی کرنے کے لئے واپس آئے گا اور ہم اُس کے ساتھ آئیں گے ۔

ہم تو پہلے ہی "خدا کے بیٹے" ہیں ۔ لیکن دُنیا نہ اِس حقیقت کو سمجھتی ہے نہ تسلیم کرتی ہے ۔ تو بھی کائنات ایک بہتر زمانے کی "راہ دیکھتی ہے" ۔ اور وُہ زمانہ اُس وقت تک نہیں آسکتا جب تک بادشاہ اپنے مقدسوں کے ہمراہ بادشاہی کرنے کو دوبارہ نہ آئے ۔ ساری مخلوق پنجوں کے بل کھڑی اُس نظارہ کی منتظر ہے جب خدا کے فرزند اپنی اصل حقیقت میں ظاہر ہوں گے ۔

۸: ۲۰ ۔ جب آدم نے گناہ کیا تو اِس کا اثر نہ صرف نسلِ انسانی پر بلکہ ساری "مخلوقات" پر ہوا جس میں جان دار اور بے جان ساری چیزیں شامل ہیں ۔ زمین لعنتی ہو گئی ۔ بہت سے جنگلی جانور ناگہانی اور شدید موت کا شکار ہوتے ہیں ۔ بیماریاں جانوروں، پرندوں، مچھلیوں اور سانپوں، غرض ہر جان دار کو ستاتی ہیں ۔ اِنسان کے گناہ کی لہریں جھٹکوں کی طرح ساری مخلوقات تک جا پہنچی ہیں ۔

اِس طرح جیسے پولس کہتا ہے "مخلوقات بطالت کے اِختیار میں کر دی گئی" ۔ مخلوقات بے نظمی اور شکست خوردگی کا شکار ہے ۔ مخلوقات تو اِس بات پر راضی اور خوش نہ تھی ۔ لیکن یہ خدا کا عدالتی حکم تھا ۔ اِس لئے کہ اِنسان کے پہلے سر (سردار) نے نافرمانی کی تھی ۔ اِس میں "اُمید" یہ تھی کہ "مخلوقات" فنا کے قبضہ سے "چھوٹ" جائے گی (آیت ۲۱) ۔

۸: ۲۱ ۔ مخلوقات ماضی میں اُن مثالی حالات کی طرف دیکھتی ہے جو عدن میں پائے جاتے تھے ۔ پھر اُس تباہی اور بربادی کا جائزہ لیتی ہے جو گناہ کے آ داخل ہونے سے ہوئی ۔ بے گناہی کی اور مسرت بھری حالت کی طرف واپسی کی اُمید تو ہمیشہ ہی ہری رہی ہے، جب خود "مخلوقات بھی فنا کے قبضہ سے چھوٹ کر" اُس سنہری دَور کی آزادی سے لُطف اندوز ہو گی، جب ہم بحیثیت خدا کے "فرزند" جلال میں ظاہر ہوں گے ۔

۸: ۲۲ ۔ ہم کراہتی، آہیں بھرتی اور سسکیاں لیتی دُنیا میں جی رہے ہیں ۔ "ساری مخلوقات ... کراہتی ہے" اور دردِ زِہ جیسی تکلیف میں مبتلا ہے ۔ فطرت کی موسیقی مدھم سُر میں بج رہی ہے ۔ زمین اِنقلابِ عظیم سے تھرتھرا رہی ہے ۔ موت ہر جان دار چیز پر منڈلا رہی ہے ۔

۸: ۲۳ ۔ اِیمان دار بھی مستثنیٰ نہیں ۔ اگرچہ اُن کو "رُوح کے پہلے پھل ملے ہیں" اور اُن کو بالآخر چھٹکارے کی ضمانت حاصل ہے، تو بھی وُہ جلال کے دِن کے لئے "کراہتے ہیں" ۔ پاک رُوح خود "پہلے پھل" ہے ۔ جس طرح پکے ہوئے اناج کی پہلی مٹھی بعد میں آنے والی پوری فصل کی ضمانت ہوتی ہے، اِسی طرح رُوح القدس ضمانت یا بیعانہ ہے کہ پوری میراث ہماری ہو گی ۔

رُوح القُدس ہمارے "لے پالک ہونے یعنی اپنے (ہمارے) بدن کی مخلصی" کی خاص ضمانت ہے (افسیوں ۱: ۱۴)۔ ایک مفہوم میں ہم پہلے ہی لے پالک ہیں، جس کا مطلب ہے کہ ہم کو خدا کے خاندان میں بیٹوں کی حیثیت سے جگہ دی گئی ہے۔ لیکن زیادہ کامل مفہوم میں ہمارا "لے پالک" ہونا اُس وقت مکمل ہوگا جب ہم کو جلالی بدن ملیں گے۔ اِسی بات کو "بدن کی مخلصی" کہا گیا ہے۔ ہماری رُوحوں اور جانوں کو پہلے ہی مخلصی مل چکی ہے۔ اور ہمارے بدنوں کو مسیح کے عظیم فضائی اِستقبال کے وقت مخلصی ملے گی (۱۔تھسلنیکیوں ۴: ۱۳-۱۸)۔

۸: ۲۴۔ "چنانچہ ہمیں اُمید کے وسیلہ سے نجات ملی"۔ نجات کے تمام فائدے ہمیں ایمان لاتے وقت ہی مل گئے۔ شروع ہی سے ہم گناہ، دُکھ، بیماری اور موت سے حتمی اور پُوری رہائی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ برکات ہمیں پہلے ہی مل چکی ہوتیں، تو ہم اُن کی اُمید میں نہ ہوتے۔ اُمید صرف اُسی چیز کی ہوتی ہے جو ابھی مستقبل میں ہے۔

۸: ۲۵۔ ہمیں گناہ کی موجودگی اور اُس کے تمام مُضر نتائج سے رہائی کی اُمید ہے۔ یہ اُمید خدا کے وعدے پر مبنی ہے۔ اِس لئے اُیسی یقینی ہے جیسے کہ پُوری ہو چکی ہو۔ اِس لئے ہم "صبر سے اُس کی راہ دیکھتے ہیں"۔

۸: ۲۶۔ جس طرح یہ جلالی اُمید ہمیں سنبھالے اور قائم رکھے ہوئے ہے اُسی طرح پاک "رُوح بھی ہماری کمزوری میں مدد کرتا ہے"۔ کئی دفعہ ہم اپنی دُعائیہ زندگی میں پریشان ہوتے ہیں۔ "جس طور سے ہم کو دُعا کرنا چاہئے ہم نہیں جانتے"۔ ہماری دُعا بہت دفعہ خود غرضی، نادانی اور تنگ نظری کا شکار ہوتی ہے۔ مگر یہاں بھی رُوح ہماری کمزوری میں مدد کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے اور "ایسی آہیں بھر بھر کر ہماری شفاعت کرتا ہے جن کا بیان نہیں ہو سکتا"۔ اِس آیت میں ہم آہیں نہیں بھرتے بلکہ رُوح آہیں بھرتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی سچ ہے کہ ہم آہیں بھرتے ہیں۔

یہاں ایک بھید ہے۔ ہم اُس نادیدنی رُوحانی دُنیا میں جھانک رہے ہیں، جہاں ایک عظیم شخص (پاک رُوح) اور عظیم قوتیں ہماری خاطر سرگرمِ عمل ہیں۔ اگرچہ ہم اِن ساری باتوں کو سمجھ نہیں سکتے لیکن ہمیں اِس حقیقت سے بے اِنتہا حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ کبھی کبھی ایک آہ یا کراہ نہایت رُوحانی دُعا ہوتی ہے۔

۸: ۲۷۔ اگر خدا اِنسانی "دِلوں" کو پرکھتا ہے تو وہ "رُوح کی ... نیت" کو بھی سمجھ سکتا ہے۔ خواہ اِس نیت کا اِظہار صرف ایک آہ/کراہ ہی سے کیوں نہ ہو۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ ہماری خاطر رُوح کی دُعائیں ہمیشہ "خدا کی مرضی کے مُوافق" ہوتی ہیں۔ اور چونکہ وہ ہمیشہ خدا کی مرضی کے مُوافق ہوتی ہیں اِس لئے ہمیشہ ہمارے بھلے کے لئے ہوتی ہیں۔ اِس سے بہت سی باتوں کی وضاحت ہوتی ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں بیان ہُوا ہے۔

۸: ۲۸۔ "سب چیزیں مل کر خدا سے محبت رکھنے والوں کے لئے بھلائی پیدا کرتی ہیں"۔ یعنی اُن کے

لئے جو خُدا کے اِرادہ کے مُوافق بُلائے گئے"۔ خدا ہر چیز کو ہماری بھلائی کے لئے اِستعمال کر رہا ہے۔ اکثر اَوقات ایسا نظر نہیں آتا۔ بعض اوقات ہم کو کسی المیہ، مایُوسی یا شکست کا سامنا ہوتا ہے، ہم کسی عزیز سے محرُوم ہو جاتے ہیں، ہمارا دِل ٹوٹ جاتا ہے۔ ہم سوچنے لگتے ہیں کہ اس سے کیا بھلائی پَیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن اگلی آیت اِسی بات کا جواب دیتی ہے۔ جن باتوں کو بھی خُدا ہماری زِندگیوں میں آنے کی اجازت دیتا ہے وُہ اِس طرح ترتیب دی گئی ہیں، اور اُن کا مقصد یہی ہے کہ ہم "اُس کے بیٹے کے ہم شکل" بنتے جائیں۔ جب ہم اِس بات کو سمجھ لیتے ہیں تو ہماری دُعاؤں سے مندرجہ بالا سُوال نِکل جاتا ہے۔ ہماری زِندگیاں غیر شخصی قُوتوں کے اِختیار اور قبضے میں نہیں، مثلاً اِتفاق، تقدیر، قسمت وغیرہ، بلکہ ایک عجیب و غریب شخصی خُداوند کے ہاتھ میں ہیں جو اِتنا محبّت بھرا ہے کہ نامہربان نہیں ہو سکتا اور اِتنا حکمت والا ہے کہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا۔

۸: ۲۹۔ اب پَولُس خُداوند کے اُس شان دار پروگرام کی وُسعت کا نقشہ کھینچتا ہے جو بہُت سے فرزندوں کو جلال تک پُہنچانے کے لئے مُرتب کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے خُدا ہم کو ازل سے "جانتا تھا"۔ یہ کوئی ذہنی عِلم نہ تھا۔ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے، وُہ ہر اُس شخص کو جانتا تھا جو کبھی بھی دُنیا میں پَیدا ہونے والا تھا۔ لیکن پَولُس کہتا ہے، جن کو اُس نے "پہلے سے جانا"۔ اِس جاننے میں صرف وُہ لوگ شامل ہیں جن کو اُس نے پہلے سے مُقرر کیا کہ "اُس کے بیٹے کے ہم شکل ہوں"۔ چنانچہ اِس جاننے میں ایک مقصد تھا جو کبھی باطل نہیں ہو سکتا تھا۔ اِتنا کہنا ہی کافی نہیں ہے کہ خُدا اُن کو "پہلے سے جانتا تھا" جن کے بارے میں اُسے احساس تھا کہ کسی دِن یہ توبہ کریں گے اور ایمان لائیں گے۔ درحقیقت یہ اُس کا پہلے سے جاننا ہی ہے جو بالآخر توبہ اور ایمان کو یقینی بناتا ہے۔

بے دِین گُنہگار کا تبدیل ہو کر مسیح کے مُشابہ ہو جانا فضل کا مُعجزہ ہے، اور اِلٰہی مکاشفہ کی نہایت متحیّر کرنے والی حقیقت ہے۔ یہاں ہرگز یہ نکتہ نہیں کہ ہم اِلٰہی خصُوصیات حاصل کر لیں گے یا ہمارے چہروں کے خدوخال مسیح کے چہرہ کے مشابہ ہو جائیں گے، بلکہ یہ کہ اخلاقی لحاظ سے اُس کی مانند ہو جائیں گے۔ گناہ سے بالکل آزاد ہوں گے اور اُسی کی مانند ہمارے بدن بھی جلالی ہوں گے۔

جلال کے اُس دِن یسوع "بہُت سے بھائیوں میں پہلوٹھا ٹھہرے" گا۔ یہاں "پہلوٹھا" سے مُراد ہے مرتبے یا عزّت میں پہلا۔ وُہ برابروں کے درمیان ایک نہیں، بلکہ صِرف "ایک ہو گا" جس کو اپنے بھائیوں اور بہنوں کے درمیان عزّت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہو گا۔

۸: ۳۰۔ ہر وُہ شخص جس کو "پہلے سے مُقرر" کیا گیا اُس کو "بُلایا بھی" گیا۔ مطلب یہ ہے کہ وُہ خوشخبری

کو صرف سُنتا ہی نہیں بلکہ اُس کو قبول بھی کرتا ہے۔ اس لئے یہ مؤثر بلاہٹ ہے ۔ بلائے تو سب گئے ہیں ۔ یہ خدا کی عمومی بلاہٹ ہے ۔ مگر اس کا مثبت جواب صرف چند ہی دیتے ہیں ۔ یہ ایمان پیدا کرنے والی بلاہٹ ہے ۔

وُہ سب جو مثبت جواب دیتے ہیں "راست باز بھی ٹھہرائے" گئے ہیں، یعنی اُن کو خدا کے سامنے کامل راست باز کا درجہ دیا گیا ہے۔ وُہ مسیح کے نجات کے کام کے وسیلے سے خدا کی راست بازی سے مُلبّس کئے گئے ہیں ۔ اِس لئے وُہ خداوند کی حضوری کے لائق ہیں۔

جن کو "راست باز ٹھہرایا" گیا، اُن سب کو "جلال بھی بخشا" گیا۔ اصل میں تو ہم نے ابھی تک جلال نہیں پایا، مگر یہ اتنا یقینی ہے کہ اِسے بیان کرنے کے لئے خدا فعل ماضی اِستعمال کر سکتا ہے ۔ ہمیں جلالی حالت کا اِتنا یقین ہے گویا کہ وُہ مِل چکی ہے !

ایمان دار کے اَبدی تحفّظ کے بارے میں نئے عہد نامہ میں یہ سب سے مضبوط اور زبردست حوالہ ہے ۔ اگر خدا نے دس لاکھ افراد کو پہلے سے جانا اور پہلے سے "مقرر کیا" ہے تو اُن میں سے ایک ایک فرد کو "بلایا" جائے گا، "راست باز ٹھہرایا" جائے گا اور "جلال بخشا" جائے گا۔ ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا! (یُوحنّا ۶: ۳۷ سے مقابلہ کریں)۔

۸: ۳۱۔ یہ مخلصی کی سُنہری زنجیر ہے۔ اِس کی کڑیاں ایسی مضبوط ہیں کہ ٹُوٹ نہیں سکتیں ۔ جب ہم اِن پر غور کرتے ہیں تو ایک ہی حتمی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ "اگر خدا ہماری طرف ہے" یعنی اگر اُس نے ہمیں اپنا بنانے کے لئے چُن لیا ہے "تو کون ہمارا مخالف ہے[1]؟" یعنی پھر کوئی چیز یا قوّت ہمارے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتی ۔ اگر خدا کی قدرتِ کاملہ ہماری خاطر اور ہماری طرف ہو کر کام کر رہی ہو، تو کون سی قدرت ہے جو اُس کے پروگرام کو ناکام بنا سکتی ہے؟ قطعاً کوئی نہیں ۔

۸: ۳۲ ۔ "جس نے اپنے بیٹے ہی کو دریغ نہ کیا، بلکہ ہم سب کی خاطر اُسے حوالہ کر دیا" کیا شان دار الفاظ ہیں! کاش ہم اِن کی مانوسیّت میں سرشار ہو کر اِن کے حُسن وخوبصورتی کو کھو نہ دیں ۔ کاش اِن کی قوّت ہمیں ہمیشہ عبادت اور سجدہ کی تحریک دیتی رہے! جب ضرورت تھی کہ کھوئی ہوئی دُنیا کو بے گناہ عوضی بچائے تو کائنات اور مخلوقات کے عظیم خدا نے اپنے دِل کے بہترین خزانے سے بھی دریغ نہ کیا، بلکہ ہماری خاطر اُسے شرمندگی اور موت کے حوالہ کر دیا۔

اِس بات سے جو نتیجہ نکلتا ہے، وُہ ناقابلِ مزاحمت ہے ۔ اگر خدا نے ہم کو سب سے بڑی بخشش دے دی ہے، تو کیا کوئی ایسی چھوٹی بخشش ہے جو نہ دے گا؟ اگر وُہ بھاری ترین قیمت ادا کر چکا ہے تو کیا ہلکی قیمت ادا کرنے سے ہچکچائے گا؟ اگر اُس نے نجات مُہیّا کرنے میں اِتنا تردّد کیا ہے، تو کیا وُہ ہمیں

---

[1] یہ آیت جان کیلون کی نجات کا باعث ہُوئی تھی۔

یُونہی جانے دے گا؟ وُہ اُس کے ساتھ اَور سب چیزیں بھی ہمیں کس طرح نہ بخشے گا؟"

۸: ۳۳- ابھی تک ہم کمرۂ عدالت کے منظر میں ہیں۔ لیکن اب ایک قابلِ توجہ تبدیلی آگئی ہے۔ راست باز ٹھہرایا گیا گنہگار عدالت کے سامنے حاضر ہے۔ پکار دی جاتی ہے کہ مجرم ٹھہرانے والے آگے آئیں۔ مگر کوئی نہیں! اور ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ اگر خدا نے اپنے برگزیدوں کو راست باز ٹھہرا دیا ہے "تو کون ہے جو مجرم ٹھہرائے گا؟"

اگر ہم ہر جواب کے آگے "کوئی نہیں، کیونکہ ..." کا اِضافہ کر دیں تو اس آیت اور اگلی آیت کی دلیل بہت زیادہ صاف اور واضح ہو جائے گی۔ چنانچہ آیت یُوں پڑھی جائے گی: "خُدا کے برگزیدوں پر کون نالش کرے گا؟ کوئی نہیں، کیونکہ خدا وُہ ہے جو اُن کو راست باز ٹھہراتا ہے"۔ اگر اِن الفاظ کا اِضافہ کریں تو ایسا معلُوم ہو گا کہ خُدا اپنے برگزیدوں پر نالش کر رہا ہے یا اُن کو مجرم ٹھہرا رہا ہے۔ لیکن اِسی بات کا پَولُس اِنکار کر رہا ہے۔

۸: ۳۴- اب ایک اَور چیلنج دِیا جاتا ہے کہ کوئی ہے جو مجرم ٹھہرائے گا؟ کوئی نہیں، کیونکہ "مسیح" مُدعا علیہ کی خاطر "مَر گیا" بلکہ مُردوں میں سے جی بھی اُٹھا اور "خُدا کی دہنی طرف ہے"۔ اور مُدعا علیہ کی شفاعت کرتا ہے۔ ساری عدالت خُداوند یسُوعؔ کو سونپی گئی ہے۔ اگر وُہ مُدعا علیہ کے خِلاف حُکم نہیں دیتا، بلکہ اُس کی شفاعت کرتا ہے، تو پھر کوئی دُوسرا ہے نہیں جس کے پاس اُسے مجرم ٹھہرانے کی کوئی جائز وجہ ہو۔

۸: ۳۵- اب ایمان اَپنا آخری چیلنج دیتا ہے۔ کیا یہاں کوئی ایسا ہے جو راست باز ٹھہرائے گئے شخص کو "مسیح کی محبّت سے جُدا کر" سکتا ہے یا مسیح کی محبّت سے خارج کر سکتا ہے؟ ہر مخالف صُورت حال کا جائزہ لیا جاتا ہے جو اِنسانی زندگی کے دُوسرے شعبوں میں جُدائی کا باعث بنتی رہی ہے۔ لیکن کوئی نہیں ملتی۔ نہ "مُصیبت" کا مُوسل جو مُسلسل کُوٹتا چلا جاتا ہے، نہ "تنگی" کا عفریت جو جسمانی اور ذہنی اذیت سے ناک میں دَم کر دیتا ہے، نہ "ظُلم" کے وحشیانہ اور بہیمانہ ہتھکنڈے جو اختلاف کرنے والوں کو موت سے ہمکنار کر دیتے ہیں، نہ "کال" کا شکنجہ جو کُتر کُتر کر ڈھانچہ بنا دیتا ہے، نہ "ننگا پن" جس میں محرُومی اور بے پردگی کی شرمندگی کا سامنا ہوتا ہے، نہ دہشت ناک اور ڈراؤنا "خطرہ"، نہ بے رحم، سنگدل اور مَوت کے گھاٹ اُتار دینے والی "تلوار"۔

۸: ۳۶- اِن مندرجۂ بالا چیزوں میں سے اگر کوئی بھی ایمان دار کو مسیح کی محبّت سے جُدا کر سکتی، تو یہ مُہلک جُدائی کب کی ہو چکی ہوتی کیونکہ ایک مسیحی تو جیتے جی موت کے چنگل میں رہتا ہے۔ اور جب زبُور نویس کہتا ہے کہ "ہم تیری خاطر دِن بھر جان سے مارے جاتے ہیں۔ ہم تو ذبح ہونے والی بھیڑوں کے برابر گنے گئے" تو اُس کا مطلب بالکل یہی ہے، کیونکہ مسیح کے مشابہ ہونے کے باعث ہم پر یہ سب

کچھ گزرتا رہتا ہے (زبور ۴۴: ۲۲)۔

۸: ۳۷- ہم کو مسیح کی محبت سے جُدا کرنے کی بجائے یہ چیزیں اُس کے اَور قریب لے آتی ہیں اور ہم کو "فتح" ہی نہیں بلکہ "فتح سے بھی بڑھ کر غلبہ حاصل ہوتا ہے"۔ (لفظی ترجمہ ہم مہا فاتح ہیں) - صرف یہی نہیں کہ ہم ان بھیانک قوتوں پر فتح پاتے ہیں، بلکہ ایسا کرنے میں خُدا کے جلال کا باعث، دُوسروں کے لئے برکت کا باعث اور اپنے لئے بھلائی کا باعث بنتے ہیں - ہم اپنے دُشمنوں کو غلام، اور راستے کی رُکاوٹوں کو قدم گاہِ ترقی بنا لیتے ہیں۔

لیکن یہ سب کُچھ ہماری اپنی قوّت سے نہیں ہوتا بلکہ اُس کے وسیلے سے "جس نے ہم سے محبّت کی"۔ صرف مسیح کی قُدرت ہی کڑواہٹ سے مٹھاس، کمزوری سے طاقت، المیّہ سے فتح اور مصیبت سے برکت پَیدا کر سکتی ہے۔

۸: ۳۸- ابھی رسُول کی تلاش ختم نہیں ہُوئی۔ وُہ ساری کائنات کو چھان مارتا ہے تاکہ آیا کوئی ایسی چیز ہو جو ہمیں خُدا کی محبّت سے جُدا کر سکتی ہو۔ وُہ ایک ایک کر کے تمام امکانات کو خارج کر دیتا ہے۔

"موت"— اور اُس کی تمام دہشت

"زندگی"— اور اُس کی تمام دِلفریبیاں

۸: ۳۹- "فرشتے"— عِلم اور طاقت میں فوق الفطرت

"حکومتیں"— ظالم و جابر انسان، یا مخالف فرشتے

"حال کی چیزیں"— جو ہمیں کُچل رہی ہیں۔

"اِستقبال کی چیزیں"— مُستقبل میں بُرائی کا خوف

"قُدرتیں"— فوق البشر قوتیں

"بلندی، پستی"— وُہ چیزیں جو "بُعد" یا خلا سے علاقہ رکھتی ہیں۔ اِن میں اَسراری قوتیں بھی شامل ہیں (یہ لفظ علمِ نجُوم یا جوتش میں استعمال ہوتے ہیں)۔

اور اِس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ کوئی چیز رہ نہ جائے پَولُس رسُول اِن الفاظ کا اضافہ کرتا ہے

"نہ کوئی اَور مخلوق"۔

پَولُس کی ساری تلاش و جستجو کا حاصل یہ ہے کہ اُسے کوئی چیز نہیں مِلتی جو "خُدا کی جو محبّت ہمارے خُداوند مسیح یسوع میں ہے، اُس سے ہم کو جُدا کر سکے"۔

اِس میں تعجّب کیسا کہ فتح کے الفاظ شہیدوں کا گیت، اور شہیدوں کی زندگی گزارنے والوں کا نغمہ رہے ہیں۔

۲-اِنتظامی اُمور — اِنجیل کی خوشخبری اور اسرائیل (ابواب ۹-۱۱)

ا-اِسرائیل کا ماضی (باب ۹)

ابواب ۹-۱۱ میں پَولُس اُس یہودی مُعترض کو جواب دیتا ہے جو کہتا ہے کہ "اگر غیر قوموں کے لئے بھی نجات کا وعدہ ویسے ہی ہے جیسے یہودیوں کے لئے تو کیا اِس کا مطلب ہے کہ خُدا نے اپنی زمینی اُمّت یعنی یہودیوں سے اپنے وعدے توڑ لئے ہیں؟" پَولُس کا جواب اِسرائیل کے ماضی (باب ۹)، اُن کے حال (باب۱۰) اور مستقبل (باب۱۱) کا احاطہ کرتا ہے۔

خط کے اِس حِصّے میں خُدا کے اِختیارِ مُطلق اور اِنسان کی ذمّہ داری پر زور دیا گیا ہے۔ رومیوں باب ۹ بائبل مُقدّس کے اُن کلیدی حِصّوں میں سے ہے جن میں اِس بات پر بحث کی گئی ہے کہ خُدا کو چُناؤ کا اِختیارِ مُطلق حاصِل ہے۔ اگلے باب میں سچّائی کے دُوسرے حِصّے یعنی اِنسان کی ذِمّہ داری پر اِسی شدومد سے بحث کی گئی ہے۔ اِس طرح پُوری بحث متوازن ہو جاتی ہے۔

خُدا کا اِختیارِ مُطلق اور اِنسان کی ذِمّہ داری

جب ہم کہتے ہیں کہ خُدا مُطلق العنان فرمانروا ہے تو مطلب ہوتا ہے کہ ساری کائنات اور مخلوقات اُس کے قبضہ واِختیار میں ہے اور وُہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور یہ کہتے ہُوئے ہم جانتے ہیں کہ چونکہ وُہ خُدا ہے اِس لئے وُہ کبھی کوئی غلط، بے اِنصاف یا ناراست بات نہیں کرے گا۔ اِس لئے خُدا کو مُطلق العنان کہنے کا مطلب ہے خُدا کو خُدا کی عِزّت دینا۔ ہم کو نہ اِس سچّائی سے ڈرنا چاہیے نہ اِس کے لئے مَعذرت خواہ ہونا چاہیے۔ یہ ایک جلالی سچّائی ہے، جو ہمیں اُس کی پرستش کرنے پر اُبھارتی ہے۔

اپنے اِختیارِ مُطلق کے باعث خُدا نے بعض افراد کو چُن لیا ہے کہ اُس کے ہوں۔ ایک طرف سے بائبل مُقدّس خُدا کے اِس مُطلق العنان چُناؤ کی تعلیم دیتی ہے، دُوسری طرف وُہ اِنسان کی ذِمّہ داری بھی سکھاتی ہے۔ یہ بات بے شک سچ ہے کہ خُدا بعض افراد کو نجات کے لئے چُن لیتا ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اُن افراد کے لئے ضرُوری ہے کہ اپنی طرف سے نجات کو قبول کریں۔ نجات کا اِلٰہی پہلو اِن الفاظ میں نظر آتا ہے کہ "جو کچھ باپ مجھے دیتا ہے میرے پاس آجائے گا"۔ اور نجات کا اِنسانی پہلو اِن سے اگلے الفاظ

میں نمایاں ہے کہ "اور جو کوئی میرے پاس آئے گا اُسے میں ہرگز نکال نہ دُوں گا" (یُوحنّا ۶: ۳۷)۔ ایمان دار ہونے کی حیثیّت سے ہم شادمان ہیں اور خُوشی مناتے ہیں کہ اُس نے بنائے عالم سے پیشتر ہمیں مسیح میں چُن لیا (افسیوں ۱: ۴)۔ لیکن ہم یہ بھی پکا یقین رکھتے ہیں کہ جو کوئی چاہے آبِ حیات مُفت لے (مکاشفہ ۲۲: ۱۷)۔ ڈی۔ ایل موڈی نے دونوں سچائیوں کی تشریح کرتے ہُوئے کہا ہے کہ جب ہم نجات کے دروازہ پر پہنچتے ہیں تو اُوپر یہ دعوت لکھی ہُوئی دیکھتے ہیں "جو کوئی چاہے، آ جائے"۔ جب دروازہ سے اندر داخل ہو جاتے ہیں اور پیچھے مُڑ کر دیکھتے ہیں تو اُسی دروازہ کے اُوپر یہ الفاظ لکھے دِکھائی دیتے ہیں "خُدا کے علمِ سابق کے مُطابق برگزیدہ (چُنے ہُوئے)"۔ اِس طرح جب انسان نجات کے دروازہ پر آتے ہیں تو انسانی ذِمّہ داری کی حقیقت کا سامنا ہوتا ہے۔ خُدا کے آزادانہ چُناؤ کی سچّائی اُن کے لئے ہے جو داخل ہو چُکے ہیں۔

کس طرح مُمکن ہے کہ خُدا افراد کا چُناؤ کرتا ہے کہ وُہ میرے ہوں اور ساتھ ہی ہر جگہ کے سارے لوگوں کو نجات کی حقیقی دعوت بھی دیتا ہے؟ ہم اِن دونوں سچائیوں میں کس طرح مفاہمت کر سکتے ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ نہیں کر سکتے۔ انسانی ذہن کے مُطابق یہ دونوں سچائیاں ایک دُوسرے سے مزاحم ہیں۔ متضاد ہیں۔ لیکن بائبل مُقدّس دونوں عقیدوں کی تعلیم دیتی ہے۔ اِس لئے ضرُور ہے کہ ہم اِن کا یقین کریں، اور مُطمئن رہیں کہ مُشکل ہماری عقل کی ہے، خُدا کی نہیں۔

بعض لوگوں نے خُدا کے مُطلق چُناؤ اور انسانی ذِمّہ داری میں مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خُدا کو پیشتر ہی سے علم تھا کہ کون کون "منجّی" پر ایمان لائے گا۔ چُنانچہ اُس نے اُن ہی کو نجات کے لئے چُن لیا۔ اِس کے لئے وُہ رومیوں ۸: ۲۹ کو بُنیاد بناتے ہیں کہ "جن کو اُس نے پہلے سے جانا اُن کو پہلے سے مُقرر بھی کیا"۔ اور ساتھ ۱۔ پطرس ۱: ۲ کو بھی پیش کرتے ہیں کہ "خُدا باپ کے علمِ سابق کے مُوافق ... برگزیدہ ہُوئے ہیں"۔ لیکن یہ دلیل اِس حقیقت کو نظر انداز کر دیتی ہے کہ خُدا کا علمِ سابق تعیّنی (تعیّن کرنے والا۔ قاطع) ہے۔ صِرف اِتنا ہی نہیں کہ وُہ پہلے سے جانتا ہے کہ کون "منجّی" کا یقین کرے گا، بلکہ وُہ بعض افراد کو اپنی طرف کھینچ کر نتیجے کا پہلے سے تعیّن بھی کرتا ہے۔

تو بھی خُدا کچھ افراد کو نجات پانے کے لئے تو چُنتا ہے، مگر کسی کو لعنتی یا ہلاک ہونے کے لئے ہرگز نہیں چُنتا۔ لیکن یہ اعتراض اُٹھایا جا سکتا ہے کہ "اگر خُدا بعض کو برکت کے لئے چُن لیتا ہے، تو لازماً دُوسروں کو ہلاکت کے لئے چُنتا ہے"۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ساری نسلِ انسانی اپنے گناہ کے سبب سے ہلاکت کے فتویٰ کے ماتحت تھی۔ یہ خُدا کا کوئی زبردستی کا حُکم نہیں تھا۔ اگر خُدا ہر ایک کو دوزخ میں جانے دیتا تو لوگوں کو بالکل وُہی مِلتا جس کے حق دار تھے۔ سُوال یہ ہے کہ "کیا اختیارِ مُطلق کے خُداوند

کو یہ حق ہے کہ وہ نیچے جھک کر مٹھی بھر ایسے افراد کو چن لے جن پر دوزخ کی سزا کا واجبی حکم ہو چکا ہے۔ اور اُن کو اپنے بیٹے کی دُلہن بنائے؟" بے شک جواب یہی ہے کہ اُس کو حق ہے۔ ساری بحث کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ اگر لوگ جہنم جاتے ہیں تو اپنے گناہ اور بغاوت کے باعث جاتے ہیں۔ اگر لوگوں کو نجات ملی ہے تو خدا کے مطلق چناؤ اور فضل ہی سے ملی ہے۔

جو شخص نجات پا چکا ہے، اُس کے لئے خدا کے اِس چناؤ (برگزیدہ کرنے) کا مضمون ایک لاانتہا حیرت کا باعث ہونا چاہئے۔ ایمان دار اِدھر اُدھر نگاہ دوڑاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ مجھ سے بہتر کردار، بہتر شخصیت اور بہتر مزاج کے لوگ ہیں تو پوچھتا ہے کہ "خداوند نے مجھے کیوں چن لیا؟"

غیر نجات یافتہ لوگوں کو چناؤ کی اِس حقیقت کو اپنی بے اعتقادی کے لئے عذر کی بنیاد نہیں بنانا چاہئے۔ اور ہرگز نہ کہیں "مَیں کیا کر سکتا جب چنا نہیں گیا!" یہ جاننے کا کہ ہم چنے گئے ہیں صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور خداوند یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ قبول کریں (۱۔ تھسلنیکیوں ۱: ۴-۷)۔

ایمان داروں کو خدا کے چناؤ کی حقیقت کو بنیاد بنا کر اپنے تبلیغ اور منادی کے جوش وولولہ میں کمی نہیں کرنی چاہئے۔ ہم ہرگز نہ کہیں کہ "اگر وہ چنے ہوئے ہیں، تو کسی نہ کسی طرح ضرور بچ جائیں گے"۔ صرف خدا ہی جانتا ہے کہ چنے ہوئے کون ہیں۔ ہم کو تو ساری دُنیا میں انجیل کی منادی کرنے کا حکم ہے کیونکہ خدا کی نجات کی پیش کش تمام لوگوں کے لئے حقیقی دعوت ہے۔ لوگ اپنے دِلوں کی سختی کی وجہ سے انجیل کی خوشخبری کو رد کر دیتے ہیں نہ کہ اِس لئے کہ خدا کی طرف سے عالمگیر دعوت مخلصانہ نہیں۔

اِس مضمون کے سلسلے میں دو خطرات سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اول، سچائی کے صرف ایک پہلو پر نظر رکھنا۔ یعنی خدا کے چناؤ پر ایمان رکھنا اور اِس بات کا انکار کرنا کہ نجات کے سلسلے میں انسان کی بھی ذمہ داری ہے۔ دوم، ایک سچائی پر حد سے زیادہ زور دینا اور دوسری کو نظر انداز کرنا۔ پاک کلام کے مطابق درست انداز یہ ہے کہ خدا کے مطلق چناؤ پر ایمان رکھیں اور اُسی پختگی سے انسان کی ذمہ داری پر بھی ایمان رکھیں۔ صرف اِسی طرح اِن عقائد میں بائبل مقدس کے مطابق توازن رکھا جا سکتا ہے۔

آیئے اب رومیوں باب ۹ کی طرف متوجہ ہوں اور اپنے پیارے رسول کو اِس مضمون سے پردے اُٹھاتے دیکھیں۔

۹: ۱-۵ پولس اِس بات پر زور دیتا ہے کہ نجات یہودیوں اور غیر یہودیوں سب کے لئے ہے۔ اِس سلسلے میں جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے پولس ایک غدار، تارکِ دین اور زمانہ ساز شخص معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ یہودی قوم کے ساتھ اپنے گہرے تعلق خاطر کے حق میں احتجاج کرتے ہوئے وہ قسم کھا کر اصرار کرتا

ہے کہ "مَیں ... سچ کہتا ہُوں، جھُوٹ نہیں بولتا اور میرا دِل بھی رُوحُ القُدس میں گواہی دیتا ہے" کہ مَیں جو کچھ کہہ رہا ہُوں بالکل سچ ہے۔

۹: ۲۔ رسُول جب سوچتا ہے کہ بنی اسرائیل کو کیسی شان دار بُلاہٹ مِلی تھی، اور اب اُنہوں نے مسیحِ موعُود کو رَدّ کرنے میں خُدا کو رَدّ کر دیا ہے تو اُس کا "دِل" بڑے "غم" اور مُسلسل "دُکھ" سے بھر جاتا ہے۔

۹: ۳۔ وُہ یہاں تک آمادہ ہے کہ اگر اُس کی اپنی نجات ضبط ہو جائے اور وُہ خُود مسیح سے کٹ جائے لیکن اِس طرح اُس کے یہوُدی بھائیوں کو نجات مِل جائے تو وُہ مسیح سے جُدا ہونے کو تیار ہے — یہ پرلے درجے کی خُود انکاری اور اِنسانی محبت کی اعلیٰ ترین سطح کا مظہر ہے۔ یہ محبّت اِنسان کو مجبُور کرتی ہے کہ اپنے دوستوں کے لئے اپنی جان دے (یُوحنّا ۱۵: ۱۳)۔ ہم بھی اُس بھاری بوجھ کو محسوس کرتے ہیں جس کا تجربہ ایک تبدیل شُدہ یہوُدی کو اپنے "بھائیوں" اور قرابتیوں کی تبدیلی کے سِلسلے میں ہوتا ہے۔ یہ بیان ہمیں اپنی قوم کے لئے مُوسیٰ کی دُعا یاد دِلاتا ہے کہ "اب اگر تُو اِن کا گُناہ مُعاف کر دے تو خیر، ورنہ میرا نام اُس کتاب میں سے جو تُو نے لکھی ہے مِٹا دے" (خرُوج ۳۲: ۳۲)۔

۹: ۴۔ پَولُس اپنے لوگوں کے حالِ زار پر آنسُو بہاتا ہے تو اُن کے شاندار اعزاز اور استحقاق اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔ وُہ "اسرائیلی ہیں" یعنی خُدا کی قدیم چُنی ہُوئی (برگزیدہ) قوم کے افراد۔

خُدا نے اسرائیل قوم کو اپنا بیٹا ہونے کے لئے "لے پالک" بنایا تھا (خرُوج ۴: ۲۲) اور اُسے مِصر کی غُلامی سے چھُڑایا تھا (ہوسیع ۱۱: ۱)۔ خُدا اِسرائیل کا باپ بنا (اِستثنا ۱۴: ۱) اور افرائیم اُس کا پہلوٹھا تھا (یرمیاہ ۳۱: ۹) (یہاں اِفرائیم سے بھی اسرائیلی قوم مُراد ہے)۔

شکینہ یا "جلال" کا بادل اُن کے درمیان خُدا کی حضُوری کی علامت تھا، جو اُن کی راہنمائی اور مُحافظت کرتا تھا۔

خُدا نے "عہُود" غیر قوموں سے نہیں، اِسرائیل سے کئے تھے۔ مثال کے طور پر اُس نے اِسرائیل ہی سے عہد کیا تھا کہ دریائے مِصر سے لے کر اُس بڑے دریا یعنی دریائے فرات تک (پیدائش ۱۵: ۱۸) کا عِلاقہ اُن کی مِلکیّت ہو گا۔ اور اِسرائیل ہی کے ساتھ وُہ نئے عہد کی توثیق کرے گا کہ اِسرائیل توبہ کرے گا، ایمان لائے گا، برکت پائے گا اور اُس کو دوام حاصل ہو گا (یرمیاہ ۳۱: ۳۱-۴۰)۔

"شریعت" بھی اِسرائیل ہی کو دی گئی تھی۔ صِرف وُہ ہی شریعت کے وصُول کرنے والے تھے۔ کوئی دُوسرا نہیں تھا۔

خُدا کی "عبادت" اور خیمۂ اِجتماع اور ہیکل سے مُتعلقہ تفصیلی رسُومات اور کہانت بھی اِسرائیل ہی

کو دی گئی تھی۔

مندرجہ بالا "عہود" کے علاوہ خدا نے حفاظت، امن چین اور خوشحالی کے ان گنت "وعدے" بھی کئے تھے۔

۹: ۵۔ یہودی قوم بجا طور پر دعویٰ کرتی ہے کہ قومی بزرگ یعنی ابرہام، اضحاق، یعقوب اور اُس کے بارہ بیٹے ہمارے ہیں۔ یہ قوم کے اجداد ہیں۔ سب سے بڑا اعزاز بھی اسرائیل ہی کو دیا گیا یعنی جہاں تک انسانی نسل کا تعلق ہے مسیح موعود ایک اسرائیلی ہے جو کہ کائنات کا فرمانروا اور "ابد تک خدائے محمود ہے"۔ یہاں منجی کی الوہیت اور بشریت کا بالکل واضح اور حتمی بیان ہے کہ "جسم کی رو سے ۔ ۔ ۔" اسرائیلی اور الوہیت کی رو سے ۔ ۔ ۔ "خدائے محمود"۔

۹: ۶۔ اب رسول علم الٰہیات کے ایک سنجیدہ مسئلے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگر خدا نے اسرائیل کو اپنی برگزیدہ زمینی قوم ٹھہرایا اور اُس کے ساتھ وعدے کئے تو کیا وجہ ہے کہ اب اسرائیل کو رد کیا گیا ہے اور غیر قوموں کو بابرکت مقام میں لایا جا رہا ہے؟ پولس زور دیتا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا اپنے وعدے سے پھر گیا ہے۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ خدا کا چناؤ کا عمل ہمیشہ وعدہ پر مبنی رہا ہے، صُلبی نسل پر نہیں۔ کسی شخص کے "اسرائیلی" قوم میں پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ وعدوں کا بھی وارث ہے۔ "اسرائیلی" قوم کے اندر خدا کا ایک سچا اور ایماندار بقیہ ہے۔

۹: ۷۔ ابرہام کی نسل ہونے کے سبب سے تو سب "فرزند" نہیں ٹھہرتے۔ مثال کے طور پر اسمٰعیل بھی ابرہام کی "نسل" سے تھا۔ لیکن وعدہ کی نسل اضحاق سے ہوئی، اسمٰعیل سے نہیں ہوئی۔ خدا کا وعدہ یہ تھا کہ "اضحاق ہی سے تیری نسل کہلائے گی" (پیدائش ۲۱: ۱۲)۔ جیسا کہ ہم نے ۴: ۱۲ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا تھا کہ خداوند یسوع نے یوحنا ۸: ۳۳-۳۹ میں ایمان نہ لانے والے یہودیوں سے بحث کرتے ہوئے اسی دلچسپ فرق کو ملحوظ رکھا۔ اُنہوں نے یسوع سے کہا کہ "ہم تو ابرہام کی نسل سے ہیں" (آیت ۳۳)۔ یسوع نے اِس بات کو تسلیم کیا اور کہا "میں جانتا ہوں کہ تم ابرہام کی نسل سے ہو"۔ (آیت ۳۷)۔ لیکن جب اُنہوں نے کہا کہ "ہمارا باپ تو ابرہام ہے" تو خداوند نے جواب دیا کہ "اگر تم ابرہام کے فرزند ہوتے تو ابرہام کے سے کام کرتے" (آیت ۳۹)۔ دوسرے لفظوں میں وہ ابرہام کی نسل سے تو تھے لیکن ابرہام کا سا ایمان نہیں رکھتے تھے اِس لئے اُس کے روحانی فرزند نہ تھے۔

۹: ۸۔ جسمانی نسل سے ہونا کسی شمار میں نہیں۔ حقیقی اسرائیل اُن یہودیوں پر مشتمل ہے جن کو خدا نے چن لیا اور جن کے ساتھ خاص "وعدہ" کیا اور اپنے "فرزند" ٹھہرایا۔ اضحاق اور یعقوب کے معاملے میں ہمیں الٰہی چناؤ کا یہ اصول کارفرما نظر آتا ہے۔

۹:۹- خُدا نے ابرہام پر ظاہر ہو کر وعدہ کیا کہ مَیں مقررہ "وقت کے مطابق آؤں گا اور سارہ کے بیٹا ہو گا"۔ اور یقیناً وُہ "بیٹا" اِضحاق ہے۔ وُہ حقیقتاً "وعدہ" کا فرزند ہے اور اُس کی پیدائش فوق الفطرت ہے۔

۹:۱۰- اِلٰہی چناؤ (خُدا اپنے اختیارِ مُطلق کو اِستعمال کرتے ہُوئے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے) کی ایک اور مثال یعقوب ہے۔ بے شک "اضحاق" اور "ربقہ" والدین تھے لیکن "ربقہ" کے پیٹ میں ایک نہیں بلکہ دو۲ بچّے تھے۔

۹:۱۱- اِن "لڑکوں" کی پیدائش سے پہلے ہی اِس فیصلے کا اعلان کر دیا گیا کہ "بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا"۔ چنانچہ اِس اعلان کی بُنیاد نیک اعمال نہیں تھی۔ کیونکہ ابھی کسی ایک بچّے نے کوئی فعل نہیں کیا تھا۔ یہ تو سراسر خُدا کے چُناؤ کا معاملہ تھا۔ یہ چُناؤ سراسر اُس کی آزاد مرضی پر منحصر تھا، چُنے جانے والے کے کردار یا اعمال کا اِس میں کوئی دخل نہ تھا۔ "خُدا کا اِرادہ جو برگزیدگی پر موقوف ہے"۔ اِس کا مطلب ہے خُدا کا پکّا ارادہ کہ مَیں اپنی عنایات یا نوازشات اپنی آزاد مرضی اور اپنی خُوشی کے مطابق تقسیم کروں گا۔

یہ آیت اِس تصوّر کو بھی غلط ثابت کرتی ہے کہ خُدا کا یعقوب کا چُناؤ اُس کے عِلمِ سابق پر مبنی تھا کہ یعقوب کیا کرے گا۔ کیونکہ یہاں وضاحت کے ساتھ بیان ہُوا ہے کہ یہ چُناؤ "اعمال پر مبنی" نہ تھا۔

۹:۱۲- خُدا کا فیصلہ تھا کہ "بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا"۔ عیسو، یعقوب کا خدمت گزار ہو گا۔ یعقوب کو زمینی شان اور اعزاز و استحقاق کے لئے چُن لیا گیا۔ عیسو اِن جُڑواں بھائیوں میں پہلوٹھا تھا۔ اور عام حالات میں پہلوٹھا ہونے کا حق، عزّت اور اِعزازات اُسی کو مِلتے، لیکن خُدا کے چُناؤ نے اُس کو ایک طرف ہٹا دیا اور یعقوب کو اِن اعزازات کے لئے چُن لیا۔

۹:۱۳- چُناؤ میں خُدا کو اختیارِ مُطلق حاصِل ہے۔ اِس حقیقت پر مزید زور دینے کے لئے پَولس ملاکی ۱:۲، ۳ کا اقتباس کرتا ہے کہ "مَیں نے یعقوب سے تو محبّت کی مگر عیسو سے نفرت"۔ یہاں خُدا دو۲ قوموں یعنی اِسرائیل اور ادوم کی بات کر رہا ہے۔ "یعقوب" اور "عیسو" بالترتیب اُن کے جدِ امجد تھے۔ خُدا نے اِسرائیل کو چُن لیا تاکہ اُسی سے مسیحِ موعود اور مسیحِ موعود کی بادشاہی کا وعدہ کرے۔ ادوم کے ساتھ ایسا کوئی وعدہ نہ تھا بلکہ "اُس کے پہاڑوں کو وِیران کیا اور اُس کی میراث بیابان کے گیدڑوں کو دی" (ملاکی ۱:۳ اِس کے ساتھ یرمیاہ ۴۹: ۱۷، ۱۸ اور حزقی ایل ۲۵: ۷-۹ بھی مُلاحظہ کریں)۔

اگرچہ یہ بات دُرست ہے کہ ملاکی ۱: ۲، ۳ کے بیان کا تعلق خُدا کے قوموں کے ساتھ سلوک سے ہے، افراد کے ساتھ سلوک سے نہیں، مگر پَولس اِسے اپنی دلیل کی حمایت و تائید کے لئے استعمال کرتا ہے کہ خُدا کو افراد کے چُناؤ کا بھی اختیارِ کُلی ہے۔

"مَیں نے یعقوب سے تو محبّت کی مگر عیسَو سے نفرت" - اِن الفاظ کو خُدا کے اُس آزاد فیصلے کی روشنی میں دیکھنا چاہئے، جس میں کہا گیا کہ "بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا" - یعقوب کو ترجیح دینے کو محبّت کا عمل کہا گیا ہے جبکہ عیسَو کو نظر انداز کرنا نِسبتاً نفرت کا عمل - مُراد یہ نہیں کہ خُدا عیسَو سے اِنتقامی دشمنی رکھتا تھا بلکہ یہ کہ وُہ یعقوب کے مُقابلے میں عیسَو سے کم محبّت رکھتا تھا، جیسا کہ یعقوب کے چُناؤ سے نظر آتا ہے -

کلام کا یہ حِصّہ دُنیوی برکات کا حوالہ دیتا ہے 'ابدی زِندگی' کا حوالہ نہیں دیتا - ادوم سے خُدا کی نفرت کا یہ مطلب نہیں کہ انفرادی طور پر ادومی نجات نہیں پا سکتے، اور نہ اِسرائیل کے ساتھ محبّت کا یہ مطلب ہے کہ یہُودیوں کو نجات پانے کی ضرورت نہیں - (غور کریں کہ عیسَو کو بھی کُچھ دُنیوی برکات مِلی تھیں، جن کی گواہی اُس نے خُود دی ہے - پیدائش ۳۳: ۹) -

۹: ۱۴ - رسُول نے پہلے ہی دُرست اندازہ لگا لیا تھا کہ اِلٰہی چناؤ کے بارے میں میری تعلیم پر ہر طرح کے اِعتراض کئے جائیں گے - آج تک لوگ خُدا پر بے اِنصاف ہونے کا اِلزام لگاتے ہیں - وُہ کہتے ہیں کہ اگر خُدا بعض کو چُن لیتا ہے تو اِس طرح لازماً دُوسروں کو لعنتی ٹھہراتا ہے - وُہ یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اگر خُدا نے سب کُچھ پہلے ہی مُقرر کر لیا ہے تو پھر کوئی بھی اِس کے بارے میں کُچھ نہیں کر سکتا - اور لوگوں کو مُجرم ٹھہرانے میں خُدا بے اِنصاف ہے -

پَولُس پُورے زور سے خُدا کے "بے انصاف" ہونے کے اِمکان کا اِنکار کرتا ہے - لیکن وُہ اُس کے مُختارِ کُل ہونے کو بھی کسی طرح کم ظاہر کرنے پر آمادہ نہیں -

۹: ۱۵ - پَولُس پہلے تو اُن الفاظ کا اقتباس کرتا ہے جو خُدا نے مُوسیٰ سے کہے تھے "جس پر رحم کرنا منظُور ہے اُس پر رحم کروں گا اور جس پر ترس کھانا منظُور ہے اُس پر ترس کھاؤں گا" (دیکھئے خروج ۳۳: ۱۹) - کون کہہ سکتا ہے کہ خُدا تعالیٰ زمین و آسمان کے خُداوند کو "رحم" کرنے اور "ترس" کھانے کا حق نہیں ہے ؟

تمام اِنسان اپنے گُناہ اور بے اعتقادی کے باعث مجرم ہیں - اگر اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو سب کے سب ہلاک ہوں گے - سارے لوگوں کو انجیل کی خُوشخبری کی دعوت دینے کے عِلاوہ خُدا اِن مجرم لوگوں میں سے بعض کو چُن لیتا ہے کہ اُن پر خاص فضل کرے - لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وُہ دُوسروں کو زبردستی مُقرر کرتا ہے کہ مُجرم رہیں - وُہ تو پہلے ہی مُجرم ہیں کیونکہ زِندگی بھر گُناہ کرتے ہیں اور اُنہوں نے خُوشخبری کو رد کر دیا ہے - جو چُنے گئے ہیں وُہ خُدا کے فضل کے لئے اُس کا شُکر کریں - جو رہ گئے ہیں وُہ کسی کو اِلزام نہیں دے سکتے - قصُور اُن کا اپنا ہے -

۹: ۱۶ - چنانچہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ افراد یا قوموں کا آخری انجام نہ تو اُن کے ارادہ پر، نہ اُن کی دَوڑ دھوپ پر بلکہ "خُدا" کے "رحم" پر منحصر ہے۔

"یہ نہ ارادہ کرنے والے پر منحصر ہے"۔ اِن الفاظ سے پَولُس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص اپنی نجات کے عمل میں ملوث نہیں ہوگا۔ انجیل کی خوشخبری کی دعوت کا تعلق براہِ راست اِنسان کے اِرادہ سے ہے جیسا کہ مکاشفہ ۲۲: ۱۷ میں کہا گیا ہے "جو کوئی چاہے آبِ حیات مُفت لے"۔ یسوؔع نے بھی ایمان نہ لانے والے یہودیوں کو اِسی طرح بے نقاب کیا تھا کہ "تم زِندگی پانے کے لئے میرے پاس آنا نہیں چاہتے" (یوحنّا ۵: ۴۰)۔ جب پَولُسؔ کہتا ہے کہ "نہ دوڑ دھوپ کرنے والے پر منحصر ہے" تو وُہ اِس بات سے اِنکار نہیں کرتا کہ ہمیں تنگ دروازہ سے داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہئے (لُوقا ۱۳: ۲۴)۔ کچھ نہ کچھ رُوحانی سرگرمی، دِلسوزی اور اِرادہ ضروری ہے۔ لیکن اِنسان کا اِرادہ اور دوڑ دھوپ بُنیادی اور فیصلہ کُن عناصر نہیں ہیں۔ نجات خُداوند کی طرف سے ہے۔ مورگنؔ کہتا ہے

> "ہمارا اِرادہ اور ہماری دوڑ دھوپ نہ تو ہمیں وُہ نجات دِلا سکتی ہے جس کی ہمیں حاجت ہے، نہ نجات کی مُہیا کردہ برکات میں داخل کرا سکتی ہے ... اپنے آپ سے تو ہم نجات پانے کا ارادہ بھی نہیں کر سکتے۔ اِس کے لئے جد وجہد کرنا تو دُور کی بات ہے۔ اِنسان کی نجات کے لئے ہر بات کا آغاز خُدا سے ہوتا ہے"۔

۹: ۱۷ - خُدا کی آزاد مرضی نہ صِرف بعض پر رحم کرنے میں، بلکہ بعض کو سخت کرنے میں بھی نظر آتی ہے۔ اِس کی مثال "فرعونؔ" ہے۔

یہاں ایسا کوئی اِشارہ نہیں کہ مصری شہنشاہ پر جنم ہی سے سزا کا حُکم ہو چُکا تھا۔ جو کُچھ ہُوا اُس کی تفصیل یہ ہے۔ اپنی بالغ زِندگی میں وُہ شریر، ظالم اور انتہائی ضِدّی اور ہٹ دھرم ثابت ہُوا۔ اُس کو بڑی سنجیدگی سے خبردار کیا گیا۔ مگر وُہ اپنے دِل کو سخت کرتا گیا۔ خُدا اُس کو فوراً ہلاک کر سکتا تھا۔ مگر نہیں کیا بلکہ اُس کو بچائے رکھا تاکہ اُس کے وسیلے سے اپنی "قُدرت ظاہر" کرے۔ اور اُس کے وسیلے سے خُدا کا نام "تمام رُوئے زمین پر مشہور ہو"۔

۹: ۱۸ - فرعونؔ نے بار بار اپنے دِل کو سخت کیا، اور ہر موقع کے بعد خُدا نے سزا کے طور پر اُس کے دِل کو اَور بھی سخت کر دیا۔ جو دُھوپ برف کو پگھلا دیتی ہے وُہی دُھوپ مٹی کو سخت کر دیتی ہے۔ جو خُدا شکستہ دِلوں پر رحم کرتا ہے وُہی خُدا غیر تائب دِلوں کو سخت کر دیتا ہے۔ فضل کو ردّ کرنا فضل سے محرُوم کیا جانا ہے۔

خُدا کو حق ہے کہ جس پر چاہے "رحم" کرے اور جس کو چاہے سخت کر دے ۔ لیکن چونکہ وُہ خُدا ہے اِس لئے وُہ کبھی بے انصافی سے کام نہیں لیتا ۔

۹: ۱۹ ۔ پَولُس اِصرار کرتا ہے کہ خُدا کو حق ہے کہ جو چاہے سو کرے ۔ اِس سے ایک اِعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو پھر "خُدا" کو کسی پر "عیب" نہیں لگانا چاہئے کیونکہ کسی نے کبھی بھی کامیابی سے "اُس کے اِرادہ کا مُقابلہ" نہیں کیا ۔ مُعترض کی نظر میں اِنسان خُدا کی شطرنج پر ایک بے بس مُہرہ ہے ۔ اُس کے کُچھ بھی کہنے اور کرنے سے اُس کی قسمت نہیں بَدل سکتی ۔

۹: ۲۰ ۔ پہلے تو رسُول ہر اُس مخلُوق کو جِھڑکتا ہے جو اپنے خالِق پر عیب لگانے کی گُستاخی کرتا ہے ۔ محدُود "اِنسان" جس کو گُناہ، جہالت اور کمزوری کے بوجھ نے دبا رکھا ہے، اُس کی کیا حیثیّت ہے کہ اپنے "خُدا" کو جواب دے یا اُس کے طور طریقوں کی حِکمت یا اِنصاف پر اعتراض کرے ۔

۹: ۲۱ ۔ اب پَولُس "کُمہار" اور "مٹّی" کی مثال دے کر خُدا کے اِختیارِ مُطلق کو دُرست اور سچّا ثابت کرتا ہے ۔ "کُمہار" اپنے اڈّے پر آتا ہے اور فرش پر بے شکل چِکنی مٹّی کا ڈھیر دیکھتا ہے ۔ وُہ اِس مٹّی کا ایک لوندا لے کر چاک پر رکھتا ہے اور ایک خوبصُورت "برتن" بنا دیتا ہے ۔ کیا اُس کو ایسا کرنے کا اِختیار ہے ؟

بے شک "کُمہار" خُدا ہے اور "مٹّی" گنہگار کی کھوئی ہُوئی اِنسانیت ہے ۔ اگر "کُمہار" اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دیتا تو سارے کے سارے اِنسان جہنّم میں جھونک دِئے جاتے ۔ کُمہار کا اُن کو یُوں چھوڑ دینا عَدل و اِنصاف کے عین مُطابق ہوتا ۔ مگر وُہ اپنی آزاد مرضی سے مُٹھی بھر گنہگاروں کو چُنتا، اپنے فضل سے اُن کو نجات دیتا، اور اپنے بیٹے کی صُورت پر ڈھالتا ہے ۔ کیا اُس کو ایسا کرنے کا اختیار ہے ؟ یاد رکھیں کہ وُہ دُوسروں کو زبردستی جہنّم کا سزاوار نہیں بناتا ۔ وُہ تو اپنی بے ایمانی اور ہٹ دھرمی کے باعث پہلے ہی سزاوار ہیں ۔

خُدا کو قطعی "اختیار" حاصل ہے کہ کُچھ مٹّی سے "ایک برتن عزّت کے لئے" اور کُچھ مٹّی سے "دُوسرا (برتن) بے عزّتی کے لئے" بنائے ۔ اِس صورتِ حال میں کہ سب کے سب نالائِق ہیں جس کو جہاں چاہے اپنی برکت عطا کرے، اور جس کو چاہے برکت سے محرُوم رکھے ۔ جہاں ایک بھی اہل اور حق دار نہیں وہاں زیادہ سے زیادہ یہ مُطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ وُہ کِسی سے بے اِنصافی کا سلوک نہ کرے ۔

۹: ۲۲ ۔ پَولُس ایک تصویر پیش کرتا ہے کہ جیسے عظیم کُمہار "خُدا" ایک کشمکش میں مُبتلا ہے ۔ ایک طرف تو وُہ "اپنا غضب ظاہر کرنے" اور گُناہ کی سزا دینے سے "اپنی قُدرت آشکارا کرنے کا ارادہ" رکھتا ہے ۔ دُوسری طرف وُہ "غضب کے برتنوں کے ساتھ جو ہلاکت کے لئے تیار ہُوئے تھے تحمّل سے پیش"

آنا چاہتا ہے۔ دراصل یہ کشمکش خُدا کے راست غضب اور رحم بھرے "تحمل" کے درمیان ہے۔ بحث یہ ہے کہ "اگر خُدا شریروں کو فوراً سزا دینے میں راست ٹھہرتا ہے، لیکن اِس کی بجائے اُن کے ساتھ اِنتہائی برداشت اور تحمل سے پیش آتا ہے تو کون اُن پر عیب لگا سکتا ہے؟"

اِن اَلفاظ پر خاص غور کریں کہ "غضب کے برتنوں ... جو ہلاکت کے لئے تیار ہُوئے تھے"۔ "غضب کے برتن" وُہ (لوگ) ہیں جن کے گُناہ اُن کو خُدا کے "غضب" کے ماتحت لے آئے ہیں۔ اُن کے گُناہ، نافرمانی اور بغاوت نے اُن کو "ہلاکت کے لئے تیار" کر دیا ہے۔ خُدا کے کسی فیصلے نے ایسا نہیں کیا۔

۹: ۲۳۔ اگر خُدا چاہے کہ وُہ "اپنے جلال کی دولت" اُن لوگوں پر "آشکارا کرے" جن پر وُہ رحم کرنا چاہتا ہے تو کون اُس پر اعتراض کر سکتا ہے؟ "رحم کے برتنوں" سے مُراد وہ لوگ ہیں جن کو اُس نے اپنے اَبدی "جلال کے لئے پہلے سے تیار" کیا ہے۔ یہاں سی۔ آر۔ ارڈمین کا تبصرہ بہت موزوں اور مُعاون معلوم ہوتا ہے کہ

"خُدا اپنے اختیارِ مُطلق کو اُن لوگوں کو مُجرم ٹھہرانے کے لئے کبھی بروئے کار نہیں لاتا جن کو نجات مِلنی چاہئے بلکہ اِس کا نتیجہ ہمیشہ اُن لوگوں کی نجات ہُوا ہے جن کو ہلاک ہونا چاہئے تھا"۔

خُدا غضب کے برتنوں کو ہلاکت کے لئے کبھی تیار نہیں کرتا۔ البتہ "جلال کے لئے" "رحم کے برتن" ضرور تیار کرتا ہے۔

۹: ۲۴۔ پَولُس 'رحم کے برتنوں' کی پہچان کراتا ہے۔ یہ وُہ ایمان دار مسیحی ہیں جن کو خُدا نے یہودیوں اور غیر قوم دونوں سے "بلایا"۔ یہ اَمر آگے ہونے والی باتوں کی بُنیاد ٹھہرا۔ یعنی ایک بقیہ کے عِلاوہ ساری اِسرائیلی قوم کو برطرف کر دینا اور "غیر قوموں کو عزت و اِستحقاق کی جگہ دینے کے لئے بلانا۔

۹: ۲۵۔ غیر قوموں کی بُلاہٹ سے یہودیوں کو حیرت زدہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اِس بات کے ثبوت میں پَولُس رسول ہوسیع کی کتاب سے دو آیات پیش کرتا ہے۔ پہلی آیت ہوسیع ۲: ۲۳ ہے "جو میری اُمّت نہ تھی، اُسے مَیں اپنی اُمّت کہوں گا اور جو پیاری نہ تھی اُسے پیاری کہوں گا"۔ اصل میں ہوسیع کے یہ اَلفاظ غیر قوموں کے لئے نہیں بلکہ اِسرائیل کے لئے تھے۔ یہ اُس وقت کی طرف اِشارہ کرتے ہیں، جب اِسرائیل خُدا کی اُمّت کی حیثیت سے بحال اور پیارا ہو گا۔ لیکن یہاں رومیوں کے خط میں پَولُس اِن کا اِطلاق غیر قوموں کی بُلاہٹ پر کرتا ہے۔ پَولُس کو ایسی زبردست تبدیلی کرنے کا کیا حق ہے؟ جواب

یہ ہے کہ پہلے موقع پر یہ الفاظ رُوح القدس کی تحریک اور الہام سے لکھے گئے تھے۔ اور رُوح القدس کو پورا حق ہے کہ ان کی نئے سرے سے تشریح کرے اور نئے انداز میں ان کا اطلاق کرے۔

۲۶:۹۔ دُوسری آیت ہوسیع ۱:۱۰ ہے۔ "اور ایسا ہوگا کہ جس جگہ اُن سے کہا گیا تھا کہ تم میری اُمّت نہیں ہو، اُسی جگہ وُہ زندہ خُدا کے بیٹے کہلائیں گے"۔ ایک دفعہ پھر پُرانے عہدنامہ کے سیاق و سباق میں یہ آیت غیر قوموں کا بیان نہیں کر رہی بلکہ یہ کہ مستقبل میں اسرائیل بحال ہوگا اور خُدا کی نظر میں مقبول ہوگا۔ لیکن پولُس اِس کا اطلاق اِس حقیقت پر کرتا ہے کہ خُدا غیر قوموں کو اپنے بیٹے تسلیم کرتا ہے۔ یہ ایک اَور مثال ہے کہ جب رُوح القدس پُرانے عہدنامہ سے آیات نئے عہدنامہ میں اقتباس کرتا ہے تو اُس کو حق ہے کہ جیسے چاہے اُن کا اِطلاق کرے۔

۲۷:۹۔ آیت ۲۷ تا ۲۹ میں ایک بقیہ کے عِلاوہ پُورے اسرائیل کے رَدّ کئے جانے پر بحث ہے۔ "یسعیاہ" نے پیشین گوئی کی تھی کہ "بنی اسرائیل" میں سے صرف "تھوڑے" ہی سے "بچیں گے" حالانکہ ساری قوم کا شُمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا (یسعیاہ ۱۰: ۲۲)۔

۲۸:۹۔ یسعیاہ (۱۰: ۲۳) کہتا ہے کہ "خُداوند اپنے کلام کو تمام اور منقطع کر کے اُس کے مُطابق زمین پر عمل کرے گا"۔ نبی نے فلسطین پر بابل کی یلغار اور اِس کے نتیجہ میں اسرائیل کی جلاوطنی کی نبوّت کی تھی۔ "عمل" خُدا کی عدالت اور غضب کا عمل تھا۔ اِن الفاظ کا حوالہ دے کر پولُس کہہ رہا ہے کہ ماضی میں جو کُچھ بنی اسرائیل پر واقع ہُؤا، وُہی کُچھ آج بھی ہوسکتا ہے۔

۲۹:۹۔ "چنانچہ یسعیاہ نے پہلے بھی (پہلے کی ایک نبوّت میں) کہا ہے کہ اگر ربُّ الافواج ہماری کُچھ نسل باقی نہ رکھتا تو ہم" یعنی بنی اسرائیل "سدُوم کی مانند اور عمورہ کے برابر ہو جاتے" یعنی نیست و نابود ہو جاتے۔

۳۰:۹۔ پولُس پُوچھتا ہے کہ جہاں تک کلیسیا کے موجُودہ دور کا تعلق ہے، مندرجۂ بالا ساری بحث کا نتیجہ "کیا" ہے؟ پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ "غیر قوموں نے ۔۔۔ راست بازی حاصل کی ۔۔۔ جو ایمان سے ہے"۔ غیر قوموں کی خصُوصیت یہ ہے کہ وُہ "راست بازی کی تلاش نہ کرتی تھیں" بلکہ شرارت اور گناہ کی دِلدادہ تھیں لیکن اَب خُداوند یسوع مسیح پر "ایمان" کے باعث اُنہوں نے "راستبازی حاصل کی ۔۔۔ ہے"۔ بے شک سارے غیر قوم افراد تو نہیں بلکہ صِرف وُہی راست باز ٹھہرائے گئے ہیں جو مسیح پر ایمان لائے ہیں۔

۳۱:۹۔ دُوسری طرف "بنی اسرائیل" شریعت کی بنیاد پر راست بازی تلاش کرتے تھے۔ اُن کو کبھی ایسی "شریعت" نہ مل سکی جس کے وسیلے سے وُہ "راست بازی" حاصل کر سکتے۔

۹: ۳۲ - اِس کا سبب صاف ظاہر ہے۔ اُنہوں نے یہ ماننے سے اِنکار کر دیا کہ راست بازی مسیح پر "ایمان سے" ہے بلکہ ہٹ دھرمی سے شخصی اہلیت یعنی "اعمال سے اُس کی تلاش" میں لگے رہے۔ "اُنہوں نے ٹھوکر کھانے کے پتھر سے ٹھوکر کھائی"۔ خُداوند یسوع مسیح اُن کے لئے ٹھوکر کھانے کا پتھر ثابت ہُوا۔

۹: ۳۳ - یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو خُداوند نے یسعیاہ کی معرفت پہلے سے بیان کر دی تھی۔ مسیح موعود کی یروشلیم میں آمد کا دوہرا اثر ہوگا۔ کچھ لوگوں کے لئے تو وہ "ٹھیس لگنے کا پتھر اور ٹھوکر کھانے کی چٹان" ثابت ہوگا (یسعیاہ ۸: ۱۴)۔ دوسرے اُس پر "ایمان" لائیں گے اور "شرمندہ نہ" ہوں گے۔ اُن کو کوئی ٹھوکر نہ لگے گی، نہ مایوسی ہوگی (یسعیاہ ۲۸: ۱۶)۔

ب - اِسرائیل کا حال (باب ۱۰)

۱۰: ۱ - پولُس کی تعلیم ایمان نہ لانے والے یہودیوں کے لئے نہایت ناگوار تھی۔ وہ اُس کو اِسرائیل کا دُشمن اور غدار سمجھتے تھے۔ لیکن یہاں وہ اپنے مسیحی "بھائیوں" کو جن کو وہ خط لکھ رہا ہے، یقین دِلاتا ہے کہ جس بات سے مجھے سب سے زیادہ خوشی ہوگی اور جس کے لئے میں دُعا مانگتا ہوں یہ ہے کہ بنی اسرائیل "نجات پائیں"۔

۱۰: ۲ - وہ اُن کو بے خُدا اور بے دین جان کر چھوڑ نہیں دیتا۔ اُن کو مجرم نہیں ٹھہراتا بلکہ اُن کے حق میں گواہی دیتا ہے کہ "وہ خُدا کے بارے میں غیرت ... رکھتے ہیں"۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ یہودیت کی رسُومات اور شعائر پر پُوری اِحتیاط سے عمل کرتے تھے، اور اُس کے خِلاف کسی عقیدہ اور تعلیم کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ لیکن "غیرت" ہی کافی نہیں۔ اِس کے ساتھ سچّائی کو بھی شامل ہونا چاہئے، ورنہ غیرت فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچائے گی۔

۱۰: ۳ - اِسی بات میں وہ ناکام ہُوئے۔ "وہ خُدا کی راست بازی سے ناواقف" تھے، یعنی اِس حقیقت سے کہ خُدا اعمال کے نہیں بلکہ ایمان کے اصُول پر راست بازی محسُوب کرتا ہے۔ وہ شریعت کی پابندی کے وسیلے سے "اپنی راست بازی قائم کرنے کی کوشش" میں رہے۔ وہ اپنی کوششوں سے، اپنے نیک اعمال سے خُدا کو پسند آنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ ہٹ دھرمی سے خُدا کے اِس منصُوبے کے تابع ہونے سے اِنکار کرتے رہے کہ اُن بے دین گنہگاروں کو راست باز ٹھہرایا جائے جو اُس کے بیٹے پر ایمان لاتے ہیں۔

۱۰: ۴ - اگر وہ "مسیح" پر ایمان لے آتے تو اُن کی سمجھ میں آ جاتا کہ "راست بازی کے لئے

مسیح شریعت کا انجام ہے"۔ شریعت کا مقصد گناہ کو ظاہر کرنا اور حکم عدولی کرنے والوں کو مجرم ٹھہرانا ہے۔ شریعت کبھی راست بازی نہیں دے سکتی۔ شریعت توڑنے کی سزا موت ہے۔ اپنی موت میں مسیح نے شریعت کو توڑنے کی سزا ادا کر دی۔ جب کوئی گنہگار خداوند یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ قبول کر لیتا ہے، تو شریعت کا اُس پر کچھ دعویٰ باقی نہیں رہتا۔ اپنے عوضی کی موت میں وہ شریعت کے اعتبار سے مر گیا۔ اب اُس کو نہ شریعت سے کچھ واسطہ رہا نہ شریعت کے وسیلے سے راست بازی حاصل کرنے سے۔

۱۰: ۵۔ پُرانے عہدنامہ کے لفظوں میں ہم کو شریعت کی باتوں اور ایمان کی باتوں میں فرق صاف سُنائی دے رہا ہے۔ مثال کے طور پر احبار ۱۸: ۵ میں "مُوسیٰ نے یہ لکھا ہے کہ جو شخص اُس راست بازی پر عمل کرتا ہے جو شریعت سے ہے وہ اُسی کی وجہ سے زندہ رہے گا"۔ زور اُس کے اعمال، اُس کی کامیابی پر ہے۔

بلاشُبہ یہ بیان ایک ایسا آئیڈیل (مثالی حالت) پیش کرتا ہے جس پر کوئی گناہ آلودہ شخص پورا نہیں اُتر سکتا۔ اِس ساری بات کا مطلب و مُدعا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت پر دائمی اور مکمل عمل کرے تو اُس پر موت کی سزا کا حکم نہیں ہو گا۔ لیکن شریعت تو اُن لوگوں کو دی گئی جو پہلے ہی گنہگار تھے اور جن پر سزا کا حکم ہو چکا تھا۔ اگر وہ اُس دن کے بعد سے شریعت پر کامل عمل کر بھی سکتے۔ پھر بھی کھوئے ہی رہتے کیونکہ خدا ماضی کے گناہوں کی (سزا کی) ادائیگی کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ یہ اُمید کہ انسان شریعت کے وسیلے سے راست بازی حاصل کر سکتا ہے کبھی پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ اِس اُمید کی ناکامی تو شروع ہی سے مقرر تھی۔

۱۰: ۶۔ ایمان کی زبان شریعت کی زبان سے بالکل فرق ہے۔ اِس حقیقت کو دکھانے کے لئے پولس پہلے اِستثنا ۳۰: ۱۲، ۱۳ کا حوالہ دیتا ہے جہاں یُوں لکھا ہے کہ

"وہ آسمان پر تو ہے نہیں کہ تُو کہے کہ آسمان پر کون ہماری خاطر چڑھے اور اُس کو ہمارے پاس لا کر سُنائے تاکہ ہم اُس پر عمل کریں۔ اور نہ وہ سمندر پار ہے کہ تُو کہے کہ سمندر پار کون ہماری خاطر جائے اور اُس کو ہمارے پاس لا کر سُنائے تاکہ ہم اُس پر عمل کریں"۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اِستثنا کے پس منظر میں یہ آیات ایمان اور فضل کی خوشخبری کے بارے میں نہیں ہیں۔ یہ شریعت کے بارے میں بات کر رہی ہیں اور خاص طور پر اِس حکم کے بارے میں کہ "تو (وہ) ... اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی طرف پھرے" (اِستثنا ۳۰: ۱۰ ب)۔ خدا کہہ

رہا ہے کہ شریعت نہ دُور ہے، نہ چُھپی ہُوئی اور نہ ناقابلِ رسائی۔ اِنسان کو اُس تک پہنچنے کے لئے نہ تو "آسمان" پر چڑھنے کی ضرورت ہے نہ سمندر پار جانے کی۔ یہ بالکل قریب ہے اور منتظر ہے کہ اُس کی تعمیل کی جائے۔

لیکن پَولُس اِن الفاظ کو لے کر اِن کا اطلاق فضل کی خوشخبری پر کرتا ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ "ایمان" کی زُبان کسی سے نہیں کہتی کہ "آسمان پر" چڑھ کر "مسیح" کو "اُتار" لا۔ ایک تو ایسا کرنا قطعی ناممکن ہو گا۔ دُوسرے یہ بالکل غیر ضروری ہے کیونکہ مسیح اپنے تجسّم میں زمین پر آ چکا ہے۔

۱۰:۷۔ اِستثنا ۱۰:۱۳ کا اِقتباس کرتے ہُوئے پَولُس رسُول "سمندر پار کون ہماری خاطر جائے" کو بدل کر کہتا ہے "گہراؤ میں کون اُترے گا؟" نکتہ یہ ہے کہ فضل کی خوشخبری کِسی سے نہیں کہتی کہ قبر میں "اُتر" کر "مسیح کو مُردوں میں سے جِلا کر اُوپر" لاؤ۔ یہ ناممکن بات ہے، اور غیر ضروری بھی۔ کیونکہ مسیح پہلے ہی مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ دیکھیں کہ ۱۰:۶، ۷ میں مسیح کے بارے میں وہ دو عقیدے ہیں جن کو قبول کرنا کسی بھی یہودی کے لئے بہت مُشکل ہے یعنی مسیح کا تجسّم اور اُس کی قیامت۔ لیکن اگر وُہ نجات پانا چاہے تو اِن کو قبول کرنا ضروری ہے۔ ۱۰:۹، ۱۰ میں بھی ہم اِن دو عقیدوں کو دوبارہ دیکھیں گے۔

۱۰:۸۔ اگر فضل کی خوشخبری اِنسانوں کو وُہ کام کرنے کو نہیں کہتی جو اُن کے لئے ناممکن ہے یا وُہ کام کرنے کو نہیں کہتی جو خُداوند نے پہلے ہی کر دیا ہے تو پھر "کیا کہتی ہے؟"

پَولُس پھر اِستثنا باب ۳۰ سے ایک آیت کو مُناسبِ حال کر کے اِستعمال کرتا ہے کہ اِنجیل "نزدیک" قابلِ رسائی، قابلِ فہم اور آسانی سے قابلِ حصُول ہے۔ اِس کو روزمرّہ گُفتگو (تیرے مُنہ ۔۔۔ میں) میں بیان کیا جاسکتا ہے اور آسانی سے سمجھا (تیرے دِل میں ہے) جاسکتا ہے (اِستِثنا ۳۰:۱۴)۔ یہ ایمان سے نجات کی خوشخبری ہے جس کی منادی پَولُس اور دُوسرے رسُول کرتے تھے۔

۱۰:۹۔ ساری بات کا خُلاصہ یہ ہے: ضرور ہے کہ پہلے آپ تجسّم کی سچّائی کو قبول کریں کہ بیت لحم کی چَرنی کا ننھا بچّہ زِندگی اور جلال کا خُداوند ہے ۔۔ کہ نئے عہدنامہ کا "یسُوع" پُرانے عہدنامہ کا "خُداوند" (یہوواہ) ہے۔

دُوسرے، ضرور ہے کہ آپ اُس کی قیامت اور اِس کے سارے مُضمرات پر ایمان لائیں۔ "خُدا نے اُسے مُردوں میں سے جِلایا"۔ یہ حقیقت ثبوت ہے کہ مسیح نے ہماری نجات کے لئے درکار کام پُورا کر دیا ہے، اور کہ خُدا اِس کام سے مُطمئِن ہے (یعنی خُدا کے سارے تقاضے پُورے ہو گئے ہیں)۔ "دِل سے ایمان" لانے کا مطلب ہے اپنی ذہنی، جذباتی اور خواہش کے سارے قواء کے ساتھ اِس بات کا یقین کرنا۔

چنانچہ "تُو اپنی زبان سے یسوع کے خداوند ہونے کا اقرار کرے اور اپنے دِل سے ایمان لائے کہ خدا نے اُسے مُردوں میں جِلایا"۔ یہ خداوند یسوع کے کام اور اُس کی ذات کو ذاتی طور پر اپنا لینے کا عمل ہے۔ یہ ہے نجات بخش ایمان۔

اکثر یہ سوال اُٹھایا جاتا ہے کہ کیا کوئی شخص یسوع کو خداوند تسلیم کئے بغیر اُسے "منجی" مان کر نجات پا سکتا ہے؟ بائبل مُقدس اُس شخص کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتی جو کہتا ہے کہ "مَیں یسوع کو اپنا نجات دہندہ مانتا ہُوں۔ لیکن اُس کو اپنے سب کُچھ کا مالک نہیں بنا سکتا"۔ دُوسری طرف جو لوگ نجات کی ایک شرط یہ قرار دیتے ہیں کہ یسوع کو پُوری طرح اپنی زندگی کا مالک مان کر اُس کے تابع ہو جائیں (سب کُچھ اُس کے سپُرد کر دیں)، اُن کو ایک مسئلے کا سامنا ہوتا ہے۔ اُس کو کس حد تک خداوند تسلیم کرنا ہو گا؟ شاید ہی کوئی مسیحی ہو گا جو دعویٰ کر سکے کہ مَیں نے اپنے آپ کو سو فی صد اُس کے تابع کر دیا ہے۔ جب ہم فضل کی خوشخبری پیش کرتے ہیں تو اِس بات پر قائم رہنا چاہیئے کہ "ایمان راست باز ٹھہرائے جانے کی واحد شرط ہے"، لیکن ہمیں گنہگاروں اور مُقدسین کو بھی مُسلسل یہ یاد دِلانا چاہیئے کہ یسوع مسیح خداوند ہے اور اُسے خداوند تسلیم کرنا ضروری ہے۔

۱۰:۱۰۔ مزید تشریح کے لئے پولُس لکھتا ہے کہ "راست بازی کے لئے ایمان لانا دِل سے ہوتا ہے"۔ یہ صِرف ذہنی رضامندی نہیں بلکہ پُورے باطنی وجُود سے، سچّے دِل سے قبولیت ہے۔ جب کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو فوری طور پر راست باز ٹھہرتا ہے۔ "اور نجات کے لئے اِقرار مُنہ سے کیا جاتا ہے"۔ یعنی ایمان دار اُس نجات کا جو اُسے مِل چُکی ہے علانیہ اقرار کرتا ہے۔ اِقرار، نجات کی ایک شرط نہیں ہے بلکہ جو کُچھ ہُوا ہے اُس کا ناگزیر خارجی اظہار ہے۔ جب کوئی شخص کسی چیز پر واقعی ایمان رکھتا ہے تو وُہ دُوسروں کو اُس میں شریک کرنا چاہتا ہے۔ اِسی طرح جب کوئی شخص حقیقت میں نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے تو وُہ اِتنی اچھّی بات کو راز نہیں رکھ سکتا۔ وُہ مسیح کا اقرار کرتا ہے۔

خداوند توقع کرتا ہے کہ جب کوئی شخص نجات پاتا ہے تو وُہ اِس کا علانیہ اقرار کرے گا۔ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ چنانچہ کیلی کہتا ہے "اگر زبان سے مسیح کے خداوند ہونے کا اِقرار نہیں کیا جاتا تو ہمیں نجات کے بارے میں تسلّی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہمارے خداوند نے فرمایا کہ جو ایمان لائے اور بپتسمہ لے وُہ نجات پائے گا"۔ اور ڈینی تبصرہ کرتا ہے کہ

> "راست بازی کے لئے ایمان لانے والا دِل، اور نجات کا اِقرار کرنے والی زبان، دو چیزیں نہیں، بلکہ ایک ہی چیز کے دو پہلو ہیں"۔

سوال پیدا ہوتا ہے ۱۰:۹ میں اِقرار پہلے اور ایمان بعد میں آتا ہے اور ۱۰:۱۰ میں پہلے

ایمان اور بعد میں اِقرار ہے، ایسا کیوں ہے؟ جواب تلاش کرنا مشکل نہیں۔ آیت ۹ میں زور تجسّم اور قیامت پر ہے۔ اور اِن عقائد کا بیان اِن کی تاریخی ترتیب کے مطابق ہوا ہے۔ تجسّم پہلے آتا ہے — یسوع خداوند ہے۔ اِس کے بعد قیامت — خدا نے اُسے مُردوں میں سے جِلایا۔ آیت ۱۰ میں زور گنہگار کی نجات کے واقعات کی ترتیب پر ہے۔ پہلے وُہ "ایمان لاتا" ہے، پھر اپنی "نجات" کا علانیہ "اِقرار" کرتا ہے۔

۱۰: ۱۱۔ "جو کوئی اُس پر ایمان لائے گا وُہ شرمندہ نہ ہوگا"۔ پولُس رسول اپنی دلیل کی تائید کے لئے یسعیاہ ۲۸: ۱۶ سے یہ اقتباس پیش کرتا ہے۔ مسیح کے علانیہ اِقرار سے شرمندگی کا خوف پیدا ہوسکتا ہے۔ مگر حقیقت اِس کے اُلٹ ہے۔ ہم "زمین پر" اُس کا اِقرار کرتے ہیں، نتیجے میں وُہ "آسمان پر" ہمارا اِقرار کرتا ہے۔ یہ ہماری وُہ اُمید ہے جس میں کبھی مایوسی نہ ہوگی۔

"جو کوئی" کے الفاظ اگلی بات کے لئے کڑی کا کام دیتے ہیں، یعنی خدا کی شان دار اور جلالی نجات یہودیوں اور غیر قوموں سب کے لئے ہے۔

۱۰: ۱۲۔ رومیوں ۳: ۲۳ میں ہم نے دیکھا تھا کہ جہاں تک نجات کی ضرورت کی بات ہے یہودی اور غیر یہودی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ سب گنہگار ہیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں تک نجات کے دستیاب ہونے کا تعلق ہے تو پھر بھی "کچھ فرق نہیں"۔ خداوند کوئی ایسا خدا نہیں جو کسی کے لئے 'مخصوص' ہو۔ وُہ "سب کا خداوند ہے"۔ "اور اپنے سب دُعا کرنے والوں کے لئے" رحم کرنے میں "فیاض" ہے۔

۱۰: ۱۳۔ رسول یوایل ۲: ۳۲ کے اِقتباس سے ثابت کرتا ہے کہ فضل کی خوشخبری عالمگیر ہے۔ نجات کی راہ کے بارے میں اِس سے سادہ بیان ممکن ہی نہیں کہ "جو کوئی خداوند کا نام لے گا نجات پائے گا"۔ پاک کلام میں "خداوند کا نام" خود "خداوند" ہے۔

۱۰: ۱۴۔ لیکن اِس قسم کی خوشخبری عالمگیر منادی کی توقع رکھتی ہے۔ اُس نجات کا کیا فائدہ جو یہودیوں اور غیر قوموں سب کے لئے ہے مگر اُنہوں نے اُس کو یا اُس کے بارے میں کبھی سُنا تک نہیں؟ یہی بات مسیحی بشارت کے دِل کی دھڑکن ہے! یہاں تین "کیونکر" کا ایک سِلسلہ ہے جن سے رسول اُن اِقدام کو پیش کرتا ہے جو یہودیوں اور غیر قوموں تک نجات کو پہنچاتے ہیں۔ وُہ "کیونکر دُعا کریں... ایمان کیونکر لائیں ... کیونکر سُنیں"۔ اگر ہم اِن اِقدام کی ترتیب کو اُلٹ دیں تو شاید سارے عمل کو سمجھنا آسان ہو جائے:

خدا اپنے خادموں کو بھیجتا ہے۔

وُہ نجات کی خوشخبری کی منادی کرتے ہیں۔

گنہگار خُدا کی دعوت سُنتے ہیں۔

سُننے والوں میں سے کچھ خُداوند سے دُعا کرتے ہیں۔

جو دُعا کرتے ہیں وُہ نجات پاتے ہیں۔

مندرجہ بالا دلیل کی بُنیاد اِس اصُول پر ہے کہ اگر خُدا کسی کام کی تکمیل کا ارادہ کرتا ہے تو اِس مقصد کو حاصل کرنے کے وسائل اور ذرائع بھی مُہیّا کرتا ہے۔ اور جیسا ہم نے پہلے کہا یہ مسیحی مشنری تحریک کی بُنیاد ہے۔ پولُس یہاں اِس بات کو جائز ثابت کرتا ہے کہ وُہ غیر قوموں میں اِنجیل کی منادی کرتا ہے جسے ایمان نہ لانے والے یہُودی ناقابلِ مُعافی سمجھتے تھے۔

۱۰: ۱۵- خُدا وُہ ہستی ہے جو بھیجتا ہے۔ اور ہم ہیں جو بھیجے گئے ہیں۔ ہم اِس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں؟ کیا ہمارے "قدم" "خوشنما" ہیں؟ جیسا کہ یسعیاہ کہتا ہے "کیا ہی خوشنما ہیں اُن کے قدم جو اچھّی چیزوں کی خوشخبری دیتے ہیں" (یسعیاہ ۵۲: ۷)۔ وُہ "خوشنما پاؤں" کو "اُس" ــــ یعنی مسیحِ موعُود سے منسوب کرتا ہے۔ مگر یہاں رومیوں ۱۰: ۱۵ میں "اُس" کو "اُن" میں بدلا گیا ہے۔ وُہ تقریباً ۲۰۰۰ سال پہلے "خوشنما قدموں" کے ساتھ آیا۔ اب یہ ہمارا اعزاز اور ذمّہ داری ہے کہ "خوشنما قدموں" کے ساتھ کھوئی ہُوئی اور مرتی ہُوئی دُنیا کے پاس جائیں۔

۱۰: ۱۶- "لیکن" پولُس کا ہر روز کا غم یہ ہے کہ اسرائیلی قوم میں سے "سب نے اِس خوشخبری پر کان نہ دھرا"۔ یسعیاہ نے یہی بات کہی تھی جب اُس نے نبوّت کی تھی کہ "اے خُداوند! ہمارے پیغام کا کِس نے یقین کیا؟" (یسعیاہ ۵۳: ۱)۔ یہ سُوال یہ جواب مانگتا ہے کہ "تھوڑے ہی لوگوں نے"۔ جب مسیحِ موعُود کی پہلی آمد کی خبر کا اعلان کیا گیا، تو بہُت سے لوگوں نے سُنی اَن سُنی کر دی۔

۱۰: ۱۷- یسعیاہ کی کتاب کے اِس اقتباس میں پولُس توجّہ دلاتا ہے کہ جِس ایمان کا ذِکر نبی کرتا ہے، وُہ اُس پیغام سے پیدا ہوتا ہے جو سُنا گیا۔ اور یہ پیغام اُس "کلام" سے آتا ہے جو مسیحِ موعُود کے بارے میں ہے۔ چنانچہ وُہ یہ نتیجہ بیان کرتا ہے کہ "ایمان سُننے سے پیدا ہوتا ہے، اور سُننا مسیح کے کلام سے"۔ لوگوں میں ایمان اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب وُہ خُداوند یسُوع مسیح کے بارے میں ہماری منادی سُنتے ہیں اور ہماری یہ منادی بلاشُبہ "خُدا کے" تحریری "کلام" پر مبنی ہوتی ہے۔

لیکن کانوں سے سُن لینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ ضرور ہے کہ اِنسان کُھلے دِل اور دماغ سے سُنے اور راضی ہو کہ اُس کو خُدا کی سچّائی دِکھائی جائے۔ اگر وُہ ایسا کرتا ہے، تو دیکھے گا کہ کلام میں سچّائی کی گُونج

ہے۔ اور سچائی اپنی توثیق خود کرتی ہے، پھر وہ اُس کا یقین کرے گا۔ البتہ یہ بات صاف ہونی چاہئے کہ جس "سُننے" کی بات کی گئی ہے وہ صرف کانوں کا کام نہیں بلکہ مطلب ہے کسی بھی ذریعے سے کلام کا پہنچنا۔

۱۰: ۱۸۔ چنانچہ مسئلہ کیا ہے؟ کیا یہودیوں اور غیر قوموں دونوں نے خوشخبری کی منادی کو نہیں "سُنا"؟ ہاں سُنا۔ پولس یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اُنہوں نے خوشخبری کو "سُنا" ہے زبور ۱۹: ۴ کے الفاظ پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے "بے شک سُنا"۔

"اُن کی آواز تمام روئے زمین پر
اور اُن کی باتیں دُنیا کی اِنتہا تک پہنچیں"۔

لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ زبور ۱۹ کے یہ الفاظ فضل کی خوشخبری کے بارے میں نہیں تھے بلکہ خدا کے جلال کے حق میں سُورج، چاند اور ستاروں کی عالمگیر گواہی کا بیان کرتے ہیں۔ لیکن جیسا ہم نے کہا پولس اِن کو اُدھار لے کر یہ دلیل دیتا ہے کہ یہ الفاظ میرے زمانے میں ساری دُنیا میں خوشخبری کی منادی پر بھی صادق آتے ہیں۔ خُدا کے رُوح کی تحریک سے رسُول اکثر پُرانے عہدنامہ کے حوالے لے کر اُن کو بالکل نئے طریقے سے اِستعمال کرتا ہے۔ جس رُوح نے پہلے پہل یہ لفظ دِئے تھے، بے شک اُس کو اِختیار ہے کہ اُن کا نئے انداز سے اِطلاق کرے۔

۱۰: ۱۹۔ غیر قوموں کو بُلایا گیا۔ یہودیوں کی اکثریت نے خوشخبری کو ردّ کر دیا۔ اِس بات پر "اسرائیل" کو حیرت نہیں ہونی چاہئے تھی۔ اُن کے اپنے صحائف نے پیشتر سے بتا دیا تھا کہ یہ بات وقوع پذیر ہوگی۔ مثال کے طور پر خُدا نے خبردار کر دیا تھا کہ "مَیں اُن سے تُم کو غیرت دِلاؤں گا جو قوم ہی نہیں (یعنی غیر قوموں سے)۔ ایک نادان (بُت پرست) قوم سے تُم (اسرائیل) کو غُصّہ دِلاؤں گا" (اِستِثنا ۳۲: ۲۱)۔

۱۰: ۲۰۔ یسعیاہ بڑا "دلیر" ہو کر خُداوند کی یہ بات پیش کرتا ہے کہ اگرچہ غیر قومیں مجھے ڈھونڈ نہیں رہی تھیں تو بھی اُنہوں نے "مجھے پا لیا"۔ اور "جنہوں نے مجھ سے نہیں پُوچھا اُن پر مَیں ظاہر ہو گیا" (یسعیاہ ۶۵: ۱)۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو غیر قومیں خُدا کو نہیں ڈھونڈتی تھیں۔ وہ اپنے بُت پرستی کے مذاہب سے مطمئن تھیں۔ لیکن جب خوشخبری سُنی تو اُن میں سے بہتیرے رجُوع لائے۔ اگر مقابلہ کیا جائے تو یہودیوں کی نسبت غیر قوموں نے خوشخبری پر زیادہ توجّہ دی۔

۱۰: ۲۱۔ غیر قومیں جوق در جوق یہوواہ کے پاس آئیں۔ اِس تصویر کے پس منظر میں یسعیاہ یہ منظر پیش کرتا ہے کہ خُداوند اسرائیل کے لئے "ہاتھ بڑھائے" سارا دِن کھڑا رہا لیکن اُسے کیا ملا۔ ہٹ دھرمی، نافرمانی اور اِنکار۔

ج۔ اِسرائیل کا مُستقبل

(باب ۱۱)

۱۱: ۱- اِسرائیل کے مستقبل کے بارے میں کیا خیال ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خُدا نے اِسرائیل کو چھوڑ دیا ہے اور اب کلیسیا خُدا کا اِسرائیل ہے۔ اور اِسرائیل کے ساتھ کئے گئے تمام وعدوں کا اطلاق اب کلیسیا پر ہوتا ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟ رومیوں باب ۱۱ اِس نظریہ کی پُرزور تردید کرتا ہے۔

پولُس کا اِفتتاحی سُوال یہ ہے کہ "کیا خُدا نے اپنی اُمت کو رَدّ کر دیا؟" پولُس کا مطلب ہے کہ کیا پُورے طور پر رَدّ کر دیا ہے؟ یعنی کیا ایک ایک اِسرائیلی کو رَدّ کر دیا گیا ہے؟ "ہرگز نہیں!" نکتہ یہ ہے کہ اگرچہ خُدا نے "اپنی اُمت کو رَدّ کر دیا" ہے جیسا کہ ۱۱: ۱۵ میں صاف بیان ہُوا ہے، لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ "سبھوں" کو رَدّ کر دیا ہے۔ پولُس خُود ثبوت ہے کہ رَدّ کیا جانا مکمل نہیں۔ آخر وُہ خُود "اِسرائیلی، ابرہام کی نسل اور بنیمین کے قبیلہ میں سے" تھا۔ اُس کے یہودی ہونے کی اَسناد بالکل درست تھیں۔

۱۱: ۲- چنانچہ ہم کو سمجھ لینا چاہئے کہ اِس آیت کا پہلا حِصّہ کیا کہہ رہا ہے کہ "خُدا نے اپنی اُس اُمت کو" پُورے طور پر "رَدّ نہیں کیا جسے اُس نے پہلے سے جانا"۔ یہ صُورتِ حال وَیسی ہی ہے جیسی "ایلیاہ" کے زمانہ میں تھی۔ قوم کے ایک بہت بڑے حِصّے نے خُدا سے پھر کر بُتوں کی طرف رجُوع کر لیا تھا۔ حالت اِس قدر بگڑ گئی تھی کہ ایلیاہ نے قوم کے حق میں دُعا مانگنے کی بجائے اُس کے خِلاف دُعا مانگی تھی۔

۱۱: ۳- ایلیاہ نے خُداوند (یہوواہ) کو یاد دِلایا کہ قوم نے نبیوں کو "قتل کیا" اور یُوں اُن کی آواز خاموش کر دی۔ اُنہوں نے خُدا کی "قربانگاہوں کو ڈھا دیا"۔ ایلیاہ کو یُوں محسوس ہوتا تھا کہ صِرف وُہی خُدا کے حق میں واحد وفادار آواز رہ گیا ہے اور اُس کی جان کو بھی سخت خطرہ ہے۔

۱۱: ۴- لیکن حالات ایسے تاریک اور مایُوس کُن نہ تھے جَیسے ایلیاہ کو نظر آتے تھے۔ خُدا نے اُس پر واضح کیا کہ "مَیں نے اپنے لئے سات ہزار آدمی بچا رکھے ہیں جنہوں نے بعل کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکے۔" یہ سات ہزار افراد قوم کے ساتھ نہیں تھے، بلکہ بعل کی پرستش کرنے سے ثابت قدمی سے اِنکار کرتے رہے۔

۱۱: ۵- چنانچہ جو بات ایلیاہ کے زمانے میں سچ تھی وُہ آج بھی سچ ہے۔ خُدا اپنے آپ کو بے گواہ نہیں چھوڑتا۔ وُہ ایک وفادار "بقیہ" ہمیشہ رکھتا ہے۔ اِس بقیہ پر اُس کا خاص "فضل" ہوتا ہے۔

۱۱: ۶- خُدا اُس بقیہ کو اُن کے "اَعمال" کی بُنیاد پر نہیں چُنتا بلکہ اپنی محبت کی آزاد مرضی اور "فضل" سے چُنتا ہے۔ یہ دو اُصُول یعنی "فضل" اور "اَعمال" ایک دُوسرے کو خارج کرتے ہیں۔ بخشش کمائی نہیں جا سکتی۔ جو چیز مُفت ہے وُہ خریدی نہیں جا سکتی۔ جو چیز حق کے بغیر دی جاتی ہے، ہم اُس کے حق دار

[1] یہ بات بہت افسوس ناک ہے کہ بہت سے لوگ جو اِسرائیل کی برکات کے دعویدار بنتے ہیں، وُہ بڑے اطمینان سے لعنتوں کو اُن ہی کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔

نہیں ہو سکتے۔ خوش قسمتی سے خدا کا انتخاب "اعمال" پر نہیں بلکہ "فضل" پر مبنی ہے۔ ورنہ کوئی بھی کبھی برگزیدہ نہ ہو پاتا۔

۱۱:۷۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ "اسرائیل" راست بازی حاصل کرنے میں اِس لئے ناکام رہا کہ اپنی کوشش سے تلاش کرتا رہا۔ اور مسیح کے مکمل کئے ہوئے کام کے وسیلے سے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔ خدا کا چُنا ہُوا (برگزیدہ) بقیہ راست بازی حاصل کرنے میں اِس لئے کامیاب رہا کہ خداوند یسوع پر ایمان کے وسیلے سے حاصل کی۔ قوم نے وہ نقصان اُٹھایا جسے منصفانہ اندھاپن کہنا چاہئے (یعنی قوم اِس لئے اندھی رہی کہ اِسی لائق تھی۔ اِنصاف کا تقاضا بھی تھا)۔ قوم نے مسیحِ موعود کو قبول کرنے سے اِنکار کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُسے قبول کرنے کا میلان اور صلاحیت کم ہوگئی۔

۱۱:۸۔ پُرانے عہدنامہ نے نبوّت کی تھی کہ بعینہٖ یہی کچھ ہوگا (یسعیاہ ۲۹:۱۰؛ اِستثنا ۲۹:۴)۔ "خدا" نے اُن کو "سُست طبیعت"[1] دی جس میں وہ رُوحانی حقیقتوں کا احساس کھو بیٹھے۔ چونکہ اُنہوں نے خداوند یسوع کو بطور مسیحِ موعود اور منجی دیکھنے سے انکار کر دیا اِس لئے اُن کی دیکھنے کی صلاحیت جاتی رہی۔ چونکہ اُنہوں نے خدا کی اِلتماس کی آواز کو سُننا گوارا نہ کیا اِس لئے اُن پر رُوحانی بہرہ پن آپڑا۔ اور یہ خوفناک "سزا آج کے دن تک" جاری ہے۔

۱۱:۹۔ "داؤد" کو بھی پیشتر سے معلوم ہوگیا تھا کہ اسرائیل پر خدا کا یہ غضب ہوگا۔ زبور ۶۹:۲۲، ۲۳ میں وہ بیان کرتا ہے کہ رد کیا گیا منجی خدا کو پکار کر کہتا ہے کہ "اُن کا دسترخوان اُن کے لئے جال اور پھندا" بنا دے۔ "دسترخوان" سے یہاں مراد وہ تمام برکات اور اعزازات اور اِستحقاق ہیں جو مسیح کے وسیلے سے پہنچتے ہیں۔ جس چیز کو برکت ہونا چاہئے تھا وہ لعنت بن گئی۔

۱۱:۱۰۔ زبور کے اِسی حصے میں دُکھ اُٹھانے والا منجی خدا سے یہ فریاد بھی کرتا ہے کہ "اُن کی آنکھوں پر تاریکی آجائے"۔ اور اُن کے بدن یوں جھک جائیں (کُبڑے ہو جائیں) جیسے سخت محنت اور بڑھاپے سے ہو جاتے ہیں (یا اُن کی کمریں مسلسل کانپتی رہیں)۔

۱۱:۱۱۔ اب پولس ایک اَور سوال اُٹھاتا ہے کہ "کیا اُنہوں نے ایسی ٹھوکر کھائی کہ گر پڑیں؟" کیا اُنہوں نے ایسی ٹھوکر کھائی اور ایسے گر پڑے کہ پھر کبھی بحال نہ ہوں گے؟ رسول اِس بات کی سختی سے تردید کرتا ہے۔ خدا کے مقصد میں بحالی ہے۔ اُس کا مقصد ہے کہ گرنے کے نتیجہ میں "غیر قوموں کو نجات" ملے اور اِس

---

[1] لغوی ترجمہ "بے ہوشی کی رُوح"۔ یعنی بے حسی کا عالم۔

طرح اسرائیل کو "غیرت آئے"۔ اِس "غیرت" کا مقصد یہ ہے کہ بالآخر اسرائیل خدا کے پاس واپس آئے۔

پولس اسرائیل کی "لغزش" یعنی گرنے کا اِنکار نہیں کرتا بلکہ وہ اِس آیت میں اِس کا اقرار کرتا ہے۔ "اُن کی لغزش سے غیر قوموں کو نجات ملی"۔ اور اگلی آیت میں بھی اقرار ہے کہ "اُن کی لغزش دُنیا کے لئے دولت کا باعث" ہے۔ لیکن وہ اِس تصوّر کی تردید پُورے شد ومد سے کرتا ہے کہ خدا نے اسرائیل کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا ہے۔

۱۱: ۱۲۔ اسرائیل نے فضل کی خوشخبری کو رد کر دیا، اِس کے نتیجے میں قوم کو ایک طرف کر دیا گیا اور خوشخبری "غیر قوموں" تک پہنچی۔ اِس مفہوم میں اسرائیل کی "لغزش" "غیر قوموں کے لئے دولت کا باعث" ہُوئی اور اسرائیل کا نقصان غیر قوموں کا نفع ثابت ہُوا۔

لیکن اگر یہ بات سچ ہے۔ تو اسرائیل کی بحالی ساری دُنیا کے لئے کس قدر زیادہ دولت کا باعث ہوگی! جب بڑی مصیبت کے اختتام کے قریب بنی اسرائیل خداوند کی طرف پھریں گے تو وہ ساری قوموں کے لئے برکت کا وسیلہ بنیں گے۔

۱۱: ۱۳۔ اب رسول "غیر قوموں" سے مخاطب ہوتا ہے (۱۱: ۱۳-۲۴)۔ بعض علما کا خیال ہے کہ وہ روم میں غیر قوم مسیحیوں سے مخاطب ہے۔ لیکن اِس پیرے کا سیاق وسباق فرق سامعین کا تقاضا کرتا ہے، یعنی مجموعی طور پر غیر قومیں۔ اگر قاری یہ بات ذہن نشین رکھے کہ پولس اسرائیل کے بارے میں بحیثیتِ قوم اور "غیر قوموں" کے بارے میں عمومی طور سے بات کر رہا ہے تو کلام کے اِس حصے کو سمجھنے میں بہت آسانی رہے گی۔ وہ خدا کی کلیسیا کی بات نہیں کر رہا۔ ورنہ ہمارے سامنے کلیسیا کے ترک کئے جانے کا امکان آ جائے گا (۱۱: ۲۲)، اور یہ بات پاک کلام کے خلاف ہے۔

چونکہ پولس "غیر قوموں کا رسول" تھا اِس لئے نہایت فطری بات تھی کہ اُن سے سیدھی اور صاف صاف بات کرتا۔ ایسے کرنے میں وہ صرف اپنی "خدمت" کی ذمہ داری پوری کر رہا تھا۔

۱۱: ۱۴۔ پولس ہر طرح سے کوشش کرتا ہے کہ "اپنے قوم والوں کو غیرت دِلا کر اُن میں سے بعض کو نجات دِلائے"۔ وہ جانتا تھا اور ہم بھی جانتے ہیں کہ وہ خود کسی کو نجات نہیں دے سکتا تھا۔ اِسی لئے لفظ "دِلاؤں" اِستعمال کرتا ہے یعنی اُن کو نجات تک پہنچانے کا وسیلہ بنوں۔

۱۱: ۱۵۔ اِس آیت میں ۱۱: ۱۲ کی دلیل کو دوسرے لفظوں میں دُہرایا گیا ہے۔ جب اسرائیل کو جو خدا کی برگزیدہ قوم تھی برطرف کر دیا گیا، تو غیر قوموں کو خدا کے سامنے اعزاز کا مقام مل گیا۔ استعاراتی لحاظ سے اُن کا خدا سے میل ہو گیا۔ مسیح کی ہزار سالہ بادشاہی کے دوران جب اسرائیل بحال ہوگا تو یہ گویا مُردوں میں سے

"جی اُٹھنے کے برابر ہوگا"۔

اِس بات کو یُوناہ کے تجربے سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ یُوناہ اسرائیلی قوم کا مثیل ہے۔ جب طُوفان کے دَوران یُوناہ کو جہاز سے باہر پھینک دیا گیا تو نتیجے میں جہاز میں سُوار غیر قوموں کی نجات ہوگئی۔ لیکن جب یُوناہ بحال ہوگیا اور اُس نے نینوہ میں منادی کی تو نتیجے میں غیر قوموں سے بھرے ہُوئے شہر کو نجات مِلی۔ اِسی طرح خدا کی طرف سے بنی اسرائیل کو عارضی طور پر ردّ کرنے کے نتیجے میں خوشخبری (موجودہ دَور میں) نسبتاً تھوڑے غیر اقوام افراد نے قبول کی۔ مگر جب بنی اسرائیل بحال ہوں گے تو غیر قومیں جوق در جوق خدا کی بادشاہی میں داخل ہوں گی۔

۱۱: ۱۶۔ یہاں پَولُس دو اِستعارے اِستعمال کرتا ہے۔ پہلے اِستعارے کا تعلق "پہلے پیڑے" سے ہے۔ دُوسرے استعارے کا تعلق "جڑ" اور "ڈالیوں" سے ہے۔ "پہلا پیڑا" آٹے کی نمائندگی کرتا ہے (اسی طرح پہلے پھل پُوری پُوری فصل کی نمائندگی کرتے ہیں)۔ گنتی ۱۵: ۱۹-۲۱ میں ہم پڑھتے ہیں کہ آٹے کا ایک پیڑا خداوند کے لئے اُٹھانے کی قربانی کے طور پر چڑھانا ہوتا تھا۔ اِس میں دلیل یہ ہے کہ اگر ایک پیڑا خدا کے لئے مخصوص کیا گیا ہے تو سارا گُوندھا ہُوا آٹا بھی پاک ہے۔

اِسی طرح "پہلے پھل" خدا کی نذر کئے جاتے تھے۔ اِس نذر کا اِطلاق یُوں ہوتا ہے کہ ابرہام پہلا پھل ہے۔ وہ اِس مفہوم میں "پاک" تھا کہ اُسے خدا کے لئے مخصوص کیا گیا۔ اگر یہ بات اُس کے بارے میں سچ ہے تو اُس کی چُنی ہُوئی نسل کے بارے میں بھی سچ ہے۔ اُن کو خدا کے سامنے خارجی اعزاز کے مرتبہ کے لئے الگ کیا گیا ہے۔ (یاد رہے کہ مُقدّس کرنا کا مطلب مخصوص یا الگ کرنا ہے)۔

دُوسرا اِستعارہ "جڑ" اور "ڈالیوں" کا ہے۔ اگر "جڑ" مُقدّس کی گئی ہے تو "ڈالیاں بھی ایسی ہی ہیں"۔ ابرہام اِس مفہوم میں "جڑ" ہے کہ وہ پہلا تھا جس کو خدا نے الگ کیا کہ ایک نیا مُعاشرہ بنائے جو دُوسری اقوام سے الگ اور مُمیّز ہو۔ اگر ابرہام پاک ہے تو اُس کی نسل کے وہ لوگ بھی پاک ہیں جو برگزیدہ سِلسلے سے ہیں۔

۱۱: ۱۷۔ رسُول "جڑ" اور "ڈالیوں" کے اِستعارہ کو جاری رکھتا ہے۔ "بعض ڈالیاں توڑی گئیں"۔ یہ اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے اُن افراد کا اِستعارہ ہے جو ایمان نہ لائے۔ چونکہ اُنہوں نے مسیح موعُود کو رَدّ کیا تو اُن کو اعزاز کے مقام سے ہٹا دیا گیا۔ لیکن صِرف "بعض ڈالیاں توڑی گئیں"۔ یعنی اپنی جگہ سے ہٹا دی گئیں۔ قوم کے ایک بقیہ نے جن میں پَولُس خُود بھی شامل ہے، خداوند کو قبول کیا۔

"جنگلی زیتون" سے مُراد غیر قوم افراد ہیں۔ وہ "زیتون" میں پیوند ہوئے۔ اِس طرح غیر قومیں "زیتون کی روغن دار جڑ میں شریک" ہُوئیں۔ غیر قومیں اعزاز کے اُس مقام میں شریک ہیں جو اصل میں بنی اسرائیل

کو دیا گیا تھا، اور اسرائیل کا ایمان لانے والا بقیہ ابھی تک اُس مقام پر قائم ہے۔

اِس مثال میں یہ دیکھنا اہم ہے کہ "زیتون کے درخت" کا بڑا تنا اِسرائیل نہیں ہے بلکہ وُہ سلسلۂ نسب ہے جس کو مقبولیّت اور اعزاز کا مقام حاصل ہے جو صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ اگر اِسرائیل کو تنا مانا جائے تو یہ بے ڈھنگی سی تصویر سامنے آتی ہے کہ اِسرائیل کو اِسرائیل سے توڑا گیا اور دوبارہ اِسرائیل میں پیوند کیا گیا۔

یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ "جنگلی زیتون" کی ڈالی کلیسیا نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر غیر قومیں ہیں۔ ورنہ یہ اِمکان سامنے آتا ہے کہ سچّے ایمان دار خُدا کی مقبولیت سے الگ کر لئے (توڑے) جائیں جبکہ پولس پہلے ہی ثابت کر چکا ہے کہ یہ بات ناممکن ہے (رومیوں ۸: ۳۸، ۳۹)۔

ہم نے اُوپر کہا ہے کہ "تنا" سے مُراد نسل کا "برگزیدہ سلسلہ" ہے جو صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ اِس "برگزیدہ سلسلہ" سے کیا مُراد ہے؟ خُدا نے بعض لوگوں کو الگ کر لینے کا فیصلہ کیا کہ اُن کو اُس کی قربت کا خاص مقام حاصل ہو۔ وُہ باقی ساری دُنیا سے الگ ہوں، اُن کو خاص مراعات حاصل ہوں۔ اُن کو آج کی زبان میں "چہیتی قوم کا درجہ" حاصل ہو۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں خُدا کا گویا ایک خاص اندرُونی حلقہ ہو۔

اِس "برگزیدہ سلسلہ" میں سب سے پہلے اِسرائیلی قوم کو رکھا گیا۔ وُہ خُدا کے قدیم، چُنے ہُوئے زمینی لوگ تھے۔ لیکن چونکہ اُنہوں نے مسیحِ موعُود کو رَدّ کیا، اِس لئے "بعض ڈالیاں توڑی گئیں"۔ اِس طرح اُن کا "چہیتا بیٹا" ہونے کا درجہ جاتا رہا۔ غیر قوموں کو زیتون کے درخت میں "پیوند" کیا گیا اور وُہ ایمان لانے والے یہُودیوں کے ساتھ "روغن دار جڑ" میں شریک ہو گئے۔ "جڑ" ابرہام کی طرف اِشارہ کرتی ہے جس سے یہ "برگزیدہ سلسلہ" شرُوع ہُوا تھا۔ "روغن" سے مُراد زیتون کے درخت کی پھل آوری ہے ——— یعنی زیتونوں کی بھاری فصل اور اُن سے حاصل شُدہ تیل ——— یہاں "روغن" سے مُراد وُہ مراعات اور اعزازات ہیں جو "زیتون" کے درخت کے ساتھ ایک ہو جانے سے حاصل ہوئیں۔

۱۱: ۱۸۔ لیکن غیر قوموں کو یہُودیوں کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہئے کہ ہم تم سے اچھے ہیں۔ اُن کو "فخر" نہیں کرنا چاہئے کہ ہم برتر ہیں۔ اِس قسم کا فخر اِس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ "برگزیدہ سلسلہ" اُن سے شرُوع نہیں ہُوا تھا بلکہ اُن کو اِعزاز کا جو درجہ حاصل ہُوا ہے وُہ "برگزیدہ سلسلہ" کی وجہ سے ہُوا ہے۔

۱۱: ۱۹۔ پولس پہلے ہی سمجھ لیتا ہے کہ وُہ فرضی غیر قوم شخص جس کے ساتھ وُہ گفتگو کر رہا ہے، "کہے گا کہ یہُودی" ڈالیاں اِس لئے توڑی گئیں کہ مَیں" اور دُوسری غیر قوم ڈالیاں "پیوند ہو جائیں"۔

۱۱: ۲۰۔ رسُول تسلیم کرتا ہے کہ یہ بیان کسی حد تک دُرست ہے۔ یہُودی ڈالیاں واقعی "توڑی گئیں"

اور غیر قومیں پیوند ہوئیں ۔لیکن اِس کی وجہ یہودیوں کی "بے ایمانی" تھی، نہ یہ کہ غیر قوموں کو خدا کے سامنے کوئی خاص حق حاصل تھا۔ وہ اِس لئے پیوند ہوئیں کہ "ایمان" پر قائم تھیں۔ "تو ایمان کے سبب سے قائم ہے"۔ بادی النظر میں لگتا ہے کہ پولس یہ بات حقیقی ایمان داروں کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ یہی مطلب ہو۔ غیر قومیں "ایمان کے سبب" سے صرف اِس طرح قائم ہوئیں کہ اُنہوں نے یہودیوں سے نسبتاً زیادہ ایمان دکھایا۔ یسوع نے ایک غیر قوم صوبیدار سے کہا تھا کہ "مَیں نے اَیسا ایمان اسرائیل میں بھی نہیں پایا" (لوقا ۷: ۹) اور بعد میں پولس نے رُوم کے یہودیوں سے کہا کہ "پس تم کو معلوم ہو کہ خدا کی اِس نجات کا پیغام غیر قوموں کے پاس بھیجا گیا ہے اور وہ اُسے سن بھی لیں گی" (اعمال ۲۸: ۲۸)۔ غور کریں کہ "وہ اُسے سن بھی لیں گی"۔ بحیثیت قوم آج وہ خوشخبری کو اسرائیل کی نسبت زیادہ قبول کرتی ہیں۔ یہاں "قائم ہے" "گرنا" کے متضاد کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اسرائیل اپنے اعزاز کے مقام سے گر گیا تھا۔ غیر قومیں اُس جگہ پیوند کی گئی ہیں۔

لیکن جو قائم ہے وہ خبردار رہے کہ گِر نہ جائے۔ غیر قوموں کو فخر سے پھولنا نہیں چاہئے، بلکہ "خوف" کرنا چاہئے۔

۱۱: ۲۱۔ "جب خدا ... اصلی ڈالیوں" کو کاٹ ڈالنے سے نہ ہچکچایا، بلکہ اُن کو "برگزیدہ سلسلہ" سے الگ کر دیا تو یہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں کہ اُسی قسم کے حالات میں وہ جنگلی زیتون کی ڈالیوں کو چھوڑ دے گا۔

۱۱: ۲۲۔ زیتون کے اِس درخت کی تمثیل میں ہمیں خدا کی سیرت کے دو متضاد پہلو نظر آتے ہیں — اُس کی "مہربانی" اور اُس کی "سختی"۔ اُس کی "سختی" اِس میں ظاہر ہوتی ہے کہ اسرائیل کو چہیتی قوم کے درجے سے ہٹا دیا۔ اُس کی "مہربانی" اِس میں ظاہر ہوتی ہے کہ فضل کی خوشخبری کو غیر قوموں کے سامنے پیش کیا (دیکھئے اعمال ۱۳: ۴۶؛ ۱۸: ۶)۔ لیکن اِس "مہربانی" کو اپنا حق نہیں سمجھ لینا چاہئے۔ غیر قوموں کو بھی "کاٹ ڈالا" جا سکتا ہے۔ اپنی زمینی خدمت کے دوران منجی نے غیر قوموں کو خوشخبری قبول کرنے میں مقابلتاً کشادہ دل پایا تھا۔ اور اگر وہ اپنی اِس کشادہ دلی کو قائم نہیں رکھیں گی تو "کاٹ ڈالی جائیں گی" (متی ۸: ۱۰، لوقا ۷: ۹)۔

یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ پولس نہ تو کلیسیا کی بات کر رہا ہے نہ فرداً فرداً ایمان داروں کی بلکہ وہ غیر قوموں کی مجموعی طور پر بات کر رہا ہے۔ مسیح کے بدن کو سر سے کوئی چیز کبھی جدا نہیں کر سکتی، اور نہ ایمان دار کو خدا کی محبت سے جدا کر سکتی ہے۔ لیکن غیر قوم لوگوں کو اِن موجودہ اعزاز کی جگہ سے ہٹایا جا سکتا ہے۔

۱۱: ۲۳۔ اور ضروری نہیں کہ اسرائیل کا یہ کاٹا جانا حتمی ہو۔ اگر وہ اپنی قومی "بے ایمانی" کو ترک کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا اُن کو اپنی اعزاز کی جگہ پر دوبارہ بحال نہ کر دے۔ خدا کے لئے ایسا کرنا

ناممکن نہیں۔

۱۱: ۲۴- دراصل اُن کو اعزاز کے مقام پر بحال کرنا خُدا کے لئے مقابلتاً "کم شدید عمل ہوگا جبکہ غیر قوموں کو اس جگہ لگانے کا عمل شدید تر تھا۔ خُدا کی مقبولیت کے درخت میں اسرائیل "اصل ڈالیاں" تھیں، غیر قوم ڈالیاں تو "جنگلی" زیتون کے درخت سے آئی تھیں۔ "جنگلی" زیتون کی ڈالی کو "اچھے زیتون میں پیوند" کرنا غیر فطری پیوند ہے۔ یا جیسا پولس کہتا ہے "اصل کے برخلاف" ہے۔ اصل ڈالیوں کو اصل اور "اچھے" زیتون میں پیوند کرنا فطری عمل ہے۔

۱۱: ۲۵- اب پولس دکھاتا ہے کہ مستقبل میں اسرائیل کی بحالی صرف ایک امکان ہی نہیں، بلکہ یقینی حقیقت ہے۔ جس بات سے پولس اب پردہ اُٹھاتا ہے وہ ایک "بھید" ہے ——— ایسی سچائی جس کا ابھی تک علم نہ تھا، ایک سچائی جس کو انسانی عقل بغیر مدد کے جان نہیں سکتی۔ اب اس سچائی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ پولس اس بھید کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ غیر قوم ایمان دار "اپنے آپ کو عقل مند نہ" سمجھیں اور یہودیوں کو کم تر نہ گردانیں۔ یہ "بھید" یوں ہے :

"اسرائیل کا ایک حصہ سخت ہوگیا ہے"۔ اس سختی یا اندھے پن نے ساری قوم پر نہیں صرف کچھ حصے پر اثر کیا ہے۔

یہ اندھاپن، یہ سخت ہونا عارضی ہے۔ یہ صرف اُس وقت تک رہے گا "جب تک غیر قومیں پوری پوری داخل نہ ہوں"۔ اس سے مراد وہ زمانہ ہے جب آخری رکن کلیسیا میں شامل ہو چکے گا، اور مسیح کا مکمل شدہ بدن آسمانی وطن میں جانے کے لئے ہوا میں اُٹھایا جائے گا۔ "غیر قوموں کے پورے پورے داخل ہونے" اور "غیر قوموں کی میعاد" (لوقا ۲۱: ۲۴) میں فرق ہے۔ دونوں الگ الگ ہیں۔ "غیر قوموں کا پورا پورا داخل ہونا" فضائی استقبال کے ساتھ ہوگا، جبکہ "غیر قوموں کی میعاد" سے وہ سارا عرصہ مراد ہے جس میں غیر قومیں یہودیوں پر غالب اور حاوی رہیں گی۔ اس کا آغاز بابل کی اسیری سے ہوا (۲- تواریخ ۳۶: ۱-۲۱) اور خاتمہ اُس وقت ہوگا جب مسیح بادشاہی کرنے کے لئے زمین پر واپس آئے گا۔

۱۱: ۲۶- اسرائیل کا یہ اندھاپن فضائی استقبال کے وقت ختم ہو جائے گا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسرائیل کی ساری قوم اُسی وقت ایک دم نجات پائے گی۔ یہودی بڑی مصیبت کے سارے عرصے کے دوران ایمان لاتے رہیں گے، لیکن سارا برگزیدہ بقیہ اُس وقت تک بچایا نہیں جائے گا جب تک مسیح زمین پر واپس نہ آجائے اور بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند تسلیم نہ کیا جائے گا۔

"تمام اِسرائیل نجات پائے گا" - اِس سے پولس کا مطلب ہے ایمان لانے والا "تمام اسرائیل" - قوم کا ایمان نہ لانے والا حِصّہ مسیح کی دُوسری آمد کے موقع پر ہلاک کیا جائے گا (زکریاہ ۱۳: ۸، ۹) - بادشاہی میں داخل ہونے کے لئے صِرف وُہی بچیں گے جو کہیں گے "مُبارک ہے وُہ جو خُداوند کے نام سے آتا ہے"۔

جب یسعیاہ نے کہا کہ "چُھڑانے والا صیُّون سے نکلے گا اور بے دینی کو یعقوب سے دفع کرے گا" (یسعیاہ ۵۹: ۲۰) تو وُہ اِسی بات کی طرف اِشارہ کر رہا تھا - غور کریں کہ یہ مسیح کا بیت لحم میں آنا نہیں بلکہ اُس کا "صیُّون" میں آنا ہے ——— یعنی اُس کی دُوسری آمد -

۱۱: ۲۷ - یسعیاہ ۲۷: ۹ اور یرمیاہ ۳۱: ۳۳، ۳۴ میں بھی اِسی وقت کا حوالہ ہے، جب خُدا نئے "عہد" کی شرائط کے ساتھ اُن کے گناہوں کو دُور کرے گا -

۱۱: ۲۸ - ہم اِسرائیل کی موجودہ حیثیت کو مختصراً بیان کرنے کے لئے پہلے یُوں کہہ سکتے ہیں کہ "انجیل کے اعتبار سے تو وُہ تُمہاری خاطر دُشمن ہیں" - "دُشمن" اِس مفہوم میں ہیں کہ اُن کو برطرف کیا گیا ہے، ایک طرف کر دیا گیا ہے - خُدا کی مقبولیت سے محرُوم کیا گیا ہے تاکہ خُوشخبری غیر قوموں تک پہنچ سکے -

مگر یہ صرف آدھی تصویر ہے کیونکہ "برگزیدگی کے اعتبار سے باپ دادا کی خاطر پیارے ہیں" - باپ دادا کون؟ بلاشبہ ابرہام، اضحاق اور یعقوب -

۱۱: ۲۹ - اُن کے ابھی تک "پیارے" ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خُدا کی "نعمتیں اور بُلاوا" کبھی منسُوخ نہیں ہوتا - خُدا اپنی نعمتیں کبھی واپس نہیں لیتا - جب ایک دفعہ وُہ غیر مشرُوط وعدہ کر لیتا ہے تو وُہ اُس سے ہرگز پھرتا نہیں - اُس نے اِسرائیل کو وُہ خاص اِستحقاق دِیئے جن کی فہرست ۹: ۴، ۵ میں درج ہے - اُس نے اِسرائیل کو اپنی زمینی اُمت ہونے کے لئے بُلایا (یسعیاہ ۴۸: ۱۲)، اُن کو دُوسری قوموں سے الگ کیا - کوئی چیز اُس کے اِرادوں کو بدل نہیں سکتی -

۱۱: ۳۰ - ایک وقت تھا کہ غیر قومیں بے ترتیب اور "نافرمان" تھیں - لیکن جب اسرائیل نے مسیح موعُود اور نجات کی خوشخبری کی تحقیر کی، تو خُدا "رحم" کے ساتھ غیر قوموں پر متوجہ ہُوا -

۱۱: ۳۱ - کچھ اِس سے مِلتا جُلتا واقعات کا ایک سِلسلہ مستقبل میں رُونما ہوگا - اِسرائیل کی "نافرمانی" کے بعد "رحم" ہوگا، جب غیر قوموں پر "رحم" ہونے کے باعث اُن کو غیرت آئے گی - بعض لوگ تعلیم دیتے ہیں کہ غیر قومیں یہودیوں پر رحم کریں گی تو وُہ بحال ہوں گے - لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا نہیں - اِسرائیل کی بحالی خُداوند یسوع کی دُوسری آمد کے باعث ہوگی (ملاحظہ کریں ۱۱: ۲۶، ۲۷) -

۱۱: ۳۲ - پہلی نظر میں اِس آیت سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ خُدا نے یہودیوں اور غیر قوموں دونوں

کو جبراً بے ایمانی میں گرفتار ہونے دیا اور وہ اِس کے بارے میں قطعاً کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر یہاں خیال یہ نہیں ہے۔ بے ایمانی تو اُن کا اپنا عمل تھا۔ آیت یہ کہہ رہی ہے کہ خدا نے دیکھا کہ یہودی اور غیر قومیں دونوں نافرمان ہیں، تو اُس نے اُن دونوں کو اِسی حالت میں گرفتار رہنے دیا، تاکہ اُن کے لئے خدا کی شرائط قبول کئے بغیر نکلنے کا کوئی اور راستہ نہ ہو۔

اِس "نافرمانی" نے موقع فراہم کر دیا کہ خدا یہودیوں اور غیر قوموں "سب پر رحم فرمائے"۔ یہاں عالمگیر نجات (ہر ایک اِنسان کے نجات پانے) کا کوئی تصور نہیں۔ خدا نے غیر قوموں پر "رحم" فرمایا ہے اور ابھی یہودیوں پر بھی "رحم" فرمائے گا۔ لیکن اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہر ایک نجات پائے گا۔ یہاں رحم قومی خطوط پر دکھایا جا رہا ہے۔ جارج ولیمز کہتا ہے :

> "خدا نے یہودی اور غیر یہودی سب کو آزما لیا، اور دونوں ہی آزمائش میں ناکام ثابت ہوئے۔ چنانچہ اُس نے اُن کو بے ایمانی میں گرفتار کر دیا، کیونکہ ظاہر اور ثابت ہو گیا تھا کہ یہ نااہل ہیں، اور خدا کی نظر میں مقبول ٹھہرنے کا ہر دعویٰ اور ہر حق کھو چکے ہیں۔ وہ اپنے فضل کی بے قیاس دولت کے مطابق اُن سب پر رحم کر سکتا ہے"۔

۱۱: ۳۳ ۔ یہ اختتامی حمدِ خدا پورے خط اور خدا کے اُن سارے عجائبات کا جائزہ لیتی ہے جن پر سے اب تک پردہ اُٹھایا جا چکا ہے۔ پولس نے نجات کے اُس تعجب خیز منصوبے کی وضاحت کر دی ہے جس سے خدا بے دین گنہگاروں کو نجات دے سکتا اور پھر بھی عادل رہ سکتا ہے۔ اُس نے دکھا دیا ہے کہ مسیح کے کام سے خدا کو زیادہ جلال اور اِنسانوں کو زیادہ برکت ملی بمقابلہ اُس نقصان کے جو آدم کے گناہ سے ہُوا تھا۔ اُس نے واضح کر دیا ہے کہ فضل وہ پاکیزہ زندگی پیدا کرتا ہے جو شریعت کبھی نہ کر سکتی تھی۔ اُس نے علمِ سابق سے لے کر آخر کو جلال دینے تک خدا کے ارادے کے اُس سلسلے کا بیان کر دیا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ اُس نے خدا کی طرف سے چناؤ کا عقیدہ اور اُس کے ہمسر اِنسانی ذمہ داری کا عقیدہ کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اور اسرائیل اور دوسری قوموں کے ساتھ خدا کے انتظامی سلوک میں انصاف اور ہم آہنگی کی وضاحت کر دی ہے۔ اب اِس سے زیادہ موزوں اور مناسب بات کیا ہو سکتی ہے کہ حمد و ستائش کا نغمہ چھیڑا جائے۔

"واہ! خدا کی دولت اور حکمت اور علم کیا ہی عمیق ہے!"

خدا کی "دولت"! وہ رحم، محبت، فضل، وفاداری، قدرت اور بھلائی میں دولت مند ہے۔

خدا کی "حکمت"! اُس کی حکمت لامحدود، دریافت سے باہر، بے مثل اور ناقابلِ شکست ہے۔

خُدا کا "علم"! خُدا عالمِ کُل ہے۔ وُہ ماضی، حال اور مُستقبل کی ہر بات، ہر امکانی بات، ہر امرِ واقعی، تمام واقعات، تمام مخلُوقات کو جانتا ہے۔

"اُس کے فیصلے کِس قدر ادراک سے پَرے ہیں!" وُہ اِتنے گہرے ہوتے ہیں کہ فانی ذہن اُن کو سمجھ نہیں سکتے۔ اُس کی "راہیں" جن سے وُہ تخلیق، تاریخ، مخلصی اور رِزق کو ترتیب دیتا ہے ہماری محدُود سمجھ سے پَرے ہیں۔

۱۱: ۳۴۔ کوئی مخلُوق "خُداوند کی عقل" کو جان نہیں سکتا تاوقتیکہ وُہ خود ظاہر نہ کرے۔ پھر بھی دُھندلی سی نظر آئے گی جیسے ہم آئینہ دیکھتے ہیں (۱۔کرنتھیوں ۱۳: ۱۲)۔ کوئی اہل نہیں کہ خُدا کو صلاح دے۔ اُس کو ہماری صلاح کی ضرُورت نہیں، اور نہ ہماری صلاح سے کوئی فائدہ ہوگا (دیکھئے یسعیاہ ۴۰: ۱۳)۔

۱۱: ۳۵۔ نہ کبھی کِسی نے خُدا کو اِحسان مند کیا ہے (دیکھئے ایوب ۴۱: ۱۱)۔ ہماری طرف سے کون سا ایسا انعام یا تحفہ ہے جو اُس ازلی و ابدی کو ہمارا احسان مند بنا سکے؟

۱۱: ۳۶۔ وُہ قادرِ مُطلق جامعِ بالذّات ہے۔ وُہ ہر نیکی کا سرچشمہ ہے۔ وُہ کائنات کو قائم رکھنے اور کنٹرول کرنے والی قوّتِ عاملہ ہے۔ اور وُہ غرضِ اوّل ہے جس کے لئے سب چیزیں پَیدا کی گئی ہیں۔ ہر چیز کا مقصد اُسی کو جلال دینا ہے۔

"اُس کی تمجید اَبد تک ہوتی رہے۔ آمین!"

۳۔ فرائض ـــــــ فضل کی خُوشخبری کے مُطابق زِندگی گزارنا

(ابواب ۱۲۔۱۶)

رومیوں کے خط کا باقی حِصّہ اِس سُوال کا جواب دیتا ہے کہ جو فضل سے راست باز ٹھہرائے گئے ہیں، اُن کی روزمرّہ زِندگی کا انداز کیسا ہونا چاہئے؟ پَولُس ہمارے مُختلف فرائض کا بیان کرتا ہے۔ مثلاً دُوسرے ایمان داروں کے ساتھ تعلق، مُعاشرے میں ہماری ذِمّہ داریاں، دُشمنوں کے ساتھ رویّہ، حکُومت کے ساتھ تعلق، اور اپنے کمزور بھائیوں کے سِلسلے میں ہمارے فرائض۔

ا۔ شخصی پاکیزگی (۱۲: ۱۔۲)

۱۲: ۱۔ ابواب ۱۔۱۱ میں خُدا کی رحمتوں کا بیان ہُوا ہے۔ "خُدا کی رحمتوں" پر سنجیدگی سے غور کریں تو صِرف ایک نتیجہ پر پُہنچتے ہیں کہ چاہئے کہ ہم "اپنے بدن ایسی قُربانی ہونے کے لئے نذر" کریں

"جو زندہ اور پاک اور خدا کو پسندیدہ ہو"۔ "بدن" سے مُراد ہمارے تمام اعضا، بلکہ ہماری پوری زندگی ہے۔

سب کچھ وقف کر دینا ہی "معقول عبادت" ہے۔ یہ "معقول عبادت" اِن معنوں میں ہے کہ "اگر خدا کے بیٹے نے میرے لئے جان دی ہے تو اُس کے لئے مَیں جو کم سے کم کر سکتا ہُوں یہ ہے کہ اُس کی خاطر جیئُوں۔ پھر مَیں اُس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہُوں"۔

یہ الفاظ عظیم برطانوی اتھلیٹ سی۔ ٹی۔ سٹڈ کے ہیں۔ آئزک واٹس کے عظیم گیت کے الفاظ بھی یہی بات کہتے ہیں:

کُل دُنیا گر ہو میرے پاس — اِس پیار کے سامنے ہے ناچیز

اِلٰہی پیار اپنا لے خاص — دِل، جان اور میرے سب عزیز

(سیالکوٹ کنوینشن گیت کی کتاب۔ ۱۱۵)

"معقول عبادت" کا ترجمہ "رُوحانی عبادت" بھی ہو سکتا ہے۔ ہم ایمان دار اور کاہن ہیں۔ ہم خُدا کے حضور جانوروں کی قربانیاں لے کر نہیں آتے، بلکہ رُوحانی قربانیاں یعنی وُہ زندگیاں جو اُس کے سپُرد کر دی گئی ہیں لے کر آتے ہیں۔ ہم اپنی خدمت (رومیوں ۱۵: ۱۶)، حمد (عبرانیوں ۱۳: ۱۵) اور ہر طرح کی مِلکیت (عبرانیوں ۱۳: ۱۶) بھی اُس کی نذر کرتے ہیں۔

۱۲: ۲۔ پولُس ہم کو تاکید کرتا ہے کہ "اِس جہان کے ہم شکل نہ بنو"۔ فلپس اِس خیال کو یُوں بیان کرتا ہے کہ "دُنیا کو موقع نہ دو کہ تمہیں دبا کر اپنے سانچے میں ڈھال لے"۔ جب ہم خُدا کی بادشاہی کا رُخ کرتے ہیں تو ضرور ہے کہ دُنیوی طرزِ فکر اور دُنیوی طرزِ زندگی کو خیرباد کہہ دیں۔

"جہان" (لغوی معنی زمانہ) کا یہاں مطلب ہے 'معاشرہ' یا وُہ نظام جو انسان نے تشکیل اور ترتیب دیا ہے تاکہ اِس میں خُدا کے بغیر خوش رہے۔ یہ وُہ بادشاہی ہے جو خُدا کی مخالف اور دُشمن ہے۔ اِس جہان کا خدا اور سردار شیطان ہے (۲۔ کرنتھیوں ۴: ۴؛ یُوحنّا ۱۲: ۳۱؛ ۱۴: ۳۰؛ ۱۶: ۱۱)۔ وُہ سب جو مسیح یسوع پر ایمان نہیں لاتے اُس کی رعایا ہیں۔ وُہ آنکھوں کی خواہش اور جسم کی خواہش اور زندگی کی شیخی (۱۔ یُوحنّا ۲: ۱۶) سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے اور اپنے قبضہ میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دُنیا کا سب کچھ الگ ہے، اِس کی سیاست، فنون، موسیقی، مذہب، تفریحات، اندازِ فکر اور طرزِ زندگی، سب کچھ اِس کا اپنا ہے۔ اور دُنیا کوشش کرتی ہے کہ سب میری تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج کے مطابق ڈھل جائیں۔ وُہ مسیح اور اُس کے پیرووں سے نفرت کر

سانچے میں ڈھلنے کو تیار نہیں عداوت رکھتی ہے۔

مسیح ہمیں "اِس جہان" سے چھڑانے کے لئے مؤا۔ دُنیا ہمارے اعتبار سے مصلوب ہُوئی اور ہم دُنیا کے اعتبار سے مصلوب ہوئے۔ اگر ایمان دار دُنیا سے محبّت رکھیں تو یہ خداوند سے قطعی بے وفائی ہوگی۔ جو کوئی دُنیا سے محبّت رکھتا ہے، وُہ خدا کا دُشمن ہے۔

جس طرح مسیح دنیا کا نہیں اُسی طرح ایمان دار دُنیا کے نہیں۔ البتہ اُن کو دُنیا میں بھیجا گیا ہے کہ گواہی دیں کہ اُس کے کام بُرے ہیں۔ اور کہ اُن سب کے لئے نجات دستیاب ہے جو خداوند یسوع مسیح پر ایمان لاتے ہیں۔ ہمیں صرف دُنیا سے الگ ہی نہیں رہنا، بلکہ عقل نئی ہو جانے سے اپنی صُورت بھی "بدلتے" جانا ہے۔ اِس کا مطلب ہے کہ ہم اُس انداز سے سوچیں جیسے خدا سوچتا ہے۔ اور خدا کے سوچنے کا انداز بائبل مُقدّس میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اِس طرح ہم اپنی زندگیوں میں خدا کی براہِ راست راہنمائی کا تجربہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اُس کی "مرضی" ناخوشگوار اور سخت نہیں بلکہ "نیک اور پسندیدہ اور کامل" ہے۔

چنانچہ خدا کی مرضی معلوم کرنے کی تین[۳] کلیدیں ہیں: اوّل، نذر شدہ بدن۔ دوم، مخصُوص شدہ زندگی۔ سوم، تبدیل شُدہ عقل۔

ب۔ رُوحانی نعمتوں کے ذریعے سے خدمت کرنا (۱۲: ۳-۸)

۱۲: ۳ - پَولُس کو خداوند یسوع کا رسُول ہونے کی "توفیق" ملی تھی۔ یہاں وُہ اِسی "توفیق" کے مُطابق بات کرتا ہے۔ اب وُہ مختلف قسم کی سیدھی اور ٹیڑھی سوچوں سے نپٹے گا۔

پہلے وُہ کہتا ہے کہ انجیل میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے کسی کی حوصلہ افزائی ہو کہ احساسِ برتری رکھے۔ وُہ تاکید کرتا ہے کہ ہم اپنی نعمتوں کو بروئے کار لاتے ہُوئے حلیم اور فروتن رہیں۔ ہمیں اپنی اہمیّت کے بارے میں بڑی رائے نہیں رکھنی چاہئے۔ نہ ہم دُوسروں سے جلیں اور حسد کریں بلکہ ہم کو احساس اور شعُور ہونا چاہئے کہ ہر شخص یکتا ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو اپنے خداوند کے لئے کوئی نہ کوئی اہم کام کرنا ہے۔ خدا نے ہر ایک کو "بدن میں" ایک خاص مقام دے رکھا ہے۔ ہمیں اپنے اپنے مقام سے خوش ہونا چاہئے، اور جو قوّت خدا سے ملی ہے اُس کے مُطابق اپنی نعمتوں کو کام میں لانا چاہئے۔

۱۲: ۴ - اِنسانی "بدن میں بہت سے اعضا ہوتے ہیں"۔ لیکن ہر عضو کا کام الگ الگ اور بے مثال ہے۔ بدن کی صحت اور بہبُود کا انحصار ہر ایک عضو کے صحیح اور موزوں کام کرنے پر ہے۔

۱۲: ۵ - یہی حال "مسیح کے بدن" کا ہے۔ اِس میں اِتحاد ("ایک بدن") اور تنوّع ("بہت سے")

اور باہمی انحصار ("آپس میں ایک دُوسرے کے اعضا") ہے۔ ہم کو جو نعمتیں بھی ملی ہیں وہ خود غرضانہ استعمال یا دِکھاوے کے لئے نہیں بلکہ "بدن" کی ترقی اور بہبُود کے لئے ہیں۔ کوئی نعمت بھی نہ خود کفیل ہے نہ غیر ضرُوری۔ جب ہم یہ بات سمجھ لیتے ہیں تو ہماری سوچ میں "اعتدال" (۱۲: ۳) ہوتا ہے۔

۱۲: ۶۔ اب پولس بعض "نعمتوں" کو استعمال کرنے کے لئے ہدایات دیتا ہے۔ اِس فہرست میں ساری "نعمتیں" شامل نہیں ہیں۔ یہ فہرست ایمائی ہے جامع و مانع نہیں۔

جو "توفیق ... ہم کو دی گئی" اُس کے مُوافق ہماری "نعمتیں" بھی "طرح طرح کی" ہیں۔ دُوسرے لفظوں میں خدا مُختلف لوگوں کو مُختلف "نعمتیں" عطا کرتا ہے۔ اور اِن نعمتوں کو استعمال کرنے کے لئے قُوّت یا لیاقت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ ہماری ذمّہ داری ہے کہ خُدا کی عطا کردہ اِن لیاقتوں کو اچھے مُختاروں کی طرح استعمال کریں۔

جن کو "نبوّت" کی نعمت ملی ہو، چاہئے کہ وہ "ایمان کے اندازہ کے موافق نبوّت" کریں۔ نبی خُدا کی جگہ بولنے والا (نمائندہ) ہوتا ہے۔ وُہ خدا کے کلام کا اعلان کرتا ہے۔ وُہ پیشین گوئی بھی کر سکتا ہے لیکن پیشین گوئی نبوّت کا لازمی عُنصر نہیں ہے۔ ہوج لکھتا ہے کہ "ابتدائی کلیسیا میں وُہ لوگ نبی کہلاتے تھے جو براہِ راست خُدا کے رُوح کے زیرِ اثر بولتے اور خُدا کا وُہ پیغام دیتے تھے جو حالت کے مُطابق عقیدہ کی سچّائیوں سے، موجُودہ اخلاقی تقاضے سے اور آنے والے واقعات سے مُناسبت رکھتا ہو"۔ اُن کی خدمت ہمارے لئے نئے عہد نامہ میں محفُوظ کر دی گئی ہے۔ چونکہ ایمان مُقدسّوں کو ایک ہی بار سونپ دیا گیا ہے (ملاحظہ کریں یہُوداہ ۳) اِس لئے اب جُملہ مسیحی عقیدہ میں کسی اِلہام یا نبوّت سے کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آج نبی وُہ شخص ہے جو بائبل مُقدّس میں ظاہر کی گئی خُدا کی مرضی کا اعلان کرتا ہے۔ سٹرونگ کہتا ہے

> "آج کی ساری نبوت فقط مسیح کے پیغام کی دوبارہ نشر و اشاعت ہے، اُسی سچّائی کا اِعلان اور تفسیر ہے جو پاک نوِشتوں میں ظاہر کر دی گئی ہے"۔

ہم میں سے جتنوں کو "نبوّت" کی نعمت ملی ہے، چاہئے کہ وُہ سب اپنے "ایمان کے اندازہ کے مُوافق نبوّت" کریں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ "ایمان کے قاعدہ اور معیار کے مُطابق ـــــ یعنی پاک نوِشتوں میں پائے جانے والے مسیحی ایمان کے عقائد کے مطابق"۔ یا اِس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "اپنے ایمان کے تناسب سے" یعنی جس قدر ایمان خُدا نے نبوت کرنے والے کو دیا ہے۔

۱۲: ۷۔ "خدمت" بہت وسیع لفظ ہے۔ مطلب ہے خُداوند کی خِدمت۔ اِس میں

(آج کل کے مفہوم کے مطابق) خادمِ دین کا منصب، فرائض یا کام شامل نہیں۔ جس شخص کو "خدمت" کی نعمت ملتی ہے وہ خادم کا دِل رکھتا ہے۔ وہ خدمت کرنے کے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے اور کسی ایسے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

"معلّم" وہ شخص ہوتا ہے جو خدا کے کلام کی وضاحت کرنے کے قابل ہو، اور وہ وضاحت سُننے والوں کے دِلوں کو لگے۔ ہمیں کوئی بھی نعمت ملی ہو، ہمیں پُورے دِل سے اُس کے لئے وقف ہو جانا چاہئے۔

۸:۱۲۔ "نصیحت" وہ نعمت ہے جس سے مُقدّسین کو ہر قسم کی بُرائی کی مزاحمت کرنے اور پاکیزگی اور خدمت میں مسیح کے لئے نئی کامیابی حاصل کرنے پر اُکسایا جاتا ہے۔

"خیرات"۔ یہ ایک الٰہی صفت ہے، جو انسان میں دُوسروں کی ضروریات کو جان لینے اور پھر اُن کی مدد کرنے کا رُجحان اور میلان پیدا کر دیتی ہے۔ "خیرات بانٹنے والا سخاوت سے بانٹے"۔

"پیشوائی" کی نعمت بلاشُبہ مقامی کلیسیا کے بزرگوں (ایلڈروں اور ڈیکنوں) کے کام سے تعلق رکھتی ہے۔ ایلڈر ایک نائب چرواہا ہوتا ہے جس کا کام گلّے کے آگے آگے چلنا ہے۔ اُس کو یہ خدمت بڑی توجہ اور "سرگرمی" سے ادا کرنی چاہئے۔

"رحم" کرنا ایک فوق الفطرت صلاحیت ہے۔ یہ مُصیبت زدوں کی مدد کرنے کی صلاحیت ہے۔ جن کے پاس یہ نعمت ہے چاہئے کہ وہ اِسے "خوشی سے" بروئے کار لائیں۔ بلاشُبہ ہم سب کو رحم کرنا چاہئے اور خوشی سے کرنا چاہئے۔

ایک دفعہ ایک مسیحی خاتون نے کہا "جب میری ماں بُوڑھی ہو گئی، اور ضرورت ہُوئی کہ کوئی اُس کی دیکھ بھال کرے تو مَیں نے اور میرے خاوند نے اُس کو دعوت دی کہ ہمارے ہاں آ جائے۔ مَیں اُس کے آرام کے لئے سب کچھ کرتی تھی، اُس کے لئے کھانا پکاتی، اُس کے کپڑے دھوتی، کار میں اُسے سیر کرانے لے جاتی اور ساری ضروریات کا خیال رکھتی تھی۔ اپنے تحت الشعور میں مجھے اِس بات سے نفرت تھی کیونکہ ہمارے روزمرّہ کے معمولات میں خلل آ گیا تھا۔ اندر سے مَیں ناراض تھی۔ کبھی کبھی میری ماں مجھ سے کہتی اب تم مسکراتی نہیں ہو؟ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مَیں رحم کرتی تھی، لیکن خوشی سے نہیں کرتی تھی"۔

ج۔ مُعاشرے کے ساتھ تعلق (۱۲: ۹-۲۱)

۹:۱۲۔ اِس کے بعد پَولُس اُن خصوصیات کی تفصیل دیتا ہے جن کو ہر ایمان دار کو اپنے کردار میں اپنا کر دُوسرے مسیحیوں اور بے ایمان لوگوں کے ساتھ میل جول میں بروئے کار لانا چاہئے۔

"محبّت بے ریا ہو"۔ اِس سے کوئی نقاب نہیں پہننا چاہئے بلکہ بے ساختہ اور مخلص ہو۔ ہر قسم کی بناوٹ سے خالی ہو۔

ہمیں ہر قسم کی "بدی سے نفرت" کرنی اور ہر قسم کی "نیکی سے لپٹے" رہنا چاہئے۔ اس منظر میں "بدی" سے غالباً وہ تمام رویّے اور اعمال مُراد ہیں جن میں محبّت کا فقدان ہوتا ہے اور نفرت اور کینہ وَری پائی جاتی ہے۔ اِس کے مُقابلے میں "نیکی" سے مُراد فوق الفطرت محبّت کا ہر اظہار ہے۔

۱۲ : ۱۰۔ جو لوگ ایمان کے گھرانے کے ہیں اُن کے ساتھ ہمارے تعلق میں محبت اور یگانگت ہونی چاہئے۔ سرد مہری اور بے پروائی نہیں ہونی چاہئے۔ قبولیّت کا انداز رسمی نہیں ہونا چاہئے۔

ہمیں اپنی نہیں بلکہ دُوسروں کی عزّت افزائی سے خوش ہونا چاہئے۔ ایک دفعہ خُدا کا ایک پیارا خادِم ایک میٹنگ سے پہلے چند سرکردہ لوگوں کے ساتھ بغلی کمرے میں بیٹھا ہُوا تھا۔ کئی ایک افراد سٹیج پر پہنچ گئے۔ پھر اُس کی باری آئی۔ وہ دروازے میں نمودار ہُوا تو تعریف و تحسین کے ساتھ تالیوں کا شور بلند ہُوا۔ وہ بھی جلدی سے ایک طرف کھڑا ہو کر تالیاں بجانے لگا تاکہ اُس تعریف و تحسین میں حصّہ دار نہ بنے جو اُس کے خیال میں دُوسروں کے لئے تھی۔

۱۲ : ۱۱۔ مافٹ نے اِس آیت کا بہُت خوبصورت ترجمہ کیا ہے "اپنے جوش کو ماند نہ پڑنے دو۔ رُوحانی چمک برقرار رکھو۔ خُداوند کی خدمت کرتے رہو"۔ یہاں ہمیں یرمیاہ ۴۸ : ۱۰ کے الفاظ یاد آتے ہیں۔ "جو خُداوند کا کام بے پروائی سے کرتا ہے ... ملعُون ہو"۔

۱۲ : ۱۲۔ ہمارے مَوجُودہ حالات کیسے بھی ہوں ہمیں اپنی "اُمید میں خُوش" رہنا چاہئے۔ اُمید کیا ہے؟ ہمارے مُنجی کی دُوسری آمد، ہمارے بدن کی مخلصی اور ہمارا ابدی جلال۔ رسُول نصیحت کرتا ہے کہ "مُصیبت میں صابر" رہو۔ یہاں اُسے دلیری اور حوصلے سے برداشت کرتے رہو۔ ایسی برداشت ساری باتوں پر غالب آتی ہے، اور مُصیبت اور خواری کو خوشی اور جلال میں ڈھال دیتی ہے۔ نیز ہمیں "دُعا کرنے میں مشغُول" رہنا چاہئے تاکہ کام ہو اور فتوحات حاصل ہوں۔ "دُعا" ہماری زندگیوں میں قوّت اور دِلوں میں تسلّی و اطمینان لاتی ہے۔ جب ہم خُداوند یسوع کے نام میں دُعا مانگتے ہیں تو ہمیں ہمہ گیر قُدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ اِس لئے جب دُعا مانگنے سے گریز یا غفلت کرتے ہیں تو اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

۱۲ : ۱۳۔ حاجت مند "مُقدّسین" تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔ بے روزگار، بیماری کے اخراجات سے نڈھال، غیر معرُوف جگہوں میں خدمت کرتے والے بھُولے بِسرے مِشنری اور مُبشّر، عُمر رسیدہ بزرگ شہری جن کے وسائل ختم ہو چُکے ہیں، یہ سب ہماری توجہ کے مُستحق ہیں۔ مسیح کے بدن میں حقیقی زندگی

بسر کرنے کا مطلب ہے، حاجت مندوں کو اپنے وسائل اور برکات میں شریک کرنا۔

ضرورت مند سے بستر یا کھانے سے کبھی دریغ نہ کرو۔ "مسافر پروری" کا وصف تو ختم ہی ہوتا جا رہا ہے۔ مسافر مسیحیوں کو قبول نہ کرنے کے لئے عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارا گھر چھوٹا ہے، ہمارے اپارٹمنٹ میں اتنی گنجائش نہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ خدا کے فرزندوں کی مہمان نوازی کرنا، خود خداوند کی مہمان نوازی کرنا ہے۔ ہمارا گھر بیت عنیاہ کے اُس گھر کی مانند ہونا چاہئے جہاں یسوع کو جانا بہت پسند تھا۔

۱۴:۱۲۔ ہماری بُلاہٹ ہے کہ اپنے ستانے والوں سے وُہ سلوک نہ کریں جو وُہ ہم سے روا رکھتے ہیں، بلکہ اُن سے مہربانی سے پیش آئیں اور اُن کے لئے "برکت چاہیں"۔ بدسلوکی اور آزار کا بدلہ مہربانی اور نیک سلوک سے دینے کے لئے پاکیزہ مزاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ طبعی ردِ عمل تو گالیاں دینے، لعنت کرنے اور بدلہ لینے پر اُکساتا ہے۔

۱۵:۱۲۔ "ہم دردی" وُہ صلاحیت ہے جس سے اِنسان دُوسروں کے احساسات اور جذبات میں شریک ہوتا ہے۔ ہمارا رجحان تو یہ ہوتا ہے کہ دُوسرے خُوش ہوں تو ہم جلتے ہیں، وُہ غمگین ہوں، ماتم کر رہے ہوں تو پاس سے یُوں گزر جاتے ہیں جیسے کُچھ ہُوا ہی نہیں۔ خُدا کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہم جنسوں کی خوشیوں اور غموں میں برابر کے شریک ہوں۔

۱۶:۱۲۔ "آپس میں یک دِل رہو"۔ مُراد یہ نہیں کہ غیر ضروری باتوں میں بھی اِتفاقِ رائے رکھیں۔ یہاں ذہنی یکسانیت کی بجائے زیادہ مفہوم تعلقات میں ہم آہنگی ہے۔

ظاہر داری سے ہر قیمت پر بچنا چاہئے۔ اور جس طرح ہم اہلِ ثروت اور بلند مرتبت لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اُسی طرح اُن لوگوں کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہئے جن کو "ادنیٰ" اور کم تر سمجھا جاتا ہے۔ ایک مشہور مسیحی آیا تو جس کلیسیا میں اُسے پیغام دینا تھا، وہاں کے چیدہ چیدہ اور سرکردہ ممبران نے ہوائی اڈے پر جا کر اُس کا اِستقبال کیا۔ بڑی سی شان دار کار میں اُسے ایک نہایت عُمدہ ہوٹل میں پہنچایا۔ اُس نے پُوچھا "باہر سے آنے والے مُبشرین کی مہمان داری اکثر کون کرتا ہے؟" اُنہوں نے بتایا کہ ایک عُمر رسیدہ جوڑا ہے جو قریب ہی ایک سادہ سے گھر میں رہتا ہے۔ "مَیں بھی وہیں ٹھہرنا پسند کروں گا" اُس مُبشر نے کہا۔

رسُول خبردار کرتا ہے کہ ایمان دار "اپنے آپ کو عقل مند نہ" سمجھے۔ ہمیں یہ شعور ہونا چاہئے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اُوپر سے نہ ملی ہو۔ اِس طرح ہم خود بینی سے بچے رہ

سکتے ہیں۔

۱۲: ۱۷۔ "بدی کے عوض ... بدی" کرنا دُنیا کا عام دستور ہے۔ لوگ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہیں۔ لیکن مخلصی یافتہ زندگیوں میں انتقام لینے سے خوشی نہیں ہونی چاہئے بلکہ اُن کو بدسلوکی اور ناروا برتاؤ کا جواب "اچھی باتوں" یعنی خوش اخلاقی اور نیک سلوک سے دینا چاہئے۔ اُنہیں ہر قسم کے حالات میں یہی رویّہ رکھنا چاہئے۔ "تدبیر کرو" میں یہ مفہوم ہے کہ شعوری طور پر کوشش اور بندوبست کرو۔

۱۲: ۱۸۔ مسیحیوں کو بلاوجہ اشتعال انگیز اور جھگڑالو نہیں ہونا چاہئے۔ غصّے اور قہر اور لڑائی سے خدا کی راست بازی کی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ ضرور ہے کہ ہم "میل ملاپ" کو پسند کریں، میل ملاپ پیدا کریں اور میل ملاپ رکھیں۔ جب ہم کسی کو ناراض کرتے ہیں، یا کوئی دوسرا ہمیں ناراض کرتا ہے تو چاہئے کہ جب تک میل ملاپ نہ ہو جائے ہم چین آرام سے نہ بیٹھیں۔

۱۲: ۱۹۔ جب ہم پر زیادتی ہوتی ہے تو بدلہ لینے کی خواہش کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ "غضب کو موقع دو" کا مطلب ہے کہ سارا معاملہ خدا پر چھوڑ دو، اور مزاحمت نہ کرو۔ صلح پسندی کی روح کو کام کرنے دو۔ آیت کا دوسرا حصّہ اِس تشریح کی حمایت کرتا ہے کہ پیچھے ہٹ جاؤ اور خدا کے "غضب" کو کام کرنے کا موقع دو۔ "انتقام لینا" خدا کا حق منصبی ہے۔ ہمیں اُس کے حق میں ہرگز مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ وہ موزوں وقت پر مناسب طور پر بدلہ دے گا۔ لینسکی لکھتا ہے:

> "غلط کام کرنے والوں کی سزا کا مسئلہ خدا نے عرصہ ہوا طے کر دیا تھا۔ اُن میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔ ہر معاملے میں پورا پورا انصاف کیا جائے گا، اور پورے طور پر کیا جائے گا۔ اگر ہم مداخلت کرتے ہیں تو انتہائی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔"

۱۲: ۲۰۔ مسیحیت عدمِ مزاحمت سے بہت آگے بڑھ کر عملی نیک خواہی تک پہنچتی ہے۔ مسیحیت اپنے دشمنوں کو تشدّد سے ختم نہیں کر دیتی بلکہ محبّت سے جیت لیتی ہے۔ "دشمن بھوکا ہو" تو اُس کو کھانا کھلاتی ہے۔ پیاسا ہو تو اُس کو پانی پلاتی ہے۔ اِس طرح دشمن کے "سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر" لگاتی ہے۔ اگر "آگ کے انگاروں" کا سلوک ظالمانہ معلوم ہوتا ہے تو وجہ یہ ہے کہ اِس محاورہ کو درست طور پر سمجھا نہیں جاتا۔ کسی شخص کے "سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر" لگانے کا مطلب ہے کہ اُس کے ساتھ غیر رسمی اور غیر متوقع طور پر نیکی اور مہربانی کا سلوک کر کے اُسے شرمسار کرنا، ایسا کہ وہ سر نہ اُٹھا سکے۔

۱۲: ۲۱۔ ڈاربی اِس آیت کے پہلے حصے کی تشریح یُوں کرتا ہے کہ "اگر میری بدمزاجی آپ کو غُصہ دِلاتی ہے تو آپ بدی سے مغلُوب ہوگئے ہیں"۔

عظیم حبشی سائنسدان جارج واشنگٹن کارور نے ایک دفعہ کہا تھا کہ "مَیں کسی شخص کو کبھی موقع نہیں دُوں گا کہ وُہ میرے دِل میں اپنے لئے نفرت پیدا کرا کے میری زندگی برباد کر دے"۔ وہ ایمان دار تھا۔ اِس لئے اِس بات پر آمادہ نہیں تھا کہ بدی اُسے مغلُوب کرلے۔

"بلکہ نیکی کے ذریعہ سے بدی پر غالب آؤ"۔ مسیحی تعلیم کی خصُوصیت ہے کہ صِرف ممانعت پر نہیں رُک جاتی بلکہ مثبت پہلُو کی نصیحت بھی کرتی ہے۔ "نیکی" کے ذریعہ سے "بدی پر غالب" آسکتے ہیں۔ نیکی وُہ ہتھیار ہے جس کو ہر وقت اِستعمال کرتے رہنا چاہئے۔

سٹانٹن کو لنکن سے زہرناک نفرت تھی۔ وُہ کہتا تھا کہ گوریلے کی تلاش میں افریقہ جانا حماقت ہے کیونکہ اصلی گوریلا تو یہاں سپرنگ فیلڈ، الانائس میں موجُود ہے۔ لنکن ایسی باتوں کو ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ بعد میں لنکن نے سٹانٹن کو وزیرِ جنگ کے عُہدہ پر مامور کر دیا کیونکہ وُہ سمجھتا تھا کہ وُہ اِس عُہدہ کے لئے سب سے زیادہ موزُوں ہے۔ جب لنکن کو گولی سے اُڑا دیا گیا تو سٹانٹن نے خراجِ تحسین پیش کرتے ہُوئے کہا، کہ لنکن عظیم ترین لیڈر تھا۔ محبّت فتح مند رہی!

د۔ حکُومت کے ساتھ تعلق (۱۳: ۱-۷)

۱۳: ۱۔ جو لوگ ایمان کے وسیلے سے راست باز ٹھہرائے گئے ہیں، اُن پر فرض ہے کہ اِنسانی حکُومت کے "تابع دار" رہیں۔ اصل میں تو یہ فرض سب پر عائد ہوتا ہے۔ لیکن رسُول یہاں خاص ایمان داروں سے مخاطب ہے۔ خُدا نے طُوفانِ نُوح کے بعد اِنسانی حکومت قائم کی اور فرمایا کہ "جو آدمی کا خُون کرے، اُس کا خُون آدمی سے ہوگا" (پیدائش ۹: ۶)۔ اِس فرمان سے اِنسانوں کو اِختیار مِل گیا کہ وُہ فوجداری مُعاملات کا انصاف کریں اور قصُوروارں کو سزا دیں۔

ضرُور ہے کہ ہر مُنظّم مُعاشرے میں حاکم ہوں اور اُن حاکموں کی تابع داری کی جائے، ورنہ لاقانُونیت پھیل جائے گی، اور لاقانونیت میں اِنسان زیادہ دیر تک قائم اور زندہ نہیں رہ سکتے۔ حکُومت نہ ہونے سے کِسی نہ کسی قِسم کی حکُومت ہونا بہتر ہے۔ اِس لئے خُدا نے اِنسانی حکُومت قائم کی ہے۔ اُس کی مرضی کے بغیر کوئی حکومت نہ وجُود میں آسکتی ہے نہ قائم رہ سکتی ہے۔ مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کُچھ بھی اِنسانی حُکمران کرتے ہیں، خُدا اُس کی منظوری دے دیتا ہے۔ یقیناً وُہ

رشوت خوری، ظلم و تشدد، دہشت گردی وغیرہ کو کبھی پسند نہیں کرتا! لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ "جو حکومتیں موجود ہیں وہ خدا کی طرف سے مقرر ہیں"۔

ایمان دار جمہوریت، آئینی شہنشاہیت بلکہ کلیتہً آمرانہ حکومت میں بھی فتح مند زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی دنیوی حکومت اُن لوگوں سے بہتر نہیں ہوتی جو اُس کو تشکیل دیتے ہیں۔ اِسی لئے کوئی بھی حکومت کامل نہیں ہے۔ واحد مثالی حکومت وہ فیض بخش شہنشاہیت ہے جس کا شہنشاہ خداوند یسوع مسیح ہے۔ یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حکومت کی تابع فرمانی کے بارے میں یہ سطور اُس زمانے میں لکھی گئیں جب بدنام زمانہ نیرو شہنشاہِ وقت تھا۔ یہ زمانہ مسیحیوں کے لئے نہایت تاریک دور تھا۔ نیرو نے اُن پر روم کو آگ لگانے (جو غالباً اُس نے خود ہی لگائی تھی) اور آدھا شہر تباہ و برباد کر دینے کا الزام لگایا۔ اُس نے بہت سے ایمان داروں کو پکڑا، اُن کو تارکول جیسے ایک مائع میں ڈبو کر تر کیا، کھمبوں کے ساتھ باندھا اور زندہ جلا دیا۔ یہ انسانی مشعلیں اُس کی وحشیانہ تفریح کے جشن کو روشن کرنے کے کام آئیں۔ دوسروں کو اُس نے جانوروں کی کھالوں میں سلوا کر خونخوار کتوں کے آگے پھنکوا دیا۔ اِن کتوں نے اُن کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالی۔

۱۳ : ۲۔ تاہم یہ بات اپنی جگہ قائم ہے کہ جو شخص حکومت کی نافرمانی کرتا یا اُس کے خلاف بغاوت کرتا ہے وہ خدا کی جس نے حکومت قائم کی ہے، نافرمانی کرتا اور خدا کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ جو کوئی بھی جائز حکومت کے "مخالف ہیں وہ سزا پائیں گے" کیونکہ وہ سزا کے لائق ہیں۔

البتہ ایک استثنائی صورتِ حال بھی ہے۔ اگر حکومت گناہ کرے یا مسیح کے ساتھ وفاداری کے سلسلے میں مفاہمت کرنے کا حکم دیتی ہے تو مسیحی حکومت کی نافرمانی کرے گا (اعمال ۵ : ۲۹)۔ کسی حکومت کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی بھی شخص کے دِل اور ضمیر پر پابندی لگائے۔ چنانچہ ایسے مواقع آتے ہیں کہ مسیحی کو خدا کے حکم کی فرمانبرداری میں انسان کے غیض و غضب کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے مواقع پر اُس کو تیار رہنا چاہیے کہ بغیر بڑبڑائے، بے چون و چرا اپنے ایمان کی قیمت ادا کرے۔ لیکن کسی بھی صورت میں کسی مسیحی کو حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کرنا چاہیے، نہ حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے کسی کا ساتھ دینے کی اجازت ہے۔

۱۳ : ۳۔ عام اصول تو یہ ہے کہ جو شخص بھی نیکی کرتا ہے اُس کو حاکموں سے ڈرنے اور خوف کھانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہوتی۔ حاکم کا خوف صرف اُن کو ہوتا ہے جو قانون شکنی کرتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص بھی چالان، جرمانوں، حاکموں کے سامنے پیشی اور قید یا دیگر سزاؤں سے آزاد اور بے خوف رہنا چاہتا ہے، چاہیے کہ وہ قانون پسند اور فرمانبردار شہری کی زندگی بسر کرے۔ اِسی صورت

ہیں حاکم اُس سے ناراض نہیں بلکہ خوش ہوں گے۔

۱۳: ۴- حاکم کوئی بھی ہو مثلاً صدر، گورنر، میئر یا جج وہ "خُدا کا خادِم" ہوتا ہے۔ یعنی وہ خُداوند کا نمائندہ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر خُدا کو نہ جانتا ہو، تو بھی قانونی اور منصبی لحاظ سے خُداوند کا نمائندہ ہے۔ اِسی لئے داؤد شریر بادشاہ ساؤل کے حق میں بار بار کہتا تھا کہ وہ خُدا کا ممسوح ہے (۱-سموئیل ۲۴: ۶، ۱۰؛ ۲۶: ۹، ۱۱، ۱۶، ۲۳)۔ ساؤل نے داؤد کو جان سے مار ڈالنے کی بار بار کوشش کی، لیکن داؤد نے نہ کبھی خود بادشاہ کو نقصان پہنچایا، نہ اپنے آدمیوں کو ایسا کرنے کی اجازت دی۔ کیوں؟ کیونکہ ساؤل بادشاہ تھا اور اِس لحاظ سے خدا کا مُقرر کردہ تھا۔

خُدا کے خادِم ہونے کے باعث حاکموں کا فرض ہے کہ لوگوں کی "بہتری" کا خیال کریں۔ عوام کا تحفظ، امن و امان، عام فلاح و بہبود اُن کے فرائضِ منصبی میں شامل ہیں۔ اگر کوئی شخص قانون شکنی کرتا ہے تو اُسے یاد ہونا چاہئے کہ اُسے اِس کی قیمت بھی ادا کرنا ہے، کیونکہ حکومت اُس پر مقدمہ چلانے اور اُسے سزا دینے کا اختیار رکھتی ہے۔ "کیونکہ وہ تلوار بے فائدہ لئے ہُوئے نہیں"۔ اِن الفاظ میں نہایت زوردار طریقے سے بیان کیا گیا ہے کہ اُن کو طاقت اور اختیار خُدا کی طرف سے تفویض ہُوا ہے۔

"تلوار" دراصل قوت و اختیار کی کوئی بے ضرر علامت ہی نہیں ہے، شاہی عصا بھی یہ کام بخوبی انجام دیتا ہے، بلکہ "تلوار" حکمران کی حتمی، قطعی اور اساسی قوّت یعنی سزائے موت دینے کی نمائندہ ہے۔ لہٰذا یہ کہنے سے بات نہیں بنتی کہ سزائے موت صِرف پُرانے عہدنامہ کے دَور کے لئے تھی، نئے عہدنامہ کے دَور پر اِس کا اِطلاق نہیں ہوتا۔ یہاں نئے عہدنامہ میں یہ بیان درج ہے جس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی سنگین جرم کرتا ہے تو حکومت کو اُسے سزائے موت دینے کا اختیار ہے۔ کئی لوگ اِس کے خلاف دلیل دیتے ہُوئے خروج ۲۰: ۱۳ کو پیش کرتے ہیں کہ "تُو خُون نہ کرنا"۔ لیکن اِس حکم کا تعلق قتلِ عمد سے ہے۔ اور سزائے موت قتلِ عمد نہیں ہے۔ اصل عبرانی لفظ کے مطابق ترجمہ "تو قتلِ عمد نہ کرنا" ہونا چاہئے۔ پُرانے عہدنامہ میں بعض سنگین جرائم کے لئے سزائے موت کا خصوصی حکم دیا گیا تھا۔

رسول دوبارہ یاد کراتا ہے کہ حاکم "خُدا کا خادِم" ہے۔ لیکن اِس دفعہ اِس پر بھی توجّہ دِلاتا ہے کہ اُس کے غضب کے موافق بدکار کو سزا دیتا ہے"۔ "اُس کے غضب" پر غور کریں۔ مُراد یہ ہے کہ حاکم ہماری "بہتری" کے لئے "خُدا کا خادِم" ہونے کے ساتھ ساتھ اِس لحاظ سے بھی خُدا کا خادِم ہے کہ قانون شکنی کرنے والوں کو (خُدا کے غضب کے موافق) سزا دیتا ہے۔

۱۳: ۵- اِس کا مطلب ہے کہ ہمیں دو وجوہات کی بِنا پر حکومت کی تابع داری کرنی چاہئے۔

اوّل، سزا کا خوف۔ دوم، "دِل" یا ضمیر کو مطمئن رکھنے کے لئے۔

۱۳: ۶- ہمارا فرض صرف حکومت کی تابع داری یا فرماں برداری کرنا ہی نہیں بلکہ خراج یا محصول ادا کر کے حکومت کی مالی اِمداد کرنا بھی ہے۔ آج کی زبان میں "ٹیکس" ادا کرنا بھی ہمارا مسیحی فرض ہے۔ ہمارا فائدہ اِسی میں ہے کہ ایسے معاشرے میں رہیں جہاں قانون اور نظم ونسق کی بالادستی ہو۔ تحفّظ کے لئے پولیس اور اِنتظامی اُمور کے لئے دُوسرے شعبے ہوں۔ اِس لئے ہمیں اخراجات میں اپنا حصّہ ادا کرنے پر راضی ہونا چاہئے۔ حکومت کے افسران اپنی صلاحیتیں اور وقت خرچ کرتے ہیں تاکہ ایک مستحکم معاشرہ قائم رکھنے میں خدا کی مرضی کو پُورا کریں۔ اُن کا حق ہے کہ معاشرہ اُن کی کفالت کرے۔

۱۳: ۷- یہ حقیقت ہے کہ ایمان دار آسمان کے شہری ہیں (فلپیوں ۳: ۲۰)۔ لیکن وُہ انسانی حکومت میں اپنی ذِمّہ داریوں سے چھُوٹ نہیں سکتے۔ ضرور ہے کہ اُن کی آمدنی، جائیداد وغیرہ پر جتنے بھی ٹیکس عائد ہوتے ہیں، اُن کا فرض ہے کہ وُہ ادا کریں۔ اگر مالِ تجارت ایک مُلک سے دُوسرے مُلک میں آتا جاتا ہے تو اُس پر کسٹم ڈیوٹی ادا کریں۔ قانون نافذ کرنے والے اہل کاروں کی عزّت کرتے ہُوئے اُن سے ڈریں، اور تمام سرکاری اَفسران کی اُن کے منصب کی بِنا پر "عزّت" و احترام کریں (مُمکن ہے کہ اُن کی شخصی زِندگی کا اِحترام کرنا محال ہو)۔

اِس سِلسلے میں مسیحیوں کو ایسی گفتگو میں کبھی شریک نہیں ہونا چاہئے جس میں صدر یا وزیرِ اعظم وغیرہ کے خِلاف یا اُن کے کسرِ شان باتیں کی جائیں۔ جب کوئی سیاسی مہم زوروں پر ہو، اُس وقت بھی مسیحیوں کو پُوری اِحتیاط کرنی چاہئے۔ صدرِ مملکت کے خِلاف کوئی بات کریں نہ کسی ایسی گفتگو میں شامل ہوں۔ "اپنی قوم کے سردار کو بُرا نہ کہہ" (اعمال ۲۳: ۵)۔

۵- مستقبل کے ساتھ تعلّق (۱۳: ۸-۱۴)

۱۳: ۸- اِس آیت کے پہلے حِصّے کا بُنیادی مطلب یہ ہے کہ "اپنے بل وقت پر ادا کرو"۔ اِس آیت میں کسی قسم کا قرض لینے سے ممانعت نہیں کی گئی۔ ہمارے معاشرے میں بعض قسم کے قرض ناگزیر ہیں، اُن کے بغیر گزارا نامُمکن ہے۔ ہمیں ہر مہینے ٹیلیفون، بجلی، پانی وغیرہ کے بل ادا کرنا ہوتے ہیں۔ بعض قسم کے قرض ایسے ہیں کہ اُن کے بغیر کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔ یہاں تنبیہ یہ ہے کہ کوئی ادائیگی باقی نہیں رہنی چاہئے۔

کچھ اُصول ہیں جو اِس سِلسلے میں ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ غیر ضروری چیزوں کے لئے کبھی قرض نہ لیں۔ جب ادا کرنے کی اُمید نہ ہو، تو قرض نہ اُٹھائیں۔ ہمیں قسطوں پر خریداری سے بچنا

چاہیئے۔ اِس لئے کہ اِس میں بھاری سُود بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ مختصر یہ کہ مالی معاملات میں ذِمّہ داری کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اپنی چادر کے مُطابق پاؤں پھیلائیں۔ اعتدال کی زِندگی اپنائیں۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ "قرض لینے والا قرض دینے والے کا نوکر (ہوتا) ہے" (اَمثال ۲۲: ۷)۔

ایک قرض ہے جو کبھی ادا نہیں ہو سکتا، اور وُہ ہے "محبّت" کا قرض۔ رومیوں کے خط میں 'محبّت' کے لئے جو لفظ استعمال ہُوا ہے وُہ ہے 'اگاپے' (agape) (صرف ۱۲: ۱۰ میں مختلف لفظ اِستعمال ہُوا ہے)۔ اِس سے مُراد ہے گہری، بے لوث، فوق البشر اُلفت اور چاہت جو ایک اِنسان دُوسرے کے لئے رکھتا ہے۔ اِس "محبّت" کا تعلق دُوسری ہی دُنیا سے ہے، اور جس سے محبّت کی جائے اُس شخص کی کسی خُوبی یا لیاقت سے تحریک نہیں پاتی بلکہ اُس کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ یہ ہر دُوسری قسم کی محبّت سے بالکل فرق ہوتی ہے کیونکہ صِرف قابلِ محبّت افراد تک نہیں، بلکہ دُشمنوں تک بھی پہنچتی ہے۔

اِس محبّت کا اظہار دینے، اور عمُوماً اپنی طرف سے بہُت کُچھ قربان کرنے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ خُدا نے دُنیا سے ایسی محبّت رکھی کہ اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ مسیح نے کلیسیا سے محبّت رکھی اور اپنے آپ کو اُس کی خاطر دے دیا (قربان کر دیا)۔

یہ بنیادی طور پر جذبات کا نہیں بلکہ ارادے کا معاملہ ہے۔ ہمیں "محبّت" رکھنے کا حُکم دیا گیا ہے۔ حُکم دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایسی بات ہے جو ہم ارادۃً کر سکتے ہیں۔ اگر یہ کوئی ایسا جذبہ ہوتا جس پر ہمارا اختیار نہ ہوتا تو ہم ذِمہ دار نہ ٹھہرتے۔ لیکن اِس سے یہ انکار کرنا بھی مطلوب نہیں کہ اِس میں جذبات ملوث نہیں ہوتے۔

کوئی غیر ایمان دار یہ اِلٰہی محبّت نہیں دِکھا سکتا، بلکہ ایمان دار کے لئے بھی اپنی طاقت سے یہ محبّت دِکھانا ممکن نہیں۔ یہ محبّت صِرف اندر سکونت رکھنے والے رُوحُ القُدس کی قُدرت سے کی جا سکتی ہے۔

زمین پر اِس محبّت (اگاپے) کا کامل ظہُور خُداوند یسُوع مسیح کی ذات میں ہُوا۔

خُدا کے ساتھ ہماری محبّت اُس کے حُکموں پر عمل کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔

"کیونکہ جو دُوسرے سے محبّت رکھتا ہے اُس نے شریعت پر پُورا عمل کیا"۔ یا کم سے کم شریعت کے اُس حِصّے پر "پُورا عمل کیا" جو اپنے ہم جِنس اِنسانوں کے ساتھ محبّت رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔

۱۳: ۹۔ پَولُس رسُول وُہ "حُکم" چُن لیتا ہے جو اپنے ہم جِنس اِنسان کے خِلاف غیر محبّتی

سلوک کرنے سے منع کرتے ہیں ۔ یہ حکم "زنا"، "خون"، "چوری"، "لالچ" وغیرہ کرنے کے خلاف ہیں ۔ محبت کسی دوسرے کے بدن کا استحصال نہیں کرتی، بد اخلاقی نہیں کرتی، محبت کسی دوسرے کی جان کا استحصال نہیں کرتی ۔ محبت کسی دوسرے کی چیزیں "چوری" نہیں کرتی ۔ محبت دوسروں کو انصاف سے محروم نہیں رکھتی ۔ محبت تو دوسرے کی چیزوں کے لئے غلط خواہش تک نہیں کرتی جبکہ "لالچ" کرتا ہے ۔

"ان کے سوا اور جو کوئی حکم ہو"۔ پولس ایک اور حکم کا ذکر کر سکتا تھا "اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کر"۔ ان سب کا خلاصہ اس بات میں آجاتا ہے کہ "اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ"۔ اس سے اسی محبت، لحاظداری اور مہربانی سے پیش آئیے جیسے اپنے ساتھ کرتا ہے ۔

۱۳: ۱۰ ۔ "محبت" کبھی کسی سے "بدی نہیں کرتی"۔ اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ پورے ذوق و شوق سے دوسروں کی بھلائی اور عزت کی خواہاں ہوتی ہے ۔

۱۳: ۱۱ ۔ باب کے بقیہ حصے میں روحانی چوکسی اور اخلاقی پاکیزگی کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے ۔ "وقت" تھوڑا ہے، فضل کا زمانہ ختم ہونے والا ہے ۔ وقت کی کمی کا تقاضا ہے کہ کاہلی کو خیرباد کہا جائے ۔ "اب ہماری نجات نزدیک ہے"۔ نجات دہندہ آرہا ہے کہ ہمیں باپ کے گھر لے جائے ۔

۱۳: ۱۲ ۔ موجودہ دور گناہ کی "رات" کی مانند ہے، جو تقریباً گزر چکی ہے ۔ ایمان داروں کے لئے جلال کا "دن نکلنے والا ہے"۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں دنیا داری کے گندے کپڑے اتار پھینکنے چاہئیں، یعنی ہر وہ بات "ترک" کر دیں جس کا تعلق ناراستی اور برائی سے ہے ۔ اور "روشنی کے ہتھیار باندھ لیں"۔ اس کا مطلب ہے پاکیزہ زندگی کا حفاظتی غلاف ۔ ان ہتھیاروں کا بیان افسیوں ۶: ۱۴ ـ ۱۸ میں پایا جاتا ہے ۔ یہ حقیقی مسیحی کردار کے عناصر کا بیان کرتے ہیں ۔

۱۳: ۱۳ ۔ غور کریں کہ یہاں زور ہمارے عملی مسیحی چال چلن پر ہے ۔ ہم "دن" کے فرزند ہیں اس لئے ہمیں روشنی کے فرزندوں کی طرح چلنا چاہئے ۔ ایک مسیحی کا شیطانی محفلوں، شراب نوشی کے ہنگاموں، شہوانی لذتوں، ناچ رنگ کے تماشوں بلکہ جھگڑے اور حسد سے کیا کام؟ ایک مسیحی کو ان سے بالکل دور رہنا چاہئے ۔

۱۳: ۱۴ ۔ ہمارے لئے بہترین حکمتِ عملی یہ ہے ۔ اول، "یسوع مسیح کو پہن لو"۔ مطلب یہ ہے کہ پورے طور سے اس کے طرزِ زندگی کو اپنائیں ۔ اس کی طرح زندگی بسر کریں ۔ وہ ہمارا نمونہ اور راہنما ہو ۔ دوم "جسم کی خواہشوں کے لئے تدبیریں نہ کرو"۔ "جسم" سے مراد پرانی، گناہ آلودہ فطرت ہے جو مسلسل پکارتی رہتی ہے کہ میرے نخرے اٹھاؤ، مجھے آرام و آسائش، عیش و عشرت، شہوت پرستی،

کھوکھلی تفریحات، دُنیوی خوشیاں، مادہ پرستی اور کھیل تماشے مُہیا کرو۔ ہم "جسم کی خواہشوں کے لئے تدبیریں" اُسی وقت کرتے ہیں جب ایسی چیزیں خریدتے ہیں جو آزمائشوں سے علاقہ رکھتی ہیں، جب گناہ میں گرنے کے لئے آسانیاں پیدا کر لیتے ہیں، جب رُوحانیت پر جسمانیت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم کو جسم کا ذرا سا نخرہ بھی نہیں اُٹھانا چاہیے۔ ہمیں جسم کو اپنی موج منانے کا موقع نہیں دینا چاہیئے۔

اوگسطین نہایت ذہین مگر شہوانی اِنسان تھا۔ خُدا اپنے کلام کے اِسی حِصّے کو اِستعمال کر کے اُسے مسیح کے قدموں میں لے آیا اور اُسے پاکیزگی پر مائل کیا۔ وُہ آیت ۱۴ پر پہنچا تو اُس نے خُود کو خُدا کے سپرد کر دیا۔ اب تاریخ اُس کو "مُقدّس" اوگسطین کے نام سے یاد کرتی ہے۔

و۔ دِیگر ایمان داروں کے ساتھ تعلق (۱۴: ۱- ۱۵: ۱۳)

۱۴: ۱- رومیوں ۱۴: ۱- ۱۵: ۱۳ میں اُن اہم اُصُولوں کا تذکرہ ہے جو خُدا کے لوگوں کی اُن باتوں میں راہنمائی کرتے ہیں جو اہمیّت کے اِعتبار سے ثانوی درجہ رکھتی ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن سے کئی دفعہ ایمان داروں میں جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں حالانکہ ہم دیکھیں گے کہ یہ جھگڑے بالکل غیر ضرُوری ہوتے ہیں۔

"کمزور ایمان والا" مسیحی وُہ ہے جو ثانوی اہمیّت کے مُعاملات میں بے بُنیاد خدشات اور شکوک رکھتا ہے۔ زیرِ نظر سیاق و سباق میں یہ اکثر وُہ یہُودی تھے جو ایمان تو لے آئے تھے لیکن حرام (جو یہُودی طریقہ سے تیار۔ ذبح وغیرہ۔ نہ کئے گئے ہوں) کھانوں اور سبت (ہفتہ/سنیچر) کو کام کرنے وغیرہ کے بارے میں شک رکھتے تھے۔

پہلا اُصُول یہ ہے کہ "کمزور ایمان والے" مسیحی کو مقامی شراکت میں شامِل کیا جائے۔ لیکن اِس خیال سے نہیں کہ اُس کے شکوک و شبہات کے بارے میں اُس سے بحث اور "تکرار" کریں گے۔ غیر ضرُوری باتوں پر اِتفاق کئے بغیر بھی مسیحی خوش باش زِندگی گزار سکتے ہیں۔

۱۴: ۲- جو ایمان دار پُوری مسیحی آزادی کا لُطف اُٹھاتا ہے، وُہ نئے عہد نامہ کی تعلیمات پر مبنی ایمان رکھتا ہے کہ "ہر چیز کا کھانا روا ہے"۔ ساری چیزیں خُدا کے کلام اور دُعا سے پاک ہو جاتی ہیں (۱- تیمتھیس ۴: ۴، ۵)۔ کمزور ایمان والا ایمان دار کئی قِسم کے کھانوں کے بارے میں خدشات رکھتا ہے۔

۱۴: ۳- چنانچہ دُوسرا اُصُول یہ ہے کہ باہمی برداشت اور صبر ہونا چاہیے۔ پُختہ مسیحی کو اپنے کمزور بھائی کو "حقیر" نہیں جاننا چاہیے۔ نہ کمزور بھائی کو دُوسرے پر "اِلزام" لگانا چاہیے کہ بعض قِسم کے کھانوں سے گنہگار ہو گیا ہے کیونکہ "خُدا نے اُس کو قبول کر لیا ہے" یعنی اپنے گھرانے کا فرد مان لیا ہے۔

۱۴: ۴- تیسرا اُصُول یہ ہے کہ ہر ایمان دار خُداوند کا "نوکر" ہے۔ اِس لئے ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ

کسی پر یُوں "الزام" لگائیں جیسے ہم "مالک" ہیں۔ ہر شخص اپنے "مالک" ہی کے سامنے مقبُول یا نامقبول ٹھہرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم کسی دُوسرے کو سرد مہری اور حقارت سے دیکھیں اور یقین کرنے لگیں کہ ان مُعاملات کے بارے میں اپنے نظریات سے وُہ اپنے ایمان کا جہاز غرق کرلے گا۔ لیکن یہ رویّہ غلط ہے۔ "خداوند" ہی دونوں کو قائم رکھے گا۔ اُس کی قُدرت اُن کو قائم رکھنے کے لئے کافی ہے۔ دونوں سے مُراد ہے ایک سب کُچھ کھانے والا، اور دُوسرا بعض کھانوں سے پرہیز کرنے والا۔

۵:۱۴۔ بعض یہُودی نژاد مسیحی اب بھی سبت کو ماننا ضرُوری سمجھتے تھے اور اس روز کوئی کام کرنا رَوا نہیں سمجھتے تھے۔ اِن معنوں میں وُہ "ایک دِن کو دُوسرے سے افضل" جانتے تھے۔ دُوسرے ایمان دار اِن یہُودی خدشات میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ وُہ "سب دِنوں کو برابر" جانتے تھے۔ یہ نہیں کہ چھ دِن تو دُنیوی اور غیر مذہبی ہیں اور ایک دِن مُقدّس ہے۔ اُن کے نزدیک سارے دِن مُقدّس تھے۔

لیکن "خداوند کے دِن" کے بارے میں یعنی ہفتہ کے پہلے دِن کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا یہ مسیحیوں کی زندگیوں میں خاص مقام نہیں رکھتا؟ نئے عہد نامہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خُداوند کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا دِن ہے (لُوقا ۲۴: ۱-۹)۔ اگلے دو اِتواروں کو خُداوند مسیح اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوتا رہا (یُوحنّا ۲۰: ۱۹-۲۶)۔ رُوح القدس پنتکُست کے دِن نازِل ہُوا تھا۔ اور یہ بھی ہفتہ کا پہلا دِن تھا۔ پنتکُست پہلے پھلوں کی عید کے سات اِتواروں کے بعد ہوتا تھا (احبار ۲۳: ۱۵، ۱۶؛ اعمال ۲: ۱) اور یہ مسیح کی قیامت کی علامت ہے (۱-کرنتھیوں ۱۵: ۲۰، ۲۳)۔ شاگرد روٹی توڑنے کے لئے ہفتہ کے پہلے دِن جمع ہُوا کرتے تھے (اعمال ۲۰: ۷)۔ پَولُس نے کرنتھیوں کو ہدایت کی تھی کہ ہفتہ کے پہلے دن خیرات جمع کیا کریں۔ چُنانچہ اِتوار کا دِن نئے عہد نامہ میں بہت نُمایاں نظر آتا ہے۔ لیکن یہ سبت کی طرح "فرائض" کا دِن نہیں بلکہ اعزاز کا دِن تھا۔ ہم عام دِنوں کے کاروبار اور مصرُوفیات سے آزاد ہو کر اس دِن کو اپنے خُداوند کی عبادت اور خِدمت کا دِن منا سکتے ہیں۔

نئے عہد نامہ میں مسیحیوں کو کہیں بھی سبت کا دِن منانے کو نہیں کہا گیا۔ تو بھی ہم سات میں سے ایک دِن کے اُصول کو، چھ دِن کام کرنے کے بعد ایک دِن آرام کرنے کے اُصول کو مانتے ہیں۔ اِس موضُوع پر کسی کا کُچھ بھی نُقطۂ نظر ہو، اصُول یہ ہے "ہر ایک اپنے دِل میں پُورا اعتقاد رکھے۔" لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اِس قسم کے اُصُول کا اِطلاق صِرف اُن مُعاملات پر ہوتا ہے جو اخلاقی نوعیت کے نہ ہوں۔ جب ایمان کے بُنیادی عقائد کی بات ہو تو اِنفرادی رائے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن

جہاں معاملہ اخلاقی نوعیّت کا نہ ہو وہاں مختلف نظریات رکھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن اُن کی باہمی رفاقت ایک دُوسرے کو ٹھیس پہنچانے کا باعث نہیں ہونی چاہئے۔

۱۴ : ۶ ۔ "جو کسی دِن کو مانتا ہے"۔ یہ وُہ یہودی ایمان دار ہے جو اَب بھی سبت (ہفتہ/سنیچر) کے دِن کام کرنا روا نہیں سمجھتا۔ وُہ سبت کے ماننے کو نجات کا ذریعہ یا نجات کو قائم رکھنے کا وسیلہ تو نہیں مانتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ اِس طرح سے "خُداوند" خُوش ہوگا۔ اِسی طرح "جو کسی دِن کو نہیں مانتا" وُہ بھی مسیح کی تعظیم کے لئے نہیں مانتا۔ یہ باتیں ایمان کا جوہر نہیں، فقط سایہ ہیں (کلسیوں ۲ : ۱۶، ۱۷)۔

جو شخص آزادی کے ساتھ وُہ کھانے کھاتا ہے جو یہُودی دستور کے مطابق تیار نہیں کئے گئے، وُہ بھی سَر جُھکا کر "خُدا کا شُکر کرتا ہے"۔ اِسی طرح وُہ ایمان دار بھی جو اپنے کمزور ایمان کے باعث ایسے کھانوں سے پرہیز کرتا ہے "خُدا کا شُکر کرتا ہے"۔ دونوں ہی خُدا سے برکت مانگتے ہیں۔

دونوں صُورتوں میں "خُدا" کی تعظیم اور شُکر ہوتا ہے۔ تو اِس مُعاملے کو جھگڑے اور نزاع کا موقع کیوں بنایا جائے؟

۱۴ : ۷ ۔ مسیح کی خُداوندیت کا ایمان دار کی زِندگی کے ہر پہلُو میں دخل ہوتا ہے۔ ہم اپنے لئے نہیں بلکہ خُداوند کے لئے جیتے ہیں۔ اور ہم اپنے لئے نہیں بلکہ خُداوند کے لئے مرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں وُہ دُوسروں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مگر یہاں یہ خیال پیش نہیں کیا گیا۔ پَولُس اِس نُکتے پر زور دے رہا ہے کہ خُداوند کے لوگوں کی زِندگیوں کا مرکز و محور اور مقصد خُداوند ہی ہونا چاہئے۔

۱۴ : ۸ ۔ ہم زِندگی میں جو کچھ بھی کرتے ہیں، اُس پر مسیح کی نظر ہوتی ہے اور اُسی کی منظوری کے لئے سب کچھ کرنا چاہئے۔ ہر بات کو اِس طرح پرکھیں کہ یہ خُداوند کو کیسی لگتی ہے۔ ہم تو موت میں بھی خُداوند کے جلال کے متمنی ہوتے ہیں کیونکہ ہم اُس کے پاس رہنے کو چلے جاتے ہیں۔ زِندگی ہو یا موت ہم ہر حال میں اُسی کے ہیں۔

۱۴ : ۹ ۔ "مسیح اِس لئے مؤا اور زِندہ ہؤا" کہ ہمارا "خُداوند ہو"۔ اور ہم بہ رضا و رغبت اُس کی رعیّت ہوں اور اپنے شُکر گزار دِلوں سے خُوشی کے ساتھ اُس کے وفادار اور جاں نثار رہیں۔ اُس کی خُداوندیت ہماری موت میں بھی جاری رہتی ہے، جب ہمارے بدن قبروں میں اور ہماری جانیں اور رُوحیں اُس کی حضُوری میں ہوتی ہیں۔

۱۴ : ۱۰ ۔ چونکہ یہ ساری باتیں سچ ہیں، اِس لئے بے حد احتیاط اور پرہیز کرنے والے یہُودی

مسیحی کا دُوسرے "بھائی" پر الزام لگانا حماقت ہے کہ یہ یہُودی دِنوں کو نہیں مانتا اور کھانے پینے میں یہُودی رواج اور ضابطوں کی پابندی نہیں کرتا۔ اِسی طرح اگر مضبُوط ایمان والا بھائی کمزور "بھائی کو حقیر جانتا ہے" تو غلطی کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو "خُدا کے تختِ [1] عدالت کے آگے کھڑے" ہونا ہے۔ ہمارے بارے میں آخری فیصلہ وُہیں ہوگا۔

یہ عدالت ایمان دار کے گُناہوں کی نہیں، کاموں کی ہوگی (۱۔کرنتھیوں ۳: ۱۱۔ ۱۵)۔ یہ جائزہ لینے اور اَجر دینے کا موقع ہوگا۔ اِس کو غیر قوموں کی عدالت (متّی ۲۵: ۳۱۔ ۴۶) کے ساتھ گڈمڈ نہ کریں۔ اور نہ بڑے سفید تخت کی عدالت (مُکاشفہ ۲۰: ۱۱۔ ۱۵) کے ساتھ ملائیں۔ موخرالذکر سارے شریر (یعنی غیر ایمان دار) مُردوں کی عدالت ہے۔

۱۴: ۱۱۔ ہمارا مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے حاضر ہونا بالکل یقینی ہے۔ اِس کی تائید و تصدیق یسعیاہ ۴۵: ۲۳ سے بھی ہوتی ہے جہاں یہوواہ خود تاکیداً کہتا ہے کہ "ہر ایک گھٹنا میرے آگے ٹکے گا" اور میرے اِختیارِ مُطلق کو تسلیم کرے گا۔

۱۴: ۱۲۔ چنانچہ یہ بات بالکل صاف اور سچ ہے کہ "ہم میں سے ہر ایک خُدا کو اپنا حساب دے گا"۔ غور کریں "اپنا حساب"، کسی دُوسرے بھائی کا نہیں۔ ہم بہُت زیادہ ایک دُوسرے کا حساب کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں نہ تو اِس کا اِختیار ہے، اور نہ ہمیں اکثر باتوں کا صحیح علم ہوتا ہے۔

۱۴: ۱۳۔ چاہیئے کہ اُن مُعاملوں میں جو اخلاقی نوعیّت کے نہ ہوں ہم ساتھی مسیحیوں پر اِلزام نہ لگائیں بلکہ پُختہ اِرادہ اور فیصلہ کرلیں کہ ہم کبھی کوئی ایسی بات یا حرکت نہیں کریں گے جو کسی بھائی کی رُوحانی ترقّی میں مانع ہو۔ اِن غیر ضروری باتوں میں سے کوئی بھی اِتنی اہم نہیں کہ جس کے باعث ہم کسی بھائی کو ٹھوکر کھلائیں، یا اُس کے "گرنے کا باعث" ہوں۔

۱۴: ۱۴۔ پولُس جانتا تھا اور ہم بھی جانتے ہیں کہ اب کھانے کی کوئی چیز رسمی طور پر "حرام" یا ناپاک نہیں جیسی کہ اُس یہُودی کے لئے ہوتی ہے جو شریعت کے ماتحت زندگی گزارتا ہے۔ جو کُچھ ہم کھاتے ہیں وُہ خُدا کے کلام اور دُعا سے پاک ہو جاتا ہے (۱۔تیمتھیس ۴: ۵)۔ وُہ خُدا کے کلام سے اِس طرح پاک ہو جاتا ہے کہ بائبل مقدّس واضح طور پر اُس کو اچھا قرار دیتی

---

[1] ہم جانتے ہیں کہ عدالت مسیح کو کرنی ہے، کیونکہ باپ نے عدالت کا سارا کام مسیح کے سپُرد کر دیا ہے۔ یُوحنّا ۵: ۲۲۔

ہے۔ اور دُعا سے اِس لئے پاک ہو جاتا ہے کہ خُدا اُس پر اپنے جلال کے لئے اور ہمارے بدنوں کی قوّت کے لئے برکت دیتا ہے تاکہ اُس کی خدمت کے لئے استعمال ہو۔ لیکن اگر کوئی کمزور ایمان والا بھائی کسی کھانے کو روا نہیں سمجھتا تو اُس کے لئے یہ کھانا جائز نہیں کیونکہ اِس طرح اپنے خُدا کے دِئے ہُوئے ضمیر کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

جب پَولُس کہتا ہے کہ "کوئی چیز بذاتہٖ حرام نہیں" تو ہمیں جان رکھنا چاہئے کہ وُہ صِرف اُن چیزوں کی بات کر رہا ہے جو اخلاقی نوعیّت کی نہ ہوں۔ دُنیا میں بہُت سی چیزیں ہیں جو ناپاک ہیں مثلاً فحش لِٹریچر، گندے مذاق، غیر اخلاقی فلمیں اور ہر طرح کی حرام کاری اور بد اخلاقی۔ پَولُس کے بیان کو اِس کے سیاق و سباق میں سمجھنا چاہئے۔ جن کھانوں کو مُوسیٰ کی شریعت نے حرام قرار دیا ہے، اُن کے کھانے سے کوئی مسیحی رسمی طور پر ناپاک نہیں ٹھہرتا۔

۱۴: ۱۵۔ جب میں کسی کمزور ایمان والے "بھائی" کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھتا ہُوں تو کیا مجھے اِصرار کرنا چاہئے کہ جھینگا مچھلی، یا سُؤر کا گوشت کھاؤں گا جبکہ مجھے علم ہے کہ یہ بھائی اِن کو حرام سمجھتا ہے؟ اگر ایسا کرتا ہُوں تو "محبّت کے قاعدہ پر نہیں چلتا" کیونکہ "محبت" اپنا نہیں، دُوسروں کا خیال کرتی ہے۔ کسی بھائی کی بھلائی اور ترقی کے لئے محبّت اپنے جائز حقوق سے بھی ہاتھ اُٹھا لیتی ہے۔ کوئی کھانا اِتنا اہم نہیں جِتنا اُس بھائی کی رُوحانی ترقی جس کے واسطے "مسیح مُؤا"۔ لیکن ایسے مُعاملات میں اگر مَیں خُود غرضی سے اپنے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹتا رہوں تو اپنے بھائی کی زندگی میں ناقابلِ تلافی نُقصان کا مُوجب بن جاؤں گا۔ اِس لئے یاد رکھنا چاہئے کہ اُس بھائی کی رُوح کی مخلصی کے لئے کتنی بھاری قیمت ادا کی گئی ہے —— برّہ کا قیمتی خُون بہایا گیا ہے۔

۱۴: ۱۶۔ چُنانچہ اُصول یہ ٹھہرا کہ ہم موقع پَیدا نہ ہونے دیں کہ اِن غیر اہم باتوں کے باعث کوئی ہم پر "عدمِ محبّت" کا اِلزام لگا سکے۔ یہ تو دال کے ایک کھانے کے عوض اپنی نیک نامی قُربان کرنے والی بات ہوگی۔

۱۴: ۱۷۔ اصل اہمیّت تو "خُدا کی بادشاہی" کو ہے۔ کھانے پینے کے ضابطے اہم نہیں بلکہ رُوحانی حقیقتیں اہم ہیں۔ "خُدا کی بادشاہی" وُہ عِلاقہ ہے جہاں خُدا کو اعلیٰ ترین حاکم مانا جاتا ہے۔ وسیع تر مفہوم میں اِس میں وُہ بھی شامل ہیں جو خُدا کے ساتھ وفاداری کا اِقرار کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں صِرف وُہی شامل ہیں جو نئے سِرے سے پَیدا ہُوئے ہیں۔ اور یہاں "خُدا

کی بادشاہی" کا یہی مطلب ہے۔

اِس بادشاہی کی رعیّت کھانے پینے کی دُھن میں نہیں رہتی، خوش خوراکی کے پیچھے نہیں بھاگتی، نہ پینے پلانے پر متوجہ ہوتی ہے۔ اُن کی زندگی کی خصوصیات عملی "راست بازی"، "میل ملاپ" اور وُہ "خوشی" ہے جو "رُوح القدس" پر موقوف ہے۔

۱۸:۱۴۔ یہ بات اہم نہیں کہ کوئی شخص کیا کھاتا ہے یا کیا نہیں کھاتا۔ خُدا کی نظر میں مقبولیت اور اِنسانوں کی نظر میں عزّت و توقیر کا اِنحصار پاکیزہ زندگی پر ہے۔ جو لوگ اپنی زندگیوں میں راست بازی، صُلح اور میل ملاپ اور خُوشی کو اوّلیّت دیتے ہیں، وُہی "مسیح کی خدمت" کرتے ہیں کیونکہ وُہ اُس کی تعلیمات پر کاربند ہوتے ہیں۔

۱۹:۱۴۔ اِس طرح ایک اور اصُول سامنے آتا ہے۔ غیر اہم اور غیر ضرُوری باتوں پر جھگڑنے کی بجائے ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ مسیحی رفاقت میں ہم آہنگی اور "میل ملاپ" قائم رہے۔ اپنے حقُوق پر اَڑ کر دُوسروں کو ٹھوکر کِھلانے کی بجائے ہمیں دُوسروں کے ایمان کو بڑھانے اور اُن کی رُوحانی ترقی کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

۲۰:۱۴۔ "خُدا" اپنے ہر ایک فرزند کی زندگی میں "کام" کر رہا ہے۔ یہ سوچنا ہی ہولناک بات ہے کہ ہم "کھانے" پینے اور دِنوں جیسی ثانوی باتوں کے باعث ایک کمزور ایمان والے "بھائی" کی زندگی میں اِس کام کو روک رہے ہیں۔ خُدا کے فرزند کے لئے اب ساری چیزیں پاک اور حلال ہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز کھانے سے کسی بھائی کو ٹھوکر لگتی ہے یا اُسے رنج پُہنچتا ہے تو وُہ چیز کھانا جائز نہیں ہوگا۔

۲۱:۱۴۔ کسی "بھائی" کو ٹھوکر کھلانے یا اُس کے رُوحانی تنزل کا باعث بننے سے یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ ہم "نہ گوشت" کھائیں، "نہ مَے" پئیں۔ "نہ اَور کُچھ ایسا" کام کریں۔ اپنے جائز حقُوق سے دستبردار ہونا اپنے کمزور ایمان والے "بھائی" کی نگہداشت اور ترقی کے مُقابلے میں کوئی وُقعت نہیں رکھتا۔

۲۲:۱۴۔ مَیں ہر قسم کا کھانا کھانے میں مکمل آزادی محسُوس کر سکتا ہوں کیونکہ جانتا ہوں کہ خُدا نے عنایت کیا ہے کہ شکر گزاری کے ساتھ کھایا جائے۔ لیکن جو کمزور ہیں اُن کے سامنے مجھے بے ضرورت اِس آزادی کی نمائش نہیں کرنی چاہئے۔ علیٰحدگی میں اِس آزادی کو استعمال کرنا تو درست ہے کیونکہ اِس طرح کسی کو رنج پہنچنے کا اِحتمال نہیں ہوتا۔

مسیحی آزادی سے مُستفید اور محظُوظ ہونا بالکل جائز اور مُناسب ہے تاکہ بے ضرورت خدشات و شُبہات میں بندھے نہ رہیں۔ لیکن دُوسروں کو رنج پہنچانا اور بعد میں اپنے آپ کو الزام دیتے رہنا کسی طرح بھی مناسب اور مفید نہیں۔ جو شخص دُوسرے کو ٹھوکر کھلانے سے بچتا ہے وہ "مبارک" ہے۔

۱۴: ۲۳۔ جہاں تک کمزور بھائی کا تعلق ہے، اُس کے لئے کوئی ایسی چیز کھانا مناسب نہیں جس کے بارے میں اُس کو شک و شُبہ ہو، یا جس کو وُہ خُود ناجائز سمجھتا ہو۔ اُس کا کھانا "اعتقاد" کے ساتھ نہیں ہوگا۔ اور اپنے ضمیر (دل) کے خلاف چلنا "گناہ" ہے۔

یہ درُست ہے کہ انسان کا ضمیر (دل) بے خطا راہنما نہیں ہوتا۔ ضرُورت ہے کہ اس کی خُدا کے کلام سے تربیّت کی جائے۔ لیکن پولُس نے یہ اُصُول اور قاعدہ مُقرر کر دیا ہے کہ انسان کو اپنے ضمیر کی پیروی کرنی چاہیئے۔ خواہ وُہ کمزور ہی کیوں نہ ہو، ورنہ اخلاقی شخصیّت ختم ہو جائے گی۔

۱۵: ۱۔ اِس باب کی پہلی پندرہ آیات میں گزشتہ مضمُون جاری ہے جس میں اُن اُمور پر بحث کی گئی ہے جو اخلاقی نوعیّت کے نہیں۔ ابتدائی کلیسیا میں دو قسم کے ایمان دار تھے۔ ایک جو یہودیت سے آئے تھے، دُوسرے بُت پرستی کے مذاہب سے۔ اُن کے درمیان کچھ تناؤ پیدا ہو گیا تھا۔ پولُس اُن دونوں طبقوں سے اِلتماس کرتا ہے کہ میل مِلاپ قائم رکھیں۔

"زور آوروں" ——— (جو اخلاقی لحاظ سے غیر جانبدار باتوں میں مُکمّل آزادی محسُوس کرتے ہیں) "کو چاہیئے" کہ خود غرضی سے اپنے حقُوق منوانے کی کوشش نہ کریں۔ "اپنی خُوشی" سے دستبردار ہو جائیں اور "ناتوانوں کی کمزوریوں کی رعایت کریں"۔ اُن کے ساتھ مہربانی اور رواداری سے پیش آئیں۔ اُن کے شکوک و شُبہات کا لحاظ رکھیں۔

۱۵: ۲۔ یہاں یہ اُصُول دیا گیا ہے۔ 'اپنی خُوشی کے لئے مت جیو'۔ اس طرح سے جیو کہ "پڑوسی" کی "بہتری" ہو اور اُسے خُوشی حاصل ہو۔ اُس کی تعمیر ہو۔ مسیحی رویّہ یہی ہے۔

۱۵: ۳۔ مسیح نے ہم کو نمونہ دیا ہے۔ وُہ اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے آسمانی باپ کو خُوش کرنے کے لئے جیتا تھا۔ اُس نے کہا "تیرے لعن طعن کرنے والوں کے لعن طعن مجھ پر آپڑے" (زبُور ۶۹: ۹)۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو خُدا کی عزّت و تعظیم کا اتنا خیال تھا کہ جب انسان خُدا کی بے عزّتی کرتے تو وُہ اِس کو اپنی بے عزتی سمجھتا تھا۔

۱۵: ۴۔ زبُور سے اِس اقتباس سے ہمیں یاد دلایا گیا ہے کہ پُرانے عہدنامہ کے صحائف

"ہماری تعلیم کے لئے" لکھے گئے تھے۔ وہ براہِ راست تو ہمارے نام نہیں لکھے گئے تھے، مگر اُن میں ہمارے لئے نہایت انمول سبق موجود ہیں۔ جب ہم کو مسائل، کشمکش، مصیبتوں اور مشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو یہ صحائف ہمیں سکھاتے ہیں کہ ثابت قدم رہیں۔ وہ ہمیں "تسلی" دیتے ہیں۔ اِس طرح ہم طوفانی لہروں میں ڈوب جانے کی بجائے "اُمید" کے وسیلے سے قائم رہتے ہیں کہ خداوند ہمیں کامیاب کرے گا۔

۱۵: ۵۔ یہ خیال پولس کو اِس "اُمید" کے اظہار کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ "خدا" جو ثابت قدمی اور "تسلی" دیتا ہے وہ توانا اور کمزور، غیر قوم اور یہودی مسیحی، سب کو توفیق دے گا کہ "مسیح یسوع" کے نمونے اور تعلیم "کے مطابق" یک دِل ہو کر زندگی گزاریں۔

۱۵: ۶۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ مقدسین "ہمارے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی تمجید" کرنے میں متحد اور یک دِل ہوں گے۔ کیسی شاندار تصویر ہے! نجات یافتہ یہودی اور نجات یافتہ غیر قوم "یک زبان" ہو کر خداوند کی حمد اور عبادت کریں گے!

رومیوں کے خط میں "مُنہ" یا "زبان" کا ذکر چھ دفعہ آتا ہے۔ یہ "نجات یافتہ انسان" کی زندگی کی تبدیلی پیش کرتا ہے۔ شروع میں اُس کا "مُنہ لعنت اور کڑواہٹ سے بھرا" تھا (۳: ۱۴)۔ پھر اُس کا "مُنہ بند" کیا گیا اور اُس کو قصور وار (مجرم) کی حیثیت سے منصف یعنی خدا کے سامنے کھڑا کیا گیا (۳: ۱۹)۔ اِس کے بعد وہ "زبان" سے یسوع کے خداوند ہونے کا "اقرار" کرتا ہے (۱۰: ۹) اور آخر میں یہاں وہ زبان سے بڑی سرگرمی کے ساتھ خداوند کی حمد اور تمجید کرتا ہے (۱۵: ۶)۔

۱۵: ۷۔ اِس ساری بحث سے ایک اور اُصول سامنے آتا ہے۔ ثانوی باتوں کے سلسلے میں جو بھی اختلافات ہوں اُن کے باوجود "جس طرح مسیح نے ... تم کو اپنے ساتھ شامل کر لیا ہے، اُسی طرح تم بھی ایک دوسرے کو شامل کرو"۔ یہ مقامی جماعت میں شامل ہونے کی اصل بنیاد ہے۔ ہم کسی کو فرقہ کے ساتھ الحاق، رُوحانی پختگی، یا سماجی مرتبے کی بنیاد پر شامل نہیں کرتے۔ ہمیں چاہئے کہ اُن کو "شامل کریں" جن کو "مسیح" نے اپنے ساتھ "شامل" کر لیا ہے تاکہ "خدا کے جلال" کو ترقی ہو۔

۱۵: ۸۔ اگلی چھ آیات میں پولس رسول اپنے قارئین کو یاد دلاتا ہے کہ یسوع "مسیح" کی خدمت میں یہودی اور غیر قومیں دونوں شامل ہیں۔ اِس میں نکتہ یہ ہے کہ ہمارے دِل بھی اِتنے بڑے

ہونے چاہئیں کہ دونوں کو شامل کریں۔ بے شک مسیح "مختونوں" یعنی یہودی قوم کا خادم بنا۔ خدا نے بار بار وعدہ کیا تھا کہ مَیں اسرائیل کے پاس مسیحِ موعود کو بھیجوں گا۔ اور مسیح کی آمد سے اُن "وعدوں" کی توثیق ہو گئی۔

۱۵: ۹۔ لیکن مسیح "غیر قوموں" کے لئے بھی برکات لاتا ہے۔ خدا نے انتظام کیا کہ غیر قومیں بھی خوشخبری سُنیں اور جو لوگ ایمان لائیں وہ "رحم کے سبب سے خدا کی حمد کریں"۔ یہودی ایمان داروں کو اِس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اُن کے اپنے صحائف میں پیشتر سے بار بار بتایا گیا ہے کہ ایسا ہو گا۔ مثال کے طور پر زبور ۱۸: ۴۹ میں داؤد اُس دن کا پہلے سے ذکر کرتا ہے جب مسیحِ موعود غیر قوم ایمان داروں کے ہجوم میں خدا کے "نام کے گیت" گائے گا۔

۱۵: ۱۰۔ استثنا ۳۲: ۴۳ میں غیر قوموں کی یہ تصویر پیش کی گئی ہے کہ وہ نجات کی برکات میں "اُس کی اُمت" یعنی اسرائیل "کے ساتھ خوشی" کریں گی۔

۱۵: ۱۱۔ زبور ۱۱۷: ۱ میں ہم اسرائیل کو پکارتے ہوئے سُنتے ہیں کہ "اے سب غیر قومو! خداوند کی حمد کرو" اور مسیح موعود کی ہزار سالہ بادشاہی کے دوران غیر قومیں اُس کی حمد کریں گی۔

۱۵: ۱۲۔ نیز یسعیاہ (۱۱: ۱، ۱۰) اپنی گواہی پیش کرتا ہے کہ مسیحِ موعود کی حکومت میں "غیر قومیں" شامل کی جائیں گی۔ یہاں خاص نکتہ یہ ہے کہ "غیر قومیں" مسیحِ موعود کے اعزازات اور اُس کی خوشخبری میں شریک (حصہ دار) ہوں گی۔

خداوند یسوع "یسّی کی جڑ" ہے، اِس مفہوم میں کہ وہ یسّی کا خالق ہے۔ اِس لئے نہیں کہ وہ یسّی میں سے نکلا ہے (اگرچہ یہ بھی سچ ہے)۔ مکاشفہ ۲۲: ۱۶ میں یسوع اپنے بارے میں کہتا ہے کہ مَیں "داؤد کی اصل و نسل" ہوں۔ اپنی الوہیت میں وہ داؤد کا خالق ہے اور اپنی بشریت میں وہ داؤد کی نسل ہے۔

۱۵: ۱۳۔ پولس اِس حصے کا اختتام پُرفضل دعا کے ساتھ کرتا ہے کہ "خدا" جو فضل سے "اچھی اُمید" عطا کرتا ہے وہ مقدسوں کو "ساری خوشی اور اطمینان سے معمور کرے"۔ اِس لئے کہ اُن کا ایمان اُس پر ہے۔ شاید یہاں وہ خاص کر غیر قوم ایمان داروں کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ لیکن یہ دعا سبھی کے لئے موزوں ہے۔ اور یہ بات بالکل درست ہے کہ جن لوگوں کی "روح القدس کی قدرت سے ... اُمید زیادہ ہوتی" جاتی ہے اُن کے پاس غیر ضروری باتوں پر جھگڑنے کا وقت کہاں ہوتا ہے۔ ہماری مشترکہ اُمید مسیحی زندگی میں یگانگت اور اتحاد پیدا

کرنے کی زبردست قوّت ہے۔

ز۔ پَولُس کے منصُوبے (۱۵: ۱۴-۳۳)

۱۵: ۱۴- باب ۱۵ کے بقیہ حِصّے میں پَولُس رومیوں کو خط لِکھنے کی وجہ بیان کرتا اور اِس خواہش کا اِظہار کرتا ہے کہ مُجھے اُن کے پاس جاکر اُن سے مُلاقات کرنے کا موقع مِلے۔ اگرچہ پَولُس کی روم کے مسیحیوں سے کبھی مُلاقات نہیں ہُوئی لیکن وُہ "یقین رکھتا" ہے کہ وُہ اُس کی نصیحتوں کو قبول کریں گے۔ اِس یقین کی بُنیاد اِس بات پر ہے کہ پَولُس نے اُن کی "نیکی" کے بارے میں بہت کُچھ سُن رکھا ہے۔ عِلاوہ ازیں اُس کو اُن کی مسیحی "معرفت" کا بھی یقین ہے۔ یہ باتیں اُن کو اہل کرتی ہیں کہ دُوسروں کو بھی "نصیحت کر سکتے" ہیں۔

۱۵: ۱۵- پَولُس کو اُن کی رُوحانی ترقی کے بارے میں اِعتماد اور یقین ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ خُود پَولُس اُن کے لئے اجنبی ہے۔ تو بھی وُہ اُن کو یاد دلانے میں تامّل نہیں کرتا کہ اُن کے اِستحقاق اور ذِمّہ داریاں کیا ہیں۔ وُہ اِس لئے بڑی صفائی سے لِکھ رہا ہے کہ "خُدا نے" اُس کو "توفیق" دی ہے — یعنی اُس پر یہ فضل ہُوا ہے کہ رسُول مُقرر ہُوا۔

۱۵: ۱۶- خُدا نے پَولُس کو ایک طرح سے "غیر قوموں کے لئے مسیح یسُوع کا" خادم یا کاہن مُقرر کیا تھا۔ وُہ "خُدا کی خوشخبری کی خِدمت" کو کہانت کا کام سمجھتا تھا جِس میں وُہ نجات یافتہ "غیر قوموں" کو ایسی "نذر" کے طور پر خُدا کے حضُور پیش کرتا ہے جو مقبول ہے۔ اِس لئے کہ "رُوح القُدس" نے نئی پیدائش کے وسیلے سے اُن کو خُدا کے لئے "مقدّس" بنایا تھا۔ جی۔ کیمبل مورگن یُوں کہتا ہے:

> "یہ ہماری بشارتی اور پاسبانی خِدمت پر کیسی چمکدار روشنی ڈالتا ہے۔ خُوشخبری کی منادی سے جیتی جانے والی ہر ایک رُوح نہ صِرف حِفاظت اور برکت کی جگہ میں لائی جاتی ہے بلکہ وُہ خُدا کے لئے ایک نذر بھی ہوتی ہے۔ وُہ ایک ایسا ہدیہ ہوتی ہے جس سے خُدا کو تسکین مِلتی ہے۔ وُہ ایسی قربانی ہوتی ہے جو خُدا تلاش کر رہا ہے، جو اُس کے دِل پسند ہوتی ہے۔ ہر رُوح جِس کو بڑی فکرمندی اور صبر کے ساتھ مسیح کی باتوں کی تعلیم دِی جاتی ہے اور جیسے اِس طرح اُس کے مشابہ بنا دیا جاتا ہے، ایسی رُوح ہوتی ہے جس سے خُدا خُوش اور مسرُور ہوتا ہے۔ اِس لئے ہم صِرف

انسانوں کی نجات کے لئے محنت نہیں کرتے، بلکہ خدا کے دِل کو تسکین پہنچانے کے لئے کرتے ہیں۔ یہی ہماری خدمت کی سب سے زبردست ترغیب یا تحریک ہوتی ہے"۔

۱۵:۱۷۔ اگر پولس فخر کرتا ہے تو اپنی ذات پر نہیں بلکہ "مسیح یسوع" پر کرتا ہے۔ اور نہ وہ اپنی کامیابیوں پر فخر کرتا ہے، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ سب کچھ "خدا" ہی نے اُس کے وسیلے سے پورا کیا ہے۔ خدا کا کوئی بھی حلیم اور فروتن خادم کبھی نامناسب طور پر فخر نہیں کرتا، بلکہ اُسے اِس حقیقت کا احساس رہتا ہے کہ خدا اپنے اِرادے پورے کرنے کے لئے مجھے اِستعمال کر رہا ہے۔ فخر کرنے کی ہر آزمائش اِس احساس سے ماند پڑ جاتی ہے کہ مَیں تو کچھ بھی نہیں، میرے پاس تو کچھ بھی نہیں سوائے جو کچھ خدا نے دیا ہے، اور مَیں مسیح کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا سوائے اُس کے جو رُوح القدس کی توفیق سے ہو۔

۱۵:۱۸۔ پولس اُن کاموں کا تذکرہ کرنے کی "جرأت" نہیں کرتا جو "مسیح" نے دُوسروں کی خدمت کے وسیلے سے کئے ہیں۔ وہ صرف اِتنی بات تک محدود رہتا ہے کہ خداوند نے مجھے کِس طرح اِستعمال کیا ہے کہ "غیر قوموں" کو مسیح کے "تابع کرنے کے لئے" جیت لوں۔ یہ کام اُس (پولس) کے "قول اور فعل" سے سرانجام پایا ہے، یعنی جو پیغام اُس نے سُنایا اور جو معجزے اُس کی معرفت رُونما ہوئے۔

۱۵:۱۹۔ خداوند نے پولس رسول کے پیغام کی تصدیق معجزوں کے وسیلے سے کی۔ ان معجزوں نے رُوحانی سبق سکھائے۔ علاوہ ازیں خدا رُوح کی قوت کے مختلف ظہوروں سے بھی پولس کے پیغام اور منادی کی تصدیق کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پولس نے "یروشلیم سے لے کر چاروں طرف الرُّکم تک مسیح کی خوشخبری کی پوری پوری منادی کی" (الرُّکم مکدنیہ کے شمال میں بحیرہ اڈریا تک پر واقع تھا)۔ یہاں پولس کی خدمت کی تاریخی ترتیب نہیں بلکہ جغرافیائی وُسعت بیان کی گئی ہے۔

۱۵:۲۰۔ اِس علاقے میں جاتے ہوئے پولس کا مقصد یہ تھا کہ "جہاں مسیح کا نام نہیں لیا گیا وہاں خوشخبری سُناؤں"۔ بُنیادی طور پر اُس کے سامعین وہ غیر قوم لوگ ہوتے تھے جنہوں نے "مسیح" کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سُنا تھا۔ اِس طرح وہ کِسی "دُوسرے کی بُنیاد پر عمارت" نہیں اُٹھاتا تھا۔ پولس کا نمونہ نئے علاقوں میں کام کرنے والے خادموں کو اِسی عمل کی پیروی کرنے کا پابند نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر بعض خادموں کی بُلاہٹ یہی ہوتی ہے کہ جب نئی کلیسیائیں قائم ہو جائیں تو جا کر اُن میں منادی کریں۔

۱۵ : ۲۱- غیر قوموں کے درمیان بنیاد رکھنے کا کام یسعیاہ (۵۲ : ۱۵) کی نبوت کی تکمیل تھا کہ "جن کو (غیر قوموں) اُس کی خبر نہیں پہنچی وُہ دیکھیں گے اور جنہوں نے نہیں سُنا وُہ سمجھیں گے"۔ یعنی غیر قومیں خوشخبری کو سُنیں گی، سمجھیں گی اور مثبت جواب دیں گی۔

۱۵ : ۲۲، ۲۳- پولُس کو ہردم یہی خواہش ہوتی تھی کہ نئی زمین میں ہل چلائے۔ وُہ اِس کام میں اِتنا مصروف رہا کہ رُوم نہ جا سکا۔ لیکن اب اُس علاقے میں جس کا ذکر ۱۵ : ۱۹ میں ہُوا ہے، بُنیاد رکھی جا چُکی تھی۔ دیگر خادم اِس بُنیاد پر عمارت اُٹھا سکتے تھے۔ اِس لئے پولُس کو فُرصت تھی کہ رُوم جانے کی اپنی دیرینہ آرزو پُوری کر سکے۔

۱۵ : ۲۴- اُس کا منصُوبہ تھا کہ "اِسفانیہ" (سپین) جاتے ہُوئے راستے میں رُوم میں رُکے۔ البتہ وُہ زیادہ دیر تک رُکنے کا ارادہ نہیں کر رہا تھا۔ تاہم رفاقت رکھنے کی خواہش "کسی قدر" پُوری ہو جائے گی۔ پولُس کو یہ بھی یقین ہے کہ "سپین" تک سفر مکمل کرنے میں رُوم کے مسیحی اُس کی مدد کریں گے۔

۱۵ : ۲۵- لیکن فی الحال وُہ "یروشلیم کو" جا رہا ہے تاکہ جو چندے غیر قوم کلیسیاؤں نے یہودیہ کے "مُقدسوں کی خدمت کرنے کے لئے" جمع کئے تھے، وُہ اُن کو پہنچا دے۔ یہ وہی خیرات اور چندے ہیں جن کا ذکر ہم ۱-کرنتھیوں ۱۶ : ۱ اور ۲-کرنتھیوں باب ۸ اور ۹ میں پڑھتے ہیں۔

۱۵ : ۲۶- ۲۷- "مکدنیہ اور اخیہ" کے ایمان داروں نے کمال خوشی سے "غریب" مسیحیوں کی تنگ دستی میں مدد کرنے کے لئے چندہ جمع کیا تھا۔ دینے والوں نے پُوری رضامندی سے دیا تھا۔ اور بقول پولُس اُن کے لئے دینا مناسب بھی تھا کیونکہ اُن تک فضل کی خوشخبری یہودی ایمان داروں کی وساطت سے پہنچی تھی۔ اِس لحاظ سے وُہ یہودیہ کے ایمان داروں کے "قرض دار بھی" تھے۔ اِس لئے یہ توقع کرنا بالکل بجا تھا کہ وُہ اُن بھائیوں کو اپنی "مادی چیزوں" میں شریک کریں۔

۱۵ : ۲۸، ۲۹- پولُس کہتا ہے کہ جیسے ہی مَیں اپنا یہ قرض "پُورا" کر لُوں گا یعنی وعدہ کے مُطابق چندہ وہاں پہنچا دُوں گا تو رُوم کے مسیحیوں کو مِل کر آگے "اِسفانیہ" (سپین) جاؤں گا۔ اُس کو پُورا اعتماد ہے کہ "جب تمہارے پاس آؤں گا تو مسیح کی کامل برکت لے کر آؤں گا"۔ جب بھی خُدا کے کلام کی منادی رُوح القُدس کی قوت میں کی جاتی ہے تو مسیح ہمیشہ ایسی برکت

اُنڈیلتا ہے۔

۱۵: ۳۰۔ اِس حِصّے کے اِختتام پر پَولُس اپنے لئے دُعا کی پُرجوش اپیل کرتا ہے۔ یہ اپیل اِس بُنیاد پر کرتا ہے کہ وُہ "خُداوند یسوع مسیح" کے ساتھ پیوستہ ہیں اور پاک "رُوح کی محبّت" سے سرشار ہیں۔ وُہ درخواست کرتا ہے کہ "میرے ساتھ مِل کر جانفشانی کرو"۔ لینسکی کہتا ہے "یہ اَیسی دُعاؤں کے لئے پُکار ہے جس میں اِنسان اپنا پُورا دِل وجان اور رُوح ایسے لگا دیتا ہے جَیسے کھیل کے میدان میں مُقابلہ کرنے والے کھلاڑی لگاتے ہیں"۔

۱۵: ۳۱۔ یہاں دُعا کی چار مخصوص درخواستیں ہیں۔ اوّل، پَولُس اِس دُعا کی درخواست کرتا ہے کہ مَیں "یہُودیہ کے" اُن جنُونی افراد سے "بچا رہُوں" جو فضل کی خوشخبری کے دیوانہ وار مُخالِف ہیں، جَیسے کہ وُہ خُود بھی کبھی تھا۔

دوم، وُہ چاہتا ہے کہ روم کے ایمان دار دُعا مانگیں کہ یہُودی "مُقدّسین" خوشی کے ساتھ اِس خیرات کو قبول کریں کیونکہ غیرقوم ایمان داروں کے سِلسلے میں ابھی تک شدید تعصبات موجُود تھے، بلکہ اُن کے خلاف بھی جو غیر قوموں میں منادی کرتے تھے۔ پھر یہ خدشہ تو ہمیشہ موجُود رہتا ہے کہ لوگ اِس تصوّر سے رنجیدہ ہو جاتے ہیں، بُرا مان جاتے ہیں کہ ہم کو "خیرات" دی جا رہی ہے۔

۱۵: ۳۲۔ سوم، تیسری درخواست یہ ہے کہ خُداوند روم کے اِس دَورہ کو "خوشی" کا موقع بنا دے۔ "خُدا کی مرضی سے" کے اَلفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ پَولُس کی آرزو تھی کہ ہر بات خُدا کی ہدایت اور مرضی کے مُطابق ہو۔

چہارم، آخری درخواست یہ ہے کہ روم کا دَورہ خُود اُس کے لئے "آرام" پانے کا موقع فراہم کرے۔ پَولُس کی خدمت بے حد ہنگامہ خیز اور تھکا دینے والی تھی۔ اُسے تازہ دم ہونے کی بڑی ضرورت محسُوس ہو رہی تھی۔

۱۵: ۳۳۔ پَولُس اِس باب کو دُعا کے ساتھ ختم کرتا ہے کہ "خُدا جو اِطمینان کا چشمہ ہے تُم سب کے ساتھ رہے۔ آمین"۔ باب ۱۵ میں خُدا کو یہ نام دِئے گئے (۱) صبر اور تسلّی کا چشمہ (آیت ۵)۔ (۲) اُمّید کا چشمہ (آیت ۱۳) اور (۳) اِطمینان کا چشمہ (زیرِ نظر آیت)۔ خُدا ہر اچھی چیز کا سرچشمہ ہے۔ ہر اچھّی چیز جس کی گُنہگار کو اِس دُنیا میں اور آنے والے جہان میں ضرورت ہے، اُس کا منبع خُدا ہے۔ "آمین"۔

ح۔ دیگر ایمان داروں کی قدردانی اور سلام (باب ۱۶)

پہلی نظر میں یہ اختتامی باب غیر دلچسپ ناموں کی فہرست معلوم ہوتا ہے جو اب ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ لیکن اگر غور سے دیکھیں تو یہ نظر انداز شدہ باب ایمان دار کے لئے بہت سے قیمتی سبق پیش کرتا ہے۔

۱۶: ۱۔ "فیبے" کا تعارف "کنخریہ کی کلیسیا کی خادمہ[1]" کے طور پر کرایا گیا ہے۔ ہمیں یہ خیال کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کسی خاص مذہبی نظام ( ) کی رکن تھی، یا کسی خاص عہدہ پر فائز تھی۔ لیکن جو بہن بھی مقامی جماعت میں کسی تعلق کے ساتھ خدمت کرتی تھی۔ وہ خادمہ یعنی ڈیکنس ہو سکتی ہے۔

۱۶: ۲۔ ابتدائی مسیحی جب ایک کلیسیا سے سفر کر کے دوسری کلیسیا کے پاس جاتے تھے تو تعارفی خط ساتھ لے جاتے تھے۔ یہ اگلی کلیسیا کے لئے عزت افزائی ہوتی تھی اور ملاقاتی کو سہولت رہتی تھی۔

چنانچہ رسول یہاں فیبے کا تعارف کراتا اور درخواست کرتا ہے کہ اُسے "خداوند میں" ایسے "قبول" کیا جائے جیسے ہم ایمان "مقدسوں کو چاہئے"۔ مزید درخواست کرتا ہے کہ ہر طرح سے اُس کی مدد کی جائے۔ اُس کی تعریف اور سفارش اِس بنیاد پر ہے کہ "وہ بھی بہتوں کی مددگار رہی ہے بلکہ میری (پولس کی) بھی"۔ غالباً یہ بہن مبشروں اور کنخریہ کے دوسرے ایمان داروں کی ان تھک خدمت میں لگی رہتی تھی۔

۱۶: ۳۔ اِس کے بعد پولس "پرسکہ اور اکولہ" کو سلام بھیجتا ہے۔ یہ دونوں بھی "مسیح یسوع میں" اُس کے جانباز "ہم خدمت" تھے۔ ایسے جوڑوں کے لئے خدا کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے جو مسیح کے کام میں قربانی کی روح میں بے لوث خدمت کرتے ہیں۔

۱۶: ۴۔ ایک موقع پر تو پرسکہ اور اکولہ نے پولس کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ کیسا دلیرانہ اور بے جگری کا موقع ہوگا، جس کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ مگر رسول اُن کا ممنونِ احسان ہے۔ اور اِسی طرح "غیر قوموں کی سب کلیسیائیں بھی اُن کی شکر گزار ہیں"۔ یہ

---

[1] اگر خواتین کے لئے خصوصی عہدہ مراد ہوتا تو diakonos (خادم - ڈیکن) کی مؤنث صورت استعمال کی جاتی۔

وُہ کلیسیائیں ہیں جن میں پولُس خدمت کرتا تھا۔

۱۶: ۵۔ "اور اُس کلیسیا سے بھی سلام کہو جو اُن کے گھر میں ہے"۔ اِس کا مطلب ہے کہ ایمان داروں کی ایک جماعت اُن کے گھر میں جمع ہُوا کرتی تھی۔ گرجوں کی عمارتیں دُوسری صدی کے اواخر تک وجُود میں نہ آئی تھیں۔ اِس سے پہلے جب پرِسکہ اور اکوِلہ کرِنتھس میں قیام پذیر تھے تو وہاں بھی اُن کے گھر میں ایک کلیسیا تھی۔

"اپینِتُس" کا مطلب ہے "قابلِ تحسین"۔ بلاشُبہ اخیہ کا یہ پہلا نومُرید اسم بامُسمّیٰ تھا۔ پولُس اُس کو "میرے پیارے" کہہ کر یاد کرتا ہے۔

۱۶: ۶۔ اِس باب میں عورتوں کے نام خاصے نمُایاں ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ وُہ کلیسیا میں بہُت مُفید اور سرگرم کارکُن تھیں (آیات ۱، ۳، ۶، ۱۲ وغیرہ)۔ "مریم" دِن رات محنت کرتی تھی۔

۱۶: ۷۔ ہمیں معلُوم نہیں کہ "اندرنیکُس اور یُونیاس" کب پولُس رسُول کے "ساتھ قید ہُوئے تھے"۔ "رِشتہ دار" کا مطلب واضح نہیں ہے کہ وُہ واقعی پولُس کے رِشتہ دار تھے یا اُس کا مطلب ہے کہ میرے "ساتھی یہُودی"۔ "رسُولوں میں نامور" کا مطلب بھی واضح نہیں ہے، یعنی رسُول اُن کی عِزّت و احترام کرتے تھے یا وُہ خُود "نامور" رسُول تھے۔ لیکن ایک بات یقینی ہے کہ وُہ پولُس سے "پہلے" ایمان لائے تھے۔

۱۶: ۸۔ اب ہماری مُلاقات "اَمپلیاطُس" سے ہوتی ہے جو خُداوند میں پولُس کا "پیارا" ہے۔ ہم اُن سب لوگوں کے نام صِرف اِس لئے سُن رہے ہیں کہ اُن کا تعلُق "کلوری" سے تھا۔ اگر ہم میں سے کسی میں کوئی قابلِ تعریف بات ہے تو یہی ہے کہ ہم مسیح کی صلیب سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۶: ۹۔ "اُربانُس" کو رسُول "ہم خدمت" کا لقب دیتا ہے اور "اِستخُس" کو "میرے پیارے" کہتا ہے۔ رومیوں باب ۱۶ مسیح کے تختِ عدالت کی ایک نہایت چھوٹی سی تصویر معلُوم ہوتا ہے جہاں مسیح کے ساتھ وفاداری کے ہر عمل کی تعریف ہو گی۔

۱۶: ۱۰۔ "اپلیّس" نے کسی آزمائش میں شان دار کامیابی حاصِل کی تھی، اور اُس پر "مسیح میں مقبُول" ہونے کی مُہر لگی تھی۔

پولُس "اَرِستبُولُس کے گھر والوں" کو سلام بھیجتا ہے۔ یہ شخص ہیرودیس اعظم کا پوتا

تھا۔ "گھر والوں" سے مُراد غالباً اُس کے مسیحی غلام ہیں۔

۱۱:۱۶۔ "ہیرودیون" بھی غالباً ایک غلام تھا۔ وُہ پولُس کا ہم وطن "رشتہ دار" تھا۔ شاید وُہ ارِستبولُس کے گھر میں واحد یہُودی غلام تھا۔

"نرکسُس" کے کُچھ غلام بھی ایمان دار تھے۔ پولُس اُن کو بھی یاد کر کے سلام بھیجتا ہے۔ جو لوگ معاشرتی لحاظ سے نچلے درجہ پر ہوں، وُہ مسیحیت کی خاص الخاص برکات سے خارج نہیں۔ ناموں کی اِس فہرست میں غلاموں کی فہرست ہمیں یاد دِلاتی ہے کہ مسیح میں سارے مُعاشرتی اور سماجی امتیازات مِٹ جاتے ہیں، اِس لئے کہ ہم سب مسیح میں ایک ہیں۔

۱۲:۱۶۔ "ترُوفینہ اور ترُوفوسہ"۔ اِن ناموں کے مطلب بالترتیب "نازُک/نفیس اور فراوانی/لذیذ شے" ہیں۔ لیکن وُہ خُداوند کی خدمت سچّے دِل سے کرتی تھیں۔ "پیاری پرسِس" بھی اُن خاتون کارکنوں میں سے تھی جن کی مقامی کلیسیا میں بڑی ضرورت ہوتی ہے، لیکن جن کی قدر اُن کی وفات کے بعد ہی ہوتی ہے۔

۱۳:۱۶۔ "رُوفُس"۔ "ممکن ہے یہ اُس شمعون کا بیٹا ہو جس نے یسُوع کی صلیب اُٹھائی تھی (متّی ۲۷: ۳۲)۔ "یہ خُداوند میں برگزیدہ ہے"۔ نہ صرف اپنی نجات کے باعث بلکہ اپنے مسیحی کردار کے باعث بھی وُہ "برگزیدہ" مُقدّس تھا۔ رُوفُس کی "ماں" پولُس سے مادرانہ شفقت سے پیش آئی تھی۔ اِسی لئے وُہ کمال محبّت سے اُسے "میری بھی ماں" کہتا ہے۔

۱۶: ۱۴، ۱۵۔ "اُسنکرتُس اور فلگون اور ہرمیس اور پترُباس اور ہرماس"۔ غالباً یہ سب گھریلُو کلیسیا میں سرگرم ارکان تھے۔ یہ کلیسیا ویسی ہی ہوگی جیسی پرسکہ اور اکولہ کے گھر میں تھی (۱۶: ۳، ۵)۔ "فلُلگس اور یُولیہ اور نیریُوس اور اُس کی بہن اور اُلمپاس"۔ یہ سب ایک اور گھریلُو کلیسیا میں جوش و خروش کے ساتھ حصّہ لیتے ہوں گے۔

۱۶:۱۶۔ "پاک بوسہ"۔ اُس زمانے میں مُقدّسوں میں پیار اور اُلفت کے ساتھ مِلنے اور سلام کرنے کا یہ طریقہ رائج تھا۔ آج بھی بعض ممالک میں یہی رواج ہے۔ اِس کو "پاک بوسہ" کا نام اِس لئے دِیا گیا ہے کہ کِسی قِسم کی ناشائستگی کا اِحتمال نہ رہے۔ ہماری مُعاشرت میں "بوسہ" کی جگہ بغل گیر ہونے نے لے لی ہے۔

پولُس یہ خط اخیہ سے لِکھ رہا ہے۔ وہاں کی "کلیسیائیں" بھی رومؔ کی کلیسیا کو سلام بھیجتی ہیں۔

۱۷:۱۶۔ پولُس رسُول خط ختم کرنے سے پہلے ضرُوری سمجھتا ہے کہ اُن کو جھُوٹے اُستادوں

کے بارے میں خبردار اور متنبہ کر دے۔ ایسے جھوٹے اور بے دین لوگ چپکے سے کلیسیاؤں میں گھس آتے ہیں۔ مسیحیوں کو اُن سے خبردار رہنا چاہئے جو اپنے گرد پارٹیاں جمع کر لیتے ہیں، اور غافل لوگوں کے ایمان کا جنازہ نکال دیتے ہیں۔ پولس روم کے مسیحیوں کو چوکس کرتا ہے کہ "اُن کو تاڑ لیا کرو۔ اور اُن سے کنارہ کیا کرو"۔ تاڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعلیم "اُس تعلیم کے برخلاف" ہوتی ہے جو کہ مسیحیوں نے شروع سے اور کلامِ پاک کے مطابق پائی ہے۔

۱۶: ۱۸- یہ جھوٹے اُستاد "ہمارے خداوند مسیح" کے فرمانبردار نہیں ہوتے بلکہ "اپنے پیٹ کی خدمت کرتے ہیں"۔ وہ اپنی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں اور اپنی "چکنی چپڑی باتوں سے سادہ دلوں کو بہکاتے ہیں"۔

۱۶: ۱۹- پولس رسول اِس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ اُس کے قارئین کی "فرمانبرداری ... مشہور ہو گئی ہے"۔ یعنی سب جانتے ہیں کہ وہ خداوند کے فرمانبردار ہیں، تو بھی پولس چاہتا ہے کہ وہ اِس لائق ہوں کہ درست تعلیم اور "نیکی" کو پہچان سکیں۔ اور "بدی" سے دُور رہیں۔

۱۶: ۲۰- اِس طرح "خدا جو اطمینان کا چشمہ ہے" اُن کو شیطان پر بہت جلد فتح دے گا۔

رسول کی دعائے برکت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مقدسین کے لئے ہر وہ چیز مانگتا ہے جس کی اُن کو جلال کی طرف سفر میں ضرورت ہو۔

۱۶: ۲۱- ہم "تیمتھیس" کو جانتے پہچانتے ہیں۔ وہ ایمان میں پولس کا فرزند اور وفادار ہم خدمت ہے۔ لیکن ہم "لوکیس" کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، سوائے اِس بات کے کہ پولس کی طرح اُس کے والدین بھی یہودی تھے۔ ہو سکتا ہے "یاسون" سے ہماری پہلے بھی ملاقات ہوئی ہو (اعمال ۱۷: ۵)، اور "سوسپطرس" کو بھی پہچانتے ہوں (اعمال ۲۰: ۴)۔ یہ دونوں بھی یہودی تھے۔

۱۶: ۲۲- "ترتیس" وہ شخص ہے جس نے پولس کے لئے "یہ خط" لکھا۔ "ترتیس" قارئین کو اپنی طرف سے بھی سلام لکھتا ہے۔

۱۶: ۲۳- نئے عہدنامہ سے کم از کم چار اشخاص ہیں جن کا نام "گیس" ہے۔ یہ گیس غالباً وہی ہے جس کا ذکر ۱۔ کرنتھیوں ۱: ۱۴ میں آیا ہے۔ وہ اپنی مہمان نوازی کے لئے مشہور تھا۔ وہ نہ صرف پولس بلکہ تمام ضرورت مند مسیحیوں کی دلی خوشی سے مہمان نوازی کرتا تھا۔ "اِراستس" کرنتھس شہر کا "خزانچی" تھا۔ لیکن کیا یہ وہی شخص ہے جس کا ذکر اعمال ۱۹: ۲۲

اور/یا ۲-تیمتھیس ۴: ۲۰ میں آیا ہے؟ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے- "کوارتُس" کا ذکر صرف "بھائی" کہہ کر کیا گیا ہے- لیکن آخر یہ بھی کوئی کم اعزاز نہیں! بہت بڑی عزت ہے!

۱۶: ۲۴- "ہمارے خداوند یسوع مسیح کا فضل تم سب کے ساتھ ہو"- یہ پولس کا مخصوص اختتامی کلمۂ برکت ہے- یہ آیت ۲۰ ب والا کلمہ ہے- یہاں "سب" کا اضافہ کیا گیا ہے- بہت سے مسودات میں یہ رومیوں کے خط کی آخری آیت ہے اور آیات ۲۵-۲۷ میں درج حمدِ خدا باب ۱۴ کے بعد آتی ہے- نسخۂ سکندریہ میں آیت ۲۰ حذف ہے- کلمۂ برکت اور حمدِ خدا دونوں ہی خط کو ختم کرنے کے بہترین طریقے ہیں- اور دونوں "آمین" کے ساتھ ختم ہوتے ہیں-

۱۶: ۲۵- خط کا اختتام حمدِ خدا کے ساتھ ہوتا ہے- یہاں خدا کو پکارا گیا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو "یسوع مسیح کی منادی" میں مضبوط کر سکتا ہے، یعنی قائم رکھ سکتا ہے- پولس اُس کو "میری خوشخبری" کہتا ہے- بے شک نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے- مگر اُسے "غیر قوموں کا رسول" ہونے کی حیثیت سے یہ خوشخبری سونپی گئی تھی، جبکہ مثال کے طور پر پطرس یہودیوں میں منادی کرتا تھا- "یسوع مسیح" کے بارے میں یہ پیغام ایک "بھید" ہے جس کا "مکاشفہ" ہوا ہے، حالانکہ یہ بھید "ازل سے پوشیدہ رہا"- نئے عہدنامہ میں "بھید" وہ حقیقت ہے جس کا پہلے کبھی انکشاف نہیں ہوا، اور انسانی عقل اِس بھید کو کبھی ظاہر نہیں کر سکتی تھی- لیکن اب اِس حقیقت کو ظاہر کر دیا گیا ہے-

۱۶: ۲۶- جس خاص بھید کا یہاں ذکر ہے، اِس سے مراد یہ حقیقت ہے کہ ایمان لانے والے یہودی اور ایمان لانے والے غیر یہودی ہم میراث ہیں- مسیح کے بدن کے یکساں شریک ہیں، یعنی "مسیح یسوع میں غیر قومیں خوشخبری کے وسیلہ سے میراث میں شریک اور بدن میں شامل اور وعدوں میں داخل ہیں" (افسیوں ۳: ۶)-

یہ بھید اب "نبیوں کی کتابوں کے ذریعہ سے سب قوموں کو بتایا گیا" ہے- یہاں مراد پرانے عہدنامہ کے نہیں بلکہ نئے عہدنامہ کے دور کے "نبیوں" سے ہے- پرانے عہدنامہ کے صحائف میں اِس کا علم نہیں تھا بلکہ نئے عہدنامہ کے "نبیوں کی کتابوں کے ذریعہ سے" منکشف ہوا ہے (دیکھئے افسیوں ۲: ۲۰؛ ۳: ۵)-

یہ انجیل کا پیغام ہے جس کے بارے میں "خدا" نے "حکم" دیا ہے کہ "سب قوموں کو بتایا جائے" تاکہ لوگ "ایمان کے تابع ہو جائیں" اور نجات پائیں-

١٦ : ٢٧ : خالص حکمت کا سرچشمہ اور ظہور صرف "واحد ... خدا" ہے - اور جلال اور "تمجید" ہمارے درمیانی "یسوع مسیح کے وسیلہ سے ابد تک" اسی (خدا) کی ہے -

چنانچہ پولس کا شاندار خط اختتام کو پہنچتا ہے - ہم اس کے لئے خداوند کے کس قدر احسان مند ہیں! اس کے بغیر ہم کیسے بے مایہ ہوتے ——— "آمین"

تفسیرُالکتاب عامِ ایمان داروں کے لئے تحریر کی گئی ہے جس
میں سادگی سے پاک کلام کے گہرے بھیدوں سے پردہ اُٹھایا
گیا ہے۔ اس پیش کش میں نئے عہد نامے کی نہایت اِحتیاط
کے ساتھ آیت بہ آیت تشریح کی گئی ہے۔ سادگی اور سلاست
کے باوجود کلامِ مقدّس کے متنازُع مسائل سے پہلو تہی نہیں کی
گئی، بلکہ مُصنّف نے اِن پر بھی تبصرہ کیا ہے اور اپنی رائے کے
ساتھ ساتھ دیگر مفسّرین کے خیالات بھی درج کئے ہیں۔
علم الٰہیات کے ضمن میں مُصنّف نے اِعتدال پسندی کا دامن نہیں
چھوڑا جو اِس کتاب کی ایک اور خُوبی ہے۔ چنانچہ یہ تفسیر بائبل مقدس
کے باضابطہ شخصی مطالعہ کے لئے ازحد مفید ثابت ہوگی۔